اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝ ۶۵/۶

اے مخاطب!

غور کر کہ ہم اپنی آیتوں کو کس طرح پھیر پھیر کر لاتے ہیں،
تاکہ لوگ تصریفِ آیات کے ساتھ قرآنِ کریم میں تفقّہ کیا کریں

## ترجمۃُ القرآن بتصریفِ آیات الفرقان

المعروف بہ

# تفسیر القرآن بالقرآن

جلد اوّل مشتمل بر دیباچہ و تفسیر سورہ بقر

شائع کردہ

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰۔ این سمن آباد لاہور پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# فہرست عنوانات پیش لفظ تفسیر القرآن بالقرآن


| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| قرآن حق ہے | ۹ |
| حق کی تعریف | ۹ |
| تفاسیر کے ڈھیر | ۱۰ |
| تفسیر کے طالب علم کی زندگی ختم ہو جائے گی، تفسیریں ختم نہیں ہوں گی | ۱۱ |
| تفسیری اختلافات | ۱۱ |
| قرآن کریم کی تفسیر، اور خود قرآن کریم کے ساتھ؟ | ۱۱ |
| تفقّہ فی القرآن کا قرآنی طریقہ | ۱۳ |
| رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کا طرزِ تدریس اور طریقۂ تفقّہ فی القرآن بھی تصریفِ آیات ہی تھا۔ | ۱۳ |
| آنحضور سلامٌ علیہ کا فریضۂ تبیینِ قرآن | ۱۴ |
| قرآنِ کریم کے ساتھ کوئی غیر اللہ کتاب ہرگز ہرگز واجب الاتباع نہیں۔ | ۱۶ |
| قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد کی اِتباع لازم ہے۔ | ۱۶ |
| حقیقتِ حال | ۱۸ |
| کیا حضرت عمرؓ قرآنِ کریم کی تفسیر رسولِ مقبول سے بہتر جانتے تھے؟ | ۱۸ |
| **قرآن فہمی کے قرآنی اصول** | ۲۱ |
| ۱۔ قرآنِ حکیم کی زبان عربیٌ مبین ہے | ۲۱ |
| قرآنِ کریم زمانۂ جہالت کے لٹریچر کامحتاج نہیں۔ | ۲۱ |
| قرآنِ کریم کے سات قرأتوں پر نازل ہونے کا تصوّر قابلِ قبول نہیں | ۲۲ |
| ۲۔ قرآنی الفاظ کی حاکمیت ہمیشہ قائم رکھی جائے گی | ۲۳ |
| ۳۔ قرآنِ کریم اہلِ عرب کی روزمرّہ کی بول چال کے عین مطابق ہے۔ | ۲۴ |
| ۴۔ الفاظ کا استعمال باندازِ مجاز | ۲۴ |
| ۵۔ تشبیہات، حروفِ تشبیہہ مذکور ومحذوف کے ساتھ۔ | ۲۵ |
| ۶۔ استعارات کا استعمال | ۲۶ |
| ۷۔ قرآنِ حکیم اللہ کا قول، اور کائنات اس کا فعل ہے۔ اللہ کے قول وفعل میں تضاد وتخالف ہرگز نہیں۔ | ۲۶ |
| ۸۔ قرآن مفصّل ہے مجمل نہیں | ۲۷ |
| ۹۔ قرآنِ کریم خود مبین ہے | ۲۸ |
| ۱۰۔ قرآنِ کریم کافی ہے۔ | ۳۳ |
| ۱۱۔ قرآنِ کریم کا مفسّر، خود اللہ تعالیٰ ہے۔ | ۳۳ |
| ۱۲۔ قرآنِ کریم میں اختلاف نہیں | ۳۴ |
| ۱۳۔ قرآنِ کریم میں آیات محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں لیکن اصلِ کتاب محکمات ہیں۔ | ۳۴ |
| ۱۳/۱۔ کیا ہدایت وگمراہی، انسان خود اختیار کرتا ہے۔ یا اللہ ہی ہدایت دیتا، اور وُہی گمراہ کرتا ہے؟ | ۳۵ |
| ۱۳/۲۔ آیاتِ محکمات ومتشابہات کا تقابل۔ | ۳۶ |
| ۱۳/۳۔ متشابہات کی ایک اہم مثال | ۳۷ |
| ۱۳/۴۔ محکمات و متشابہات کی تعریف | ۳۸ |
| ۱۳/۵۔ الفاظ کے حقیقی اور مجازی معنوں کی پہچان کا واحد ذریعہ مشاہداتِ عالم ہیں۔ | ۴۰ |
| ۱۳/۶۔ نگاہِ بازگشت۔ آیات محکمات ومتشابہات، ایک نظر میں۔ | ۴۱ |
| ۱۳/۷۔ اللہ تعالیٰ نے آیاتِ متشابہات نازل ہی کیوں فرمائی ہیں؟ | ۴۲ |
| ۱۳/۸۔ آیاتِ متشابہات کو محکمات کر دیا گیا ہے | ۴۳ |
| ۱۳/۹۔ سارا قرآنِ کریم باہم ملتا جلتا یعنی متشابہ ہے | ۴۳ |
| ۱۳/۱۰۔ ”مُتَشَابِھاً مّثانِی“ کی | |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| تعریف "سَبعًا مِّنَ الْمَثَانِی" کے الفاظ میں | ۴۴ |
| ۱۴۔ پورا قرآنِ کریم' سات دُہرائے ہوئے عنوانات ہیں۔ | ۴۴ |
| ۱۴/۱۔ قرآنِ کریم کا سات نکاتی منشور | ۴۵ |
| ۱۴/۲۔ تحفّظِ ناموسِ رسالت | ۶۴ |
| ۱۴/۳۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے وصل کا حکم دیا ہے اُن میں فصل کرنا موجبِ فساد ہے۔ | ۴۷ |
| ۱۴/۴۔ تصویر کا دُوسرا رُخ | ۴۹ |
| ۱۵۔ قرآنِ کریم کی نہ کوئی آیت ہی منسوخ ہے نہ کسی آیت کا کوئی حصّہ | ۵۰ |
| ۱۶۔ قرآنِ کریم کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ کے ذِمّہ ہے۔ | ۵۱ |
| ۱۷۔ اللہ تعالیٰ کی سنت، یعنی اُس کے کائناتی قوانین ہرگز نہیں بدلتے۔ | ۵۱ |
| ۱۸۔ قرآنِ کریم، ایک باربط کتاب ہے۔ بے ربط و پراگندہ ہرگز نہیں۔ | ۵۲ |
| ۱۹۔ قرآنی محذوفات | ۵۳ |
| ۲۰۔ ذومعنی الفاظ کا مفہوم، اُن کے متعدّد معنوں میں سے وہ لیا جائے گا جو ربطِ کلام اور عربی لغت وقواعد کے بھی مطابق ہو اور مذکورہ بالا کسی قرآنی اصول کے خلاف بھی نہ جاتا ہو۔ | ۵۴ |
| ۲۱۔ کلامِ مقصود اور غیر مقصود میں تمیز کرنا ضروری ہے۔ کلامِ غیر مقصود بطور محالِ تام آتا ہے۔ | ۵۶ |
| ۲۲۔ انقسامِ مفہوم مطابق قرآنی کُلیہ جات وعالمی مشاہدات۔ | ۵۷ |
| ۲۲/۱۔ تحفّظِ ناموسِ رسالت | ۵۸ |
| ۲۳۔ تشریحِ الفاظ وآیات بذریعہ تقابلِ ضدّین۔ | ۵۹ |
| ۲۴۔ جُملہ ہائے اعتراضات | ۶۰ |
| ۲۵۔ قرآنِ کریم اپنی لُغت آپ پیش کرتا ہے۔ | ۶۱ |
| ۲۵/۱۔ صبر | ۶۱ |
| ۲۵/۲۔ شُکر | ۶۲ |
| ۲۵/۳۔ توکّل | ۶۲ |
| ۲۵/۴۔ دین | ۶۳ |
| ۲۵/۵۔ سحر | ۶۴ |
| ۲۵/۶۔ اِذن | ۶۴ |
| ۲۵/۷۔ الامر | ۶۵ |
| ۲۵/۸۔ قرآنِ کریم میں بعض مقامات پر لفظ اللہ سے مراد اللہ کا قانون ہے۔ | ۶۶ |
| ۲۶۔ اَطِیعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیعُوا الرّسُول | ۶۹ |
| ۲۶/۱۔ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے | ۶۹ |
| ۲۶/۲۔ اللہ کے رسول اپنی نہیں' بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرواتے تھے | ۷۰ |
| ۲۶/۳۔ اصل مُطاع اللہ تعالیٰ ہے | ۷۰ |
| ۲۶/۴۔ اکلوتی اطاعت | ۷۲ |
| ۲۶/۵۔ مرکزی اتھارٹی | ۷۲ |
| ۲۶/۶۔ اُولِی الْاَمْرِ مِنکُم کون ہیں۔ | ۷۳ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| **۲۷۔ ناسخ و منسوخ** | ۷۵ |
| ۲۷/۱۔ قرآنِ کریم کے جُملہ احکام وقت کے تقاضوں کا ساتھ دیتے ہیں | ۷۵ |
| ۲۷/۲۔ تنسیخِ آیات کے متعلق قرآنِ کریم کا اپنا فیصلہ | ۷۸ |
| **۲۸۔ شانِ نزول** | ۸۰ |
| ۲۸/۱۔ قرآنِ کریم عالمگیر ضابطۂ حیات ہے | ۸۰ |
| ۲۸/۲۔ شانِ نزولوں کے باہمی اختلافات۔ | ۸۱ |
| ۲۸/۳۔ حاشیہ تفسیر ثنائی | ۸۱ |
| ۲۸/۴۔ حضرت ماریہؓ کا روائتی قصّہ | ۸۲ |
| ۲۸/۵۔ شہد کا روائتی قصّہ | ۸۳ |
| ۲۸/۶۔ آیۂ تحریم کا صحیح مفہوم | ۸۴ |
| ۲۸/۷۔ شانِ نزول کا نظریہ خود شانِ باری کے بھی خلاف ہے | ۸۴ |
| ۲۸/۸۔ ایک ضروری وضاحت | ۸۵ |
| **۲۹۔ حُروفِ مقطّعات** | ۸۷ |
| ۲۹/۱۔ کیا حُروفِ مقطّعات کا مفہوم معاذ اللہ معاذ اللہ رسولِ اکرم بھی نہیں جانتے تھے؟ | ۸۷ |
| ۲۹/۲۔ حُروفِ مقطّعات کیا ہیں؟ | ۸۷ |
| ۲۹/۳۔ روایاتی اور قرآنی تصوّر کا الگ الگ خاکہ | ۸۸ |
| ۲۹/۴۔ سٓ کا مفہوم | ۸۹ |
| ۲۹/۵۔ حُروفِ مقطّعات کا قاعدہ کلیہ۔ | ۸۹ |
| **۳۰۔ حُروفِ مقطّعات کے الگ الگ مفاہیم۔** | ۹۲ |
| ۳۰/۱۔ الٓمّٓ کا مفہوم | ۹۳ |
| ا۔ الف سے امین مراد ہے | ۹۳ |
| ب۔ لام سے لین القلب | ۹۳ |
| ج۔ میم سے مُرسل مُراد ہے | ۹۴ |
| د۔ اور میم ثانی سے مُراد ہے محمد سلامٌ علیہ (حمد در حمد کیا ہوا) | ۹۴ |
| ۳۰/۲۔ الٓمّٓصٓ کا مفہوم | ۹۵ |
| ۳۰/۳۔ الٓر کا مفہوم | ۹۵ |
| ۳۰/۴۔ الٓمّٓر کا مفہوم | ۹۶ |
| ۳۰/۵۔ یٰسٓ کا مفہوم | ۹۶ |
| ۳۰/۶۔ صٓ کا مفہوم | ۹۶ |
| ۳۰/۷۔ قٓ کا مفہوم | ۹۶ |
| ۳۰/۸۔ نٓ کا مفہوم | ۹۶ |
| ۳۰/۹۔ طٰہٰ کا مفہوم | ۹۶ |
| ۳۰/۱۰۔ طٰسٓ کا مفہوم | ۹۷ |
| ۳۰/۱۱۔ طٰسٓمّٓ کا مفہوم | ۹۷ |
| ۳۰/۱۲۔ حٰمٓ کا مفہوم | ۹۷ |
| ۳۰/۱۳۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ کا مفہوم | ۹۷ |
| ۳۰/۱۴۔ کٓھٰیٰعٓصٓ کا مفہوم | ۹۷ |
| **۳۱۔ حُروف کی بحث** | ۹۸ |
| ۳۱/۱۔ واؤ کے مختلف استعمالات | ۹۸ |
| واؤ عاطفہ۔ الفاظ کا عطف الفاظ پر اور جملے کا عطف جملے پر ہوتا ہے۔ | ۹۸ |
| ا۔ واؤ بمعنی اور | ۹۸ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| خبر کا عطف خبر پر، امر کا عطف امر پر، اور مثال کا عطف مثال پر ہوتا ہے | ۹۸ |
| ۲۔ واوٗ بمعنی لیکن | ۹۹ |
| ۳۔ واوٗ بمعنی کیونکہ | ۹۹ |
| ۴۔ واوٗ برائے اظہارِ حقیقت | ۹۹ |
| ۵۔ واوٗ بمعنی بلکہ | ۱۰۰ |
| ۶۔ واوٗ بمعنی جبکہ | ۱۰۰ |
| ۷۔ واوٗ تفسیر، بمعنی یعنی | ۱۰۰ |
| ۸۔ واوٗ بمعنی اس لئے | ۱۰۰ |
| ۹۔ واوٗ بمعنی حالانکہ | ۱۰۰ |
| ۱۰۔ واوٗ برائے فا، بمعنی تو، پھر، پس | ۱۰۰ |
| ۱۱۔ واوٗ برائے اظہارِ صفت | ۱۰۱ |
| ۱۲۔ واوٗ بمعنی بذریعہ | ۱۰۱ |
| ۱۳۔ واوٗ بمعنی اَوْ بمعنی یا | ۱۰۱ |
| ۱۴۔ واوٗ اِستیناف | ۱۰۱ |
| ۱۵۔ واوٗ برائے معیّت | ۱۰۲ |
| ۱۶۔ واوٗ برائے قَسم | ۱۰۲ |
| ۳۱/۲۔ اَوْ کے مختلف استعمالات | ۱۰۳ |
| مثال کا عطف مثال ہی پر ہوتا ہے | ۱۰۳ |
| ۱۔ اَوْ بمعنی یا | ۱۰۳ |
| ۲۔ اَوْ بمعنی بلکہ | ۱۰۵ |
| ۳۔ اَوْ بمعنی حتّٰی کہ | ۱۰۶ |
| ۴۔ اَوْ برائے انقسامِ مفہوم | ۱۰۶ |
| ۵۔ اَوْ برائے نفی تام | ۱۰۶ |
| ۶۔ اَوْ بمعنی شک واشتباہ | ۱۰۶ |
| ۷۔ اَوْ بمعنی واوٗ تفسیر | ۱۰۶ |
| ۳۱/۳۔ ب کے مختلف استعمالات | ۱۰۶ |
| ۱۔ بـا برائے تعدیہ۔ لازم کو متعدی بنانے کیلئے | ۱۰۷ |
| ۲۔ با اظہارِ سبب کیلئے | ۱۰۷ |
| ۳۔ با بمعنی کے ساتھ | ۱۰۷ |
| ۴۔ با بمعنی کے پاس | ۱۰۷ |
| ۵۔ با بمعنی کے عوض | ۱۰۷ |
| ۶۔ با بمعنی کے متعلق | ۱۰۷ |
| ۷۔ با بمعنی سے | ۱۰۷ |
| ۸۔ با بمعنی کے وقت | ۱۰۷ |
| ۹۔ با بمعنی کے مقام پر | ۱۰۷ |
| ۱۰۔ با بمعنی پر، اُوپر | ۱۰۷ |
| ۱۱۔ با بمعنی کا | ۱۰۷ |
| ۱۲۔ با بمعنی کو | ۱۰۷ |
| ۱۳۔ با بمعنی کے بارے میں | ۱۰۷ |
| ۱۴۔ با بمعنی کے ذریعہ | ۱۰۷ |
| ۱۵۔ با زائدہ | ۱۰۷ |
| ۱۶۔ با برائے قَسم | ۱۰۷ |
| ۳۱/۴۔ ف کے مختلف استعمالات | ۱۰۷ |
| ۱۔ فا بمعنی پھر | ۱۰۸ |
| ۲۔ فا برائے توضیح بمعنی سو | ۱۰۸ |
| ۳۔ فا بمعنی تو | ۱۰۸ |
| ۴۔ فا بمعنی ورنہ | ۱۰۸ |
| ۵۔ فا بمعنی اس طرح | ۱۰۸ |
| ۶۔ فا بمعنی لیکن | ۱۰۸ |
| ۷۔ فا، برائے اظہارِ حقیقت | ۱۰۹ |
| ۸۔ فا، زائدہ | ۱۰۹ |
| ۳۱/۵۔ س کے مختلف استعمالات | ۱۰۹ |
| ۱۔ س برائے مستقبل قریب | ۱۰۹ |
| ۲۔ س برائے تاکید | ۱۰۹ |
| ۳۱/۶۔ فی کے مختلف استعمالات | ۱۱۰ |
| ۱۔ فی بمعنی میں | ۱۱۰ |
| ۲۔ فی برائے اظہارِ سبب | ۱۱۰ |
| ۳۔ فی بمعنی کے مقابلے پر | ۱۱۰ |
| ۴۔ فی بمعنی کے لئے | ۱۱۰ |
| ۵۔ فی بمعنی کے ذریعہ | ۱۱۰ |
| ۳۱/۷۔ مِنْ کے مختلف استعمالات | ۱۱۰ |
| ۱۔ مِنْ ابتدائیہ بمعنی سے | ۱۱۰ |
| ۲۔ مِنْ بیانیہ برائے استغراق | ۱۱۱ |
| ۳۔ مِنْ بعضیہ | ۱۱۱ |
| ۴۔ مِنْ بمعنی کی طرف سے | ۱۱۱ |
| ۵۔ مِنْ بمعنی کی وجہ سے | ۱۱۱ |
| ۶۔ مِنْ بمعنی کی بجائے | ۱۱۱ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| ۷۔ مِنْ بمعنی میں سے | ۱۱۱ |
| ۸۔ مِنْ بمعنی کے ساتھ | ۱۱۱ |
| ۹۔ مِنْ بمعنی کے مقابلے پر | ۱۱۱ |
| ۱۰۔ مِنْ بمعنی کے ہاں | ۱۱۱ |
| ۱۱۔ مِنْ بمعنی کے | ۱۱۱ |
| ۱۲۔ مِنْ برائے تمیز | ۱۱۱ |
| ۱۳۔ مِنْ بمعنی کے بدلے | ۱۱۱ |
| ۱۴۔ مِنْ بمعنی کوئی بھی | ۱۱۲ |
| ۱۵۔ مِنْ زائدہ اور مِمَّا بمعنی اس لئے کہ۔ | ۱۱۲ |
| ۳۱/۸۔ عَنْ کے مختلف استعمالات | ۱۱۲ |
| ۱۔ عَنْ بمعنی سے | ۱۱۲ |
| ۲۔ عَنْ بمعنی پر | ۱۱۲ |
| ۳۔ عَنْ بمعنی کا۔کے۔کی | ۱۱۲ |
| ۴۔ عَنْ برائے اُلٹے معنے | ۱۱۲ |
| ۵۔ عَنْ بمعنی کے بعد | ۱۱۲ |
| ۶۔ عَنْ بمعنی میں آکر | ۱۱۲ |
| ۷۔ عَنْ بمعنی کے مطابق | ۱۱۲ |
| ۷۔ عَنْ بمعنی کے ساتھ | ۱۱۲ |
| ۳۱/۹۔ علیٰ کے مختلف استعمالات | ۱۱۳ |
| ۱۔ علیٰ بمعنی پر | ۱۱۳ |
| ۲۔ علیٰ بمعنی سے | ۱۱۳ |
| ۳۔ علیٰ بمعنی میں | ۱۱۳ |
| ۴۔ علیٰ بمعنی کے مطابق | ۱۱۳ |
| ۵۔ علیٰ بمعنی کے باوجود | ۱۱۳ |
| ۶۔ علیٰ بمعنی کے متعلق | ۱۱۳ |
| ۷۔ علیٰ بمعنی تک | ۱۱۳ |
| ۸۔ علیٰ بمعنی کے سامنے | ۱۱۳ |
| ۹۔ علیٰ بمعنی کے ذریعہ | ۱۱۳ |
| ۱۰۔ علیٰ بمعنی فرض ہے | ۱۱۳ |
| ۱۱۔ علیٰ بمعنی کے پاس | ۱۱۳ |
| ۱۲۔ علیٰ بمعنی کے مقابلے پر | ۱۱۳ |
| ۳۱/۱۰۔ اِلیٰ کے مختلف استعمالات | ۱۱۳ |
| ۱۔ اِلیٰ بمعنی تک (زمان کیلئے) | ۱۱۴ |
| اِلیٰ بمعنی تک (مکان کیلئے) | ۱۱۴ |
| ۲۔ اِلیٰ بمعنی سمیت | ۱۱۴ |
| ۳۔ اِلیٰ بمعنی کے ساتھ | ۱۱۴ |
| ۴۔ اِلیٰ بمعنی کو | ۱۱۴ |
| ۵۔ اِلیٰ بمعنی میں | ۱۱۴ |
| ۶۔ اِلیٰ ،زائدہ | ۱۱۴ |
| ۷۔ اِلیٰ بمعنی کے نزدیک | ۱۱۴ |
| ۸۔ اِلیٰ بمعنی کے متعلق | ۱۱۴ |
| ۹۔ اِلیٰ بمعنی کیلئے | ۱۱۴ |
| ۱۰۔ اِلیٰ بمعنی کی طرف | ۱۱۴ |
| ۳۱/۱۱۔ کلّا کے مختلف استعمالات | ۱۱۴ |
| ۱۔ کلّا بمعنی بات یوں نہیں ہے | ۱۱۴ |
| ۲۔ کلّا بمعنی ہرگز نہیں | ۱۱۵ |
| ۳۔ کلّا بمعنی وہ ایسا نہیں کر سکیں گے | ۱۱۵ |
| ۴۔ کلّا بمعنی حقیقت یہ ہے | ۱۱۵ |
| ۵۔ کلّا بمعنی ضرور ضرور | ۱۱۵ |
| ۳۱/۱۲۔ بل کے مختلف استعمالات | ۱۱۵ |
| ۱۔ بل برائے تردید وانکار | ۱۱۵ |
| ۲۔ بل برائے تائید وتوثیق | ۱۱۵ |
| ۳۔ بل برائے وضاحت و اضافہ | ۱۱۶ |
| ۴۔ بل برائے تائید کلام مابعد، بلا تردید کلام ماسبق | ۱۱۶ |
| ۳۱/۱۳۔ مِنْ دُوْن کے استعمالات | ۱۱۶ |
| ۳۱/۱۴۔ اِلَّا کے مختلف استعمالات | ۱۱۷ |
| ۱۔ اِلَّا بمعنی سوائے | ۱۱۷ |
| ۲۔ اِلَّا بمعنی ہاں البتہ | ۱۱۷ |
| ۳۔ اِلَّا عاطفہ بمعنی اور | ۱۱۷ |
| ۴۔ اِلَّا برائے استغراق | ۱۱۷ |
| ۵۔ اِلَّا بمعنی اِنْ لَا (اگر نہیں) | ۱۱۷ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| ٦۔ اِلّا برائے تاکید وتائید | ۱۱۷ |
| ۳۱/۱۵۔ اِنَّ کے مختلف استعمالات | ۱۱۸ |
| ۳۱/۱۶۔ اَنّٰی کے مختلف استعمالات | ۱۱۸ |
| ۱۔ اَنّٰی بمعنی کس طرح | ۱۱۸ |
| ۲۔ اَنّٰی بمعنی کہاں سے | ۱۱۹ |
| ۳۔ اَنّٰی بمعنی کدھر کو | ۱۱۹ |
| ۴۔ اَنّٰی بمعنی جب | ۱۱۹ |
| ۳۱/۱۷۔ استفہام اقراری وانکاری | ۱۱۹ |
| ۳۱/۱۸۔ اِنْ کے مختلف استعمالات | ۱۱۹ |
| ۱۔ اِنْ شرطیہ | ۱۱۹ |
| ۲۔ اِنْ نافیہ باوُرود اِلَّا | ۱۱۹ |
| ۳۔ اِنْ نافیہ بلاوُرود اِلَّا | ۱۲۰ |
| ۴۔ اِنْ تاکیدیہ بمعنی بے شک صلہ لام کے ساتھ | ۱۲۰ |
| ۵۔ اِنْ تاکیدیہ بلا صلہ لام | ۱۲۰ |
| ۳۱/۱۹۔ اَمْ کے مختلف استعمالات | ۱۲۰ |
| ۱۔ اَمْ بمعنی یا | ۱۲۰ |
| ۲۔ اَمْ بمعنی نیز | ۱۲۰ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| ۳۔ اَمْ، زائدہ | ۱۲۱ |
| ۳۱/۲۰۔ اَمَّا کے مختلف استعمالات | ۱۲۱ |
| ۱۔ اَمَّا بمعنی جو، جس | ۱۲۱ |
| ۲۔ اَمَّا بمعنی یا | ۱۲۱ |
| ۳۱/۲۱۔ اِمَّا کے مُختلف استعمالات | ۱۲۱ |
| ۱۔ اِمَّا بمعنی یا | ۱۲۱ |
| ۲۔ اِمَّا بمعنی خواہ | ۱۲۱ |
| ۳۔ اِمَّا بمعنی اگر | ۱۲۱ |
| ۳۱/۲۲۔ بَعْدُ کے مُختلف استعمالات | ۱۲۱ |
| ۱۔ بَعْدُ بمعنی کے بعد | ۱۲۱ |
| ۲۔ بَعْدُ بمعنی سوا | ۱۲۱ |
| ۳۔ بَعْدُ بمعنی اِسکے باوجود | ۱۲۱ |
| ۳۱/۲۳۔ ذَالِکَ کے قرآنی استعمالات | ۱۲۲ |
| ۳۲۔ قواعد کی بحث | ۱۲۲ |
| ۳۲/۱۔ افعال ثلاثی مجرّد کا خاصہ وجدان | ۱۲۲ |
| ۳۲/۲۔ گیارہ صورتوں میں | |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| فعل ماضی مضارع کے معنوں میں آتا ہے | ۱۲۶ |
| ۱۔ عطف ماضی بر مضارع | ۱۲۶ |
| ۲۔ ابتدائے کلام میں | ۱۲۶ |
| ۳۔ اسم موصول کے بعد آئے | ۱۲۶ |
| ۴۔ ندا کے بعد آئے | ۱۲۶ |
| ۵۔ لفظ حَیْثُ کے بعد آئے | ۱۲۶ |
| ۶۔ لفظ کُلَّمَا کے بعد آئے | ۱۲۶ |
| ۷تا۱۰۔ شرط جزاء، اور ہر دو پر عطف۔ | ۱۲۶ |
| ۱۱۔ جملہ دُعائیہ میں۔ | ۱۲۷ |
| ۳۲/۳۔ فعل مضارع ماضی کے معنوں میں | ۱۲۷ |
| ۳۲/۴۔ اللہ تعالیٰ قیدِ زماں و مکاں سے مُنزّہ ہے۔ | ۱۲۸ |
| ۳۲/۵۔ کلماتِ حصر | ۱۲۸ |
| ۱۔ حصر بذریعہ نفی اثبات | ۱۲۸ |
| ۲۔ حصر بذریعہ اِنَّمَا و اَنَّمَا | ۱۲۸ |
| ۳۔ حصر بذریعہ ضمیر مقدّم | ۱۲۹ |
| ۴۔ حصر بذریعہ جار مجرور مقدّم | ۱۲۹ |

| عنوانات | صفحہ |
|---|---|
| ۳۲/۶۔ تنوین عہدی ذِکری' اورتنوین عوض مضاف' یا عوض مضاف اِلیہ۔ | ۱۲۹ |
| ۳۲/۷۔ بِسْمِ اللّٰـہ شریف بھی قرآنِ کریم کی آیت ہے | ۱۳۰ |
| بِسْمِ اللّٰـہ شریف بظاہر جُملہ ناقص ہے تام نہیں۔ | ۱۳۰ |
| **۳۳۔ جمع القرآن** | ۱۳۲ |
| ۳۳/۱۔ جمع قرآن تفاسیر کے آئینے میں | ۱۳۲ |
| ۳۳/۲۔ قرأت کے اختلافات تفاسیر کی رُوسے۔ | ۱۳۲ |
| ۳۳/۳۔ اعراب کا اختلاف | ۱۳۳ |
| ۳۳/۴۔ قرآنِ کریم' زمانۂ رسالت میں باریک جھلّی کے کاغذوں پر کتابی صورت میں سطروار لکھا گیا تھا۔ | ۱۳۳ |
| ۳۳/۵۔ قرآنِ کریم کو آنخضور سلامُ علیہ نے اپنے دستِ مبارک سے لکھا تھا | ۱۳۴ |
| ۳۳/۶۔ قرآنِ کریم کا نسخۂ امام۔ | ۱۳۴ |
| ۳۳/۷۔ قرآنِ کریم کے متعدّد نسخے نسخۂ امام سے صبح شام نقل ہوا کرتے تھے۔ | ۱۳۵ |
| ۳۳/۸۔ آنخضور سلامُ علیہ خود بھی حافظِ قرآن تھے اور آپ نے متعدد مزید حافظ بنائے بھی تھے۔ | ۱۳۶ |
| ۳۳/۹۔ ترتیبِ قرآنِ کریم | ۱۳۶ |
| ۳۳/۱۰۔ حِفظ وترتیب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ | ۱۳۷ |
| ۳۳/۱۱۔ قرآنِ کریم کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ | ۱۳۸ |
| ۳۳/۱۲۔ قرآنِ کریم' قیامت تک کی پُوری نوعِ انسانی کیلئے مکمل ہدایت نامہ ہے۔ | ۱۴۰ |
| ۳۳/۱۳۔ آنخضرت سلامُ علیہ ہدایت کے متلاشی تھے، قرآنِ کریم معاشرہ کے دُکھوں کا مداوا ہے۔ | ۱۴۲ |
| **حاصل کلام** | ۱۴۶ |


## گذارش

ترجمہ وتفسیر زیرِ نظر کا تعارف (پیش لفظ) انتہائی عام فہم الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ حتّٰی کہ عربی قواعد کی مشکل اصطلاحوں کی بجائے آسان ترین اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ تا کہ کم علم حضرات بھی قرآنِ کریم کی اپنی پیش کردہ قواعد کی روشنی میں قرآنی مفہوم کو بآسانی سمجھ سکیں۔

یہ قرآنِ کریم پر پڑے ہوئے، روایات کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کی مُخلصانہ کوشش ہے۔ لیکن بتقاضاءِ بشریّت سہو ونسیان کے لئے حضورِ خداوندی میں دست بدعا ہیں:۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج ۲/۲۸۶ یہ کوشش حرفِ آخر نہیں۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے دعوتِ فکر وتدّبر ہے (۴۷/۲۴)

(ادارہ بلاغ القرآن)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

# ترجمۃ القرآن بتصریفِ آیات الفرقان

المعروف بہ

# تفسیرُ القرآن بالقرآن

## پیش لفظ

(زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر کا تعارف)

**قرآن حق ہے**

• اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِیۡلًا ۝ ۷۶/۲۳ اے رسول سلامٌ علیہ![1] بیشک ہم نے قرآن کو آپ پر اِس طرح ٹھیک ٹھیک نازل فرمایا ہے۔ جو نازل کرنے کا حق ہے۔

• وَیَرَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ھُوَ الۡحَقَّ ۙ وَیَھۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۝ ۳۴/۶ اور اے رسول سلامٌ علیہ! جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اُسے وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے، دیکھتے ہیں کہ وہ حق ہے۔ اور وہ غالب تعریف کئے ہوئے (اللہ) کے راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔ نیز اسی چیز کی تائید بشہادتِ خداوندی موجود ہے:۔ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ ۵۱/۲۳ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کی شہادت ہے کہ بلاشُبہ قرآن حق ہے۔

**حق کی تعریف**

سطور بالا میں آپ قرآنِ حکیم کی داخلی شہادت کی روشنی میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ آنحضور سلامٌ علیہ پر قرآن نازل ہوا، جو سرتاپا حق ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے، حق کی تعریف کیا ہے؟

---

[1] سلامٌ علیہ، یعنی اُس پر سلام ہو۔ قرآن کریم نے انبیاء پر سلام کہنے کے لئے سَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ ۳۷/۱۸۱، سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ ۳۷/۷۹، سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰھِیۡمَ ۳۷/۱۰۹، سَلٰمٌ عَلٰی مُوۡسٰی وَ ھٰرُوۡنَ ۝ ۳۷/۱۲۰، اور سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلۡ یَاسِیۡنَ ۝ ۳۷/۱۳۰ کے الفاظ عطا فرمائے ہیں۔ حضرت یحیٰی سلامٌ علیہ کے تذکرہ میں آپ پر سلام ان الفاظ میں کہا گیا ہے:- وَسَلٰمٌ عَلَیۡہِ یَوۡمَ وُلِدَ وَ یَوۡمَ یَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا ۝ ۱۹/۱۵ فلہٰذا اس ترجمہ وتفسیر میں انبیاء کے اسماءِ مبارکہ کے ساتھ سلامٌ علیہ لکھا گیا ہے۔

عربی زبان میں ہر اُس چیز کو، جو اِس طرح بشکل مشہود موجود ہو کہ اُس کے وجود سے دوست دشمن اور موافق ومخالف کسی کو مجالِ انکار نہ ہو؛ اُسے حق کہا جاتا ہے۔ مثلاً جب شکاری کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھے اور شکار مجرُوح حالت میں سامنے پڑا ہو تو عربوں کے ہاں کہتے ہیں۔ رَمٰی فَاَحَقَّ الرَّمِیَّۃَ نیز اونٹنی کا حمل جب اِس طرح نمایاں ہو جائے کہ کوئی انکار نہ کر سکے تو کہتے ہیں عِندَحَقِّ لِقَاحِھَا ۔

اِسی طرح چونکہ ارض وسماوات، اور ان میں موجود ہر چیز کا وجود ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے۔ اسلئے یہ پُوری کائنات حق ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۶۴/۳......اسی طرح ہر وقوعہ کو اُس کی حقیقی جزئیات سمیت حق کہا جاتا ہے۔ اور وہ الفاظ جن سے اُس وقوعہ کا ٹھیک ٹھیک اور صحیح صحیح اظہار ہوتا ہو؛ وہ بھی حق کہلاتے ہیں۔ قرآنِ کریم چونکہ وقوعہ کائنات کی ٹھیک ٹھیک خبر دیتا ہے، چونکہ اِسکے الفاظ اُس کی صحیح صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ اسلئے یہ بھی حق ہے۔ چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اُسی طرح قرآن کریم کے متعلق بھی ارشاد ہوا ہے:۔ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ۳/۳= اے رسول سلامٌ علیہ! اللہ نے آپ پر نا قابل انکار حقائق سے معمُور ایک مُقدّس کتاب نازل فرمائی ہے۔

## تفاسیر کے ڈھیر

اِسی حق کی تفسیر القرآن بآیٰت الفرقان کی خدمت کیلئے آج ہم میدانِ عمل میں اُتر رہے ہیں۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اِس سے پہلے کوئی تفسیر موجود نہیں، کہ اِس کام کیلئے زرِ کثیر کا بوجھ بھی اُٹھایا جائے اور وقت بھی خرچ کیا جائے؟ اِس سوال کا جواب جگر تھام کر سُننا پڑے گا...... گذارش ہے کہ اِس سے پیشتر متقدمین ومتاخرین کی تفسیروں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اور ایک ایک تفسیر کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً:۔

تفسیر ابن جریرؒ طبری ۳۰ جلدوں کی ہے　　اور تفسیر امام غزالیؒ ۲۰ جلدوں کی

اِسی طرح:۔ تفسیر امام ابن جوزیؒ ۴۰ جلدوں پر مشتمل ہے　　اور تفسیر ابن النقیب ۵۰ جلدوں پر

تفسیر الافودی ۱۲۰ جلدوں کی ہے　　اور تفسیر حدائق ذات بہجتہ ۵۰۰ جلدوں کی

تفسیر مدارک التنزیل کی ۷ جلدیں ہیں، اور معالم التنزیل اور تفسیر کبیر کی آٹھ آٹھ۔ روح المعانی کی نو جلدیں ہیں۔ اور تفسیر مریسی کی ۲۴۔ کتاب الجامع فی التفسیر کی ۳۰ جلدیں ہیں اور کتاب التحریر والتحبیر کی ۵۰ سے بھی زائد۔

**تفسیر کے طالب علم کی زندگی ختم ہوجائیگی تفسیریں ختم نہیں ہونگی**

اسکے علاوہ بغوی، بیضاوی، کشاف، سخاوی، بلقیسی، بقاعی، فراہی، شوکانی، مہائمی، ابن تیمیہ، ماوردی، ابنِ مُنذر، ابن حیان، ابن فورک اور ابن ابوطالب مکی وغیرہ جیسی سینکڑوں تفاسیر پانچ پانچ اور سات سات جلدوں پر مشتمل اُس عظیم ذخیرے کی صورت میں موجود ہیں کہ اِن سب کا مطالعہ کرنا، اور ان کے مندرجات کو محض سرسری نگاہ سے دیکھنا بھی انتہائی مشکل ہے۔۔اگر کوئی شخص متقدمین ومتاخرین کی تفاسیر سے استفادہ کرنے کا ارادہ کر بیٹھے، جن میں کئی کئی سوصفحات پر مشتمل پانچ سوجلدوں کی تفسیر بھی موجود ہے، تو اُسکی زندگی ختم ہوجائے گی تفسیریں ختم نہیں ہوں گی۔ یہ تو ہیں ابھی متقدمین کی تفسیریں۔متاخرین میں سے شاہ عبدالقادر، شاہ اشرف علی، شاہ عبدالعزیز، شاہ محمودالحسن، ابوالکلام آزاد، ڈپٹی نذیرؒ احمد، مولوی فیروزالدینؒ، مولوی احمدعلی لاہوریؒ اور مولوی ثناءاللہ صاحبؒ امرتسری کی تفاسیر کے علاوہ، تفسیر نعیمی، عزیزی، تفہیم القرآن اور جامع التفاسیر جیسی سینکڑوں تفسیروں کے الگ ڈھیر لگے پڑے ہیں۔

**تفسیری اختلافات**

اِن لاکھوں بلکہ کروڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہزاروں تفسیروں کا اندازِ بیان واحد ہے۔تفسیر ابن جریر کو چونکہ اُمُّ التفاسیر مانا گیا ہے۔ اِسلئے سب تفسیریں قریب قریب اِسی تفسیر کا پرتَو ہیں۔اور چونکہ تفسیر ابن جریر کا ماخذ کتبِ روایات ہے۔اور روایات کو چونکہ احادیثِ رسول سلامٌ علیہ مانا گیا ہے۔اِس لئے یہ ہزاروں کی تعداد کو پہنچنے والی تفسیریں، اگرچہ متفقہ طور پر یہ فیصلہ نہیں دے سکتیں کہ ۲/۱۰۲ میں مذکور افراد ہاروت و ماروت شیطان تھے یا فرشتے، لیکن پھر بھی اِن سب کو رسولی تفسیریں ہی مانا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآنِ کریم کی شہادت سے، جو آگے آ رہی ہے، ثابت ہوتا ہے کہ رسول مقبول سلامٌ علیہ کا تفسیری انداز صرف اور صرف تفسیر القرآن بالقرآن تھا۔

**برادران اسلام !** اس دعوے کی دلیل تو قرآنی آیاتِ کریمات کی روشنی میں آگے چل کر اپنے مقام پر پیش کی جائیگی۔ پہلے آپ اُس اعتراض کا جواب ملاحظہ فرمائیں جو تفسیر القرآن بالقرآن کے عنوان پر بالفاظ ذیل پیدا ہوسکتا ہے کہ:۔

## قرآنِ کریم کی تفسیر، اور خود قرآنِ کریم کے ساتھ؟

نیز کیا خود رسولِ مقبول سلامٌ علیہ بھی قرآنی تفسیر کیلئے، قرآنِ کریم ہی کے محتاج تھے؟ کیا آنحضور سلامٌ علیہ اپنی رائے کیساتھ تفسیر نہیں فرمایا کرتے تھے؟

**برادرانِ عزیز!** اِن حالات میں، کہ جہاں قرآنِ کریم کو مجمل' غیر مفصّل اور کتبِ روایات کا محتاج مانا جاتا ہو یہ سوال ایک اچنبھے کی صورت میں اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ کیا قرآن اپنی تفسیر آپ کرسکتا ہے؟۔۔ اِس سوال کے جواب کے

لئے سطور ذیل پر باندازِ تعمق غور فرمائیں:۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ کسی کتاب کی تفسیر وہ شخص کرسکتا ہے جو علمی لحاظ سے' یا تو صاحبِ کتاب سے افضل حیثیت کا حامل ہو۔ اور یا کم از کم اسی علمی سطح پر فائز ہو، جو خود صاحبِ کتاب کی ہے۔ لیکن قرآن کریم چونکہ کتاب ہے اللہ تعالیٰ کی اور کوئی فرد و بشر، علم کی رُو سے نہ اُس سے افضل ہوسکتا ہے نہ اُس کی علمی سطح کا۔ فلہٰذا اس چیز کا سوال تک پیدا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا مُفسّر کوئی بشر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا ہے کہ اپنی کتاب کے مُفسّر بھی ہم خود ہیں:۔

وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْراً o ۲۵/۳۳

(مفہوم) صاحبِ قرآن! لوگ آپ کے پاس قرآن کی مثل نہیں لائیں گے۔ مگر ہم ہی ہیں جو آپ کے پاس حق (قرآن) اور اِس کی احسن تفسیر لاتے ہیں فلہٰذا آگے بڑھنے سے پہلے اس مسلّمہ کو ذہن میں محفوظ کرلیجئے گا کہ قرآن، کتاب ہے اللہ تعالیٰ کی۔ نہ کوئی فرد و بشر علم کے لحاظ سے اللہ سے افضل ہے نہ برابر۔ اِس لئے اُس کی کتاب کا مُفسّر کوئی بشر نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنی کتاب کا مُفسّر بھی خود آپ ہے جیسے کہ اُس نے قرآنِ کریم پر تدبّر و تفکر کرنے والوں کے لئے بتکرار کثیر اعلان کر دیا ہے کہ اپنی آیتوں کی تفسیر و تفصیل بھی ہم خود ہی کرتے ہیں:۔

● کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ o ۱۰/۲۴ = اسی طرح تفکر کرنے والوں کے لئے اپنی آیتوں کی تفصیل ہم خود کرتے ہیں۔

● قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ o ۶/۹۸ = بیشک ہم نے تفقّہ کرنے والوں کے لئے اپنی آیتوں کی خود تفصیل کردی ہے۔ اور ساتھ ہی قرآن کریم پر تدبّر کرنا فرض قرار دے کر عدم تفکر کیلئے سخت تنبیہ فرمائی ہے:۔

● اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۴۷/۲۴ = پس لوگ قرآن میں تدبّر کیوں نہیں کرتے۔ کیا اُن کے ذہنوں پر اس کی طرف سے تالے پڑے ہوئے ہیں؟ (یعنی لوگوں کو چاہیے کہ ذہنوں پر تقلید کے تالے نہ ڈالیں بلکہ قرآن میں تدبّر کیا کریں) نیز فرمایا:۔

● کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ o ۳۸/۲۹

(مفہوم):۔ اے رسول سلامٌ علیہ! آپ کی طرف ایک مبارک کتاب نازل کی گئی ہے۔ جس کی ایک غرضِ نزول یہ ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر تدبّر کیا کریں۔ اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کرتے رہیں...... غور فرمائیے گا! آیاتِ بالا سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم پر تدبّر و تفکر نہ کرنا منشاءِ الٰہی کے خلاف ہے...... نیز تدبّر فی القرآن کو قیامت تک کے لئے جاری رکھا گیا ہے، جس پر اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۴۷/۲۴ + ۴/۸۲ اور لِیَدَّبَّرُوْا ۳۸/۲۹ کے خداوندی الفاظ،

قیامت تک کیلئے قرآن کریم میں بطورِ شاہد موجود رہیں گے۔ لہٰذا ذہن کو کسی سابقہ دور کے تدبّر و تفکر کے تالوں کے ساتھ مُقفّل کر لینا، قرآن کریم کی لامحدود وُسعتوں کو محدود کرنے کے مصداق ہے۔

## تفقّہ فی القرآن کا قرآنی طریقہ

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم پر تدبّر و تفقّہ کا طریقہ کیا ہے؟...... کیا آیاتِ قرآنیہ کی تفصیل و تفسیر کیلئے اُن غیر قرآن کتابوں کی طرف رُجوع کیا جائے گا، جو ایک ایک آیت کے کئی کئی شانِ نزول اور کئی کئی تفسیریں پیش کرتی ہیں؟۔

اِس سلسلے میں آپ ۲۵/۴۴ کا اعلانِ خداوندی اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ قرآن کریم کی تفصیل و تفسیر خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے۔ لہٰذا تفسیر زیرِ نظر میں اللہ تعالیٰ کی اپنی فرمائی ہوئی تفسیر کو چھوڑ کر' جو خود قرآنِ کریم میں موجود ہے، کسی غیر قرآن تفسیر کی طرف رُخ نہیں کیا گیا۔ اور اِس سوال کا جواب کہ آیاتِ قرآنیہ کی تفصیل و تشریح کا طریقہ کیا ہے؟...... یہ بھی قرآنِ کریم کی اپنی ہی زبان میں ملاحظہ فرمائیں کہ اِس کتابِ مُقدّس کے نازل کرنے والے نے اہلِ عالم کے لئے اپنی کتاب کا طریقۂ تفقّہ اور تدبّر بھی خود واضح کر رکھا ہے:۔

اِ۔ ● اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ o ۶/۶۵

(مفہوم) صاحبِ قرآن! غور فرمایئے گا، ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ تاکہ لوگ اِن میں تفقّہ کریں...... نیز فرمایا:۔

ب۔ ● اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ o ۶/۴۶

(مفہوم) صاحبِ قرآن غور فرمایئے گا، ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ پھر' لوگ ہیں کہ (تصریفِ آیات سے) اعراض کرتے ہیں۔

## رسول اکرم سلامٌ علیہ کا طرزِ تدریس اور طریقۂ تفقّہ فِی القرآن بھی تصریفِ آیات ہی تھا

آیاتِ بالا کی شق اِ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ:۔

● قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکیزہ کتاب کی آیتوں کو اِس طرح پھیر پھیر کر بیان کیا ہے کہ اُس سے تفقّہ کے دروازے کھلتے اور تدبّر فی القرآن کی شمعیں روشن ہوتی ہیں۔ اور تصریفِ آیات کا اسلُوب اختیار کرنے کا مقصدِ عظیم یہ بتایا گیا ہے کہ لوگ تدبّر فی القرآن کے لئے تصریفِ آیات ہی کا انداز اختیار کریں۔ یعنی ہر آیت کے مفہوم و معانی کی تصدیق دوسری آیاتِ کریمات ہی کے ساتھ کیا کریں (۶/۶۵) نیز شق ب میں آپ نے دیکھ لیا ہے کہ:۔

● تفقّہ فی القرآن کے لئے تصریفِ آیات کے قرآنی اسلوب کو چھوڑ کر کوئی اور طریقۂ تفقّہ اختیار کرنے کو قرآنِ کریم

سے فرار قرار دیا گیا ہے۔ (۶/۱۰۵)......پس تصریحات بالا سے بصورتِ حق الیقین ثابت ہوا کہ خود قرآنی ہدایات کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر وتبیین کا واحد طریقۂ تصریفِ آیات ہے۔ اب اِس سلسلے کا آخری اور اہم ترین سوال یہ ہے کہ خود حاملِ قرآن، رسولِ عربی سلامٌ علیہ کا طرزِ تدریس اور طریقۂ تفقہ فی القرآن کیا تھا؟......کیا آپ بھی تصریفِ آیات ہی کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے، یا آپ کا طریقۂ تفقہ تفسیر بالرّائے کا حامل تھا؟............ اِس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے خود آنحضور سلامٌ علیہ کی طرف ایک مخصوص خطاب فرماتے ہوئے باندازِ ذیل دے رکھا ہے:-

● وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ۶/۱۰۵

(مفہوم) اور اے رسول سلامٌ علیہ! ہم اِسی طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں (تا کہ آپ تصریفِ آیات کے ساتھ درس دیا کریں) اور تا کہ لوگ کہہ اُٹھیں کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے۔ اور (تصریفِ آیات کی دوسری غرض یہ ہے) تا کہ ہم عقل مندوں کے لئے اپنی آیتوں کی خود تبیین کر دیں۔ فلہٰذا بدرجۂ اتم ثابت ہوا کہ رسولِ اکرم اس قرآنی حکم کے مطابق تصریفِ آیات ہی کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ یعنی آپ کا طریقۂ تفقہ بھی تصریفِ آیات ہی تھا۔

## آنحضور سلامٌ علیہ کا فریضہ تبیینِ قرآن

قرآن کہتا ہے کہ تبیینِ قرآن آنحضور سلامٌ علیہ پر فرض کی گئی تھی۔ چنانچہ سورۂ نحل میں خود آنحضور سلامٌ علیہ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے:- ● وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۱۶/۴۴= اور اے رسول سلامٌ علیہ! ہم نے آپ کی طرف اپنا نصیحت نامہ اسلئے نازل فرمایا ہے کہ جو ضابطۂ حیات، نوعِ انسانی کی طرف نازل کیا گیا ہے، آپ اُسے لوگوں پر نہایت وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان کر دیں ...... اِس آیۂ جلیلہ سے بعض لوگ، قرآن سے الگ رسولی تفسیر کا وجود ثابت کرتے اور کتبِ روایات کو رسولی تفسیر ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ اگر اِس نظریئے کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو آنحضور سلامٌ علیہ آیتِ مجیدہ ۱۶/۴۴ کے عامل ثابت نہیں ہوتے۔ کیونکہ کتبِ روایات میں قرآنِ کریم کی بائے بسم اللہ سے سینِ والنّاس کی تفسیر ہے ہی نہیں۔ جیسے کہ بخاری شریف کے، اگرچہ قرآن کے تیس پاروں کے مقابلے پر پورے تیس پارے ہیں۔ لیکن کوئی پارہ کسی پارے کی تفسیر وتبیین پر مشتمل نہیں۔ حالانکہ مذکورہ نظریہ کے مطابق چاہیے یہ تھا، کہ بالترتیب ہر پارہ ہر پارہ کی تفسیر و تبیین ہوتا............واضح رہے کہ ۱۶/۴۴ کے مطابق تبیینِ قرآن چونکہ آپ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ اسلئے آپکے مناصب جلیلہ میں سے ایک منصب یہ بھی ہے کہ آپ قرآنِ کریم کو صرف پڑھ کر ہی نہ سنائیں۔ بلکہ اُس کی تشریح وتبیین بھی فرمایا کریں۔ حضور سلامٌ علیہ کے اِس منصبِ عظیمہ کی وضاحت ۶/۱۰۵ کی روشنی میں اوپر گزر چکی ہے کہ آپ تصریفِ آیات کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے، یعنی آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر وتصریح آیاتِ قرآنیہ ہی کے ساتھ کر کے ۱۶/۴۴ اور ۶/۱۰۵ ہر دو

آیاتِ کریمات کے احکام سے سبکدوش ہو جاتے اور چونکہ آپ کی فرمائی ہوئی تفسیر، تصریفِ آیات کی صورت میں قیامت تک کے لئے خود قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اِس لئے آپ نے اُمت کو رسولی تفسیر کے نام سے کوئی الگ کتاب بھی نہیں دی تھی اور فریضۂ تبیین سے عہدہ برا بھی ہو چکے تھے۔

اِس کے برعکس جن کتابوں کو رسولی تفسیر بتایا جاتا ہے۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ کسی آیتِ مجیدہ میں جو امر تفسیر طلب ہوتا ہے اُس کی طرف رُخ تک نہیں کیا جاتا۔ جیسے کہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ ۲/۳۱ میں تفسیر طلب یہ امر ہے کہ حضرت آدم کو کون سے نام سکھائے گئے تھے، لیکن بخاری شریف میں اِس کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ:- قیامت کو لوگ حضرت آدم سلامٌ علیہ کے پاس شفاعت کے لئے جائیں گے لیکن وہ کہیں گے مجھے اپنا گناہ یاد آ رہا ہے، تم نوح سلامٌ علیہ کے پاس جاؤ۔ (ملخص بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد دوم کتاب التفسیر صفحہ ۱۰۷) اب بتایئے کیا اس نام نہاد رسولی تفسیر نے بتایا ہے کہ وہ اسماء کیا تھے، جو آدم کو سکھلائے گئے تھے؟

حالانکہ آیتِ بالا ۱۶/۴۴ میں قرآن کی تبیین آنحضور سلامٌ علیہ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ اور ۶/۱۰۵ میں قرآنی اسلوبِ تصریفِ آیات کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ آپ متنازعہ مسائل اور متنازعہ الفاظ کی تشریح، تصریفِ آیات کے ساتھ فرمایا کریں۔ لیکن نام نہاد رسولی تفسیر آنحضور کو اِس فرض سے غافل قرار دیتی ہے۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ کتبِ روایات کو رسولی تفسیر ٹھہرانے والا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے ہی اسماءِ گرامی ہیں جو حضرت آدم کو سکھائے گئے تھے۔ اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ انہیں بارہ اماموں کے نام سکھلائے گئے تھے، حالانکہ تصریفِ آیات کی رُو سے حقیقت دونوں کے برخلاف ہے۔ (وضاحت اپنے مقام پر آگے آئیگی)۔ یاد رہے کہ خود آنحضور سمیت، قیامت تک کے لوگوں کے لئے آیاتِ قرآنیہ کے طریقۂ تبیین کی وضاحت ۶/۶۵ میں اور آنحضور سلامٌ علیہ کے طرزِ تدریس کی صراحت ۶/۱۰۵ میں موجود ہے، جہاں ہر مُفکّرِ قرآن کے لئے تفسیر بالرّائے کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ فلہٰذا تفسیر القرآن میں انسانی رائے کو ہرگز ہرگز دخل نہیں۔ قرآن کی تفسیر تصریفِ آیات کی مدد سے خود قرآن کریم کے ساتھ کرنا ہی منشاءِ الٰہی ہے۔ جیسے کہ اِسی سورۂ نحل کی آیتِ مجیدہ ۱۶/۴۴ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ سے آگے ۱۶/۸۹ میں خدائے عزوجل نے آنحضرت کو مخاطب کر کے اِسی امر کی تصدیق فرمائی ہے کہ آپ پر جو کتاب نازل فرمائی گئی ہے وہ ہر مسئلے کی وضاحت خود کرتی ہے۔ کسی انسانی تفسیر کی محتاج ہرگز نہیں:-

● وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ۱۶/۸۹

(مفہوم) اور اے رسول سلامٌ علیہ! ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، جو خود ہی ہر مسئلہ کی تشریح و تبیین کرنیوالی ہے۔

## قرآن کریم کیساتھ کوئی غیر اللہ کتاب ہرگز ہرگز واجبُ الاتّباع نہیں

دیکھا آپ نے! کہ باری تعالیٰ نے آیتِ بالا میں اپنی کتاب کی اکملیت، اور اِسکے اپنی تفسیر آپ ہونے کی تصدیق کس وضاحت کیساتھ کردی ہے۔ فلہٰذا بالصراحت ثابت ہوا کہ خود رسولِ اکرم سلامٌ علیہ بھی، تصریفِ آیات کے خداوندی حکم ۶/۶۵ اور ۶/۱۰۵ کے مطابق، اپنے درسوں میں اِس کتاب کی تفسیر، خود اِسی کے ساتھ ہی فرمایا کرتے تھے، جو خود تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ ہے۔ اور چونکہ یہ کتاب خود مکمل، مفصّل اور مُفسّر ہے۔ اور کسی بھی انداز سے کسی غیر اللہ کتاب کی محتاج نہیں، اِسی لئے خدائے علیم وخبیر نے پوری اُمت مسلمہ کے لئے قرآنِ حکیم کے سِوا کسی اور کتاب کو واجب الاتباع ٹھہرایا ہی نہیں۔ بلکہ غیر اللہ کتابوں کے خیر خواہوں کی اتباع سے مطلقاً روک دیا ہے:-

- اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ ۷/۳

(مفہوم) ایمان والو! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے جو (کتاب) نازل کی گئی ہے اُس کی اتباع کرو۔ اور اُس کے سِوا غیر اللہ کتابوں کے خیر خواہوں کی اتّباع ہرگز نہ کرنا............ دیکھئے گا! اِس آیت مجیدہ پر غور کرنے سے یہ چیز نکھر کر عیاں ہو رہی ہے کہ جب قرآن کریم کے سوا کوئی اور کتاب واجب الاتباع ہے ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم نوعِ انسانی کی جملہ ضروریات کے لئے کافی ہے۔ اگر یہ تفسیری ضروریات کی رُو سے ناکافی ہوتا تو "وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ" کے بعد استثنٰی کے طور پر "اِلَّا اَوۡلِیَآءَ کُتُبِ التَّفَاسِیۡر" یا "اِلَّا اَوۡلِیَآءَ کُتُبِ الرَّوَایَات" آنا چاہیئے تھا............ لیکن جیسے کہ متعدّد آیاتِ کریمات میں اعلان کیا جا چکا ہے کہ یہ کتاب، اپنی تفسیری اور تشریحی ضروریات تک کے لحاظ سے بھی کسی غیر اللہ کتاب کی محتاج نہیں، تو ثابت ہوا کہ ۲۵/۳۳ کے خداوندی اعلان کی رُو سے، کہ قرآن اور اِس کی احسن تفسیر ہم خود لاتے ہیں، قرآنی تفسیر کے لئے تفسیر القرآن بالقرآن کا انداز ہی منشاءِ الٰہی کے عین مطابق ہے۔ اور ۶/۱۰۵ کی خداوندی خبر کی روشنی میں، کہ آنحضور تصریفِ آیات ہی کے ساتھ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ تصریفِ آیات کا انداز ہی عین رسولی ہے۔ بالفاظِ دیگر آنحضور سلامٌ علیہ کی قرآنی تفسیر خود قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ یعنی ہر متنازعہ آیتِ مجیدہ کا مفہوم قرآن کریم کی دوسری آیاتِ کریمات کو بطور شاہد لا کر اخذ کرنا ہی سُنّتِ رسول سلامٌ علیہ ہے۔ یعنی کسی بھی آیت کی تفسیر وتشریح کے لئے غیر اللہ کتابوں کا رُخ کرنا نہ منشاءِ الٰہی ہے نہ سُنّتِ رسول سلامٌ علیہ۔

## قرآن فہمی کے قرآنی اصول وقواعد کی اتباع لازم ہے

گذشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ سابقہ تراجم وتفاسیر ایک دوسری سے بھی مختلف ہیں۔ اور خود اپنے اپنے دامن میں بھی، شکمی اختلافات کے ذخائر سمیٹے ہوئے ہیں۔ جس سے حق وصداقت کے متلاشی افراد سر پکڑ کر بیٹھ جاتے

ہیں کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ:-

● روایات کی مدد سے کی گئی یہ موجودہ تفسیریں ثنائی، موضح القرآن، عزیزی اور نعیمی وغیرہ سب رسولی تفسیریں ہیں۔ اور دوسری طرف ان رسولی تفسیروں میں اِس قدر تضاد و تخالف ہے کہ تفسیر ثنائی ہاروت ماروت کو شیطان کہتی ہے، لیکن موضح القرآن انہیں فرشتے بتاتی ہے ۲/۱۰۲۔ ولی اللہی تفسیر، جس ضمیر کا مرجع سورج ٹھہراتی ہے، تفسیر ثنائی اُسے گھوڑوں کی طرف لے جاتی ہے۔ ''حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ'' ۳۸/۳۲......اور تفسیر ثنائی، جن الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی محبت مُراد لیتی ہے، موضح القرآن اُنہی سے اللہ کے ذکر سے غفلت قرار دیتی ہے۔ ''اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ ۳۸/۳۲''......حتیٰ کہ ان تفاسیر و تراجم میں حروف کے مقامی معنوں تک باہمی اختلاف موجود ہے = ''وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۲/۱۰۲'' کے مَآ کو تفسیر ثنائی نافیہ ٹھہرا کر یہ تاثر دیتی ہے کہ بابل شہر کے ہاروت ماروت دو شیطان تھے۔ اُن پر کچھ نازل نہیں ہُوا تھا۔ اور اشرفی، نعیمی، عزیزی وغیرہ تفسیروں نے اس مَا کو موصولہ گردان کر یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جادو نازل ہوا تھا۔ العیاذ باللہ!

● یہ تو ہوا اِن مختلف تراجم و تفاسیر کا ایک دوسری کے ساتھ شدّتِ تضاد و تخالف کا عالم، جن میں سے ہر ایک کو صرف اس لئے رسولی تفسیر کہا جاتا ہے کہ یہ سب کُتبِ روایات کی مرہونِ منّت ہیں......لیکن جب اِن میں سے ایک ایک پر الگ الگ غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کی سب شکمی اختلافات سے بھی معمور ہیں۔ کہیں لکھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ گمراہوں کو سخت سزا دینے والا ہے، وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ o ۳/۱۱ اور کہیں یہ تاثر دیتی ہے کہ خود اللہ ہی گمراہ کرتا ہے۔ اور جسے وہ گمراہ کردے، اُسے کوئی راہ دکھلانے والا نہیں = وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَالَہٗ مِنْ ھَادٍ o ۳۹/۳۶ ۔ تو اِس طرح اِن تفاسیر و تراجم سے یہ تصوّر جنم لیتا ہے کہ معاذ اللہ استغفر اللہ، اللہ تعالیٰ خود ہی گمراہ کرتا ہے اور خود ہی شدید سزا کی وعید سناتا ہے۔

● اِسی طرح سابقہ تراجم میں کہیں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ہر شخص کا حِصّہ وہی ہے جتنی کہ وہ خود کوشش کرتا ہے = وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی o ۵۳/۳۹ اور کہیں یہ کہ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے۔ اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے = یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ o ۴۲/۱۲

● ایک طرف یہ تفاسیر و تراجم یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ پورے عالمین کی ربوبیّت کرنے والا ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o ۱/۱، اور ہر ذی جان کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا ۱۱/۶۔ اور دوسری طرف مشاہداتِ عالم میں اِس مفہوم کی عملاً تکذیب پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ایک ایک قحط میں لاکھوں

انسان اور کروڑوں مویشی علماء کرام کی نگاہوں کے سامنے بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرتے پائے جاتے ہیں۔

## حقیقت حال

تو اِس طرح جو شخص قرآنِ حکیم کی اِن تفاسیر و تراجم سے استفادہ کی کوشش کرتا ہے۔ اُلٹا بحرِ استعجاب میں غرق ہو کر رہ جاتا ہے۔ کہ کیا یہ مختلف و متضاد مفاہیم اُسی مُقدّس کتاب کے ہیں جس کی داخلی شہادت یہ ہے کہ اِس میں تضاد و تخالف کا گزر تک نہیں۔ گزر تک کیوں نہیں؟............اسلئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

● وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ٥ ۴/۸۲ 'اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اِس میں کثیر اختلافات موجود پاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی دعوؤں کی پامالی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو سمجھنے کے جو اصول خود بیان فرمائے ہیں۔ اُن سے مطلقاً اعراض کرتے ہوئے، قرآنِ حکیم کی تفسیر اُن کتابوں کو ٹھہرالیا گیا ہے۔ جن کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کی رسولی اور پیغمبرانہ تفسیر ہیں۔ لیکن اِن کتابوں کا اپنا اعلان یہ ہے کہ اِن کے مندرجات، عن فلاں عن فلاں کی روایت سے آنحضور کی طرف منسوب ہیں۔

## کیا حضرتِ عمرؓ قرآن کی تفسیر رسولِ مقبول سلامٌ علیہ سے بہتر جانتے تھے؟

افسوس ہے کہ ذخیرۂ روایات کو، اگر قرآن کی رسولی تفسیر مانا جائے، تو صاحبِ قرآن سلامٌ علیہ کو قرآن فہمی کے اُن اصول و قواعد سے معاذ اللہ بے خبر ماننا پڑتا ہے، جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر محفوظ کر رکھے ہیں۔ یہ اصول و قواعد تو بالترتیب، عنقریب پیش کئے جائیں گے۔ پہلے آپ آنحضور سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کردہ تفسیر کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ جو بخاری شریف کے الفاظ میں یہ تاثر دیتا ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ کے مقابلے پر حضرتِ عمرؓ قرآن کی بہتر تفسیر جانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ آنحضور کی تفسیر کی بجائے حضرتِ عمرؓ کی تفسیر کی تائید فرماتا تھا۔ چنانچہ آیتِ ذیل پر پہلے خود غور کریں۔ اور پھر بخاری شریف میں درج اِس کی رسولی اور فاروقی تفاسیر کا تقابل ملاحظہ فرمائیں:-

● اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ٥ ۹/۸۰

(مفہوم) اے رسول سلامٌ علیہ! ان (منافقین) کے لئے آپ مغفرت طلب کریں یا نہ کریں (ہمارے لئے برابر ہے) اگر آپ اُن کے لئے ستر بار بھی مغفرت طلب کریں گے۔ تو پھر بھی اللہ تعالیٰ اُنہیں معاف نہیں کرے گا۔......آیتِ مجیدہ کے الفاظ سے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ کو منافقین کے لئے طلبِ مغفرت سے منع کر دیا

گیا ہے۔ کیونکہ جس عمل کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہو، اللہ کے رسول سلامٌ علیہ سے اُس عملِ بیکار کا ارتکاب ہرگز ممکن نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ آپ پر واضح کر دیا گیا ہو کہ اس کا کرنا اور نہ کرنا مساوی ہے۔ لیکن بخاری شریف کی ایک روایت یہ تاثر دیتی ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ نے اپنے ذہن میں اس آیت کی یہ تفسیر محفوظ فرما رکھی تھی، کہ آپ کو اختیار دے دیا گیا ہے کہ چاہیں تو منافقوں کے لئے طلبِ مغفرت فرمائیں۔ اور چاہیں تو نہ فرمائیں...... لیکن حضرتِ عمرؓ نے اِس آیت سے یہ مفہوم اخذ فرمایا کہ آنحضور کو منافقین کے لئے طلبِ مغفرت سے مطلقاً روک دیا گیا ہے۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس کی تفسیر کو صحیح قرار دیا۔ اور کس کی تفسیر کو غلط ٹھہرایا اِس کے لئے بخاری شریف کے باب الجنائز میں درج، ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں روایات کے بتائے ہوئے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی دعائے میّت (نماز جنازہ) کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ طوالت کے خوف سے روایت کے متن کی بجائے، علماءِ روایات کا خود نوشت ترجمہ پیش خدمت ہے:-

''مسدّد، یحییٰ بن سعید، عبیداللہ، نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی (منافق) جب مرا تو اُس کا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں اپنا کرتہ عنایت کیجئے، کہ ہم اِس میں اُس کا کفن بنائیں اور آپ اُس پر (جنازے کی) نماز پڑھیں۔ اور اُس کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ نبی صلعم نے اُس کو اپنا کرتہ عنایت کیا اور فرمایا کہ مجھے خبر دینا تو میں نماز پڑھا دوں گا۔ جب آپ نے اُس پر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا۔ تو عمرؓ نے آپ کو کھینچا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے ($\frac{۹}{۸۰}$)۔ آپ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ) تم اِن کے لئے دعائے مغفرت کرو یا نہ کرو۔ اگر تم اِن کے لئے ستر بار بھی دعائے مغفرت کرو گے تو بھی اللہ تعالیٰ اُنہیں نہیں بخشے گا۔ چنانچہ آپ نے اُس پر نماز پڑھی تو یہ آیت اُتری (وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا $\frac{۹}{۸۴}$) اور اُن میں سے کسی پر کبھی بھی نماز نہ پڑھنا جب کہ مر جائیں۔ (مترجم بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد اول صفحہ ۴۸۵)

**دیکھا آپ نے!** یہ ہے بخاری شریف کی پیش کردہ رسولی تفسیر کا نمونہ، کہ آیتِ مجیدہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط کے اندازِ بلاغت سے حضرت عمرؓ تو سمجھ جائیں کہ آنحضور کو منافقین کیلئے دعائے مغفرت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ بلکہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے مطلقاً منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن خود صاحبِ قرآن، قرآنی اندازِ فصاحت و بلاغت سے اُلٹا مفہوم اخذ فرمائیں کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط کے

الفاظ میں آپ کو منافقوں کے لئے طلبِ مغفرت کرنے یا نہ کرنے کے دونوں اختیار عطا فرمائے گئے ہیں۔ اور اِس اُلٹ مفہوم کی بنا پر، حضرتِ عمرؓ کے منع کرنے، بلکہ مُصلّے پر سے کھینچنے کے باوجود ۹/۸۰ کی مخالفت کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ اور اِس پر اللہ تعالیٰ حضرتِ عمرؓ کے فہمِ قرآن کی تصدیق، اور معاذ اللہ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ معاذ اللہ آپ کے فہمِ قرآن کی تکذیب کرتے ہوئے، اِس امر کی وضاحت کے لئے کہ آپ ۹/۸۰ کا مفہوم نہیں سمجھ پائے یہ آیت نازل کرے:-

- وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنۡھُمۡ مَّاتَ اَبَدًا ۹/۸۴ = اور منافقوں میں سے کوئی مرجائے تو اُس پر کبھی بھی صلوٰۃ (دُعاءِ میت) نہ فرمانا۔ اور اُس کی قبر پر بھی کبھی کھڑے نہ ہونا۔ وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ ط ۹/۸۴۔

**المختصر!** ابتدا میں واضح کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کی نوعِ انسانی کے لئے ضابطۂ حیات کے طور پر، جو آخری کتاب قرآنِ حکیم، رسولِ عربی سلامٌ علیہ کے ذریعہ نازل فرمائی ہے۔ اُس کی تفصیل و تفسیر خود اُس کے اندر ہی موجود و محفوظ کردی گئی ہے۔ کتبِ روایات اِس کی نہ تفسیر ہیں نہ تفصیل۔ اور مروّجہ تراجم و تفاسیر میں باہمی اختلاف، اور ہر ایک کے اندر شکمی تضاد کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فہمیدِ قرآن کے جو اصول و قواعد خود واضح کئے ہیں اُن پر توجہ دینے کی بجائے روایات کے اُس ذخیرے کو قرآنِ کریم کی رسولی تفسیر تسلیم کرلیا گیا ہے جس سے اُمت میں فرقہ بندی نے راہ پائی ہے۔ اور وہ ہر فرقہ کے لئے رسولی تفسیر کے نام سے اُس کی ضرورت کا مواد مہیا کرتا ہے۔ اگر فہمیدِ قرآن کے قرآنی اصول و قواعد نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتے۔ اور قرآنِ کریم کی تفسیر کے لئے تفسیر القرآن بالقرآن کے انداز پر عمل کیا جاتا۔ تو نہ اُمت میں فرقوں کا وجود پیدا ہوتا۔ اور نہ ایک ایک آیت کے متعدّد مختلف اور متضاد معنے لئے جاتے۔

**ایک اہم نوٹ:** ذیل میں قرآن فہمی کے قرآنی اصول و قواعد، قرآنی دلائل و براہین کے ساتھ بالترتیب نمبروار بیان کئے جارہے ہیں۔ اور قارئینِ تفسیر القرآن بالقرآن پر واضح کیا جاتا ہے کہ اِس ترجمہ اور تفسیر میں تفسیر بالرائے کو ہرگز ہرگز راہ نہیں دی گئی، ہر مقام پر فہمیدِ قرآن کے قرآنی اصول و قواعد کی حدود و قیود کی پوری پوری پابندی کی گئی ہے۔

حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ۝ ۳/۱۷۳ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَنِعۡمَ النَّصِیۡرُ ۝ ۸/۴۰

اب ملاحظہ فرمائیں خود قرآن کریم کے آئینے میں قرآن فہمی کے قرآنی اصول و قواعد۔

---

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# قرآن فہمی کے قرآنی اصول و قواعد

## ۱۔ قرآن کی زبان عَرَبِیٌّ مُّبِیۡن ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

● اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝ ۴۳/۳

(مفہوم) بے شک ہم نے اِس (اپنی نازل کردہ کتاب) کا پڑھنا عربی (شُستہ) زبان میں ٹھہرایا ہے تا کہ تم سمجھ سکو۔

نیز فرمایا:-

●وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ۝ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيۡنٍ ۝ ۲۶/۱۹۲تا۱۹۵ اور بے شک قرآنِ کریم کا نازل کیا جانا، واضح اور شُستہ عربی زبان میں رب العٰلمین کی طرف سے ہے۔ روح الامین اِسے لے کر آپ کے قلبِ اطہر پر نازل ہوا۔ تا کہ آپ انبیاء کی اُس مُقدّس جماعت میں سے ہو جائیں، جو نوعِ انسانی کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرنیوالی تھی۔

فلہٰذا قرآن فہمی کا پہلا اصول[۱] یہ ہے کہ عربی زبان کے اصول وقواعد، اسکے سہ حرفی مادوں، اور عربی گرائمر کو ہرگز ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے۔ اِس ترجمہ اور تفسیر میں اِن اُمور کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

## قُرآن کریم زمانۂ جہالت کے لٹریچر کا محتاج نہیں:-

آیاتِ بالا کے اِن الفاظ سے، کہ قرآن ایسی واضح عربی میں نازل ہُوا ہے جو خود مبین ہے یہ امر نکھر کر عیاں ہو رہا ہے کہ قرآن کی عربی میں نہ کوئی ابہام ہے نہ لسانی پیچیدگی ہے۔ ایسی زبان مرکزی شہروں کی ہوتی ہے۔ جہاں علم وادب کے چرچے رہتے ہیں۔ دیہاتی اور بدوانہ زبان کو لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیۡن ہرگز ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ قرآن کریم نازل ہوا تھا اُمُّ الۡقُرٰی مکہ مُعَظّمہ کی مرکزی بستی میں۔ لہٰذا شہری (مرکزی) زبان ہی عَرَبِیٌّ مُّبِیۡن ، شُستہ اور واضح کہلا سکتی ہے۔ اِس کے برعکس بدوانہ زبان کی حالت آج کے ترقی پذیر دَور میں بھی یہ ہے کہ ہر دیہاتی زبان میں شُستگی کی بجائے اکھڑ پن پایا جاتا

---

[۱] لفظ اصول جمع کا صیغہ ہے۔ جس کا واحد اصل ہے۔ اردو میں اس لفظ اصول کا عمومی استعمال بطور واحد مروّج ہے۔ اسلئے بطور واحد استعمال کیا گیا ہے۔

ہے اور تبیین کی بجائے ابہام ہوتا ہے۔فلہٰذا یہ نظریہ قرآنِ کریم کی میزان پر پورا نہیں اترتا کہ فہمِ قرآن زمانۂ جہالت کے بدوانہ لٹریچر اور اشعار کا محتاج ہے۔

## قرآنِ کریم کے سات قرأتوں میں نازل ہونے کا تصوّر قابلِ قبول نہیں

کتاب خداوندی کی ایک ہی زبان ہے عَـرَبِـیٌّ مُّبِیۡن ۲۶/۱۹۵، جو اپنی صفت مُبین کے مطابق سو فیصدی فصیح و بلیغ اور ہر قسم کی لسانی پیچیدگیوں سے مبرّا اور منزّہ ہے۔فلہٰذا روایات کا دیا ہوا یہ تصوّر بھی قابلِ قبول نہیں کہ قرآنِ کریم عربوں کے سات قبیلوں کی الگ الگ سات زبانوں، یعنی سات قرأتوں میں نازل ہوا تھا۔اور ان قرأتوں میں معاذ اللہ معاذ اللہ اس قدر لفظی اور معنوی اختلافات موجود تھے کہ ایک قرأت والے دوسری قرأت کو سننے کی تاب بھی نہیں لاسکتے تھے۔جیسے کہ بخاری شریف کتاب التوحید باب قَـوْلَ اللّٰهِ تَعَالیٰ .. فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰن ۷۳/۲۰ کی رسولی تفسیر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے حضرت ہشامؓ کو سورہ فُرقان کی تلاوت ایسے الفاظ میں کرتے ہوئے سنا کہ نماز ہی میں اُن پر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے۔روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

''یحییٰ بن بکیر، لیث، عقیل، ابنِ شہاب، عروہ، مسور بن مخزمہ، عبدالرحمٰن بن عبدالقاری، دونوں حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت کرتے ہیں۔کہ اُن کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے ہشام بن حکیم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سورہ فُرقان پڑھتے ہوئے سنا تو دیکھا کہ وہ بہت سے ایسے حروف کیساتھ پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔قریب تھا کہ میں نماز ہی میں اُن پر حملہ کر دوں لیکن میں نے صبر کیا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے سلام پھیرا۔تو مَیں نے چادر اُن کے گلے میں ڈال دی اور کہا، تجھے یہ سُورت کس نے پڑھائی ہے۔اُنہوں نے کہا رسول اللہ نے پڑھائی ہے۔میں نے کہا جس طرح تم پڑھتے ہو، مجھے تو اِس طرح نہیں پڑھایا ہے۔چنانچہ میں اُنکو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ اور عرض کیا میں نے اِن کو سورۃ فُرقان اُن طریقوں پر پڑھتے ہوئے سنا ہے۔جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے آپ نے فرمایا کہ اِسے چھوڑ دو۔پھر فرمایا کہ اے ہشام پڑھو جس طرح میں نے اُن کو پڑھتے ہوئے سُنا تھا۔انہوں نے اُسی طرح پڑھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن اِسی طرح نازل کیا گیا ہے۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمرؓ تم پڑھو۔چنانچہ جس طرح آپ نے مجھے پڑھایا تھا۔اُسی طرح میں نے پڑھا۔آپ نے فرمایا کہ قرآن اِسی طرح نازل کیا گیا ہے۔یہ قرآن سات طریقوں پر اترا ہے۔جو تم سے آسانی سے ہو سکے پڑھو۔

(بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد سوم صفحہ ۹۲۳'')

**برادرانِ عزیز!** کُرّہ اَرض کے گرد گھوم جایئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہر زبان میں شہری اور دیہاتی کا فرق موجود ہے۔ ہر تیس چالیس میل کے بعد زبان کے صرف لب ولہجہ اور طرزِ بیان ہی میں فرق نہیں آتا بلکہ الفاظ وحروف بھی مختلف ہوجاتے ہیں۔لیکن کسی زبان میں الفاظ وحروف کا لاکھ اختلاف موجود ہو۔مگر اُس زبان والوں کی تعزیرات وقوانین اُس اکلوتی مرکزی زبان ہی میں ہوتے ہیں، جس کے گرد اُس زبان کا علم وادب گردش کرتا ہے۔یہی حال عربی زبان کا ہے۔اس میں بھی مدنی اور بدوی یعنی شہری اور دیہاتی کا فرق موجود ہے۔وہاں بھی ہر تیس چالیس میل کے بعد لب ولہجہ اور الفاظ وحروف تک کا تغیرّ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آیاتِ بالا ۴۳/۳ اور ۲۶/۱۹۲تا۱۹۵ میں اِسی چیز کی خبر دی گئی ہے کہ عربی زبان اگرچہ سُنّتُ اللہ کے مطابق مختلف زبانوں میں بٹی ہوئی ہے۔لیکن ہم نے اپنے قانون کی کتاب **عَرَبِیٌّ مُّبِیۡن** شُستہ اور واضح مرکزی زبان میں نازل فرمائی ہے۔فلہٰذا مندرجہ بالا روایت کا مقصد عیاں ہے۔کہ اگر اسے حدیث رسول سلامٌ علیہ مانا جائے تو قرآن کریم پایۂ اعتبار سے گر جاتا ہے کہ یہ سات قسم کے مختلف ومتضاد الفاظ میں نازل ہوا تھا جو الفاظ تم خود چاہو،اختیار کرلو۔حالانکہ **جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا** ۴۳/۳ اور **لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ...... بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيۡنٍ** ؀ ۲۶/۱۹۲تا۱۹۵ کی قرآنی شہادت کے مطابق ثابت وبیّن ہے کہ قرآن کے الفاظ نزولی ہیں خود اختیاری نہیں۔اور ایک ہی زبان عربی مبین میں نازل ہوئے ہیں۔تو پھر یہ نظریہ کس طرح صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ قرآن سات قسم کے مختلف الفاظ میں نازل ہُوا تھا یعنی روح الامین،قرآنی آیاتِ کریمات کو سات قسم کے الگ الگ الفاظ میں آنحضور سلامٌ علیہ کے پاس لاتے تھے۔اور آنحضور سلامٌ علیہ ایک ہی آیت،حضرت ہشام کو کسی اور الفاظ میں پڑھاتے تھے۔اور حضرت عمرؓ کو کسی اور الفاظ میں۔العیاذ باللہ!

## ۲۔ الفاظ کی حاکمیّت ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھی جائیگی

جیسا کہ اوپر ثابت کیا جاچکا ہے کہ ۴۳/۳ اور ۲۶/۱۹۲تا۱۹۵ کے مطابق قرآن کا نزول عربی زبان میں ہُوا تھا۔اور ظاہر ہے کہ زبان مشتمل ہوتی ہے الفاظ پر۔اور قرآن کے الفاظ خود اختیاری نہیں بلکہ نزولی ہیں۔نیز ظاہر ہے کہ معانی اور مفہوم الفاظ ہی کے ہوتے ہیں۔اور وہ خود الفاظ ہی کے اندر موجود ومحفوظ ہوتے ہیں۔فلہٰذا:-

**قرآن فہمی کا دوسرا اصول** یہ ہے کہ ہر مقام پر خداوند حکیم وحاکم کے نازل کردہ الفاظ کی حاکمیت قائم رکھی جائے بحمد للہ کہ اس ترجمہ وتفسیر میں کسی ایک لفظ کے ترجمہ اور مفہوم سے پہلوتہی نہیں کی گئی۔سوائے اُن حروف جارہ کے جو عربی ادب میں قواعدِ عرب کے مطابق زائد لائے جاتے ہیں مثلاً: -

- **لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ** ؀ ۸۸/۲۲ میں **بِمُصَيۡطِرٍ** کی ب،قاعدۂ عرب کے مطابق زائد ہے۔اس کا صحیح مفہوم یہ

نہیں ہے کہ:- اے رسول آپ لوگوں کے لئے کسی داروغہ کے ساتھ نہیں؟...... بلکہ صحیح مفہوم یہ ہے کہ:- آپ لوگوں کے لئے کوئی داروغے نہیں ہیں۔ نیز قرآن کی زبان میں جو ضمائر کا تکرار ہے، اُن کا ترجمہ بلا تکرار کیا گیا ہے۔ مثلاً اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ ۷۶/۲۳ میں ضمیر جمع متکلم کا سہ گانہ تکرار تاکیدی ہے۔ اِس کا ترجمہ اس طرح نہیں کیا گیا کہ:- قرآن کو بیشک ہم نے، ہم نے، ہم نے نازل کیا ہے۔ بلکہ غرضِ تکرار کو نمایاں کرتے ہوئے، ترجمہ لکھا گیا ہے:- بلا شبہ قرآن کو ہم ہی نے نازل کیا ہے۔

نیز الفاظ کی حاکمیت کو قائم رکھتے ہوئے اِس ترجمہ اور تفسیر میں کسی لفظ کا وہ مفہوم بھی ہرگز نہیں لیا گیا، جو الفاظ کی حدود و قیود سے بے نیاز ہو کر لفظی حدود کو توڑ کر رکھ دے۔ مثلاً سابقہ تراجم میں ۴/۱۱ کے الفاظ "فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ" کا معنی لیا گیا ہے دو یا دو سے زائد لڑکیاں۔

## ۳۔ قرآنِ کریم اہلِ عرب کی روزمرہ کی بول چال کے عین مطابق ہے

ارشادِ باری ہے:-

● فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَاۤ اَنَّكُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ ۝ ۵۱/۲۳ (مفہوم) آسمان اور زمین (بلندی اور پستی) کے پروردگار کی شہادت ہے، کہ بلا شُبہ قرآن حق ہے۔ اِس کا اندازِ کلام بالکل اُس طرح کا ہے جس طرح تم آپس میں گفتگو کرتے ہو۔ فلہٰذا اِس آیتِ مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح روزمرہ کی عام بول چال، حقیقت و مجاز اور استعارات و تشبیہات، ہر چیز کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہوتی ہے۔ اُسی طرح قرآنِ حکیم میں حقیقت و مجاز اور استعارہ و تشبیہہ سب کچھ موجود ہے۔

**پس قرآن فہمی کا تیسرا اصول:-** یہ ہے کہ قرآنِ کریم کو روزمرہ کی بول چال کے عین مطابق تسلیم کیا جائے۔

(اس اصول کی تشریح چوتھے پانچویں اور چھٹے اصول میں ملاحظہ فرمائیں)

## ۴۔ الفاظ کا استعمال باندازِ مجاز

فہمِ قرآن کے سلسلے میں عموماً حقیقت و مجاز کے عدم امتیاز کی بدولت ٹھوکر کھائی گئی ہے حالانکہ معارضۂ مشاہدات اس کی بہترین کسوٹی ہے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کے متعلق آیا ہے:-

● وَاُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ ۝ ۹۳/۲ ۔ اِس کا لفظی ترجمہ ہے:- اُن کے قلوب میں بچھڑا پلا دیا گیا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر اِن الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو تجربہ اور مشاہدہ معارض ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ نہیں ہے کہ

بچھڑے کو گھول کر یا اُس کی یخنی بنا کر، اور بنی اسرائیل کے قلوب کا اپریشن کر کے، اُس میں یخنی انڈھیل دی گئی تھی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سامری نے عقیدے کے طور پر بچھڑے کی معبودیت بنی اسرائیل کے ذہنوں میں جاگزیں کر دی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ:-

## قرآنِ کریم میں الفاظ کا استعمال، حقیقت کے علاوہ باندازِ مجاز بھی موجود ہے

**فلہٰذا قرآن فہمی کا چوتھا اصول** یہ ہے کہ جہاں الفاظ کے حقیقی معنی مشاہدات سے معارض ہوں۔ وہاں دیکھ لیا جائے کہ کیا یہ الفاظ باندازِ مجاز تو استعمال نہیں ہوئے؟ تا کہ قرآنِ کریم کے اصل مفہوم سے ہٹ کر کسی چیستانی مفہوم کی لق ودق وادیوں میں ٹھوکریں نہ کھانی پڑیں۔

## ۵۔ تشبیہات، حرفِ تشبیہہ مذکور اور محذوف کیساتھ

عربی زبان میں کاف حرفِ تشبیہہ ہے جو مُشبّہ کے ساتھ آ کر کسی ایک صفت میں مُشبّہ بہ کے ساتھ اُس کی مشابہت کا اظہار کرتا ہے۔ جیسے کہ سورہ مدثر میں منکرینِ ضابطۂ خداوندی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

● فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۙ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۙ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ۭ ۷۴/۴۹تا۵۱

(مفہوم) انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ قرآن سے جو ایک نصیحت نامہ ہے اس طرح اعراض کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگتے ہیں...... دیکھئے یہاں قرآن کو تشبیہاً شیر اور منکرینِ قرآن کو گدھے کہا گیا ہے۔ نہ وہ فی الحقیقت چار ٹانگوں اور لمبے کانوں والے گدھے تھے اور نہ قرآنِ کریم چنگھاڑنے اور پھاڑ کھانے والا شیر ہے۔ چونکہ گدھا شیر سے بدکتا ہے۔ اور منکرین ضابطۂ خداوندی قرآنِ کریم سے بدکتے ہیں اِسلئے اِس مشابہت کی بنا پر کاف حرفِ تشبیہہ لا کر انہیں گدھے اور قرآن کو شیر کہا گیا ہے...... لیکن یاد رہے کہ بعض مقامات پر قرآنِ کریم میں حرفِ تشبیہہ محذوف ومُقدّر رکھا جاتا ہے۔ جیسے کہ منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

● صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ ۲/۱۸ = اِس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ کہ وہ گونگے ہیں، بہرے ہیں، اندھے ہیں، حالانکہ فی الحقیقت نہ وہ گونگے ہوتے ہیں نہ بہرے نہ اندھے۔ چونکہ وہ گونگوں بہروں اور اندھوں کی طرح حقائق سے بےخبر رہتے ہیں۔ اِس لئے اِس مشابہت کی بنا پر اُنہیں گونگے بہرے اور اندھے کہا گیا ہے۔ اور اِس کی وضاحت آیتِ ذیل میں کر دی گئی ہے:-

● لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۭ ۷/۱۷۹

(مفہوم) اُن کے پاس قلوب ہیں مگر اُن کے ساتھ تفقہ نہیں کرتے۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں، اُن سے دیکھتے

نہیں۔ اُن کے پاس کان ہیں اُن سے سنتے نہیں۔ اِس آیتِ مجیدہ نے اِس امر کی تفسیر وتشریح کر دی ہے کہ ۲/۱۸ میں جنہیں گونگے بہرے اور اندھے کہا گیا ہے۔ وہ فی الحقیقت گونگے بہرے اور اندھے نہیں، اُنہیں گونگوں، بہروں اور اندھوں کیساتھ مشابہت کی بناء پر' کافِ تشبیہہ محذوف رکھ کر کہا گیا ہے کہ وہ گونگوں جیسے ہیں، بہروں جیسے ہیں اور اندھوں جیسے ہیں۔ پس **قرآن فہمی کا پانچواں اصول یہ ہے کہ:-**

## قرآنِ حکیم میں تشبیہات کا انداز حرفِ تشبیہہ مذکور کیساتھ بھی ہے اور محذُوف کیساتھ بھی

### ۶۔ استعارات کا استعمال

روزمرہ کی بول چال میں جہاں حقیقت، مجاز اور تشبیہات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ وہاں الفاظ استعارات کے طور پر بھی بولے جاتے ہیں۔ سورہ دہر میں جنّتی معاشرہ کے نوخیز بچوں کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں:- ● اِذَا رَاَیۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡ لُؤًا مَّنۡثُوۡرًا ۝ ۷۶/۱۹

(مفہوم) اے مخاطب جب تو اُن (مسرور، خوش باش اور تابندہ چہروں والے) بچوں کو چلتا پھرتا دیکھے تو گمان کرے کہ یہ درخشندہ اور تابناک جواہرات بکھرے ہوئے ہیں...... یعنی اُن کے چہرے ناہموار معاشرہ کے بچوں جیسے مضمحل اور اُداس و پریشان نہیں ہونگے۔ دیکھیئے گا! یہاں لُؤۡ لُؤًا مَّنۡثُوۡرًا سے تازگی شگفتگی اور درخشندگی مستعار لی گئی ہے۔ ورنہ اِن الفاظ کے حقیقی معنوں کے مطابق اِن بچوں کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ وہ فی الحقیقت جواہرات یعنی پتھر کے بنے ہوئے ہونگے۔ **پس قرآن فہمی کا چھٹا اصول یہ ہے کہ:-**

## قرآنِ حکیم میں حقیقت، مجاز اور تشبیہات کیساتھ ساتھ استعارات بھی موجود ہیں۔

فلہٰذا اللہ تعالیٰ کے خود واضح کردہ اصول کے مطابق کہ قرآنِ کریم روزمرہ کی بول چال کے عین مطابق ہے ۵۱/۴۳۔ اِس ترجمہ وتفسیر میں ہر اُس مقام پر جہاں الفاظ کے حقیقی معنے مُراد لینے میں مشاہدات معارض ہیں، وہاں مجازی تشبیہی یا استعاراتی معنے لئے گئے ہیں۔ اور کسی بھی مقام پر کسی چیستانی تصوّر کو قریب تک پھٹکنے نہیں دیا گیا جو مشاہدات وتجربات کے خلاف ہو۔

### ۷۔ قرآنِ حکیم اللہ کا قول اور کائنات اس کا فعل ہے اللہ کے قول وفعل میں تضاد وتخالف ہرگز نہیں

یہ ایک عالمگیر مسلمہ ہے کہ خود انسانوں میں بھی معقول انسان کی پہچان یہ ہے کہ اُس کے قول اور فعل میں تضاد وتخالف نہیں ہوتا۔ تو اِس طرح

خداوندِ عالم، صاحبِ شرف ومجد کے متعلق تو اِس امر کا تصوّر تک نہیں کیا جاسکتا کہ اُس کا کوئی قول اس کے کسی فعل کے خلاف ہو۔قرآنِ کریم میں اِس امر کی وضاحت باندازِ ذیل کی گئی ہے:-

● خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۴۴/۳ =اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بالحق پیدا فرمایا ہے۔

● نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ۳/۳ =اے رسول! اللہ نے آپ پر اپنی کتاب بالحق نازل فرمائی ہے۔

دیکھئے گا! ان آیاتِ کریمات میں بالصراحت بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فعل کائنات بھی بالحق ہے۔اور اُس کا قول قرآن بھی بالحق ہے۔اب چونکہ حق، حق کا مخالف ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔پس ثابت ہوا کہ قرآن اور کائنات، یعنی اللہ تعالیٰ کا قول وفعل باہم موافق ہیں مخالف نہیں۔بالفاظِ دیگر قرآنِ کریم کی کوئی آیت، کتابِ کائنات کی کسی آیت کے خلاف ہرگز نہیں۔اور اسی طرح کتابِ کائنات کی کوئی آیت، قرآنِ کریم کی کسی آیت کی مخالف نہیں۔

مثلاً ارشادِ باری ہے:- ● اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۳۵/۲۷ =اے مخاطب کیا تو نے غور نہیں کیا، یعنی تجھے غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔پھر ہم اُس کے ساتھ مختلف رنگوں کے میوہ جات پیدا کرتے ہیں...... یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قول جو نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ۳/۳ کی قرآنی شہادت کے مطابق حق ہے۔اور آسمان سے عملی طور پر پانی برسانا اور اُس کے ساتھ انواع واقسام کے میوہ جات پیدا کرنا، جو اِس کائنات میں بشکلِ مشہود موجود ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۴۴/۳ کے مطابق حق ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔اور یہ اُس کا فعل ہے۔اور یہ باہم موافق ہیں، ایک دوسرے کے مخالف نہیں۔

**پس قرآن فہمی کا ساتواں اصول** یہ ہے کہ اس کی کوئی آیت کتابِ کائنات کے مخالف ہرگز نہیں۔

فلہٰذا اس ترجمہ وتفسیر میں قرآنِ کریم کی کسی بھی آیت کا مفہوم، کتابِ کائنات کی کسی آیت کے خلاف نہیں لیا گیا۔اور قرآنِ کریم کے جن الفاظ کے حقیقی معنے کتابِ کائنات کے مخالف جاتے ہوں۔اصول نمبر۳ کے مطابق ان کے وہ مجازی، تشبیہاتی یا استعاراتی معنے لئے گئے ہیں۔جو کتابِ کائنات کے عین موافق ہیں۔پس قرآن فہمی کے اصول زیرِ نظر کے مطابق، قرآنِ کریم میں کسی چیستانی تصوّر کو داخل نہیں ہونے دیا گیا۔جس سے قرآن وکائنات میں تضاد پایا جائے۔

## ۸۔قرآن ایک مفصّل کتاب ہے مجمل نہیں

اللہ تعالیٰ نے، اُسی ذاتِ اقدس واطہر کی زبانِ فیض ترجمان سے، جس کے قلبِ اطہر پر قرآنِ کریم نازل ہوا تھا ۲/۹۷، اِس امر کا اعلان کروا دیا ہے کہ یہ کتابِ مجید مفصّل ہے مجمل ہرگز نہیں:-

● اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلاً ؕ ۶/۱۱۴

(مفہوم) (صاحبِ قرآن! کہہ دیجئے گا کہ لوگو!) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں۔ حالانکہ اُس نے اپنا حکم نامہ تمہاری طرف ایک مفصّل کتاب کی صورت میں نازل کردیا ہے۔ نیز...... اِس امر کا اعلان بھی صراحتاً کردیا گیا ہے کہ اِس کتابِ مقدّس کی تفصیل وتشریح بھی خود ہم نے آپ کردی ہے:-

● قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ ۶/۹۸ = بے شک ہم نے تفقّہ کرنے والوں کے لئے اپنی آیتوں کی تفصیل خود کردی ہے۔ اپنی کتاب کی تفصیل کرنے کے ضمن میں، یہ مسلّمہ آپ دیباچہ کے شروع میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ کسی کتاب کی تفسیر وتفصیل وہ شخص کرسکتا ہے جو علم کے لحاظ سے، یا تو صاحب کتاب سے افضل ہو۔ اور یا کم از کم صاحبِ کتاب کی علمی سطح کا مالک ہو۔ لیکن قرآنِ حکیم چونکہ کتاب ہے اللہ تعالیٰ کی، اور دنیا کے کسی فرد و بشر کا، علم کی رُو سے اللہ تعالیٰ سے افضل ہونا تو درکنار، اس کی علمی سطح تک پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی تفصیل خود کردی ہے۔ فلہٰذا اپنے داخلی شواہد کے مطابق قرآنِ کریم مجمل نہیں مفصّل ہے۔ اور خود اللہ تعالیٰ کا تفصیل کردہ ہے۔ اِس لئے زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر کی عمارت اِس قرآنی مسلّمہ کی بنیادوں پر قائم ہے کہ قرآنِ کریم مفصّل ہے مجمل ہرگز نہیں۔ فلہٰذا **قرآن فہمی کا آٹھواں اصول یہ** ہے کہ:-

## قرآنِ حکیم اپنی تفصیل کے لئے کسی غیر اللہ کتاب کا محتاج نہیں

(نوٹ) اِسی چیز کی تفصیل نویں، دسویں اور گیارھویں اصول میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

## ۹۔ قرآنِ کریم خود مبین ہے

دعویٰ خداوندی ہے کہ:-

قرآنِ کریم، ہر چیز (ہر مسئلہ) کی تبیین وتشریح خود کرتا ہے۔ دیکھئے! خود صاحبِ قرآن سلامٌ علیہ کو مخاطب کرکے اعلان کیا گیا ہے:- ● وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ ۱۶/۸۹ = اور اے رسول! ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر مسئلے کی خود وضاحت کرنیوالی ہے۔ اور فرمانبرداروں کیلئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

اب یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم کو اُس کے اپنے دعویٰ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ کے خلاف روایات کا محتاج قرار دینا، اور آیاتِ قرآنی کی تبیین وتشریح کیلئے پہلے تو متوفی بزرگوں کے متضاد ومتخالف بیانات کے ڈھیر جمع

کرنا، کہ بیضاویؒ نے یہ کہا ہےاور بغویؒ نے یہ لکھا ہے۔ رازیؒ نے یہ فرمایا ہےاور ابن کثیرؒ کی یہ رائے ہے۔ اور اس کے بعد کسی ایک کی رائے کی تائید کرنا، کس حد تک صحیح ہوسکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عرصہ دراز سے حالت یہ ہے کہ کوئی مترجم و مُفسّر ہاروت ماروت کوشیطان قرار دے رہا ہےاور کوئی فرشتے بتا تا ہے۔

اِس کے جواب میں مودّبانہ التماس کی جاتی ہے، کہ آیتِ مجید ۱۶/۸۹ کی مخالفت کر کے غیر اللہ کتابوں کوقرآنِ کریم کی تفسیر و تشریح قرار دینے میں سہارا لیا جاتا ہے، اِس نظریے کا، کہ رسولِ کریم قرآنِ کریم کے مُفسّر و مُبیّن ہیں۔ حالانکہ ابتدائے مضمون ہی میں واضح کیا جاچکا ہے، چونکہ دنیا کا کوئی فرد و بشر اللہ تعالیٰ کے غیر محدود علم کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اِسلئے اُس کی کتاب کا کوئی متنفّس مُفسّر و مُبیّن نہیں ہوسکتا اپنی کتاب کا مُفسّر و مُفصِّل وہ آپ ہے لیکن حضور رسالتمآب سلامُ علیہ کو کتابِ مجید کا مُفسّر قرار دینے والے اپنے اس اصول پر بھی قائم نہیں رہتے۔ اور رسولِ مقبول سلامُ علیہ کے ذریعہ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ کا قرآنی حصار توڑ، کر پھر اس میں بغویؒ، بیضاویؒ ابن اثیرؒ اور ابن کثیرؒ وغیرھم کو داخل تو کرلیا جاتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ، ایک ایک آیت کی متعدّد اور مختلف ومتضاد تفسیریں پیش کر کے تفسیرِ قرآن کے خواب کو پریشان سے پریشان تر کر کے رکھ دیا گیا ہے۔

لیکن حقیقت یہی ہے کہ ۱۶/۸۹ کے داخلی دعوے کے مطابق قرآنِ کریم، سوفیصدی نہیں بلکہ کئی سوفیصدی تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ ہے۔ یادرہے کہ اگر اسے اِس کے اِس دعویٰ کے خلاف تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ نہ مانا جائے تو نہ یہ ہدایت ثابت ہوتا ہے نہ رحمت و بشارت ٹھہرتا ہے، کیونکہ ۱۶/۸۹ میں معطوف معطوف علیہ کی صورت میں کہا گیا ہے، کہ قرآنِ کریم تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ وَّ هُدًى وَّرَحۡمَةً وَّ بُشۡرٰى لِلۡمُسۡلِمِيۡنَ ہے اہلِ قواعد سے یہ امر مخفی نہیں، کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ تو اِس طرح جب قرآنِ کریم، سوفیصدی، ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔ تو سوفیصدی تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ کیوں نہیں؟۔ کاش کہ عربی قواعد ہی کا پاس کرتے ہوئے کتاب خداوندی کو اُسی طرح لا محتاج الی الغیر تسلیم کیا جائے، جس طرح خود صاحبِ کتاب، اللہ تعالیٰ کو ''لا محتاج الی الغیر'' تسلیم کیا جاتا ہے۔

## ایک ضمنی سوال کا جواب

کہا جاتا ہے کہ سینکڑوں مسائل ایسے ہیں، جن کا جواب دینے سے قرآن قاصر ہے۔ یعنی یہ نہیں بتاتا کہ کس طرح کھاؤ، کس طرح پیئو، کس طرح اُٹھو، کس طرح بیٹھو، لباس کونسا پہنو، حجامت کس وضع کی بناؤ، نماز کس طرح پڑھو، کتنے وقت پڑھو اور اس میں کیا پڑھو، الگ الگ وقتوں کی کتنی کتنی رکعتیں ادا کرو، زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے اور مقدار کیا؟ حج کس طرح ادا ہوگا؟ میّت کو غُسل کس طرح دیا جائے گا؟ جنازہ کس

طرح ہوگا؟ بچہ پیدا ہوتو اُسکے کان میں اذان کہنے کی خبر قرآن میں نہیں ہے۔قرآن نکاح باندھنے کا طریقہ نہیں بتا تا طریقۂ طلاق کی وضاحت نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔

اِس قسم کے سوالات کرنے میں وہی ذہن کارفرما ہوتا ہے، جو قرآنِ کریم کو ناکافی، نامکمل اور مُجمل وگونگا ماننے کے ساتھ ساتھ دامنِ اسلام کو اس قدر محدود اور سمٹا سُکڑا ہوا تسلیم کرتا ہے، جو جغرافیائی تقاضوں کا خیال بھی نہ رکھے اور انسان کی انفرادی پسند اور شخصی آزادی تک کو بھی سلب کرلے۔یعنی اتنی شدید پابندیاں عائد کردے، کہ کھاؤ تو یوں، پیئو تو یوں، اُٹھو تو اِس طرح، بیٹھو تو اس طرح، لیٹو تو اِس پہلو، سوؤ تو اس کروٹ، بیت الخلاء میں داخل ہوتو یہ پڑھو، باہر آؤ تو یہ دہراؤ۔یادر ہے! قرآنِ کریم چونکہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْن ہے......رسولِ مقبول سلامٌ علیہ چونکہ دنیا بھر کے رسول سلامٌ علیہ ہیں اور اسلام چونکہ عالمگیر دین ہے۔اِسلئے نہ اِس میں بے جا پابندیوں کی گنجائش ہے نہ تو ہماتی جکڑ بندیوں کا گُزر۔اِس میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ واجب الاتباع صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ یعنی قرآنِ کریم ہے (۷/۳) اور اِسی کی تائید ۲۸/۸۵ میں کی گئی ہے:۔

● اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ اے رسول! وہ ذاتِ مقدّس جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو وعدہ گاہِ (قیامت) کی طرف سے لے جانیوالا ہے۔بالفاظ دیگر مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ، یعنی قرآنِ کریم ہی آنحضور اور اُمتِ مسلمہ پر فرض کیا گیا ہے۔اور قیامت کو باز پُرس بھی قرآنِ کریم کے متعلق ہوگی۔جیسے کہ سورہ فرقان میں خبر دی گئی ہے کہ قیامت کی وعدہ گاہ میں قرآنِ کریم ہی کو پسِ پُشت پھینک دینے کا جرم اُمت پر عائد ہوگا۔اور رسولِ مقبول سلامٌ علیہ فرمائیں گے:۔

● یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ۲۵/۳۰ = اے میرے پروردگار میری اس قوم نے قرآن کو اس طرح پکڑا ہوا تھا جیسے چھوڑا ہوا ہوتا ہے......قرآن کے سوا جن کتابوں کو اس کے ساتھ شریک کرکے واجب الاتّباع گردانا جاتا ہے یعنی کتبِ روایات، نہ قرآن بھر میں اُن کی اتّباع کا حکم دیا گیا ہے، اور نہ ہی قیامت کی باز پرس میں اُنکا ذکر ہے۔فلہٰذا ثابت ہوا کہ قیامت کی باز پُرس کا مکمل حل قرآنِ مجید میں موجود ہے۔یہی **فرض** ہے۔یہی **واجبُ الاتّباع** ہے۔جو مسائل اِس میں دیدیئے گئے ہیں وہی فرض ہیں خواہ وہ مسئلہ صلوٰۃ سے متعلق ہوں، یا زکوٰۃ سے۔اُن کا تعلق اوقاتِ الصلوٰۃ کے ساتھ ہو، یا رکعات واذکارِ صلوٰۃ کے ساتھ۔وہ مسائلِ حج ہوں یا مسائلِ نکاح وطلاق۔زندوں کے مسئلے ہوں یا مُردوں کے۔جو کچھ قرآنِ کریم میں دیدیا گیا ہے وہی کچھ فرض ہے۔اور جن مسائل کی وضاحت نہیں کی گئی، ظاہر ہے کہ وہ خداوند علیم وخبیر سے بھول کر نہیں رہ گئے۔بلکہ اُنہیں ہر ملک کے موسمی اور جغرافیائی تقاضوں، اور ہر فرد کی شخصی آزادی اور

انفرادی پسند پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے، قرآنِ کریم کے متعلق تو پوری ذمہ داری کیساتھ اعلان کر رکھا ہے کہ وہ ہر مسئلہ، اور ہر مسئلے کے ہر گوشے کو پوری طرح کھول کھول کر بیان کرنیوالی کتاب ہے:-

● وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۱۶/۸۹ = اے رسول سلامٌ علیہ! ہم نے آپ پر ہر مسئلہ کھول کھول کر بیان کرنے والی کتاب نازل فرمائی ہے۔

● وَكُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۞ ۱۷/۱۲ = اور ہم نے ہر مسئلے کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اور ساتھ ہی حکم دے دیا گیا ہے کہ جو مسائل، اور مسائل کے جو نسے گوشے بیان نہیں کئے گئے اُن کے متعلق کُریدنہ کرنا:-

● يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۵/۱۰۱ = ایمان والو! اُن مسائل کے متعلق سوال نہ کرنا (جو زمان و مکان کے تقاضوں اور اقوام و افراد کی انفرادی آزادی پر چھوڑ دیئے گئے ہیں) اگر سب بتا دیئے جائیں (تو تمہاری شخصی آزادی چھن جائے اور) تمہارے لئے تنگی اور دشواری کا موجب ہو جائے...... بالفاظِ دیگر ۱۶/۸۹ اور ۱۷/۱۲ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم نے اپنی کتاب میں انسانی ضروریات کے تمام مسائل پُوری طرح کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ اور ۵/۱۰۱ میں منع کر دیا گیا ہے کہ قرآنی وضاحت و صراحت سے زائد سوال نہ کرنا۔ جن مسائل کی فروعات سے درگزر کیا گیا ہے۔ وہ مکان و زمان کے تقاضوں اور تمہاری انفرادی آزادی کے پیشِ نظر خود معاف فرمایا ہے۔ قرآن میں کوئی کمی کجی نہیں رکھی گئی۔

صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، پیدائش و موت، نکاح و طلاق اور جملہ معاشرتی مسائل کی اصولی حدود و قیود متعیّن کر دی گئی ہیں۔ اور ان غیر متبدّل حدود کے دائرے میں مکان و زمان کی ضرورتوں کے مطابق نوعِ انسانی کو انفرادی آزادی عطا کر دی ہے۔ نیز جس حد تک کسی مسئلے کی فروعی شقوں کو پابند کرنا ضروری تھا۔ اُس حد تک اصول کے ساتھ ساتھ فروعات کی وضاحت و صراحت بھی کر دی گئی ہے۔ اور باقی گوشے آزاد چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ حکم تو دیا ہے:- ● يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۷/۲۶ = اے نوعِ آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس (کا حکم) نازل کیا ہے کہ وہ تمہاری برہنگی کو ڈھانپے اور خوبصورت بھی ہو۔ لیکن اِس حکم کی عالمگیریت کو قائم رکھتے ہوئے یہ پابندی نہیں لگائی گئی کہ صرف تہبند اور لمبا کرتہ ہی پہنا جائے۔ کوٹ پینٹ اور قمیض شلوار یا چست پاجامہ اور شیروانی استعمال نہ کی جائے۔ اِسی طرح حجامت کے متعلق مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۴۸/۲۷ کے الفاظ میں رُءُوْس، جن میں سر اور ڈاڑھی کے سب بال شامل

ہیں،[1] منڈانے یا کتروانے کی اجازت تو موجود ہے۔لیکن یہ پابندی نہیں کہ ضرور ہی منڈائے جائیں یا ضرور ہی کتروائے جائیں۔کٹائے جائیں تو کتنی لمبائی تک اور کس ملک کی وضع قطع کے مطابق کٹائے جائیں۔ بلکہ پورے کُرّۂ ارض کے قیامت تک کے تقاضوں کا ساتھ دینے کے لئے، ان گوشوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔

● کھانے پینے کے متعلق كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا 7/31 کھاؤ پیؤ مگر اسراف نہ کرنا......اور كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلاً طَيِّبًا 5/88 کے الفاظ میں حلال پر موافق مزاج کی اجازت دیدی گئی ہے۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر حلال چیز کے کھانے پر مجبور نہیں کیا گیا۔کوئی چیز حلال ہونے کے ساتھ ساتھ، اگر صحت اور مزاج کے موافق نہ ہو تو نہ کھائے۔ اِسی طرح انفرادی مزاج اور پسند کو برقرار رکھتے ہوئے حکم دیا گیا ہے کہ جی چاہئے تو ایک برتن میں مل کر کھاؤ۔ نہ چاہے تو الگ الگ برتنوں میں کھا سکتے ہو:- لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتاً ط 24/61

● اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کو ہر مقام پر متصل لاکر، اِسے اِس طرح مرکزی نقطہ کی حیثیت دیدی گئی ہے کہ قرآنِ کریم کی پوری تعلیم اِس کے گرد طواف کرتی ہوئی پائی جاتی ہے۔الفاظ صلوٰۃ وزکوٰۃ، اور اِن کی مکمل تشریح اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔ یہاں صرف یہ بتایا جاتا ہے کہ قرآنِ کریم کے متعلق یہ کہنا کہ اِس میں صلوٰۃ وزکوٰۃ کی وضاحت موجود نہیں، گویا یہ تصوّر دینا ہے کہ جس مقصد کے لئے قرآنِ کریم نازل ہوا تھا۔اس نے خود اس کی حقیقت کو بھی بے نقاب نہیں کیا۔

● نکاح وطلاق اور کفن دفن وغیرہ الفاظ کا مفہوم خود ان الفاظ کے اندر موجود ہے۔ وضاحت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔ باقی رہا نومولود کے کان میں اذان کہنے کا مسئلہ! تو جب قرآنِ کریم یہ کہتا ہے:- ● وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ

---

[1] قرآنی لُغت کے مطابق راس سے پورا سر بھی مُراد لیا جاتا ہے۔صرف بالائی سطح نہیں= 17/51 میں ہے فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ط اے رسول! وہ آپ سے مخاطب ہو کر سروں کو مٹکائیں گے اور کہیں گے (جس قیامت کی آپ خبر دیتے ہیں۔ بتایئے گا کہ) وہ ہوگی کب؟ چونکہ صرف سر کی بالائی سطح ہلائی اور مٹکائی نہیں جاسکتی، بلکہ سارا سر حرکت کرتا ہے۔اس لئے ڈاڑھی سمیت سارے سر کے بالوں کو حسب منشا منڈانے یا کٹوانے کی اجازت ہے۔ نیز 19/4 میں حضرت زکریا سلامٌ علیہ کا قول درج ہے وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا= میرا سر شعلہ مار چکا ہے یعنی میرے راس کے بال سفید ہو چکے ہیں۔اب ظاہر ہے کہ صرف سر کی بالائی سطح کے بال ہی سفید نہیں ہو چکے تھے بلکہ ڈاڑھی بھی سفید ہو چکی تھی۔لہٰذا 19/4 میں بھی ڈاڑھی سمیت پورے سر کو راس کہا گیا ہے۔ 5/6 وضو کے ضمن میں سر بمعنی سر کی بالائی سطح بھی آیا ہے:-وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ. لیکن 17/51 اور 19/4 میں راس بمعنی ٹھوڑی سمیت سارا سر ہے، صرف بالائی سطح نہیں۔اس سلسلے کی مزید وضاحت آیت 5/101 کی تفسیر میں، تفسیر القرآن بالقرآن کے ماتحت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا ۱۶/۷۸ = اوراللہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کرتا ہے اُس وقت تم کچھ نہیں جانتے......تو ایسے وقت پر جب بچہ جانتا ہی نہیں کہ اُسے کیا کہا جا رہا ہے۔ بول و براز تک کے شعور سے عاری ہے۔ اُٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا، مسجد جا نہیں سکتا، اُس کے ایک کان میں یہ کہنا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ، آ نماز کی طرف۔ اور دوسرے میں کہنا:- قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ= جلدی کر جماعت کھڑی ہو گئی ہے۔ قرآن کریم جیسی عقل دوست کتاب سے، جو لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْن اور اَفَلَا تَعْقِلُوْن کے جملوں سے معمور ہے، ایسے عقل دشمن احکام کی اُمید رکھنا، اِسکے مقام تک سے بے خبری کی دلیل ہے۔

**پس قرآن فہمی کا نواں اصول** یہ ہے کہ قرآنِ کریم خود مبین ہے۔ ہر مسئلے کی خود وضاحت کرتا ہے اور تبیین وتشریح کے لئے کسی غیر اللہ کتاب کا محتاج نہیں۔

## ۱۰۔قرآنِ کریم کافی ہے

ارشادِ باری ہے:-

● اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ ط اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَرَحْمَۃً وَّ ذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ o ۲۹/۵۱= صاحبِ قرآن! کیا معترضین کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ جو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ بلا شُبہ ماننے والوں کے لئے اِس میں رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے۔

غور فرمایئے گا! کہ اِس آیتِ مجیدہ میں کس اندازِ بلاغت کے ساتھ کفایتِ قرآن کا اعلان کیا گیا ہے۔

**پس قرآن فہمی کا دسواں اصول** یہ ہے کہ قرآن خود کافی ہے۔ کسی غیر اللہ کتاب کا محتاج نہیں۔ فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں اِس امر کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ کسی بھی مقام پر کفایتِ قرآن کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

## ۱۱۔قرآنِ کریم کا مُفسّر خود اللہ تعالیٰ ہے

اِس ضمن میں نفی اثبات کے حصر کیساتھ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی تفسیر خود کر دی ہے۔ (یہ شِق پیچھے گزر چکی ہے۔ لیکن قرآن فہمی کے قرآنی اصول کی فہرست میں، چونکہ اِس کا ایک خاص مقام ہے۔ اِس لئے دوبارہ لائی جا رہی ہے۔ معاف فرمایئے گا)۔ دیکھئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

● وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا o ۲۵/۳۳

(مفہوم) اے رسول سلامٌ علیہ! لوگ آپ کے پاس اس قرآن کی مثل نہیں لاسکیں گے۔ بلکہ ہم ہی ہیں جو آپ کے پاس قرآن بھی لاتے ہیں۔ اور اِس کی احسن تفسیر بھی لاتے ہیں۔

**پس قرآن فہمی کا گیارھواں اصول** یہ ہے کہ قرآن اپنا مُفسّر آپ ہے۔ فلہٰذا تفسیر زیرِ نظر میں قرآن کی تفسیر قرآن کریم ہی کے ساتھ کی گئی ہے۔ اور اِسی اساس پر اس تفسیر دلپذیر کا نام اسم بامسمّٰی تجویز کیا گیا ہے:-

**تفسیر القرآن بالقرآن**

## ۱۲۔ قرآنِ کریم میں تضاد وتخالف ہرگز نہیں ہے

کتابِ مجید فرقانِ حمید کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ایک انتہائی زوردار دعویٰ یہ بھی ہے، کہ اِس کتاب کے، خداوندی کتاب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اِس کی آیاتِ کریمات میں باہمی تضاد وتخالف ہرگز ہرگز موجود نہیں۔ بالفاظِ دیگر، اِس میں تضاد وتخالف ماننا، اِسے کتاب خداوندی ماننے سے انکار کے مترادف ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری ہے:-

● **اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَا فًا کَثِیْرًا ٥** $\frac{۴}{۸۲}$

(مفہوم) لوگ قرآن میں تدبّر کیوں نہیں کرتے۔ (یعنی اِنہیں اِس میں غور کرنا چاہیئے۔ اور اِس اساس پر غور کرنا چاہئے کہ اِس میں اختلاف ہرگز نہیں ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ (غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں معمولی نہیں، بلکہ) بہت زیادہ اختلاف موجود پاتے۔

**پس قرآن فہمی کا بارھواں اصول** یہ ہے کہ اِس میں اختلاف نہیں ہے۔

فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں اِس **قرآنی قدر** کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کی کوئی آیت کسی آیت سے ٹکرانے نہ پائے۔ جہاں کہیں دو آیتوں میں بظاہر تضاد وتخالف معلوم ہوتا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی ہدایت ذیل پر عمل کرتے ہوئے باہم متصادم دو آیاتِ کریمات میں سے متشابہ آیت کو محکم آیت کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فیصلہ دیدیا ہے:-

## ۱۳۔ قرآنِ کریم میں آیاتِ محکمات بھی ہیں۔ اور متشابہات بھی ہیں لیکن اصل کتاب محکمات ہیں

● **ھُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ** [۱] **ط فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ**

---

[۱] لفظ متشابہات، متشابہ کی جمع ہے۔ جس کا معنیٰ $\frac{۶}{۱۴۱}$ میں قرآنِ کریم نے خود بتا دیا ہے ملتا جلتا اور مثل و مانند۔ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے:- اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے کھجوریں، مختلف ذائقوں کے اجناس، زیتون اور انار **مُتَشَابِھًا وَّ غَیْرُ مُتَشَابِہٍ** ط $\frac{۶}{۱۴۱}$ یعنی ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے۔ پس جس طرح اس آیتِ مجیدہ میں متشابہا کا معنیٰ ہے ملتے جلتے اور مثل و مانند۔ اِسی طرح متشابہات کا معنیٰ بھی یہ ہے کہ وہ محکمات سے عین ملتی جلتی، اور مثل و مانند ہیں۔ مختلف ومتضاد ہرگز نہیں۔ اور ان کی تاویل خود اللہ تعالیٰ نے محکمات میں کر دی ہے، جن کی وہ متشابہ یعنی مثل و مانند ہیں۔

زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَاتَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ ۚ وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ ۘ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ ۳/۷ (مفہوم) اے رسول! وہ اللہ ہی ہے جس نے آپ کی طرف اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ اِس میں آیاتِ محکمات ہیں۔ وہ اصل کتاب ہیں اور دوسری قسم ہے متشابہات، (بظاہر مختلف لیکن حقیقت میں محکمات سے ملتی جلتی اور عین ان کی مثل و مانند ہیں) پھر جن لوگوں کے قلوب ٹیڑھے ہیں۔ وہ اُس (کتاب) میں سے متشابہات کے اُس (مفہوم) کی اتباع کرتے ہیں۔ جس میں محکمات کے خلاف شُبہ پیدا ہوتا ہو۔ ایسے لوگوں کی غرض اُس میں فتنہ کی تلاش اور من مانی تاویل ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس (کتاب) کی تاویل اللہ کے سِوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ قرآنی علم کے پکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اِس قرآن پر ایمان لائے ہیں۔ محکمات ومتشابہات سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ (وہ متشابہات کو محکمات کی مثل و مانند مانتے ہیں، متضاد و متخالف نہیں مانتے)۔

دیکھئے! اِس آیت سے ثابت ہے کہ متشابہات کی اتباع ٹیڑھے قلوب کی نشانی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کہیں قرآنِ کریم کی دو آیاتِ کریمات کے مفہوم و معانی میں بظاہر تضاد و تخالف پایا جائے۔ تو اُس کے دُور کرنے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ ان میں سے کونسی محکم اور کونسی متشابہ ہے۔ تاکہ متشابہ آیتِ مجیدہ کو محکم آیتِ کریمہ کے ماتحت رکھ کر محکم کے مطابق مفہوم اخذ کیا جائے۔ یعنی متشابہات کو محکمات کی مثل و مانند مانا جائے، مخالف نہیں۔ اِس سلسلے کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:-

## ۱۳/۱ کیا ہدایت وگمراہی، انسان خود اختیار کرتا ہے یا اللہ ہی ہدایت دیتا، اور وہی گمراہ کرتا ہے

ہدایت وگمراہی کے متعلق قرآنی آیاتِ کریمات میں اچھا خاصہ ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔ بعض آیات کے لفظی ترجمہ کی رُو سے یہ مفہوم برآمد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر کسی کو ہدایت دیتا ہے اور وہی گمراہ کرتا ہے۔ اور بعض آیات کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہدایت پانا یا گمراہ ہو جانا انسان کا اپنا کام ہے۔ اور اِس ٹکراؤ کو قرآنی ہدایت کے مطابق دُور نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں صدیوں سے یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ:- ● ہدایت وگمراہی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جسے وہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ۷/۱۸۶۔ اور یہی آیتِ مجیدہ جمعہ کے خطبوں میں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ حالانکہ بات بالکل سیدھی سی ہے کہ اگر حقیقت یہی ہے کہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ تو ہدایت پانیوالے کی خوبی کیا ہوئی اور گمراہ ہونیوالے کا قصور

کیا ٹھہرا؟ اور اِس پر جزا سزا کا کیا مطلب؟ اور خود گمراہ کردہ کو جہنم داخل کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور کیا یہ ننگ زماں نظریہ، مکافات عمل کی پوری عمارت کو منہدم نہیں کر دیتا؟ ذیل میں ہدایت وگمراہی سے متعلقہ آیاتِ کریمات کا تقابل ملاحظہ فرمائیں۔ کہ بظاہر کس قدر تضاد وتخالف پایا جاتا ہے۔ جس کا حل ۳/۷ میں دیدیا گیا ہے:-

| ۱۳/۴ ۔ اللہ ہی ہدایت دیتا اور وہی گمراہ کرتا ہے | انسان خود ہدایت پاتا اور خود گمراہ ہوتا ہے |
|---|---|
| ۱ ● مَنْ يَّهْدِاللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِىْ ۷/۱۷۸ | ب ● فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ج ۳۹/۴۱ |
| جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے | جس نے خود ہدایت پائی، اُسکا فائدہ اُسکی اپنی جان کیلئے ہے |
| ● مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ ۷/۱۸۶ | ● وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۳۹/۴۱ |
| جسے اللہ گمراہ کردے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے | اور جو خود گمراہ ہوگیا۔ بلاشبہ اُسکا وبال اُسکی اپنی جان پر ہے |

دیکھئے گا:-

اِن آیاتِ کریمات میں بظاہر کتنا بڑا تضاد وتخالف موجود ہے۔ اور محکمات ومتشابہات سے متعلقہ قرآنی ہدایات کو نظر انداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ عوام کے علاوہ بڑے بڑے جیّد علماء تک، برسرِ منبر کہہ دیتے ہیں کہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے۔ اور مروّجہ تراجم میں آیاتِ مجیدہ ۷/۱۷۸،۱۸۶ کا معنی بالکل یہی لکھا ہے کہ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے۔ اور جسے اللہ گمراہ کردے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں......لیکن ۳/۷ کی خداوندی خبر کے مطابق کہ اُس کی مقدّس کتاب میں آیاتِ محکمات بھی ہیں۔ اور متشابہات بھی ہیں۔ پس آیاتِ بالا میں سے یہ معلوم کرنا ضروری ٹھہرا کہ محکمات کونسی ہیں اور متشابہات کونسی ہیں۔ تاکہ متشابہات کا مفہوم محکمات کے مطابق لے کر اِس ظاہری تضاد کو ختم کیا جائے۔

اب غور فرمایئے گا! کہ اگر آیاتِ کریمات ''ا'' کو محکم مانا جائے، جن کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اللہ ہی ہدایت دیتا، اور اللہ ہی گمراہ کرتا ہے، تو قرآنِ کریم کا بتایا ہوا مکافاتِ عمل، یعنی جزا سزا کا پورا نظام درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کھلے بندوں ظالم وبے انصاف ٹھہرتا ہے کہ خود ہی گمراہ کرتا ہے اور خود ہی اپنی عطا کردہ گمراہی کی سزا دیتا ہے۔ نیز اُس کا اپنا فرمودہ ● اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۴۱/۴۰ بیکارِ محض ثابت ہوتا ہے، جس میں انسان کو صاحبِ اختیار وارادہ ٹھہرایا گیا ہے کہ جو چاہو کرو۔ اچھے عمل بجالاؤ تو خود......اور بُرے اعمال اختیار کرو تو خود۔ جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے:-

فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۱۸/۲۹ ............پس ثابت ہوا کہ آیاتِ مجیدات "ا" متشابہات ہیں۔اور آیاتِ کریمات "ب" محکم ہیں، جن میں بتا دیا گیا ہے کہ انسان خود ہی ہدایت پاتا اور خود ہی گمراہ ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نہ کسی کو زبردستی ہدایت دیتا ہے اور نہ کسی کو زبردستی گمراہ کرتا ہے......اب آیئے تقابل کی آیاتِ کریمات "ا" یعنی متشابہات کی طرف، کہ وہ کس طرح محکمات کے مثل و مانند ہونیوالی ہیں۔اِن کا مفہوم پہلے تو خود ان کے سیاق، اور پھر قواعدِ عرب کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔یاد رہے کہ ۷/۱۷۸ مَنْ یَّھْدِاللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِیْ کے سیاقِ کلام، ۷/۱۷۵ میں ارشاد ہوا ہے:-

● وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْھَا فَاَتْبَعَہُ الشَّیْطٰنُ فَکَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ٥ = اے رسول سلامٌ علیہ! انہیں اُس شخص کی خبر سنایئے گا، جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں (کہ وہ ہدایت پر آجائے) لیکن وہ اُن (آیتوں کی حدود) سے نکل گیا۔پس اسکے پیچھے (نفس) شیطان لگا۔پھر وہ خود گمراہوں میں سے ہو گیا...... دیکھئے! یہاں گمراہی کا سبب اُسکا آیاتُ اللہ کی حدود سے خود نکل جانا بتایا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو اسے ہدایت دیدی تھی......اب اِس سے آگے آئی ہے متشابہ آیت مجیدہ (ا):-

● مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِیْ ۷/۱۷۸......اِس میں مَنْ متضمّن بمعنی شرط ہے، شرط محذوف ہے۔اور سیاقِ کلام کے مطابق، تقدیرِ کلام اور آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے:- ● مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَاِنْ قَامَ عَلَی الْھُدٰی فَھُوَ الْمُھْتَدِیْ جسے (اپنے نازل کردہ ضابطہ کے ذریعہ) اللہ ہدایت دے، پھر اگر وہ ہدایت پر قائم رہے (یعنی ہدایت کی حدوں سے انسلاخ نہ کرے، باہر نہ نکلے) تو وہی ہدایت پانے والا ہے۔اب آیئے ۷/۱۸۶ کی طرف:-

● مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ...... اِس میں یُضْلِلُ بابِ افعال سے ہے، جس کا ایک خاصہ وجدان یعنی پانا ہے، نیز اِس میں بھی مَنْ متضمّن بمعنی شرط ہے، شرط محذوف ہے۔تقدیرِ کلام اور مفہوم یہ ہے:- ● مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَاِنْ قَامَ عَلَی الضَّلٰلَۃِ فَلَاھَادِیَ لَہٗ= جسے اللہ گمراہ پائے۔یعنی جو ہدایتِ خداوندی سے اعراض کرتا ہو۔پھر اگر وہ گمراہی پر خود اڑا رہے۔تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں......نیز ۴/۱۱۵ میں آیا ہے:-

● نُوَلِّہٖ مَاتَوَلّٰی = ہم اُسے اُسی طرف کو پھرنے دیتے ہیں، جدھر کو وہ خود پھرتا ہے۔

## ۱۳/۳ متشابہات کی ایک اہم مثال

ہدایت و گمراہی کے ضمن میں ۲۲/۱۶ میں ارشاد ہوا ہے:-

● وَاَنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ ............قواعدِ عرب کی رُو سے اس آیت کے یہ دونوں معنے درست ہیں:-

ا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لئے خود ارادہ کرتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔

ب۔ اور بے شک اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔ جو ہدایت پانے کا خود ارادہ کرتا ہے۔

تو اب ظاہر ہے کہ یہ آیت متشابہ ہے۔ اور ٹیڑھے ذہنوں والے لوگ اِس کی رُو سے ہدایت وگمراہی کو اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگا کر، انسان کے جملہ عیوب وجرائم کا ذمہ دار خود اللہ تعالیٰ کو ٹھہرا دیتے ہیں۔ لیکن اس متشابہ آیت کے مقابلے میں، اِنہی الفاظ پر مشتمل محکم آیتِ مجیدہ ملاحظہ فرمائیں۔

● یَهْدِیٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ۴۲/۱۳ واضح رہے کہ قواعدِ عرب کی رُو سے اس آیت کا صرف اور صرف یہی ایک معنٰی ہے کہ:- ● اللہ تعالیٰ صرف اُس کو ہدایت دیتا ہے، جو اُس کی طرف خود رُجوع کرتا ہے۔ فلہٰذا ثابت ہوا کہ آیتِ مجیدہ ۴۲/۱۳ محکم ہے۔ اور ۲۲/۱۶ متشابہ ہے۔ یعنی اِس محکم کے عین مطابق ہونیوالی۔ اگرچہ قواعدِ عرب کی رُو سے اَنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ کا معنٰی ۴۲/۱۳ کے خلاف لیا جانا درست ہے کہ اللہ جس کے متعلق خود ارادہ کرتا ہے، اسے ہدایت دیتا ہے۔ لیکن ۳/۷ کی ہدایت خداوندی کے مطابق کہ اصل کتاب محکمات ہیں متشابہات نہیں۔ اس لئے اس کا معنٰی ۴۲/۱۳ کی محکم آیت کے ماتحت رکھ کر یہ لیا جانا ضروری ہے کہ:-

بے شک اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت دیتا ہے جو ہدایت پانے کا خود ارادہ کرتا ہے.......... فلہٰذا کسی بھی متشابہ آیت کا مفہوم کسی محکم آیت کے خلاف اخذ کرنا منشاءِ خداوندی ۳/۷ کے خلاف اور سو فیصدی غلط ہے۔

## ایک ضروری نوٹ

اُمت کے متعدّد متنازعہ مسائل ایسے ہیں جن کیلئے ہر فرقہ قرآنِ کریم ہی سے دلیل لاتا ہے۔ لیکن فریقین، جن قرآنی دلائل کیساتھ ایک ہی مسئلہ کو الگ الگ منفی اور مثبت دونوں صورتوں میں ثابت کر دکھاتے ہیں۔ اور سادہ لوح عوام دونوں طرف کے دلائل پر ششدر رہ جاتے ہیں کہ قرآنی دلائل ہی سے آنحضور سلامٌ علیہ بشر بھی ہیں اور نور بھی ہیں۔ عالم الغیب بھی ہیں۔ اور پسِ دیوار کی چیزوں تک سے بے خبر بھی۔ وفات پا چکنے کے باوجود زندہ بھی ہیں، اور مر کر مٹی میں مٹی بھی ہو چکے ہیں۔ اگر ان مسائل سے متعلقہ الگ الگ قرآنی دلائل میں محکمات ومتشابہات کی تمیز کر لی جائے۔ اور فریقین قرآنی ہدایت کو پس پشت نہ ڈالتے ہوئے، محکمات ومتشابہات کے امتیاز کو لازم سمجھیں تو جملہ مسائل آنِ واحد میں حل ہو سکتے ہیں۔

## ۳/۱۴ محکمات ومتشابہات کی تعریف

محکمات کا لفظ مادہ ح۔ک۔م = حکم سے مشتق ہے۔ اِس کا بنیادی معنی ہے منع کرنا، روکنا، قابو میں رکھنا۔ حکمہ کہتے ہیں لگام کو، جس کے

ساتھ گھوڑے کو روکا اور قابو میں رکھا جاتا ہے۔ نیز روکنے اور قابو میں رکھنے ہی کو حُکم کہتے ہیں۔ حاکم کا کام یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ کے ہر فرد کو اُس کے فرائضِ منصبی کی حدود کے اندر روک رکھے۔ اور کسی فرد کو دوسرے افراد کی حدود میں تصرّف نہ کرنے دے۔ ایسی چیز کو جو اپنی حدود میں محدود ہو، یعنی اپنے مقام کو کبھی نہ چھوڑے، اُسے محکم کہا جاتا ہے۔ فلہٰذا آیاتِ محکمات کی ایک تعریف یہ ہے کہ اُن کے مفہوم و معانی میں لچک ہوتی ہی نہیں۔ اور وہ کبھی بھی اپنا مقام نہیں چھوڑتیں۔ اُن کے ایک سے زائد معنے لئے ہی نہیں جاسکتے۔

اِسی مفہوم کو اِس انداز سے بھی ذہن نشین کیا جاسکتا ہے۔ کہ قرآنِ کریم نے آیاتِ محکمات کو "**هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ** بتایا ہے۔ اُمّ کا معنٰی ہے ماں، جڑ، اصل، بنیاد۔ اب ظاہر ہے کہ جس طرح ہر مُتنفّس کی ماں بھی ایک، اور ہر عمارت کی بنیاد بھی صرف اور صرف ایک ہوتی ہے۔ اُسی طرح آیاتِ محکمات وہ ہیں جن کا معنٰی اور مفہوم صرف ایک ہے۔ جنہیں ایسے محکم الفاظ کی لگام (حکمہ) چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جن کے معانی اور مفہوم میں تاویل کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ تاویل کی گنجائش صرف اور صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب الفاظ حقیقت کی بجائے مجاز، تشبیہہ، یا استعارہ کے طور پر لائے گئے ہوں۔ فلہٰذا:-

- محکم آیاتِ مجیدہ وہ ہیں، جن کے الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں آئے ہوں۔ اور وہاں مجاز، محاورہ، استعارہ اور تشبیہہ کا گزر تک نہ ہو۔
- اور متشابہ آیات وہ ہیں جن کے الفاظ حقیقی معنوں کے خلاف مجاز، محاورہ، استعارہ یا تشبیہہ کے طور پر استعمال ہوئے ہوں مثلاً عربی زبان میں اکل کہتے ہیں کھانے کو اور شُرب کہتے ہیں پینے کو۔ اب کُلیہ بالا کی رُو سے ظاہر ہے کہ جس آیتِ مجیدہ میں یہ مصادر حقیقی معنوں میں آئیں، وہ محکم ہوگی۔ اور جس میں مجازی معنوں میں استعمال ہوئے ہوں، وہ متشابہ ہوگی۔
- مصدر "شرب" بمعنی پینا کے مجازی مفہوم کی مثال پچھلے صفحات پر "**اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْل**" ۲/۹۳ کے الفاظ میں گزر چکی ہے کہ بچھڑا چونکہ کوئی پینے کی چیز نہیں، فلہٰذا اس آیت میں اُشْــرِبُوْا بطور مجاز استعمال ہوا ہے۔ اور یہ آیتِ مجیدہ متشابہ ہے محکم نہیں۔
- مصدر "اکل" کے مجازی استعمال کی مثال آیتِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ باری ہے:-
- **اِنَّ الَّـذِيْـنَ يَـاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا** ط ۴/۱۰ = بے شک جو لوگ یتیموں کا مال بے جا طور سے کھاتے ہیں۔ بلاشُبہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔

غور فرمایئے گا! کہ اس آیت میں یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط کے الفاظ مجازی معنوں میں آئے ہیں۔ کیونکہ آگ کھانے کی چیز نہیں۔ تو جس طرح اِن متشابہ الفاظ سے اِس قسم کا کوئی چیستانی مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یتیموں کا مال، بیجا طور پر کھانے والوں کے لئے فی الحقیقت آگ بن جاتا ہے۔ اُسی طرح اِس پر ہر قسم کی چیستانی حاشیہ آرائی بھی غلط ہے کہ کسی بھی زمانے میں معجزاتی طور پر یتیموں کا مال آگ بن گیا ہو...... یہ تو ہوئیں مصادر اکل اور شرب کے مجازی استعمال کی مثالیں، جو متشابہات کی نشانی ہیں۔ اب قرآنِ کریم کی ایک ہی آیتِ مجیدہ میں، ان دونوں مصدروں کے حقیقی معنوں کا استعمال ملاحظہ فرمائیں:-

● كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ○ [2/60] اللہ کے رزق سے کھاؤ پیو۔ اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا۔ دیکھئے! اِس آیتِ مجیدہ میں اکل وشرب کے مجازی معنے لئے ہی نہیں جا سکتے۔ بلکہ یہاں حقیقی معنے لئے بغیر کوئی چارہ کار ہے ہی نہیں۔ لہٰذا یہ محکم آیت مجیدہ ہے۔

المختصر! محکمات ومتشابہات کی ایک قسم یہ ہے کہ جن آیاتِ کریمات کے الفاظ حقیقی معنوں میں استعمال ہوئے ہوں۔ اور ان سے مجازی معنے لینا ممکن ہی نہ ہو وہ محکمات ہیں۔ اور جن کے الفاظ مجازی معنے دیتے ہوں۔ اور ان سے حقیقی معنے اخذ کرنا ناممکن ہو وہ متشابہات ہیں۔

### [13/5] الفاظ کے حقیقی اور مجازی معنوں کی پہچان کا واحد ذریعہ مشاہداتِ عالم ہیں۔

اب رہا، حقیقی اور مجازی معنوں کی پہچان کا سوال! اِس کا جواب مذکورہ بالا مثالوں میں بدرجۂ اتم آ چکا ہے۔ جس طرح آگ کھانے کی چیز نہیں۔ یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا [4/10]، اور سامری کا بچھڑا پینے کی چیز نہیں تھی۔ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ [2/93] اور یہ فیصلہ ہے مشاہداتِ عالم یعنی قوانینِ جاریہ کا۔ فلہٰذا اِسی کلیہ کے مطابق، قرآنِ کریم کے ہر وہ الفاظ جن کے حقیقی معنے کارگاہ کائنات کے روزمرّہ کے تجربات ومشاہدات کے کسی بھی گوشے کی مخالفت کرتے ہوں۔ وہ آیتِ مجیدہ متشابہ ہے۔ اور اُن الفاظ کے وہ مجازی معنے لئے جانے صحیح ہیں جو عربی لُغت اور کائناتی مشاہدات وتجربات کے مطابق ہوں۔

پس قرآنِ کریم کی کسی آیت سے عالمی مشاہدات کے خلاف کوئی چیستانی مفہوم اخذ کرنا، [3/7] کے اِس خداوندی اعلان کی بغاوت پر مبنی ہے مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ . لہٰذا زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں مشاہداتِ عالم کے ہر گوشے کی مخالفت سے پورا پورا احتراز کیا گیا ہے۔ اور ہر مقام پر الفاظ کے حقیقی اور مجازی معنوں کا معیار مشاہداتِ عالم ہی

تسلیم کیا گیا ہے۔

● نیز قرآن مجید کا ایک اسلوبِ بیان یہ بھی ہے کہ عموماً اجمالی اندازِ بیان اختیار کرتا، اور تفصیلات کو محذوف رکھتا چلا جاتا ہے۔ اور دوسری آیات میں اُس اجمال کی تفصیل دے دیتا ہے۔ ایسی اجمالی آیاتِ کریمات بھی متشابہات ہیں۔ جن سے کائناتی قوانین کی خلاف ورزی کا تصوّر پیدا ہوتا، اور قرآنِ کریم میں چیستانیات کی گنجائش کے سوتے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً آیتِ ذیل میں اجمالی انداز اختیار کیا گیا اور تفصیلات کو محذوف رکھا گیا ہے:-

● وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۲/۲۲ اور (اللہ تعالیٰ) آسمان سے پانی برساتا ہے۔

اس آیت سے یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ آسمان سے پانی بادلوں کے بغیر، یعنی اس نظام کے سوا بھی برس سکتا ہے، جو بارشوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود متعیّن کر دیا ہے، کہ جب تک سورج کی گرمی سے سمندروں، دریاؤں، جھیلوں اور جوہڑوں کا پانی بخارات بَن کر، اور ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر آسمان میں نہ پہنچے، بارش نہیں ہوگی۔ اب چونکہ ۲/۲۲ میں مذکورہ نظام کی تمام کڑیاں محذوف رکھ کر صرف اجمالی طور پر کہہ دیا ہے۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۔ تو اس متشابہ آیتِ مجیدہ سے، کائناتی مشاہدات کی مخالفت کا جو شُبہ پڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے ذیل کی محکم آیتِ مجیدہ کے ساتھ دُور کر کے آیتِ مجیدہ ۲/۲۲ اور اس عنوان کی تمام آیاتِ کریمات کو جو قرآن بھر میں پھیلی ہوئی ہیں محکم کر دیا ہے:-

● وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط ۳۵/۹ = (مفہوم) اور اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ پھر وہ بادلوں کو (جو سورج کی تمازت کے پیدا کردہ بخارات ہیں) اٹھاتی ہیں۔ پھر ہم اس (پانی) کو مُردہ زمین کی طرف لے آتے ہیں۔ پھر ہم اس کے ساتھ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں۔ (اور ہر طرف سبزہ پھوٹ نکلتا ہے)

پس ہر وہ آیت جس کا اندازِ بیان اجمالی ہو، اور تفصیل محذوف کر دی گئی ہو۔ وہ متشابہ ہے۔ اور جس میں اس محذوف گوشے کی تفصیل دے دی گئی ہو وہ محکم ہے۔

## ۱۳/۶ نگاہِ بازگشت
## محکمات و متشابہات ایک نظر میں

۱۔ ہر وہ آیتِ مجیدہ محکم ہے جس کا گرائمر اور لُغتِ عرب کی رُو سے صرف ایک معنٰی برآمد ہوتا ہو۔ اور ہر وہ آیت جس سے قواعد و لُغت کے مطابق ایک سے زائد معنے لئے جا سکتے ہوں، متشابہ ہے۔ جیسے کہ صفحہ نمبر ۳۷ پر درج آیت اَنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ ۲۲/۱۶ متشابہ ہے۔ اور یَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ۴۲/۱۳ محکم ہے۔

۲۔ ہر وہ آیت جس میں کوئی لفظ مجاز کے طور پر استعمال ہوا ہو وہ متشابہ ہے۔ اور جس میں اپنے حقیقی معنوں میں آیا ہو وہ محکم ہے۔ جیسے کہ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجل ۲/۹۳ اور یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا ۴/۱۰ متشابہ ہیں۔ اور کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ وَلَاتَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۲/۶۰ محکم ہے۔

۳۔ اور اِسی طرح ہر وہ آیت جس میں کوئی لفظ تشبیہہ، محاورہ یا استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہو متشابہ ہے۔ جیسے کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ ۵/۶۴ میں ’’لڑائی کی آگ‘‘ اور ’’اسے اللہ بجھا دیتا ہے‘‘۔ کے جملے محاورۃً، تشبیہاً اور استعارۃً آئے ہیں۔ حقیقت کے لئے نہیں آئے۔

۴۔ ہر وہ آیت جس سے مشاہداتِ عالم کے کسی بھی گوشے کی مخالفت کا مفہوم برآمد ہوتا ہو متشابہ ہے۔

۵۔ وہ اجمالی آیاتِ مقدّ ساتِ مقدت جن میں مسئلہ مذکور کی تفصیل محذوف و مقدرّ ہو وہ متشابہ ہیں۔ اور جن آیات میں اُس اجمال کی تفصیل دی گئی ہو۔ وہ محکم ہیں۔ فلہٰذا اجمالی آیاتِ متشابہات کو تفصیلی آیاتِ محکمات کے ماتحت رکھنا ہوگا۔ جیسا کہ صفحہ ۴۱ پر مذکور آیتِ مجیدہ ۲/۲۲ متشابہ اور ۳۵/۹ محکم ہے۔

## ۱۳/۷ اللہ تعالیٰ نے آیاتِ متشابہات نازل ہی کیوں فرمائی ہیں؟

محکمات و متشابہات سے متعلقہ اس آخری اور اہم سوال کا جواب آیتِ ذیل میں موجود ہے:- ● فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ ٥ ۵۱/۲۳ ، پس آسمان و زمین کے پروردگار کی شہادت ہے کہ بلاشُبہ یہ قرآن حق ہے۔ یعنی مشاہداتِ عالم کے عین مطابق ہے۔ اور اِس کا اندازِ بیان بالکل وُہی ہے جس طرح تم آپس میں روزمرہ گفتگو کرتے ہو۔ فلہٰذا جس طرح روزمرہ کی گفتگو میں حقیقت اور مجاز، استعارے اور تشبیہیں، محاورے اور ضرب المثلیں سب کچھ موجود ہوتا ہے۔ اِسی طرح قرآنِ کریم بھی اِسی روزمرّہ کے طرزِ تکلّم سے لبریز و معمور ہے۔ فلہٰذا ۵۱/۲۳ کی رُو سے لازم آتا ہے کہ جس طرح ہم روزمرّہ کی مستعملہ، اپنی متشابہات سے غلطی نہیں کھاتے۔ حقیقت کو حقیقت، مجاز کو مجاز، تشبیہہ کو تشبیہہ اور استعارے کو استعارہ جانتے ہیں۔ اِسی طرح قرآنی اندازِ حقیقت و مجاز، اور تشبیہہ و استعارہ کو بھی اپنے اپنے مقام پر رکھیں۔ افسوس ہے کہ محکم و متشابہ کی تمیز کو نظر انداز کر کے یَدُ اللہ اور وَجْہُ اللہ کے قرآنی الفاظ سے اللہ تعالیٰ کو ہاتھ منہ والی شخصیّت مانا جاتا۔ اور ’’خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ‘‘ تک کا تصوّر بھی دیا جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صُورت پر پیدا کیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ بھی انسان جیسا مُنہ اور ہاتھ پَیر رکھتا ہے۔ العیاذ باللہ!

## ۸/۱۳ آیاتِ متشابہات کو محکمات کر دیا گیا ہے:-

ارشادِ باری ہے:- کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ ۱/۱۱، یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں حکیم وخبیر کی طرف سے محکم کر دی گئی ہیں۔ پھر اُسی کی طرف سے اِن کی پوری پوری تفصیل بھی کر دی گئی ہے......

اِس آیتِ کریمہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو آیاتِ کریمات ۷/۳ کی خبر کے مطابق متشابہات ہیں، خداوند حکیم وخبیر نے اُنہیں محکم کر دیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ آیتیں، جو پہلے ہی محکمات ہیں اُن کے محکم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اِس پر پھر سوال پڑتا ہے کہ متشابہات کو کس طرح محکمات کر دیا گیا ہے۔ اِس سوال کا جواب خود متشابہات اور محکمات کے قرآنی تقابل میں محفوظ وموجود ہے یعنی:-

۱۔ قواعدِ عرب کے مطابق جہاں کسی جُملے کے ایک سے زائد مفہوم درست ثابت ہوتے ہوں۔ ایسی آیاتِ متشابہات کو ایسی آیاتِ محکمات لا کر محکم کر دیا گیا ہے، کہ قواعد کی رُو سے اُن کے ایک سے زائد معنے بر آمد ہی نہیں ہو سکتے۔

۲۔ جہاں کوئی لفظ بطور مجاز استعمال ہُوا ہے اُس کے مفہوم کو دوسرے مقام پر بطور حقیقت لا کر محکم کر دیا ہے۔

۳۔ جہاں کوئی جُملہ محاورہ، تشبیہہ یا استعارہ کے طور پر استعمال ہُوا ہے اُسے بھی دُوسری جگہ حقیقی معنوں میں بیان کر کے تشبیہہ واستعارہ کو حقیقت کی لگام (حکمہ) دیکر محکم کر دیا ہے۔

۴۔ جو متشابہ آیت مشاہداتِ عالم کے کسی گوشے کی مخالفت کرتی ہے اُس پر اپنی کائنات کو حاکم ٹھہرا کر محکم کر دیا ہے۔

۵۔ اور جس آیت میں اجمال ہے، اُس اجمال کو دُوسری آیت یا آیات میں تفصیلاً بیان کر کے محکم کر دیا ہے۔

## ۹/۱۳ سارا قرآنِ کریم باہم ملتا جلتا یعنی متشابہ ہے

محکمات ومتشابہات کی بحث پر پھر ایک بار طائرانہ نگاہ دوڑائیں:-

● سابقہ صفحات میں آپ ۷/۳ کے حوالہ سے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ قرآنِ کریم میں دو قسم کی آیاتِ کریمات ہیں محکمات ومتشابہات۔ اصلِ کتاب محکمات ہیں۔ فلہٰذا متشابہات کا وہ مفہوم صحیح ہے جو محکمات کے خلاف نہ جاتا ہو...... ● اور ۱/۱۱ کے حوالہ سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ متشابہات کو خود اللہ تعالیٰ نے محکم کر دیا ہُوا ہے۔ اور اُس کے محکم کرنے کے پانچ مختلف طریقوں کی وضاحت بھی آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ اور اِس پوری بحث کا ماحصل بھی نِکھر کر سامنے آ گیا ہے کہ آیاتِ متشابہات سے اگرچہ آیاتِ محکمات کی مخالفت کا شُبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ٹیڑھے قلوب والے لوگ اِن سے فتنہ سامانیاں کرتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت یہ محکمات کے

عین مطابق ہیں، متضاد و متخالف ہرگز نہیں۔ اِسی چیز کا اعلان ذیل کے انتہائی بلیغ انداز میں فرمایا گیا ہے:- ● اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰباً مُّتَشَا بِہًا مَّثَانِیَ ۖ ۳۹/۲۳ (مفہوم) اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے ایک کتاب احسن الحدیث نازل فرمائی ہے۔ (جس میں تضاد و اختلاف قطعاً نہیں ہے ۴/۸۲) ساری کتاب متشابہ ہے۔ (یعنی آپس میں ملتی جلتی، باہم متماثل اور) بار بار دُہرائی ہوئی ہے۔

دیکھئے گا! کہ اِس آیت پر معمولی سا غور و فکر کرنے سے بھی یہ بات نکھر کر سامنے آ رہی ہے کہ ایک طرف، جہاں ۳/۷ میں کہا گیا ہے کہ پورا قرآنِ کریم مشتمل ہے آیاتِ محکمات اور آیاتِ متشابہات پر۔ تو دوسری طرف اِس آیت ۳۹/۲۳ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ سارے کا سارا باہم متشابہ اور متماثل ہے...... نیز "مُتَشَا بِہًا مَّثَانِیَ" کے دو لفظوں نے اِس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ آیات کریمات کو بار بار دُہرانے، اور مختلف اندازِ تکلّم سے بیان کرنے کی غرض، اِنہیں باہم متماثل ثابت کرنا ہے، جیسے کہ آپ سابقہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ اگر ایک آیت میں کوئی کلام محذُوف ہے تو دوسری میں مذکور ہے۔ اگر ایک آیت میں کوئی لفظ مجاز یا استعارہ کے طور پر آیا ہے تو دوسری میں اُس کی وضاحت کھُلے لفظوں میں کر کے اشتباہ رفع کر دیا گیا ہے۔ اور یہی ہے قرآنِ کریم کا اسلوب بیان **تفسیر القرآن بالقرآن۔**

پس **قرآن فہمی کا تیرھواں اصول** یہ ہے کہ اِس میں محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں۔ اصلِ کتاب محکمات ہیں۔ پس متشابہات جن سے محکمات کی مخالفت کا شُبہ تو پیدا ہوتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت وہ محکمات کی مثل و مانند ہیں، اُنہیں محکمات کے ماتحت رکھنا، اور اُن کا مفہوم محکمات کے مطابق لیا جانا لازم ہے۔

## ۱۳/۱۰ "مُتَشَا بِہًا مَّثَانِیَ" کی تعریف "سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ" کے الفاظ میں

آیتِ بالا ۳۹/۲۳ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ پوری کتاب مثانی (یعنی دہرائی ہوئی) ہے۔ دوسرے مقام پر اِسی چیز کو ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے:- ● وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ ۔ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ ○ ۱۵/۸۷ (مفہوم) اے رسول سلامٌ علیہ! بے شک ہم نے آپ کو سات دہرائے ہوئے عنوانات یعنی نہایت بلند مرتبہ قرآن عطا فرمایا ہے۔ (ۦ واوٴ تفسیری ہے)

## ۱۴۔ پورا قرآنِ کریم، سات دُہرائے ہوئے عنوانات ہیں

غور فرمایئے گا! کہ آیتِ بالا ۱۵/۸۷ میں قرآن فہمی کا ایک اور اصول بتایا گیا ہے کہ یہ عالی مرتبت کتاب سات دُہرائے ہوئے عنوانات پر مشتمل ہے...... اب ظاہر ہے کہ اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ کہ یا تو پُوری کتاب کو

سات حصوں میں تقسیم کر کے، ہر حصے کی ابتداء میں عنوان کی سُرخی دیدی گئی ہو۔اور یا پھر کتاب کے شُروع میں ایک ہی مقام پر ساتوں عنوانات بیان کر دیئے گئے ہوں۔اب چونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ نہ قرآنِ کریم سات حصوں میں مُنقسم ہےاور نہ ہر حصے کی ابتداء میں الگ الگ سُرخیاں دی گئی ہیں۔ بلکہ اِس کے شروع میں ایک ہی مقام پر سورہ فاتحہ میں سات عنوانات دیدیئے گئے ہیں۔لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی پہلی سورۃ مجیدہ، جو سات عنوانات کی خبر دیتی ہے، ۱۵/۸۷ کے اعلان سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ کے مطابق، اِس کتابِ مقدّس کی فہرست اور پیش لفظ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سُورتِ مجیدہ کا نام ہی سورہ فاتحہ ہے۔ یعنی کتاب کا افتتاح کرنیوالی۔فلہٰذا:-

**قرآن فہمی کا چودھواں اصول** خود قرآنِ کریم کی روشنی میں یہ ہے کہ پورا قرآنِ کریم سورہ فاتحہ کے سات اصُولوں کے اجمال کی تفصیل ہے۔فلہٰذا لازم آتا ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر وتفصیل اور تبیین وتشریح میں ذیل کے سات افتتاحی اصُولوں کی مخالفت ہرگز نہیں کی جانی چاہئے۔ جہاں کسی آیت مجیدہ کے حقیقی معنے فہرستِ قرآن کے کسی بھی اصول کی مخالفت کرتے ہوں، وہاں اُس کے وہ مجازی یا استعاراتی معنے لئے جانے چاہئیں، جو سورہ فاتحہ میں مذکور سات اصُولوں میں سے کسی ایک کی بھی مخالفت نہ کرنے پائیں۔اب سورہ فاتحہ کے ساتوں عنوانات، جن کی تفصیل وتفسیر پُورا قرآن ہے، بیک نظر ملاحظہ فرمائیں۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی فہرست، سورہ فاتحہ میں قل محذوف کیساتھ، خود رسولِ اکرم سلامٌ علیہ اور نوعِ انسانی کو متکلّم بنا کر، قرآنِ کریم کے قاری کی زبان سے ذیل کے سات وعدے لے رکھے ہیں۔پس یہی وہ سات اجمالی عنوانات ہیں، جن کی تفصیل پُورا قرآنِ کریم ہے۔

## ۱۴/۱۔قرآنِ کریم کا سات نکاتی منشور

نیز یہی وہ سات نکاتی قرآنی منشور ہے۔ جو رسولِ اکرم سلامٌ علیہ نے عوام کے سامنے پیش کر کے قرآنی تحریک ربوبیّتِ عامہ کی ابتدا فرمائی تھی:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ اللہ صاحبِ بخشش عامہ اور رحمتِ خاصہ کے نام کیساتھ کہہ تو اے صاحبِ قرآن

۱۔۲ ● اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○= پوری حمد وستائش، جو کائنات کا گوشہ گوشہ بزبانِ حال ادا کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جو تمام جہانوں کی جُملہ مخلوق کی روزی کے سامان مہیا کرنیوالا ہے۔ وہ اپنی پُوری مخلوق پر عام بخشش اور مخصوص رحمت کرنیوالا ہے۔(یعنی وہ بلا محنت اور با محنت دونوں انداز سے نعمتیں عطا کرنے والی ذاتِ مُقدّس ہے)

۳۔ ● مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ روزِ جزا کا واحد مالک ہے۔(جو اُس نے ربوبیّت ِعامہ کے موافق اور مخالف اعمال کی باز پُرس کے لئے خود مقرر کر رکھا ہے)

۴۔ ● اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ (اے بلا محنت اور با محنت نعمتیں عطا کرنے والے) ہم تیری ہی فرمانبرداری کریں گے۔اور تجھ ہی سے مدد مانگتے رہیں گے۔(یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے سوا نہ کوئی فرمانبرداری کے لائق ہے۔اور نہ کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔لہٰذا ایسا نہیں ہوگا کہ ہم نماز تیری پڑھیں اور مُرادیں غیر اللہ سے مانگیں۔ہم ضرور ضرور عبادت و استعانت میں وصل کریں گے، فصل نہیں کریں گے)

۵۔ ● اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ۵ (پس ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہُوئے دُعا کرتے ہیں کہ) ہمیں اِسی سیدھے راستے پر چلائے رکھ (کہ تیرے قانون ربوبیّت کو عملاً تسلیم کریں۔) جزا سزا کے دن کے لئے تیاری کریں۔اور عبادت و استعانت میں وصل رکھیں فصل نہ کریں۔یعنی ایسا نہ ہو کہ نماز تیری پڑھیں اور مُرادیں غیروں سے مانگتے رہیں۔

۶۔ ● صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ = (نیز ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیری عطا کردہ یہی صراط مستقیم) اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تُو نے انعامِ نبوّت فرمایا تھا۔(یعنی وہ بھی تیرے اس صراطِ مستقیم پر ایمان رکھنے، اور اِسی پر عمل کرنے والے تھے)

۷۔ ● غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ؕ (ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے انعام فرمودہ یعنی جملہ نبی رسول سلامٌ علیہ ایسی برگزیدہ جماعت تھی کہ) اُن پر کبھی تیرا غصہ نہیں ہوا تھا، کیونکہ وہ تیری راہ گم کرنے والے تھے ہی نہیں۔

## ۱۴/۲۔ تحفّظِ ناموسِ رسالت

غور فرمایئے گا! کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کے شروع ہی میں اِس کے قاری سے اپنے مقدّس نام سے شروع کرنے کا حکم دے کر، ذیل کے سات اقرار لے لئے ہیں:۔

۱۔ بلا شرکتِ غیرے خالص حمدِ باری، اور پورے جہانوں کی پُوری مخلوق کی ربوبیّتِ عامہ کا عقیدہ۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی بلا محنت اور با محنت عطا کردہ بے پایاں نعمتوں میں بلا تمیز پُوری مخلوق کی ضروریاتِ زندگی کے مساویانہ حق پر ایمان لانا۔

۳۔ ربوبیّتِ عامہ کی موافقت و مخالفت کی جزا سزا کے لئے قیامت کی عدالتِ عالیہ کے قیام کا یقین، اور اُس دِن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی خالص ملکیت، یعنی اُس عدالت میں رشوت، سفارش اور فدیہ وغیرہ کی نفی کا عقیدہ۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی خالص فرمانبرداری، اور اُس کی خالص استعانت میں وصل کا عقیدہ۔

۵۔ مذکورہ بالا عقائد ہی کا صراطِ مستقیم ہونا۔ اور اسی راہ پر ہمیشہ چلتے رہنے کے لئے حضورِ الٰہی میں دُعا کرتے رہنا۔

۶۔۷۔ جملہ رُسل انبیاء کے متعلق ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہنے، اور مغضوب وگم کردہ راہ نہ ہونے کا عقیدہ۔

**فلہٰذا** زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں مندرجہ بالا سات عنوانات کی، جو قرآنِ کریم کا دیباچہ ہیں۔ اور پورا قرآن جن کی تفصیل وتشریح ہے، پوری پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ جن الفاظ کے حقیقی معنے، اِن میں سے کسی بھی اصول کے مخالف ہوں، اُن کے وہ مجازی معنے لئے گئے ہیں، جو سُورہ فاتحہ کے ان سات اصُولوں کی مطابقت کے ساتھ ساتھ عربی قواعد اور لُغت کے بھی مطابق ہیں۔

## ۱۴/۳۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے وصل کا حکم دیا ہے اُن میں فصل کرنا موجب فساد ہے:۔

سورہ فاتحہ میں لئے گئے مذکورہ بالا وعدوں کی مخالفت کرنے والوں کو فاسق اور مُفسد قرار دیا گیا ہے۔

● یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِیْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ۲/۲۶-۲۷ = گمراہ پاتا ہے[۱]۔ اللہ اِس کے ساتھ بہت سے لوگوں کو اور ہدایت یافتہ پاتا ہے[۲] اِس کے ساتھ بہت سے لوگوں کو۔ اور نہیں گمراہ پاتا اِس کے ساتھ مگر فاسقوں ہی کو گمراہ پاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ کئے گئے وعدوں کو توڑ دیتے، اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے وصل کرنے کا حکم دیا ہے، اُسے منقطع کر دیتے ہیں اور اِس انفصال وانقطاع کے ذریعہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔

نیز اِنہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔ ● وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۤءُ الدَّارِ ۝ ۱۳/۲۵ = اور جو لوگ اللہ کے ساتھ عہد کرنے کے بعد اُسے توڑ دیتے ہیں۔ اور اُن چیزوں کا باہم وصل نہیں کرتے، جن کے وصل کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور (اس طرح قرآنِ کریم سے غیر قرآنی عقائد واعمال کا جواز ثابت کر کے) زمین میں فساد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے اللہ کی لعنت ہے۔ اور اُن کیلئے بُرا ٹھکانہ ہے۔ ............ دیکھئے! آیاتِ بالا میں کافروں منکروں کا ذکر نہیں ہو رہا۔

---

۱۔۲۔ یُضِلُّ اور یَهْدِیْ میں یُضِلُّ فعل مزید فیہ باب اِفعال سے ہے جس کا خاصہ وجدان ہے۔ اِس لئے معنٰی لکھا گیا ہے۔ اللہ گمراہ پاتا ہے۔ لیکن یَهْدِیْ فعل ثلاثی مجرد ہے جس کا خاصہ وجدان اہلِ قواعد نے تسلیم نہیں کیا۔ ہم نے یہاں بھی خاصہ وجدان کی رُو سے معنٰی لکھا ہے کہ اللہ ہدایت یافتہ پاتا ہے۔ ثلاثی مجرد کے خاصہ وجدان کی بحث آگے آ رہی ہے۔

بلکہ اُن کا ذکر ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے ضابطے پر ایمان لا کر اُس سے عہد بھی کرتے ہیں۔ لیکن عہد کی توثیق کے بعد اسے توڑ دیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ، سُورۃ فاتحہ کے الفاظ میں مذکورہ بالا سات وعدے تو بدستور جاری رہتے ہیں۔ لیکن اُنہیں بانداز ذیل توڑ کر فساد فی الارض کے سامان مہیا کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مخصوصہ میں، جو صرف اُسی کے لائق ہیں، انسانوں کو شامل کر کے حمدِ باری کو مجروح کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قانون، ربوبیّتِ عامہ کا تصوّر تک گم کر کے، نوع انسانی کے ایک طبقہ کیلئے ضروریاتِ زندگی کی محرومی، اور دوسرے کیلئے نعمتوں کی فراوانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب، اُن کی الگ الگ نام نہاد تقدیر بتا کر، کمزوروں پر طاقتوروں کے ظلم کا جواز مہیا کیا جاتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی بلا محنت اور بامحنت حاصل کردہ نعمتوں پر انسانی تصرّف کو صحیح، درست اور جائز قرار دے کر فساد فی الارض کے سامان مہیا کئے جاتے ہیں۔ یعنی تصوّر دیا جاتا ہے کہ نعماءِ خداوندی پر متصرّف افراد جس طرح چاہیں ضروریاتِ زندگی کی ناہموار تقسیم کرتے چلے جائیں۔

۳۔ ربوبیّتِ عامہ کے خداوندی توازن کو عملاً ختم کر کے روزِ جزا (یوم الدّین) کا عملی انکار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ زبان سے مسلسل اقرار کیا جا رہا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو باہم ملانے یعنی متوصّل کرنے کا حکم دیا ہے اُنہیں ملانے کی بجائے جُدا کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً:۔

(ا) سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد تو کیا جاتا ہے کہ تیری عبادت اور استعانت کو صرف تیرے لئے مخصوص رکھتے ہوئے، ان کا اتّصال قائم رکھیں گے۔ لیکن یہ پکّا عہد، جو اِیَّاکَ کی ضمیر مقدّم کے حصر کے ساتھ دو مرتبہ کے تکرار، اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ [۱] کے الفاظ میں بار بار کیا جاتا ہے، اُسے اِس طرح توڑا جاتا، اور عبادت و استعانت کے اتصال کو اس طرح منقطع کیا جاتا ہے کہ نماز پڑھی جاتی ہے اللہ کی۔ اور مُرادیں مانگی جاتی ہیں غیر اللہ سے۔

ب) نیز اللہ تعالیٰ نے محکمات و متشابہات کے باہم وصل کرنے کا حکم دیا ہے [۲]۔ لیکن محکمات و متشابہات کے تصوّر تک کو گم کر کے، متشابہات کو محکمات سے جدا کرتے ہوئے من مانی تاویلوں کے ساتھ ابتغاءِ فتنہ اور فساد فی الارض کیا جاتا ہے۔

ج) قرآنِ کریم کے مختلف عنوانات کوفہرستِ قرآن کے ساتھ متوصّل کرنا ضروری نہیں مانا جاتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے وصل کاحکم دیا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ○ ۱۵/۸۷ [۱]

۵۔ دعا مانگی جاتی ہے مندرجہ بالا متوازن نظامِ ربوبیّت والے صراطِ مستقیم کی، لیکن غیر متوازن تقدیروں کے عقیدہ کے ذریعہ اِس کی شبانہ روز عملاً مخالفت کی جاتی ہے۔

۶۔۷۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جملہ نبی رسولوں سلامٌ علیہم کی سو فیصدی عصمت کا وعدہ لیا ہے۔ لیکن اُنکی طرف جھوٹ، چوری اور دھوکا فریب وغیرہ تک منسوب کرکے اِس عہد کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ حضرت یوسف سلامٌ علیہ پر بھائی کو چور بنانے کا الزام، حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ پر تین مرتبہ جھوٹ بولنے کا بہتان، اور حضرت داؤد پر دھوکے سے پرائی عورت حاصل کرنے کا افتراء باندھ کر عہدِ خداوندی کو توڑا جاتا، اور انبیاء سلامٌ علیہم کو صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ثابت کیا جاتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا ہے کہ جملہ نبی رسولوں سلامٌ علیہم پر اُس کا کبھی غصہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ اِس مقدّس جماعت پر اللہ کے غُصّے کا ثبوت مہیا کرتے ہوئے، کسی نبی کو آرے سے چِروایا جاتا ہے۔ کسی کے بدن میں کیڑے ڈلوائے جاتے اور کسی کی حکومت چھنوا کر اُس سے مچھیروں کی نوکری کروائی جاتی ہے۔ کسی کو پہلے جنّت میں داخل کیا جاتا، اور پھر اُس سے نکلوا کر زمین پر پھینکا جاتا ہے۔ اور کسی پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ثبوت میں، اُس پر کئی کئی دن تک نزولِ وحی کا سلسلہ بند ہوجانے کی خبر دی جاتی ہے۔ العیاذُ باللہ!

## ۱۴/۴ تصویر کا دوسرا رُخ

یہ تو ہوا ۲/۲۷ اور ۱۳/۲۵ کی قرآنی خبر کے مطابق، سورہ فاتحہ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے گئے عہد کو توڑنے والوں اور اُن چیزوں کو ایک دوسری سے جُدا کرنے والوں کا ذکر، جن کے ملانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب قرآنی الفاظ میں اُن لوگوں کی تعریف ملاحظہ فرمائیں، جو نہ اللہ تعالیٰ سے کئے گئے عہد کو توڑتے ہیں، اور نہ ہی اُن چیزوں (یعنی عبادت واستعانت ۱/۴، محکمات و متشابہات ۳/۷، اور سورہ فاتحہ اور باقی قرآن ۱۵/۸۷) کو ایک دوسری سے جُدا کرتے ہیں۔ جن کے ملانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا ہے:-

● اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ کَمَنْ ھُوَ اَعْمٰی ط اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ○ۙ الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ○ۙ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

---

[۱] اہلِ روایات کے ہاں بھی سورہ فاتحہ کو قرآنِ کریم کی فہرست تو تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن اور اُس کے دیباچہ کو باہم متوصّل نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:- وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ○ ۲۸/۵۱ = اور بالتحقیق ہم نے اپنے قول کو باہم متوصّل کر دیا ہے۔ تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

يُوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؀ ۱۳/ ۱۹تا۲۱ = اے رسول سلامٌ علیہ! وہ شخص، جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل ہوا ہے، حق ہے۔ کیا وہ اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اِس حقیقت سے اندھا ہے۔ بلاشُبہ عقل مند ہی اِس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ کئے ہوئے واثق عہد کو توڑتے نہیں اور اُس چیز کو باہم ملاتے ہیں، جس کے وصل کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی مخالفت اور بُرے حساب سے ڈرتے ہیں۔

**فلہٰذا** زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں آیاتِ بالا کے مطابق، نہ سُورہ فاتحہ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے گئے عہد کو توڑا گیا ہے اور نہ اُن چیزوں کا فصل کیا گیا ہے، جن کے وصل کا اللہ تعالیٰ نے ۱/۴، ۳/۷ اور ۱۵/۸ میں حکم دے رکھا ہے۔

## ۱۵۔ قرآنِ کریم کی نہ کوئی آیت ہی منسُوخ ہے نہ کسی آیت کا کوئی حِصّہ

قرآن فہمی کے ایک اور اصول کی خبر آیتِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:-

- لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۱۰/۶۴ = اللہ تعالیٰ کے کلمات کے لئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

اگرچہ اِس آیتِ مجیدہ میں باندازِ بلیغ اعلان کر دیا گیا ہے کہ آیاتِ قرآنی میں تغیر و تبدّل ہرگز ہرگز ممکن نہیں۔ لیکن آیتِ ذیل میں اِس گمان کو بھی باطل قرار دے دیا گیا ہے۔ جو عوام کے ہاں یہ نظریہ چل رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود تو اپنے کلام میں ردّ و بدل کا مجاز ہے۔ چنانچہ اعلانِ عام کر دیا گیا ہے کہ ہمارا قول خود ہماری طرف سے بھی ہرگز ہرگز تبدیل نہیں کیا جاتا۔ اِسے تبدیل کرنا تو بندوں بچاروں پر ظلمِ عظیم ہے:-

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ؀ ۵۰/۲۹ = میرے ہاں قول بدلا ہی نہیں جاتا۔ اور نہ میں (اپنے قول کو بدل کر) اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں...... اگرچہ عام تفاسیر و تراجم میں ناسخ و منسوخ کا تصوّر آج تک قائم ہے۔ لیکن زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں آیاتِ قرآنی کے لئے منسوخ ہو جانے کے تصوّر کو آیاتِ بالا کے انتہائی ٹھوس دلائل کے مطابق قریب تک پھٹکنے نہیں دیا گیا۔ سورہ بقر کی آیتِ مجیدہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ ...... الخ جس سے تنسیخِ آیات کا جواز لیا جاتا ہے، کی وضاحت ناسخ و منسوخ کے الگ عنوان میں آگے آ رہی ہے۔

**پس قرآن فہمی کا پندرھواں اصول** یہ ہے کہ کلماتِ خداوندی کو نہ اللہ تعالیٰ خود ہی تبدیل کرتا ہے۔ اور نہ کوئی غیر ہی تبدیل کر سکتا ہے۔

(نوٹ) اس اصُول کی وضاحت سولہویں اصول میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

## ۱۶۔قرآنِ کریم کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ کے ذِمّہ ہے

قرآن فہمی کے ایک اور اصول کی خبر آیتِ ذیل میں دی گئی ہے:-

● اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○ ۱۵/۹ = بے شک الذّکر قرآنِ کریم کو ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اِس کے نگہبان ہیں...... اِس کے برعکس تجرید بخاری کے صفحہ نمبر۱۰۱۴ پر حضرت عمرؓ کی روایت سے منقول ہے کہ ''قرآنِ کریم میں آیتِ رجم نازل ہوئی تھی۔لیکن اب اِس میں موجود نہیں''۔(ملخص)

یہ روایت سالمیتِ قرآن کو مجروح کرنے کے ساتھ ساتھ حفاظتِ خداوندی کا مذاق بھی اڑاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن کا دعویٰ تو کیا تھا۔لیکن نباہ نہیں سکا۔کوئی زبردست ہاتھ قرآنِ کریم سے آیتِ رجم نکال کرلے ہی گیا۔آیتِ بالا کی رُو سے آیتِ رجم کے نزول وخروج کا نظریہ مطلقاً غلط ہے۔اگر کوئی آیتِ رجم نازل ہوئی ہوتی تو یقیناً یقیناً قرآن کے اندر موجود ہوتی۔اور جب موجود نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ قرآنِ کریم بحفاظتِ خداوندی محفوظ ہے۔اِسی چیز کی تائید آیتِ ذیل سے ہوتی ہے:- ● وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيۡزٌ ۙ لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ ○ ۴۱/۴۱-۴۲ =اور وہ قرآن ایک غالب کتاب ہے۔اُس میں باطل، نہ آگے کی طرف سے آسکتا ہے، نہ پیچھے کی طرف سے۔اِس کا نازل ہونا صاحبِ حکمت وحمد کی طرف سے ہے......افسوس! روایات قرآنِ کریم کے اس دعوے کی بھی تکذیب کرتی ہیں۔جیسے کہ علامہ سیوطی کی اتقان میں بتایا گیا ہے کہ معوّذتین، یعنی قرآنِ کریم کی آخری دوسُورتیں الفلق اور الناس نزولی نہیں، بلکہ الحاقی ہیں۔العیاذُ باللہ تعالیٰ۔

آیاتِ بالا ۱۵/۹ + ۴۱/۴۱-۴۲ کی رُو سے **قرآن فہمی کا سولھواں اصول** یہ ہے کہ اِس میں نہ کوئی کمی ہوئی ہے نہ زیادتی۔پس زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں ایسے کسی تصوّر کو راہ نہیں دی گئی، جو کتبِ روایات نے قرآنِ کریم میں سے کسی آیت یا سُورت کے گم ہوجانے، یا کسی غیر تنزیلی آیت یا سُورت کے اضافے کا دیا ہُوا ہے۔

## ۱۷۔اللہ تعالیٰ کی سُنّت، یعنی اُسکے کائناتی قوانین ہرگز نہیں بدلتے

قرآن فہمی کا ایک اور اصول آیتِ ذیل میں مذکور ہے:-

● فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ○ ۳۵/۴۳ = اے رسول سلامٌ علیہ! اور اے قرآنِ کریم کے مخاطب! تُو اللہ تعالیٰ کی سُنّت میں ہرگز ہرگز تبدیلی نہیں پائے گا......سُنّت کا مطلق معنٰی ہے طریقہ، قاعدہ، دستور۔اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ قاعدہ، اُس کا قانونِ جاریہ ہے، جو مُشاہداتِ عالم کی صُورت میں شبانہ روز جاری وساری ہے۔نیز اُس کے

عالمی قوانین میں مشاہدہ کی رُو سے کبھی بھی تبدیلی نہیں پائی گئی۔ قوانینِ کائنات کے اِسی استقلال کی خبر آیتِ بالا ۴۵/۴۳ میں دی گئی ہے...... پس اِس آیتِ مجیدہ کے مطابق قرآنِ کریم سے کوئی ایسا مفہوم برآمد کرنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کے قوانینِ کائنات کی مخالفت پائی جاتی ہو۔

پس قرآن فہمی کا سترھواں اصول یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ میں قوانینِ کائنات کی مخالفت ہرگز موجود نہیں۔

فلہٰذا زیرِ نظر ترجمہ و تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے کائناتی قوانین کی مخالفت سے پُوری پُوری پرہیز کی گئی ہے اور قرآنِ کریم کے جن مقامات پر سابقہ تفاسیر نے کائناتی قوانین یعنی سُنّتُ اللہ کی مخالفت کی ہے۔ اُس اجمال کی تفصیل، یا اُس مجاز کی حقیقت کو قرآنِ حکیم کے دُوسرے مقامات سے پیش کر کے سُنّتُ اللہ کی مطابقت کو ہمیشہ قائم رکھا گیا ہے۔

## ۱۸۔ قرآنِ کریم ایک باربط کتاب ہے پراگندہ و بے ربط ہرگز ہرگز نہیں

دُنیا بھر کی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کے لئے سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اُس کے مندرجات میں نظم و ربط موجود نہ ہو۔ یعنی کوئی بات کہیں کی ہو کوئی کہیں کی۔ بات ہو رہی ہو امن کی، اور اُس میں آ گھُسے جنگ کا قِصّہ، ذکر ہو اقتصادیات کا اور اُس میں آ دھمکے طبعی جغرافیہ۔ ذکر ہو مسائلِ طلاق کا اور اُس میں حکم دیا جا رہا ہو نماز کا...... سابقہ تراجم و تفاسیر نے باستثنیٰ بعضے، قرآنِ کریم کے نظم و ربط کو مطلقاً ضائع کر کے، اقوامِ عالم کے لئے کتابِ خداوندی پر اعتراضات کے دروازے کھول دیئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اِس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے کہ اُس کا قول قرآنِ حکیم باہم مربوط و متوصّل ہے۔ پراگندہ اور مُنتشر نہیں:-

● وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ ۵۱/۲۸ = اور بلاشُبہ ہم نے اپنے قول (قرآن) کو باہم متوصّل کر دیا ہے تاکہ لوگ اِس سے نصیحت حاصل کریں...... دیکھئے! اِس آیتِ مجیدہ میں اِس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے قول قرآنِ کریم کے اندر باہمی وصل و ربط ہے فصل و انتشار نہیں۔ اور ساتھ ہی اِس چیز کی بھی خبر دیدی گئی ہے کہ نصیحت اُس کتاب سے حاصل کی جا سکتی ہے، جس میں ربط و وصل ہو۔ چونکہ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ جب بے ربط کلام سے کچھ پلّے ہی نہیں پڑتا تو اُس سے نصیحت حاصل کرنے کا تصوّر کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن ارشادِ باری کے مطابق قرآنِ حکیم ایک نصیحت نامہ ہے:-

● اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۱۹/۷۳ + ۲۹/۷۶ ، اِس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مُقدّس قول اور جلیل المرتبت نصیحت نامے، قرآنِ مجید کو داخلی طور پر باہم مربوط و متوصّل کر دیا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کر سکیں۔

پس **قرآن فہمی کا اٹھارھواں اصول** یہ ہے کہ اِس کی سُورت سُورت اور آیت آیت باہم منظوم و مربُوط ہے۔

فلہٰذا ترجمہ و تفسیر زیرِ نظر میں اُن تمام آیات مجیدات کا باہمی ربط قائم رکھا گیا ہے، جنہیں مروّجہ تراجم و تفاسیر نے بے ربط کر کے رکھ دیا ہوا ہے۔ نیز قیامِ ربط کے لئے صرف آیاتِ قُرآنیہ اور مشاہداتِ عالم ہی کا سہارا لیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قول و فعل کی ہم آہنگی ہی کو آیاتِ کریمات کے باہمی ربط و وصل پر بطور دلیل لایا گیا ہے۔

## ۱۹۔ قرآنی محذُوفات

نیز ربطِ آیات کے لئے اُن قرآنی محذوفات کو بھی ملحُوظ رکھا گیا ہے جو ہر زبان میں عموماً اور عربی ادب میں خصوصاً پائے جاتے ہیں۔ مثلاً سورہ یوسف میں، جو بلا اختلاف ایک ہی قصے پر مشتمل، ایک مربوط سورتِ مجیدہ ہے، محذوفات کی متعدّد مثالیں موجود ہیں۔۔ مثلاً حضرت یوسف کے بھائی جب دوسری مرتبہ غلّہ لے کر مصر سے روانہ ہونے لگتے ہیں۔ تو چھوٹے بھائی کی بوری سے چوری کا پیالہ برآمد ہوتا، اور اُسے حراست میں لے لیا جاتا ہے اِس پر باقی بھائی کوشش کرتے ہیں کہ اُس کی جگہ کسی اور بھائی کو رکھ لیا جائے۔ لیکن اُن کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی۔ تو پھر وہ الگ بیٹھ جاتے ہیں۔ سب سے بڑا کہتا ہے کہ میں تو واپس نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ والد بزرگوار نے مجھ سے پکّا عہد لیا ہوا ہے کہ یوسف سلامٌ علیہ کے حقیقی بھائی کو واپس اُس کے پاس لے کر آؤں گا۔ لہٰذا تم سب جاؤ اور والد سے کہو کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔ آپ اُس بستی والوں سے جس میں ہم تھے۔ اور اُس قافلے والوں سے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، پوچھ کر تصدیق کر لیں۔ کہ واقعی آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔ اس لئے وہ حراست میں لے لیا گیا ہے۔ اور ہم اُسے واپس نہیں لا سکے۔

یہ ہیں بڑے بھائی کے الفاظ، جو اُس نے والد کو کہنے کے لئے اپنے بھائیوں سے کہے۔ اب ربطِ کلام کی رُو سے چاہیئے تھا، کہ اِس سے آگے یہ درج ہوتا کہ:- ''بڑے بھائی سے مذکورہ ہدایات لے کر باقی بھائی قافلے کے ساتھ وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور جب منزل بمنزل چلتے ہوئے اپنی بستی میں پہنچے۔ اور والد بزرگوار نے پُوچھا کہ چھوٹے بھائی کو کیوں نہیں لائے۔ تو اُنہوں نے جواب دیا، ابّا جان آپ کے چھوٹے بیٹے نے چوری کی ہے۔ اِس لئے پکڑ لیا گیا ہے۔ اِس کی تصدیق آپ اُس بستی والوں سے جس میں ہم تھے۔ اور اُس قافلہ والوں سے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، کر لیں'' ...... لیکن قرآنِ کریم میں یہ الفاظ، جو ہم نے الٹی واوٴں کے درمیان لکھے ہیں، موجود نہیں۔ بلکہ اِس پورے کلام کو حذف کر دیا گیا ہے اور بڑے بھائی کے اُس کلام کے عین بعد، جو مصر میں ہو رہی تھی، والدِ محترم کا جواب درج ہے۔ جو آپ نے، بیٹوں کے سفر طے کر کے آپ کے پاس پہنچنے۔ اور اُن سے چوری کا قِصّہ سننے کے بعد اپنی بستی میں ارشاد فرمایا تھا۔ دیکھئے قرآنی الفاظ۔

بڑا بھائی چھوٹے بھائیوں سے کہتا ہے:-

● اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْکُمْ فَقُوْلُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ ج وَمَاشَہِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا کُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ o وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ الَّتِیْ کُنَّا فِیْہَا وَالْعِیْرَ الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْہَا ط وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ o ۱۲/۸۱-۸۲

اور بڑے بھائی کے اِس کلام کے عین بعد جو سرزمینِ مصر میں ہو رہی تھی، حضرت یعقوب سلامٌ علیہ کا جواب درج ہے جو بیٹوں کے ایک طویل سفر کے بعد سرزمینِ وطن میں دیا گیا:-

● قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ط ۱۲/۸۳ = باپ نے کہا یہ بات تمہارے نفسوں ہی کی تراشیدہ ہے۔ پس میں تو صبرِ جمیل ہی سے کام لوں گا...... اب:-

بنظرِ تعمق غور فرمایئے گا! کہ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ کے الفاظ پر بڑے بھائی کا کلام ختم ہوا ہے۔ اور قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ کے الفاظ سے حضرت یعقوب سلامٌ علیہ کا کلام شروع ہو گیا ہے۔ درمیانی پورا واقعہ، یعنی بھائیوں کا روانہ ہونا، وطن پہنچنا، والد بزرگوار کی خدمت میں آکر بڑے بھائی کے ہدایت کردہ الفاظ پیش کرنا وغیرہ سب کچھ محذوف ہے۔

**پس قرآن فہمی کا انیسواں اصول یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں محذوفات کا اسلوب موجود ہے جس سے فائدہ اٹھانا لازم ہے**

**فلہٰذا** زیرِ نظر ترجمہ و تفسیر میں، ربطِ کلام کے لئے قرآنی محذوفات کا پُورا پُورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور اِس چیز کو ہرگز ہرگز نظر انداز نہیں کیا گیا کہ اپنی کتابِ لاریب کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اِس میں کسی قسم کی کجی اور ٹیڑھا پن موجود نہیں ہے:-

● اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا o ۱۸/۱ = پوری کی پوری حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جس نے اپنے بندے پر ایک کتاب نازل فرمائی، جس میں، اُس نے کسی قسم کی کمی کجی اور ٹیڑھا پن ہرگز ہرگز نہیں رکھا۔

## ۲۰۔ ذو معنی الفاظ کا مفہوم، اُن کے متعدّد معنوں میں سے، وہ لیا جائے گا۔ جو ربطِ کلام، اور عربی لُغت و قواعد کے بھی مطابق ہو۔ اور مذکورہ بالا کسی قرآنی اصول کے خلاف بھی نہ جاتا ہو

ہر زبان میں بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں، کہ اہلِ زبان کے ہاں ان کے کئی کئی مفہوم چل رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً عربی زبان میں ضَرْبٌ کا لفظ ہے۔ اِس کے پانچ معنے خود قرآنِ کریم میں مذکور ہیں:-

۱۔ مارنا ۲۔ چلنا ۳۔ کاٹنا ۴۔ اوڑھنا ۵۔ بیان کرنا

۱۔ **مارنا:-** جو عورتیں زیور پہن کر باہر نکلیں اُنہیں حکم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر زور سے پَیر نہ ماریں۔ تا کہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر نہ ہو:-

- **وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ ۲۴/۳۱ =ضرب بمعنی مارنا۔**

۲۔ **چلنا:-** جب مجاہدین اسلام گھر سے چل کر میدانِ جنگ میں پہنچیں تو حکم ہوتا ہے:-

- **وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ۴/۱۰۱** ۔جب مومن (جہاد کے لئے) زمین میں چلیں تو کوئی ہرج نہیں کہ وہ الصلوٰۃ (نماز) کو کم کرلیا کریں۔**ضرب بمعنی چلنا**

۳۔ **کاٹنا:-** جب مجاہدینِ اسلام کا میدانِ جنگ میں کفّار کے ساتھ ٹکراؤ ہو تو حکم ہوتا ہے کہ اُن کی گردنیں کاٹی جائیں۔

- **فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۴۷/۴ ضرب بمعنی کاٹنا**

۴۔ **اوڑھنا:-** مومنات مُسلمات کے لئے ارشاد ہُوا ہے کہ اپنے گریبانوں (یعنی پورے سینوں) پر اوڑھنیاں اوڑھ رکھا کریں۔

- **وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ ۲۴/۳۱ ضرب بمعنی اوڑھنا۔**

۵۔ **بیان کرنا:-** اکملیّتِ قرآن کے ضمن میں ارشادِ باری ہے کہ ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کے ضروری حالات بیان کردیئے ہیں:-

- **وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ ۳۰/۵۸ ۔ضرب بمعنی بیان کرنا۔**

**پس غور فرمایئے گا کہ:-** مندرجہ بالا مثالوں سے مہرِ نیمروز کی طرح عیاں ہے کہ:- کسی ذُو معنی لفظ کا مفہوم، ربطِ کلام، قرائن سیاق وسباق اور کائناتی مشاہدات کو ملحوظ رکھے بغیر متعیّن نہیں کیا جائے گا مثلاً اگر مندرجہ بالا مثال نمبر ا میں جہاں ضرب کا مقامی معنٰی مارنا ہے۔ اگر وہاں اس کا معنٰی چلنا، کاٹنا، اوڑھنا یا بیان کرنا لیا جائے تو اگرچہ ضرب کے یہ سب معنے خود قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، لیکن یہ مفہوم سراسر غلط ہو گا۔ جیسے کہ مشاہداتِ عالم ۲۴/۳۱ کے اِن ہر چہار مفہوم کی کھُلے بندوں تکذیب کررہے ہیں کہ زیورات والی خواتین اپنے پَیروں کے ساتھ چلانہ کریں، پَیروں کے ساتھ کاٹا نہ کریں، پَیروں کے ساتھ اوڑھا نہ کریں، پَیروں کے ساتھ بیان نہ کیا کریں، یہ

سب معنے غلط ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ مصدر ضرب سے متعلقہ مندرجہ بالا پانچ آیاتِ کریمات کے، جب تک مذکورہ بالا الگ الگ مفاہیم نہ لئے جائیں۔ اُس وقت تک ان کا الگ الگ صحیح مقامی معنٰی بر آمد نہیں ہوتا۔ اور ان پانچ مثالوں سے یہ بات بھی نکھر کر عیاں ہو رہی ہے کہ ذُومعنی الفاظ کا مفہوم متعیّن کرنے میں لُغتِ عرب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے خود مقرر کردہ قوانینِ جاریہ ہی کا سہارا لینا فرض ہے۔ یعنی جس طرح:-

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ ۲۴/۳۱ میں مصدر ضرب کے معنی متعیّن کرنے میں اللہ تعالیٰ کے خود مقرر کردہ قوانینِ کائنات ہی کا فیصلہ اٹل ہے کہ اس آیت میں چلنا، کاٹنا، اوڑھنا اور بیان کرنا چاروں معنے اس لئے غلط ہیں کہ یہ عالمی مشاہدات کے خداوندی قوانین میں فِٹ نہیں آتے۔

پس **قرآن فہمی کا بیسواں اصول** یہ ہے کہ ذُومعنی الفاظ کے معنے قواعدِ عرب اور مشاہداتِ عالم کے مطابق لئے جائیں گے۔

● **فلہٰذا** زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں ذُومعنی الفاظ کے بالکل وہی معنے لئے گئے ہیں جو ربطِ کلام، سیاق وسباق اور لُغت وقواعدِ عرب کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے خود مقرر کردہ اُن قوانینِ کائنات میں مشاہدۃً بھی فِٹ آتے ہیں جو ہر آن ہمارے گرد وپیش موجود ہیں۔ اور جن کی ہرگز نہ کھلنے والی زنجیروں میں پُوری کی پُوری موجودات، ابتداءِ آفرینش سے جکڑی ہوئی ہے اور قیامت تک کے لئے جکڑی رہے گی۔

## ۲۱۔ کلامِ مقصود اور غیر مقصود میں تمیز کرنا ضروری ہے۔ کلامِ غیر مقصود بطورِ محال تام آتا ہے

قرآنِ کریم میں آیا ہے:-

● إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۷/۴۰ = بیشک جو لوگ ہماری آیتوں کو جُھٹلاتے ہیں اور ان سے تکبّر کرتے ہیں اُن کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ نہ اُنہیں اُس وقت تک جنّت میں داخل کیا جائے گا۔ جب تک کہ سوئی کے ناکے سے موٹا رسّہ نہ گزر جائے۔

ے جمل کا معنیٰ اونٹ بھی ہے اور جہاز کا موٹا رسّہ بھی۔ یہاں سوئی کے ناکے کی مناسبت سے موٹا رسّہ معنیٰ لینا درست ہے۔ اونٹ معنیٰ لینا درست نہیں۔

دیکھئے گا! یہاں کلامِ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات کو جھٹلانے والوں کے لئے جنّت کا داخلہ مطلقاً

ناممکن ہے۔سوئی کے ناکے سے اونٹ یا جہاز کے رسّے کا گزرنا کلامِ غیرمقصود بطور محالِ تام آیا ہے۔لہٰذا اس سے یہ مفہوم اخذ کرنا منشاءِ قرآنی کے خلاف ہے کہ قانونِ جاریہ کے خلاف کسی معجزاتی یا کراماتی طور پر سوئی کے ناکے سے جہاز کا موٹا رسّہ گزر بھی سکتا ہے۔اور کسی نبی ولی کی سفارش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات کو جھٹلانے والوں اور تکبر کے ساتھ اِن کا مذاق اڑانے والوں کا جنّت میں داخلہ بھی ممکن ہے۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے کہ جس طرح سوئی کے ناکے سے باریک دھاگے کی بجائے موٹے رسّے کا گزرنا محالِ تام ہے۔اسی طرح آیات اللہ کی تکذیب کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہونا بھی محالِ تام،یعنی مطلقاً ناممکن ہے۔

**فلہٰذا** ترجمہ وتفسیر زیرِنظر میں محالاتِ تامہ کو جن پر مشاہداتِ عالم کی مُہرِتصدیق ہر آن ثبت ہورہی ہے،قرآنِ کریم کے کسی مقام پر بھی واقعاتی رنگ دے کر قوانینِ کائنات کی مخالفت نہیں کی گئی۔ بلکہ جس امر پر کوئی محالِ تام لایا گیا ہے اُسے مطلق نفی کی دلیل مانا گیا ہے۔

پس **قرآن فہمی کا اکیسواں اصول** یہ ہے کہ کلام مقصود اور غیرمقصود میں فرق کیا جائے اور کلام غیرمقصود کا سہارا لے کر قرآنِ حکیم میں کسی قسم کے چیستانی تصوّرات پیدا کر کے قوانینِ خداوندی کی مخالفت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

## ۲۲۔انقسامِ مفہوم مطابق قرآنی کلیہ جات وعالمی مشاہدات

سورۃ بقر میں آیا ہے کہ اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ لوگو! یا یہودی ہوجاؤ یا نصرانی ہوجاؤ تو ہدایت پاجاؤ گے:۔

● وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ۲/۱۳۵

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہود ونصاریٰ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ یہودی اور نصرانی دونوں ہدایت یافتہ ہیں؟ کیا اگر کوئی نصرانی یہودی ہوجائے تو نصاریٰ اُس پر خوش ہوتے،اور اُسے ہدایت یافتہ مان لیتے ہیں؟ اور اِسی طرح اگر کوئی یہودی نصرانی ہوجائے تو کیا اس پر یہودی خوش ہوتے اور اُسے ہدایت یافتہ گردان لیتے ہیں۔ اِس سوال کا جواب اِسی سورت کی آیت نمبر۱۱۳ میں دیا گیا ہے کہ یہود ونصاریٰ دونوں ہی ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں۔تو پھر اُن کا متفقہ فیصلہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ یہودیوں کے نزدیک نصرانی اور نصرانیوں کے نزدیک یہودی ہدایت یافتہ ہیں۔دیکھئے ارشادِ باری:۔

● وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ لَيۡسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىۡءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيۡسَتِ الۡيَهُوۡدُ عَلٰى شَىۡءٍ ۲/۱۱۳

لہٰذا اِس آیتِ مجیدہ ۲/۱۱۳ اور یہود ونصاریٰ کی مشاہداتی شہادت سے بالتّصریح ثابت ہوا کہ آیت نمبر ۲/۱۳۵ قَالُوۡا كُوۡنُوۡا

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی کا معنیٰ انقسامِ مفہوم کی رُو سے یہ ہوگا کہ:۔ یہودی کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ تو ہدایت پالو گے اور نصاریٰ کہتے ہیں نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔

## ۲۲/۱ تحفّظِ ناموسِ رسالت

سابقہ تراجم وتفاسیر میں قرآن فہمی کے مذکورۃ الصدر اصول کو نظر انداز کرنے سے ناموسِ رسالت تک کا عدم تحفّظ پایا گیا ہے۔ جیسے کہ سورہ بقر میں آیا ہے:۔

● اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ٥ ۲/۲۱۴

اِس آیت کے ترجمہ میں سابقہ مشہور مترجمین شاہ رفیع الدین، شاہ اشرف علی، شاہ عبدالقادر، سید مقبول احمد شیعہ، ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی ثناء اللہ صاحبان رحم اللہ علیہم نے یہ مفہوم پیش کیا ہے کہ سابقہ اقوام پر جب سختی کا وقت آتا تھا۔ تو مومنوں کی جماعت اپنے رسول سلامٌ علیہ سمیت پکار اٹھتی تھی کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ یعنی مومن بھی گھبرا جاتے تھے اور رسول سلامٌ علیہ بھی گھبرا اٹھتے تھے۔ حالانکہ انقسامِ مفہوم کے قرآنی اصول کے مطابق اِس آیتِ مجیدہ میں اللہ کے رسول سلامٌ علیہ اس الزام سے بَری ہیں۔ قرآنی کُلیہ کے مطابق آیتِ مجیدہ کا صحیح مفہوم تو ذرا آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ پہلے آپ سابقہ مشہور تراجم میں سے شاہ اشرف علی صاحب مرحوم کا مشہور ومقبول ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں دوسرے تراجم کی طرح خود رسولوں کے بھی گھبرا اُٹھنے کی خبر دی گئی ہے:۔

''دوسری بات سنو کیا تمہارا خیال ہے کہ جنّت میں (بے مشقّت) داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ تم کو ہنوز اُن (مسلمان) لوگوں کا سا عجیب واقعہ پیش نہیں آیا۔ جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ اُن پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقعہ ہوئی اور (مصائب) سے ان کو یہاں تک جُنبشیں ہوئیں کہ (اُس زمانے کے) **پیغمبر تک** اور جو اُن کے ہمراہ اہلِ ایمان تھے بول اُٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد (موعود) کب ہوگی؟ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی امداد بہت نزدیک ہے''۔

(ترجمہ شاہ اشرف علی صاحب مرحوم)

**غور فرمائیے گا!** کس طرح اللہ تعالیٰ کے مقدّس رسولوں کے عزم واستقلال پر حرف آتا ہے۔ کہ خود **پیغمبر تک** گھبرا کر پکار اٹھتے تھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ حالانکہ انبیاء سلامٌ علیہم کے متعلق گھبراہٹ کا سوال کیسا۔ مثلاً قوم بنی اسرائیل نے جب حضرت موسیٰ کی معیّت میں ہجرت کی اور فرعون تعاقب کرکے اُن کے قریب پہنچ گیا تو اُنہوں نے گھبرا کر

کہا:- اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۲۶/۶۱ ' بے شک ہم پکڑے جانے والے ہیں۔لیکن حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ نے فرمایا:- ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وہ عنقریب مجھے کامیاب کرے گا:۔ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِo ۲۶/۶۲

یاد رہے کہ رُسل انبیاء کے لئے گھبراہٹ کا تصوّر اخذ کرنا، صرف قرآنی کلیہ انقسامِ مفہوم کو نظرانداز کرنے کا نتیجہ ہے۔اب آیتِ بالا ۲/۲۱۴ کا صحیح مفہوم ملاحظہ فرمائیں، جو انقسامِ مفہوم کے قرآنی کلیہ کے مطابق درج ذیل ہے:-

''ایمان والو! کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ جنّت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ اُنہیں تنگی اور سختی پہنچی۔ اور وہ اِس قدر جھٹکائے گئے کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ اور اُس کے ساتھی مومن بول اٹھے۔(مومنوں نے کہا) اللہ کی مدد کب آئے گی۔(اللہ کے رسول سلامٌ علیہ نے فرمایا) یاد رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہے، آیا ہی چاہتی ہے۔

**دیکھا آپ نے!** کہ لف نشر غیر مرتّب کے مطابق ''يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ'' کے الگ الگ قول اُسی طرح انقسامِ مفہوم کی رُو سے نکھر کر سامنے آ رہے ہیں، جس طرح ''قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا'' میں یہود و نصاریٰ کے الگ الگ اور مختلف و متضاد اقوال بالصراحت موجود ہیں۔

پس **قرآن فہمی کا بائیسواں اصول** یہ ہے کہ خود قرآنِ حکیم اور عالمی مشاہدات کی مخالفت سے بچنے کیلئے انقسامِ مفہوم کے قرآنی کُلیہ پر عمل کرنا ضروری ہے۔

**فلہٰذا** زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں قرآنی ہدایت کے مطابق ''انقسامِ مفہوم مطابق کلیاتِ قرآنیہ و مشاہداتِ عالم'' کو بھی اُس کے ہر مقام پر مدِّ نظر رکھا گیا ہے۔ اور اِس قرآنی اصُول کو بھی ہرگز نظرانداز نہیں کیا گیا۔

## ۲۳۔تشریحِ الفاظ و آیات بذریعہ تقابلِ ضِدّین

قرآنِ حکیم میں قرآن فہمی کا ایک اور اصول بھی مذکور ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدّس کے مخصوص اسلوبِ بیان میں ایک انداز یہ بھی رکھا ہے۔ کہ بعض مقامات پر الفاظ و اصطلاحات کا مفہوم تقابلِ ضدّین کے ذریعہ بھی واضح کرتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً الفاظ کی وضاحت کے لئے نور کی ضِد ظلمت، لیل کی ضِد نہار، ہدایت کی ضِد ضلالت اور جنّت کی ضِد جہنم وغیرہ لاکر تشریح کر دیتا ہے۔ یہی حال ہے اصطلاحات کا۔ مثلاً قرآنِ کریم کی ایک اصطلاح ہے **الصلوٰۃ**۔ جس کا عام طور پر صلوٰۃِ موَقّت (نماز) ہی معنٰی لیا جاتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے تقابلِ ضِدّین کے ذریعہ اِس اِصطلاح کا ایک معنٰی بتایا ہے ''پوری پوری فرمانبرداری کرنا''۔ جیسے کہ سورہ قیامت میں نافرمان انسان کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ۳۱/۷۵

وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ۳۲/۷۵ ........................پس:-

یہی تقابلِ ضِدّین ملاحظہ ہو کہ صَدَّقَ کی ضِد کَذَّبَ آئی ہے۔اور صَلّٰى کی ضِد تَوَلّٰى بمعنی روگردانی، نافرمانی آئی ہے۔یعنی سچ کے مقابلے پر جھوٹ اور صلوٰۃ کے مقابلے میں نافرمانی لاکر وضاحت کردی ہے کہ صلوٰۃ کا ایک معنٰی نافرمانی کی ضِد فرمانبرداری ہے۔

پس **قرآن فہمی کا تئیسواں اصول** یہ ہے کہ مفہومِ قرآن کیلئے اِس کے پیش کردہ تقابلِ ضِدّین کو ہمیشہ نگاہ میں رکھا جائے۔

**فلہٰذا** زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر میں تقابلِ ضِدّین کے قرآنی کلیہ سے بھی پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے۔

## ۲۴۔جملہ ہائے اعتراض

قرآنِ کریم کے اسلوبِ بیان کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ اِسکی آیاتِ کریمات میں جملہ ہائے اعتراض بھی موجود ہیں۔اگر آیتِ مجیدہ میں مذکور معترضہ جملے کو الگ کرکے تقدیرِ کلام مرتب کی جائے تو فہمِ قرآن بالکل آسان ہوجاتا ہے۔مثلاً ذیل کی آیتِ مجیدہ پر غور فرمائیں۔اِس میں خط کشیدہ الفاظ جُملہ معترضہ ہے:-

● وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۫ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۴۲/۷ خط کشیدہ جُملہ، جو اس آیت میں جُملہ معترضہ ہے، اگر الگ نہ کیا جائے تو اِس کا ترجمہ یہ ہے:-

''اور جو لوگ ایمان لائیں اور اصلاح کے کام کریں۔ہم کسی پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے ۔وہ اہلِ جنّت ہیں اُس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

متن اور ترجمہ دونوں کے خط کشیدہ جملوں پر غور فرمائیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ مجیدہ سے اِن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔لیکن یاد رکھیئے گا۔کہ قرآنِ کریم کا یہ مستقل ومخصوص طرزِ بیان ہے کہ عموماً ہر اعتراض کا جواب جو کسی جملے پر پیدا ہوتا ہو، جملہ ہائے اعتراض کی صورت میں، ساتھ کے ساتھ دیتا چلا جاتا ہے۔اِس آیتِ مجیدہ میں ''اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' کے الفاظ سے ہر ذہن پر الگ الگ دباؤ پڑتا ہے کہ نہ جانے اعمالِ صالحہ کتنی مشکل چیز ہے جو شاید مجھ سے ادا نہ ہوسکے۔فلہٰذا قرآنِ کریم نے آگے بڑھنے سے پہلے اِس سوال کا جواب دے دیا ہے کہ اعمالِ صالحہ کا معیار ہر شخص کی ذاتی وسعت کے مطابق ہے۔ہم کسی فرد پر اُس کی طاقت سے زائد بوجھ ڈالتے ہی نہیں۔اِس طرح ذہنی بوجھ کو ہلکا کرنے اور ذہن

میں پیدا ہونے والے سوال کا جواب دے چُکنے کے بعد ''اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ''اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ'' یہی لوگ اہلِ جنّت ہیں۔ وہ اِس میں ہمیشہ رہیں گے۔ فلہٰذا آیتِ مجیدہ کے مفہوم کو آسان تر کرنے کے لئے جُملہ معترضہ کو الگ کرنے سے تقدیر کلام یہ ہے:-

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ___جُملہ معترضہ___ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○

(مفہوم) اور جولوگ ایمان لائے اور اصلاح کے کام کئے ___جُملہ معترضہ___ یہی لوگ اہلِ جنّت ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہینگے۔

جملہ ہائے اعتراض کا اسلوب، قرآنِ کریم میں اِس طرح بھی موجود ہے کہ ربطِ کلام کے مطابق بعض جگہ جملہ معترضہ سوسو ڈیڑھ ڈیڑھ سو آیاتِ کریمات پر مشتمل بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً سورہ نساء میں وراثت کے مسائل آیت نمبر ۱۱ تا ۱۳ میں، از یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ تا تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ ............الخ بیان ہوئے ہیں۔ اور ان کا تتمہ آیت نمبر ۱۷۶ میں آیا ہے۔

پس **قرآن فہمی کا چوبیسواں اصول** یہ ہے کہ جملہ ہائے اعتراض کو نگاہ میں رکھا جائے۔

## ۲۵۔ قرآنِ کریم اپنی لُغت آپ پیش کرتا ہے

انسانی لُغت تغیّر پذیر ہوتی ہے۔ تغیّر زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض الفاظ کا مفہوم بھی بدل بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ مثلاً صبر، شکر، توکّل، دین، صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ بیسیوں الفاظ ہیں جن کا مفہوم بدل چکا ہے۔ لیکن خدائے علیم وخبیر نے اِس مشکل کا حل بھی اپنی مکمل واکمل کتابِ مجید میں خود محفوظ کر کے اِسے تغیر پذیر لُغتوں سے بے نیاز کر دیا ہوا ہے۔ اِس کے نہ صرف الفاظ، بلکہ اُن کا مفہوم بھی زمانے کی دست بُرد سے محفوظ کر دیا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ $\frac{15}{9}$

......مثلاً لفظ:-

$\frac{25}{1}$ **صبر** کا معنٰی آج خود عربوں کے ہاں خصوصاً، اور عجمیوں کے ہاں عموماً یہ متعیّن ہو چکا ہے کہ مصائب زمانہ اور ظالموں کے ظلم کو، انتہائی بے بسی کے ساتھ برداشت کرتے چلے جانا صبر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ مدِّ مقابل کو کہہ دیا جائے کہ میرا تو صبر ہی ہے حالانکہ قرآنِ حکیم نے بالفاظِ ذیل، صابرین کی تعریف میں صبر کے معنے خود متعیّن کر دیئے ہیں۔ ''شاہراہِ زندگی میں پیش آنے والی ہر مصیبت کا اِس طرح سینہ تان کر مقابلہ کرنا کہ۔ سُستی کمزوری اور بد دلی قریب تک نہ پھٹکنے پائیں'':-

● وَکَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَہٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَھَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَکَانُوْا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ○ $\frac{3}{146}$ = اور نبیوں میں سے بہت سے نبی ایسے تھے کہ جن کی معیّت میں بہت سے رب والوں نے (مخالفینِ ربوبیّت کے ساتھ) جنگ کی۔ پھر اللہ کی راہ میں اُن پر جو مصیبت آئی نہ اُس سے وہ

سُست گام ہوئے، نہ اُن میں کمزوری ہی آئی، اور نہ وہ (تھک ہار کر کوشش چھوڑ کر) بیٹھ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صابرین (یعنی مشکلوں کا خم ٹھونک کر مقابلہ کرنے والوں) کو پسند کرتا ہے۔ اِسی طرح:-

۲۵/۲ ۔ **شُکر** کا معنٰی بھی قرآنی لُغت کے خلاف متعیّن ہو چکا ہے کہ ناہموار نظام کی غلط بخشیوں کی بدولت، اگر بھوک، ننگ اور ذِلّت ومسکنت کسی پر مُسلّط ہوتی چلی جائے تو اُس پر خوش رہے اور یہ کہے کہ باری تعالیٰ تیرا شُکر ہے کہ تو نے مجھ پر، کہیں اس سے بڑی ذِلّت مسلّط نہیں کر دی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بھُوک ننگ کا نہیں، بلکہ نعمتوں کا شُکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے:-

- وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ۱۶/۱۱۴ = اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو، اگر تم اُسی کے فرمانبردار ہو۔ سورۃ دہر میں۔ شکر کا معنٰی ''محنت وکوشش کا بھرپور نتیجہ'' بتایا گیا ہے...... چنانچہ اہلِ جنّت کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔
- وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ۝ ۷۶/۱۲ = اُن کے مستقل مزاج رہنے کا بدلہ ہے، جنّت اور ریشم۔ اُنہیں کہا جائے گا
- اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ ۷۶/۲۲ = بیشک یہ تمہارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری سعی **مشکور** ہے (یعنی تمہاری محنت وکوشش کا یہ بھرپور نتیجہ ہے جو تمہیں میسّر آیا ہے)۔ سورہ بقر میں آیا ہے:-
- فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۲/۱۵۸ = پس اللہ تعالیٰ محنت کا بھرپُور ثمر عطا کرنے والا صاحبِ علم ہے۔

پس قرآنی لُغت کی رُو سے شکر کا معنٰی ہے ایسی بھرپور کوشش کرنا، کہ اُس کا بھرپور نتیجہ برآمد ہو۔ خواہ وہ کوشش قوانینِ کائنات سے متعلق ہو، خواہ قوانین شرعیہ سے متعلق۔

۲۵/۳ ۔ **توکل** صبر اور شکر کے بعد توکّل کا معنٰی بھی مطلقاً غیر قرآنی مشہور ہو چکا ہے کہ جو کام بِلا سوچے سمجھے کیا جائے یا جس کی تکمیل کے اسباب موجود ہی نہ ہوں، تو اُس کے لئے کہا جاتا ہے توکّل علَی اللہ۔ حالانکہ قرآنِ کریم نے، معاملہ درپیش کے متعلق پہلے تو خود آنحضور سلامٌ علیہ کو صحابہؓ کے ساتھ مشاورت کا حکم دیا ہے:- ● وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۳/۱۵۹ = اور جب آپس کے پورے غور وخوض کے ساتھ لائحۂِ عمل مرتب کر لیا جائے۔ تو پھر ارشاد ہوتا ہے:- ● فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۳/۱۵۹۔ پھر جب تُو باہمی مشاورت کے بعد طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا اِرادہ کرے تو پھر اُس پروگرام پر پُورا پُورا عمل کرتے ہوئے اللہ پر توکّل کر۔

**دیکھا آپ نے!** کہ قرآنی لُغت میں بِلا سوچے سمجھے کام کرنے کو توکّل نہیں بتایا گیا۔ بلکہ کابینہ کا بورڈ بٹھا کر

اور معاملہ دَرپیش کے ہر پہلو پر نگاہ رکھتے ہوئے لائحہ عمل مرتب کرنے اور اُس پر پورا پورا عمل کرنے کو توکّل کہا ہے۔توکّل کا لفظی معنٰی ہے بھروسہ کرنا۔اب ظاہر ہے کہ معاملہ دَرپیش کے متعلق مجلسِ مشاورت میں جو طریق کار مرتّب کیا جائے گا۔اُس کا اللہ تعالیٰ کے اُن کائناتی قوانین کے عین مطابق ہونا لازم ہے۔جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ۱۰/۶۴ اور فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۳۵/۴۳ ۔اور یہی وہ قوانینِ خداوندی ہیں جو کبھی دھوکا نہیں دیتے۔مثلاً یہ امر ناقابل تردید ہے کہ لوہا پانی میں ڈوب جاتا ہے۔لیکن جب اُس کی چادر بنا کر جہاز بنالیا جائے تو قوانین خداوندی کے مطابق نہ یہ کہ لوہا خود تیرنے لگتا ہے۔بلکہ سینکڑوں افراد کو بھی سمندر پار لے جاتا ہے۔اسی طرح قوانینِ خداوندی کے مطابق ریلیں،موٹریں اور ہوائی جہاز وغیرہ اُس وقت تک کبھی دھوکا نہیں دیتے جب تک حضرتِ انسان سے کوئی قانونی تقصیر واقع نہ ہو۔فلہٰذا قرآنی لُغت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے خود پیدا اور مقرر کردہ قوانینِ کائنات پر بھروسہ کرنا توکّل علی اللہ ہے۔

۲۵/۴ ۔ دین اسی طرح ایک لفظ ہے ''دین''۔جس کے معنے رسمی نماز روزہ لے لیا گیا ہے۔اور محض نماز روزہ ادا کرنے والے کو کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا دیندار ہے۔خواہ وہ اصل دین یعنی ربوبیّتِ عامہ کے تصوّر تک سے نا آشنا ہو۔قرآنِ کریم نے سورہ یوسف میں دِیۡنِ الۡمَلِکِ ۱۲/۷۶ بمعنی شاہِ مصر کا قانون،اور سورہ نور میں زانی اور زانیہ کو سزا دینے میں رعایت نہ برتنے کے حکم میں ''وَلَا تَاۡخُذۡكُمۡ بِهِمَا رَاۡفَةٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ'' ۲۴/۲ کے الفاظ لاکر،کہ اللہ کے قانون میں تمہیں اُن پر رحم نہیں آنا چاہئے،خود بتادیا ہے کہ دین کا ایک معنٰی قانون ہے۔کسی بادشاہ کا قانون ہو تو اُسے دِیۡنُ الۡمَلِکِ کہا جاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون دینُ اللہ کہلاتا ہے۔قانون کی اساس چُونکہ عدل وانصاف پر قائم ہوتی ہے۔اِس لئے قرآن نے یَوۡمُ الدِّیۡن کہا ہے عدل وانصاف کے دِن،یعنی بدلے کے دِن کو......اُوپر بتایا جاچکا ہے کہ:-

قرآنی لُغت کے مطابق اصلِ دین ہے ربوبیّتِ عامہ......قرآنِ کریم کی بنیادی تعلیم صرف اور صرف ربوبیّتِ عامہ ہے۔جیسے کہ اس مقدّس ضابطۂ حیات کی ابتداء بھی ربوبیّتِ عامہ ہی سے ہوئی ہے:- اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۱/۱۔ اور اس کا اختتام بھی ربوبیّتِ عامہ ہی پر ہوا ہے:- قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۱۱۴/۱۔چنانچہ سورہ ماعون نمبر ۱۰۷/۱ میں بالصّراحت بتادیا گیا ہے کہ ربوبیّتِ عامہ ہی دین الٰہی ہے:-

| | |
|---|---|
| بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ | اللہ صاحبِ بخشش عامہ اور رحمت خاصہ کے نام کے ساتھ غور کر۔ |
| اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُكَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ | کیا تو نے اُس شخص پر غور نہیں کیا، جو اللہ کے دین کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہ ہے جو بے سہارہ لوگوں کو دھکّے دیتا ہے، اور جو |

الْمِسْكِيْنِ ۞ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۞ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۞

افراد کسی وجہ سے ساکن ہو جائیں، اُن کی غذائی ضروریات تک بہم پہنچانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ تباہی ہے اُن مصلّین (نمازیوں) کیلئے جو اپنی صلٰوۃ سے بے خبر ہیں۔ جو نمازیں دکھلاوے کی پڑھتے ہیں۔ اور رزق کے سرچشموں کو روک دیتے ہیں (کہ وہ ضرورت مندوں تک پہنچنے نہ پائیں)۔

دیکھا آپ نے! آیاتِ بالا میں کس وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ قرآنی لُغت کی رُو سے **دین** کا معنٰی بلا تمیز اعلیٰ و ادنیٰ سب کی ربوبیّت کرنا ہے۔ اور جو لوگ رزق کے سرچشموں پر قابض ہو کر ربوبیّتِ عامہ میں رکاوٹ بن جائیں وہ دین کو جھٹلانے والے ہیں۔ یعنی اللہ کے دین کی تصدیق ربوبیّتِ عامہ کو بروئے کار لانا ہے۔ اِسی آئینِ ربوبیّت کو قرآنِ کریم میں اَلدِّیْن کہا گیا ہے۔ اور اسی آئین سے متعلقہ بازپُرس کے دن کو **یَوْمُ الدِّیْن** کہا ہے۔

${۲۵}/{۵}$ **سحر** اِس لفظ کا معنٰی عام تفاسیر و تراجم میں لیا گیا ہے جادُو اور جادُو سے مُراد لی جاتی ہے نام نہاد کالاعلم۔ یعنی زبان سے کچھ الفاظ ادا کئے جائیں اور آدمی کا گھوڑا یا گھوڑے سے مکھی بن جائے۔ قرآنِ کریم نے تقابلِ ضِدّین کے ذریعہ سحر کا معنٰی بتایا ہے جھوٹ۔ کیونکہ یہ لفظ قرآنِ کریم میں حق کے مقابلے پر لایا گیا ہے:-

**فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْآ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ** o ${۱۰}/{۷۶}$ = پس جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق سچ آ گیا تو اُنہوں نے کہا کہ یہ ظاہراً سحر (ظاہراً جھوٹ ہے)...... جھوٹ چونکہ دھوکا دہی کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے قرآن نے سحر کا معنٰی دھوکا بھی بتایا ہے:-

● **قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ o سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ............... قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ** o ${۲۳}/{۸۶-۸۹}$ = اے رسول سلامٌ علیہ! ان سے پوچھئے گا کہ یہ اَن گنت سماوات اور یہ عظیم سلطنت کس کی ہے۔ وہ ضرور کہیں گے اللہ کی ہے.......... آپ کہہ دیجئے گا کہ پھر تم کو کہاں سے سحر ہو گیا ہے۔ یعنی پھر تمہیں اللہ کے ساتھ شریک کرنے میں کہاں سے دھوکا لگ گیا ہے۔ پس قرآنی لُغت کے مطابق سحر کا معنٰی جھوٹ اور دھوکا ہے جادُو نہیں۔

${۲۵}/{۶}$ **اِذن** اِسی طرح کا ایک لفظ ہے اِذن۔ جس کا معنٰی اجازت و حکم بھی ہے اور قانون بھی:- ● **اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا** ${۲۲}/{۳۹}$ = جن لوگوں کے ساتھ جارحانہ جنگ کی جائے۔ اُنہیں مدافعانہ جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ تو ہوا اِذن بمعنی اجازت۔ اِس کے علاوہ قرآنی لُغت کی رُو سے اِذن کا معنٰی قانون بھی ثابت ہے:- ..........

● فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ ............ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ ۷/۵۷-۵۸ =پس ہم اُس بادل کے ذریعہ پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اُس پانی کے ساتھ ہر قسم کے میوے نکالتے ہیں۔ اور جو عمدہ زمین ہے اُس کی نباتات اللہ کے اِذن (قانون) کے ساتھ عمدہ اور تندرست پیدا ہوتی ہے۔ اور جو خبیث یعنی ناقص زمین ہے اُس میں سے اللہ کے اِذن یعنی قانون سے ناقص پیداوار ہی نکلتی ہے...... دیکھئے اِن آیاتِ کریمات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے اِذن کے ساتھ عمدہ زمین سے عمدہ پیداوار نکلتی ہے اور ناقص زمین سے ناقص پیداوار پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کا قانونِ جاریہ ہے۔ جس کے لئے اِذن کا لفظ لایا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خود قرآنی لُغت کی رُو سے اِذن بمعنی قانون بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کی اِس حد تک اہمیت بیان فرمائی ہے کہ قرآنِ کریم کے متعلق جو مشہور ہے کہ اِس کی آیاتِ کریمات کے ساتھ خرقِ عادات کا ظہور ہوسکتا ہے۔ ایسے نظریات تک کا بطلان کر کے اعلان کر دیا گیا ہے کہ جادو سحر وغیرہ کا روئے زمین پر وجود تک ہی موجود نہیں۔ جیسے کہ ارشادِ باری ہے:- ● وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ ۱۳/۳۱ ۔ اگر (کوئی پڑھنے کی چیز یعنی) کوئی قرآن ایسا ہوتا، جس سے پہاڑ چلائے جاسکتے۔ یا اُس سے زمین کی مسافت طے کی جاسکتی، یا اُس کے ذریعہ مُردوں کے ساتھ باتیں کی جاسکتیں (تو اِس قرآن کے ساتھ بھی ایسا ہوسکتا تھا) حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب کام اللہ ہی کے لئے ہیں۔ یعنی اللہ کے قانون کے مطابق ہی طے پاتے ہیں...... اب امر بمعنی قانون بھی قرآنِ کریم ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**۲۵/۷ اَلْاَمْرُ** امر بمعنی کام اور مُہم بھی آیا ہے:- وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۳/۱۵۹ ۔ اے رسول سلامٌ علیہ! اہم کاموں، مُہموں کیلئے صحابہؓ کے ساتھ مشورہ فرمایا کریں...... لیکن امر بمعنی قانون بھی قرآنِ کریم میں آیا ہے:- ● اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ ۲۲/۶۵ ۔ کیا تُو نے غور نہیں کیا۔ یعنی تجھے غور کرنا چاہئے کہ بے شک زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے، خصوصاً کشتیاں، جو سمندر میں اللہ کے امر (قانون) کیساتھ چلتی ہیں...... دیکھئے یہاں بتایا گیا ہے کہ کشتیاں اللہ کے امر کے ساتھ چلتی ہیں۔ اب اظہر من الشّمس ہے کہ کشتیاں اور لوہے کے بڑے بڑے جہاز اُسی وقت سمندروں میں تیرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے اُس قانون کے مطابق بنائے گئے ہوں جو اُس نے خود مقرر کر دیا ہوا ہے کہ پانی میں تیرتی صرف وہ چیز ہے جو اپنے حجم کے پانی کے وزن سے ہلکی ہو۔ اور جو چیز اپنے حجم کے پانی کے وزن سے بھاری ہو، وہ ڈوب جاتی ہے۔ پس یہی اللہ تعالیٰ کا قانون

ہے۔جس کے لئے اِس آیت میں امر کا متبادل لفظ آیا ہے وَالْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ۔

## ۲۵/۸۔قرآنِ کریم میں بعض مقامات پر لفظ اللہ سے مُراد اللہ کا قانون ہے

ا۔ سورۃ نساء میں منافقوں کے ایک قول کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

● وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ○ ۴/۷۸ ...... عام تراجم میں اِس آیت کا معنٰی یہ لیا گیا ہے کہ:- اِن منافقوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے۔اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو (اے رسول سلامٌ علیہ! آپ کو) کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔آپ کہہ دیجئے گا کہ (نفع نقصان) سب اللہ کی طرف سے ہے۔پھر انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ بات کو سمجھنا نہیں چاہتے۔(ملخص تراجم شاہ اشرف علی صاحب، مولوی احمد علی صاحب، مولوی ثناء اللہ صاحب اور مقبول احمد شاہ صاحب شیعہ)

۲۔ اب دیکھئے! اس کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کا مفہوم، روایتی تراجم نے یہ لیا ہے کہ نفع اور نقصان، سُکھ اور دُکھ سب اللہ کی طرف سے ہے۔کتبِ روایات میں ہے کہ بھلائی اور بُرائی روزِ ازل کی لکھی ہوئی ہے۔(بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ) یعنی آیتِ بالا میں منافقوں کو اِسی روایتی مفہوم کی مخالفت پر تنبیہہ کی گئی ہے کہ اُنہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ بھلائی کو اللہ کی طرف اور بُرائی کو رسول کی طرف کیوں منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ چاہیئے یہ کہ بھلائی اور برائی دونوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں......لیکن یہاں ایک ایسی ٹھوکر کھائی گئی ہے کہ اگر اُس کو سمجھا نہ جائے، اور آیتِ بالا کا مفہوم منشاءِ خداوندی کے مطابق نہ لیا جائے تو اِس سے اگلی آیت مجیدہ، معاذ اللہ استغفر اللہ منافقوں کے قول کی تصدیق اور خداوندی قول کی تکذیب کرتی ہے دیکھئے ارشاد ہوتا ہے:-

● مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ ۴/۷۹ = اور اے رسول سلامٌ علیہ! آپ کو جو بھلائی پہنچتی ہے۔پس وہ اللہ کی طرف سے ہے۔اور جو آپ کو برائی پہنچتی ہے وہ خود آپ کی طرف سے ہے......اب غور فرمایئے گا! کہ ۴/۷۸ میں منافقوں کے متعلق بھی تو اُن کے اِسی قول کی خبر دی گئی ہے کہ بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور بُرائی آپ کی طرف سے ہے۔اور یہاں خود بھی یہی کچھ کہا جا رہا ہے کہ بھلائی اللہ کی طرف سے اور بُرائی آپ کی طرف سے ہے۔تو پھر منافقوں پر لَا يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا کی تنبیہہ نازل کرنا کہاں کا انصاف ہوا؟

**حقیقت حال** اب چونکہ اللہ تعالیٰ اس عیب سے پاک ہے کہ اگر منافق بھلائی کو اللہ کی طرف اور بُرائی کو رسول سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کریں تو اُنہیں تو ڈانٹ پلا دے۔ اور آپ اگلی ہی آیت میں وہی کچھ کہہ دے جس پر منافقوں کو مُتنبّہ کیا گیا ہے۔ فلہٰذا ۴/۷۸ کے الفاظ هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں لفظ اللہ سے مُراد اللہ ہے۔ اور كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں لفظ اللہ سے مُراد اللہ کا قانون ہے۔ اور آیتِ مجیدہ ۴/۷۹ اِسی مفہوم کی تائیدی اور تفسیری آیت ہے۔ اب ہر دو آیاتِ کریمات کا مسلسل قرآنی مفہوم ملاحظہ فرمائیں:-

| | |
|---|---|
| وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ | اور اگر اِنہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر اِنہیں برائی پہنچتی ہے تو (اے رسول سلامٌ علیہ! آپ کو) کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے۔ (یعنی آپ کی غلط تدابیر کا نتیجہ ہے)۔ |
| قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ ۴/۷۸ | آپ کہہ دیجئے گا کہ حقیقت یہ ہے کہ بھلائیاں اور برائیاں سب اللہ کے قانون کے مطابق آتی ہیں۔ پھر اِنہیں کیا ہوگیا ہے کہ یہ بات کو سمجھنا چاہتے ہی نہیں۔ |

یعنی واضح یہ کیا گیا ہے کہ مثلاً، اگر راہ میں پڑے ہوئے پتھر سے بچ کر نکل جائیں تو ٹھوکر نہیں لگتی، یہ بھلائی بھی اللہ کے قانون کے مطابق آتی ہے کہ پاؤں اس لئے محفوظ رہا ہے کہ پاؤں اور پتھر کا تصادم نہیں ہوا۔ اور اگر غفلت و بے توجہی کی بدولت پاؤں اور پتھر میں تصادم ہو جائے تو یہ تکلیف و برائی بھی اللہ کے قانون کے مطابق آتی ہے کہ پاؤں اور پتھر کے تصادم میں پتھر کا کچھ نہیں بگڑے گا پاؤں ہی زخمی ہوگا...... چنانچہ منافقوں کو مُتنبّہ کیا گیا ہے کہ جہاں بُرائیاں، سَیِّئات کسی غلط تدبیر کا نتیجہ ہوتی ہیں، جو قانونِ خداوندی کی مخالفت پر مبنی ہوتی ہے۔ وہاں حسنات بھی حُسنِ تدبیر ہی کا نتیجہ ہیں جو قانونِ خداوندی کی موافقت کا ماحصل ہوتا ہے اور اس مستقل قانون کے مطابق اگلی آیت مجیدہ میں خود آنحضور کو بھی مُتنبّہ کر دیا گیا ہے کہ آپ بھی ہمارے اِس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اوپر تو مُنافقوں کا تذکرہ تھا۔ لیکن اِس سے آگے آپ بھی سُن لیجئے گا:-

| | |
|---|---|
| مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ | (اے رسول سلامٌ علیہ!) خود آپ کو بھی جو بھلائی پہنچے گی۔ وہ بھی اللہ کے قانون کے مطابق ہی پہنچے گی (یعنی وہ آپ کے اُن افعال کا نتیجہ ہوگی جو قانونِ خداوندی کے مطابق |

شَہِیۡدًا ٥ ۴/۷۹

ہوں گے ) اور آپ کو جو تکلیف پہنچے گی ( وہ بھی اللہ کے قانون کے مطابق پہنچے گی ) وہ خود آپ کی طرف سے ہوگی (یعنی کسی تدبیری کمزوری کا نتیجہ ہوگا [1]۔ ہمارا قانون کسی کی رعایت نہیں کرتا ) ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے پیغام رساں بنا کر بھیجا ہے۔ ( قانونِ مشیّت میں دخیل نہیں بنایا ) اور اِس پر خود اللہ تعالیٰ ہی کافی گواہ ہے۔

آیاتِ بالا میں آپ نمبر ا ، اور نمبر ٢ کی بحث میں دیکھ چکے ہیں کہ اگر روایاتی تراجم کے مطابق یہاں لفظ اللہ سے مُراد، اللہ کا قانون نہ لیا جائے۔ تو پہلے نمبر پر آیات نمبر ۴/۷۸ اور ۴/۷۹ میں تضاد و تخالف پایا جاتا اور یہ باہم متصادم پائی جاتی ہیں اور دوسرے نمبر پر معاذ اللہ قولِ الٰہی کی تکذیب اور منافقوں کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

فلہٰذا ترجمہ اور تفسیر زیرِ نظر میں اِن آیاتِ کریمات کے فیصلے کے مطابق کہ قرآنی لُغت میں لفظ اللہ سے اللہ کا قانون بھی مُراد ہے۔ اِس لئے سیاق وسباق اور ربطِ کلام کے مطابق بعض مقامات پر اللہ سے مُراد اللہ کا قانون لیا گیا ہے۔

---

[1] ہمیں ناموسِ رسالت ہر آن عزیز ہے۔ تدبیری کمزوری کے الفاظ سے کوئی حرف آنحضرت سلامٌ علیہ کی ذاتِ اقدس پر ہماری طرف سے تصوّر نہ کریں۔ یہ بالکل اُسی طرح ہے کہ جیسے ایک جنگ کے موقعہ پر کچھ منافقوں نے عُذر بہانے کر کے جنگ میں عدم شمولیّت کی اجازت لے لی تھی اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مُتنبّہ فرمایا تھا:۔ لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ ۹/۴۳ = آپ نے کیوں اجازت دے دی ہے۔ اور اس طرح جو نقصان ہوا اُس کی وضاحت آیتِ مجیدہ کے اگلے الفاظ میں کی گئی ہے:۔ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ تَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ ٥ ۹/۴۳ = اِس طرح آپ پر سچے مسلمان نکھر کر عیاں ہو جاتے۔ اور جھوٹوں، یعنی منافقوں کو آپ جان لیتے۔

# ۲۶ : اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

جس طرح قرآنی الفاظ کے معانی کے ضمن میں سابقہ تفاسیر وتراجم میں نفسِ مضمون، سیاق وسباقِ کلام اور حقیقتِ حال سے بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ اُسی طرح بعض جُملوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک روا رکھا گیا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم کا ایک جُملہ ہے:- اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۔

### ۲۶/۱ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے

سابقہ تفاسیر وتراجم نے اِس جُملہ کا یہ مفہوم لیا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ سے مُراد ہے قرآن کی اطاعت اور اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے روایات کی اطاعت مقصود ہے۔ یعنی اِس آیتِ کریمہ سے دینِ اسلام میں، اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبول سلامٌ علیہ کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصوّر دیا جاتا ہے لیکن آیتِ ذیل کے مطابق قرآنِ کریم کی رُو سے اللہ اور رسول سلامٌ علیہ کی الگ الگ دو اطاعتوں کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اطاعت ہوتی ہے حکم کی۔ اور صاحب حکم صرف اللہ تعالیٰ ہے:-

- اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط ٦/٥٧ + ١٢/٤٠ = اللہ کے سِوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں...... نیز فرمایا ہے:-
- لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا ۝ ١٨/٢٦ = وہ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا۔ آنحضور سلامٌ علیہ خود بھی اللہ تعالیٰ ہی کے مطیع[1] تھے۔ اور صحابہ کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کا حکم دیا کرتے تھے۔ نیز ہر نبی رسول سلامٌ علیہ کا یہی حال تھا:-

---

[1] آنحضور کو حکم تھا:- ● اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ٦/١٠٥ + ● وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ ١٠/١٠٩ = اے رسول سلامٌ علیہ اُس کتاب کی اتباع کیجئے گا، جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے...... اور اِس حکم کی تعمیلی صورت کا اعلان خود آنحضور سلامٌ علیہ کی زبان سے کرادیا گیا ہے:- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ٦/٥٠ + ٤٦/٩ = میں صرف اور صرف اُس (کتاب) کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔

## ۲۶/۲ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ اپنی نہیں، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرواتے تھے۔

● مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ[1] اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۳/۷۹

(مفہوم) اور نہیں لائق واسطے اُس بشر کے کہ اللہ اُسے اپنی کتاب دے، اور (کتاب کے ساتھ) حکم (کرنے کا اختیار) دے۔ یعنی اُسے خلعتِ نبوّت عطا کرے۔ پھر وہ لوگوں کو یہ کہے کہ اللہ کے ساتھ[1] ساتھ میرے بھی بندے بنو۔ (یعنی اللہ کی اطاعت بھی کرو اور میری اطاعت بھی کرو، بلکہ (اُس کا فرض ہے کہ یہ کہے، لوگو!) رب والے بن جاؤ۔ (خالص اللہ کا حکم مانو) کیونکہ تم اللہ ہی کی کتاب کی تعلیم و تدریس کرتے ہو۔

## ۲۶/۳ اصل مُطَاع اللہ تعالیٰ ہے

فلہٰذا اللہ کے نبی رسول سلامٌ علیہ تو لوگوں کو رب والے (یعنی خالص اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار) بنانے کے لئے مبعوث کئے جاتے تھے، اپنی اطاعت کروانے کے لئے نہیں آتے تھے...... پس مسئلہ زیرِ بحث پر جب اِس قرآنی اصول کے مطابق غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سِوا کوئی اور صاحبِ حکم ہے ہی نہیں۔ تو جملہ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا مفہوم خود لفظِ رسول سلامٌ علیہ کے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر عیاں ہو جائے گا کہ رسول اللہ کا معنٰی اللہ کا پیغام پہنچانے والا ہے۔ نہ کہ اپنا کوئی حکم دینے والا۔ اور جب آنحضور سلامٌ علیہ بدلائل ذیل، اللہ کا پیغام پہنچانے والے تھے:-

● مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۳/۱۴۴ = محمد صرف اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔

● مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۵/۹۹۔ رسول کے ذِمّہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے...... پس یہ چیز نکھر کر عیاں ہو چکی، کہ اطیعوا الرسول کا معنٰی یہ ہے کہ ہمارے پیغام کی اطاعت کرو، جو ہم نے اپنے پیغام پہنچانے والے کے ذریعہ بھیجا ہے۔ اور اِس حقیقت کے پیشِ نظر، کہ حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰۔ اور وہ اپنا حکم اپنے رسولوں ہی کے ذریعہ پہنچاتا ہے، خود سامنے نہیں آتا۔ تو پورے جُملہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا معنٰی ثابت ہوا کہ:- "اللہ کی اطاعت کرو۔ یعنی اس کے حکم نامے کی اطاعت کرو جو اُس نے رسولِ عربی کے ذریعہ تمہاری طرف نازل فرمایا ہے"۔ پس اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کی درمیانی واؤ مغائرت کی نہیں، بلکہ تفسیری ہے۔ (واؤ تفسیری کی وضاحت حروف کی بحث میں آگے آ

---

[1] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا معنٰی قرآنی لُغت کے مطابق اللہ کے سِوا بھی ہے اور اللہ کے ساتھ بھی ہے۔ تفصیل، حروف کی بحث میں آگے آ رہی ہے۔

رہی ہے)۔ فلہٰذا جملہ زیرِ بحث میں ایک ہی اطاعت کا حکم ہے۔ الگ الگ دو اطاعتوں کا حکم نہیں۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ نے خود ہی رسولِ مقبول کو اپنے حکم میں شریک ٹھہرا کر خود ہی معاذ اللہ شرک فی الحکم کی تعلیم نہیں دی۔

مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے گا، کہ رسول سلامٌ علیہ، یعنی پیغام بر کی اطاعت پیغام کی اطاعت ہوتی ہے۔ اُس کی ذاتی اطاعت ہرگز نہیں ہوتی۔ کیونکہ اصل مُطَاع خود اللہ تعالیٰ ہے شخصی رسول سلامٌ علیہ نہیں۔

شخصی رسول سلامٌ علیہ کی اطاعت کو قرآنِ کریم نے بِاِذْنِ اللہ کی قید میں مقید کر دیا ہوا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری:-

● وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۴/۶۴۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول سلامٌ علیہ، مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت، اللہ کے حکم نامہ اُس کی کتاب کے ذریعہ کی جائے۔ دیکھئے! اگر رسول کی، شخصیّت ہی مُطَاع ہوتی تو اِذْنِ اللہ کی قید نہ لگائی جاتی۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کا اِذن کیا ہے۔ جس نے رسولِ مقبول سلامٌ علیہ کو مُطَاع بنا دیا تھا؟۔ اِذن کا ایک معنٰی ہے قانون جس کی وضاحت عنوان ۲۵/۶ میں گزر چکی ہے۔ یہاں اللہ کا اِذن وہ خداوندی حکم نامہ قرآنِ کریم ہے جس کی آمد سے پہلے حضور سلامٌ علیہ مُطَاع نہیں تھے اور جس کے نزول پر اُس کے ذریعہ مُطَاع ہو گئے، نیز آپ کی پیغام رسانی اِس حد تک صداقت و امانت پر مبنی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اعلانِ عام کر رکھا ہے کہ میرا رسول سلامٌ علیہ میرے پیغام میں ہرگز ہرگز کمی بیشی نہیں کرتا۔ میرے پیغام کے نام سے جو کچھ پیش کرتا ہے، وہ وہی کچھ ہوتا ہے جو اُس کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ ۵۳/۳-۴ = وہ (ہمارا رسول، ہمارے پیغام کے سلسلے میں) اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ (بلکہ جسے وحی کے نام سے پیش کرتا ہے) وہ وحی ہی ہوتی ہے، جو اُس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ سورہ نساء میں اِس عنوان کی یُوں وضاحت کر دی گئی ہے، کہ جس نے رسول سلامٌ علیہ کی، (یعنی ہمارے رسول کے ذریعہ ہمارے بھیجے ہوئے ضابطے کی) اطاعت کی، بے شک اُس نے اللہ ہی کی اطاعت کی:-

● مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ ۴/۸۰

پھر سُن لیجئے گا! کہ رسالت یعنی پیغام کی اطاعت ہی بیک وقت اللہ کی اطاعت بھی ہوتی ہے اور پیغام لانے والے کی بھی۔ پس اِس آیتِ مجیدہ میں بھی اطاعتِ واحدہ ہی کی خبر دی گئی ہے۔ اللہ اور رسول کی الگ الگ دو اطاعتوں کی دلیل نہیں لائی گئی۔ پس اِسلام اطاعت واحدہ کا علمبردار ہے۔ اور اطاعت واحدہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جو اُس کے حکم نامہ کے ذریعہ ہو گی جسے رسول امین لائے اور بلا کم و کاست پہنچا دیا، اور خود بھی اسی کے مطیع و فرمانبردار رہے۔ مزید برآں قرآنِ کریم نے اللہ و رسول کے لئے ضمیر واحد لا کر بھی واضح کر دیا ہے کہ جملہ ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' میں

قرآن اور روایات کی دو الگ الگ اطاعتوں کو حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ قرآنِ کریم کی اکلوتی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھئے ارشادِ باری:-

**۲۶/۴ اکلوتی اطاعت**

● یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ ۸/۲۰ = ایمان والو! اللہ کی، یعنی اُسکے رسول کے لائے ہوئے حکم نامہ کی اطاعت کرو اور اس (اکلوتے حکم نامے کی) اکلوتی اطاعت سے روگردانی نہ کرنا۔ دیکھئے گا! اگر اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ میں قرآن اور روایات کی الگ الگ دو اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہوتا تو ضمیر تثنیہ کی صورت میں ''وَلَا تَوَلَّوْا عَنْھُمَا'' آنا چاہئے تھا۔ ''وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ'' کی ضمیر واحد ڈنکے کی چوٹ اعلان کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اکیلی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا ۱۸/۲۶ کی خبر دینے کے بعد، خود ہی رسولِ مقبول سلامٌ علیہ کو اپنے حکم میں شریک ٹھہرا کر نہ شرک فی الحکم لازم کر دیا ہے اور نہ تضاد بیانی فرمائی ہے۔

**۲۶/۵ مرکزی اتھارٹی**

قرآنِ کریم کی بعض آیاتِ کریمات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا جملہ اصطلاح کے طور پر اُس قرآنی نظام اور مرکزی اتھارٹی کے لئے بھی لایا گیا ہے۔ جسے رسولِ مقبول نے قرآنی آئین کی بنیادوں پر قائم کیا تھا۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:-

● یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ؄ ۴/۵۹ (مفہوم) ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو۔ نیز رسول سلامٌ علیہ اور اپنے میں سے اصحابِ امر کی اطاعت کرو۔ پھر اگر اصحابِ امر کے ساتھ تمہارا کوئی تنازعہ ہو جائے۔ تو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُس تنازعے کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر لاؤ۔ یہی امر بہتر، اور انجام کی رُو سے بہت ہی اچھا ہے۔

دیکھئے! اِس آیتِ مجیدہ میں اپنے میں سے مقرّر کردہ اصحابِ امر کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے۔ اور اُن کے ساتھ اختلاف و تنازعہ کی اجازت بھی عطا فرمائی ہے۔ اور تنازعہ کی صورت میں متنازعہ امر کو اللہ اور رسول سلامٌ علیہ کی طرف پھیر لانے کا حکم دیا ہے۔

اب یہاں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون اصحابِ امر ہیں، جن کے حکم یا فیصلے کو چیلنج کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ کہ ہم کھلے بندوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں تمہارا فیصلہ منظور نہیں۔ اور اُن کے حکم سے سرتابی کرنے میں ایمان پر آنچ تک نہیں

آتی ......اور دوسرا سوال یہ ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ کی وفات کے بعد جب آپ سلامٌ علیہ موجود نہیں ہیں تو متنازعہ امر کو کس کی طرف پھیر لے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو فیصلہ دے گا اور اختلاف و تنازعہ یکسر ختم ہو جائے گا۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے **ذَالِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا** کے الفاظ میں بہتر اور انجام کی رُو سے احسن قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں:-

روایاتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ متنازعہ امر کو قرآن اور حدیث کی طرف لے جاؤ۔ لیکن مسلمانوں کی شکمی فرقہ بندی گواہ ہے کہ اہلِ روایات کے اِس تصوّر کے مطابق قرآن و حدیث نے اُمت کے چھوٹے بڑے کسی بھی متنازعہ امر کا فیصلہ نہیں دیا اور اُمت فرقوں میں بٹتی چلی گئی ہے۔ ہر فرقے کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن و حدیث اُسی کے حق میں فیصلہ دیتے ہیں۔ فلہٰذا ثابت ہوا کہ جس تصوّر نے اُمت کو متحد کرنے کی بجائے منتشر و مختلف کر دیا ہے نہ یہ **خَیۡرٌ** ہو سکتا ہے اور نہ **اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا** ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ فلہٰذا روایات کا دیا ہوا یہ تصوّر مطلقاً غلط ہے۔

## ۲۶/۶ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ کون ہیں؟

اب آیئے حقیقتِ حال کی طرف، آیتِ مجیدہ نے **اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ** کی اطاعت کا حکم دینے کے بعد، جو اُن سے اختلاف و تنازعہ کی اجازت بھی دے دی ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ماتحت عدالتوں کے قاضی یا مجسٹریٹ ہیں، جو قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی کی طرف سے مقدّمات کی سماعت کے لئے متعیّن کئے جاتے ہیں۔ اور یہ اطاعت دینی اُمور کی نہیں، کیونکہ دین کے کسی حکم کو چیلنج کیا ہی نہیں جا سکتا۔ بلکہ یہ عوام کے معاشرتی جھگڑوں کا ذکر ہے۔ عوام اپنے تنازعات مرکز کے مقرر کردہ قاضی اور مجسٹریٹوں کے پاس لے جائیں گے۔ اب اگر اُن سے کوئی فیصلہ غلط صادر ہو جائے تو جس فرد یا جماعت کی دادرسی نہیں ہوئی۔ وہ **اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ** کے فیصلے کو اپیل کے ذریعہ چیلنج کرنے کا مجاز ہے۔ اِسی سلسلے میں آیتِ مجیدہ ۴/۵۹ میں حکم دیا گیا ہے کہ متنازعہ امر کو اپیل کے ذریعے (**فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ**) اللہ اور رسول سلامٌ علیہ یعنی مرکزی اتھارٹی کی طرف لوٹا کر لے جاؤ، تا کہ دوبارہ غور و خوض کے بعد، آخری فیصلہ دے دیا جائے، جس کی اپیل نہیں ہو سکے گی۔ پس اللہ اور رسول سلامٌ علیہ وہ آخری اتھارٹی ہے کہ جس کے فیصلے کی کوئی اپیل نہیں۔ جب تک آنحضور سلامٌ علیہ خود زندہ رہے، آپ آخری اتھارٹی تھے۔ اور آپ کے بعد آپ کے جانشینؓ آخری اتھارٹی رہے، جن کے فیصلے آخری ہوتے تھے......مقدمات کے فیصلوں کے لئے اِسی انداز کو قیامت تک کے لئے **خَیۡرٌ** بھی کہا گیا ہے اور **اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا** بھی۔ لیکن یاد رہے کہ **اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ** کی پاکیزہ اصطلاح کے ماتحت وہ نظام آ سکتا ہے، جس میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا تسلیم کیا جاتا ہو۔ فیصلے قرآنی آئین کے مطابق ہوں۔ اور جہاں رشوت اور سفارش راہ نہ پا سکتی ہو......یعنی جو نظام اللہ کے بھیجے

ہُوئے، اور رسولِ مقبول سلامٌ علیہ کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات قرآنِ کریم کی بنیادوں پر قائم ہوگا۔ وہ اِس پاکیزہ اصطلاح کا مصداق ہوسکتا ہے۔ نہ نظامِ ملوکیّت اِس میں داخل ہوسکتا ہے، اور نہ سرمایہ دارانہ نظام، جن میں اللہ و رسول سلامٌ علیہ کے اوّلین سبق، درسِ ربوبیّت ہی کی مخالفت موجود ہو۔ حُکّام عیش اُڑا رہے ہوں۔ اور عوام ضروریاتِ زندگی سے محروم پائے جاتے ہوں۔

پس یہ اصطلاح ہموار و متوازن قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی کے سِوا کسی اور نظام کے لئے ہرگز استعمال نہیں کی جا سکتی...... اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ سے مُراد، قرآنی مرکز کی طرف سے متعیّن کردہ قاضی، مجسٹریٹ، حلقہ کے چیئرمین ہیں جو الگ الگ ایک ایک حلقہ، یونٹ یا وارڈ میں عوام کے فیصلوں کے لئے متعیّن کئے جائیں گے۔ اللہ و رسول کے الفاظ، انہیں متعیّن کرنے والی مرکزی اتھارٹی کے لئے اصطلاحاً استعمال کئے گئے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں متعدّد مقامات پر اس نظام کے لئے اصطلاح کے طور پر اللہ اور رسول سلامٌ علیہ کے الفاظ لا کر اُن کے لئے ضمیریں بھی واحد لائی گئی ہیں:۔

● یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۝ ۹/۶۲

دیکھئے! یہاں اللہ اور رسول سلامٌ علیہ کیلئے ضمیر تثنیہ نہیں، بلکہ یُرۡضُوۡهُ میں هٗ ضمیر واحد لائی گئی ہے۔ اور آیتِ مجیدہ کا مفہوم یہ ہے۔

ایمان والو! منافق لوگ، تمہیں راضی کرنے کے لئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ اور رسول زیادہ حقدار ہے کہ اگر وہ مومن ہیں تو اُس ایک کو راضی رکھیں۔ یعنی قرآنی نظام کے وفادار رہیں۔ اب بات صاف ہے کہ اللہ اور رسول کے لئے ضمیر واحد آئی ہے۔ لیکن اللہ اور رسول ایک نہیں۔ اللہ، اللہ ہے اور رسول سلامٌ علیہ، رسول سلامٌ علیہ ہے پیغام دینے والا اور پیغام پانے والا ایک نہیں ہوسکتے۔ خالق اور مخلوق ایک نہیں ہیں۔ پس اللہ اور رسول سلامٌ علیہ کے لئے واحد ضمیریں لاکر انہیں ایک ٹھہرانے سے صاف ظاہر ہے کہ جملہ اللہ اور رسول اصطلاح کے طور پر کسی ایسی چیز کے لئے لایا گیا ہے جو ایک ہے دو نہیں...... اس کی وضاحت واحد ضمیر لا کر آیتِ ذیل میں بھی کر دی گئی ہے کہ یہ اصطلاح اُس ہموار و متوازن نظام کے لئے استعمال کی گئی ہے جو عوام کی ضروریاتِ زندگی کا ضامن ہو کر اُنہیں غمِ معاش سے بے نیاز کر دیتا ہے:۔

● اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۹/۷۴ = اُنہیں اللہ اور رسول سلامٌ علیہ نے اپنے فضل (بیت المال) سے غنی کر دیا۔ یعنی اُس واحد مرکزی نظام نے، جو اللہ کے رسول سلامٌ علیہ نے اللہ کے حکم کے مطابق قائم کیا ہے، اُن کی ضروریاتِ زندگی کا ضامن بن کر اُنہیں معاشی غم و فکر سے آزاد کر دیا ہے۔

فلہٰذا ترجمہ اور تفسیر زیرِ نظر میں ''اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ'' کا معنٰی ہر مقام پر سیاق و سباق کے

مطابق کہیں تو اللہ تعالیٰ کے مُقدّس رسول سلامٌ علیہ کے لائے ہوئے ضابطۂ خداوندی قرآنِ کریم کی اطاعت مُرادلیا گیا ہے اور کہیں اُس ہموار و متوازن مرکزی نظام کی اطاعت، جو آنحضور سلامٌ علیہ نے قرآنی خطوط کے مطابق متشکل فرمایا تھا۔ اور جو بلا تمیز اعلیٰ وادنیٰ پورے عوام کی ضروریات زندگی کا ضامن تھا۔ بالفاظِ دیگر قرآنِ کریم نے، ربوبیّتِ عامہ کی بُنیادوں پر قائم کردہ اُس ہموار و متوازن نظام کے لئے ''اللہ اور رسول سلامٌ علیہ'' کے جملہ کو بطور اصطلاح استعمال کیا ہے، جس میں نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ بے مکان ہو نہ بے علاج ۲۰/۱۱۸-۱۱۹۔ نیز زیرِ نظر ترجمہ میں ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' کے جملہ سے اللہ اور رسول سلامٌ علیہ کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصوّر ہرگز نہیں دیا گیا۔ جس سے قرآنِ کریم میں تضاد ثابت ہوتا ہو، کہ اللہ تعالیٰ نے ۶/۵۷ اور ۱۲/۴۰ میں خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے سِوا کوئی واجبُ الاطاعت ہے ہی نہیں۔ اور خود ہی رسولِ مقبول سلامٌ علیہ کو اپنی اطاعت میں شریک کرنے کا مُشرکانہ حکم بھی دے رکھا ہے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى۔

# ۲۷: ناسخ ومنسُوخ

سابقہ تفاسیر و تراجم میں قرآنِ کریم کے متعلق یہ تصوّر دیا گیا ہے کہ اِس کی کچھ آیتیں منسُوخ بھی ہو چکی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض کے نزدیک پانچ سو آیاتِ کریمات منسوخ ہیں۔ اور بعض کے نزدیک الگ الگ تین سو، دو سو، پچاس اور شاہ ولی اللہ رحمت اللہ علیہ کے نزدیک صرف پانچ منسُوخ ہیں۔

لیکن یاد رہے کہ کتابِ خداوندی کی کسی ایک آیت کو بھی منسُوخ تسلیم کرنے سے نامُوسِ باری محفوظ نہیں رہتی۔ یعنی یہ تصوّر سامنے آتا ہے کہ معاذ اللہ بعض حکم نازل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔ اور کل کو واپس لینا پڑ جائے گا۔ یہ تصوّر اُس ذاتِ مقدّس کے متعلق کس طرح قابلِ قبول ہو سکتا ہے، جو علیمٌ بذات الصّدور ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہے۔

**۲۷/۱ قرآنِ مجید کے جملہ احکام وقت کے تقاضوں کا ساتھ دیتے ہیں۔**

خدائے علیم وخبیر کے کلام کی جامعیت و ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ جن احکام میں وقتی تقاضوں کی تبدیلی کا سوال پیدا ہونے والا ہوتا ہے۔ ان کی وضاحت آیت متعلقہ میں ساتھ کے

ساتھ کر دی گئی ہے۔مثلاً:- وضو کا حکم سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۶ میں درج ہے۔لیکن اِسی آیت میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر ایسا وقت آ جائے کہ تم سفر میں ہو اور پانی نہیں ملتا، یا اگر تم بیمار ہو، اور پانی موجود تو ہے لیکن پانی کے ساتھ وضو کرنا وقتی حالات کے مطابق مضرِ صحت ہے تو تیمّم کر لیا کرو۔اِسی طرح:-

- نماز کے متعلق سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۰۳ میں حکم دیا گیا ہے کہ اسے مقررہ اوقات میں ادا کرنا فرض ہے:-
- اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۝ ۴/۱۰۳

لیکن یاد رہے کہ نماز کا حکم بعد میں دیا گیا ہے اور اِس کے متعلق بدلتے ہوئے حالات کے وقتی تقاضوں کی وضاحت پہلے کر دی ہے، اور خدائے علیم وخبیر کی شان بھی یہی ہو سکتی ہے کہ اُس کے احکام میں، وقتی تقاضوں میں سے کسی ایک کی وضاحت وصراحت کو بھی نظر انداز نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ سورہ نساء کی آیاتِ مجیدہ ۱۰۱-۱۰۲ میں تشریح کر دی گئی ہے کہ اگر تم میدانِ جنگ میں ہو، ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی۔ نماز باجماعت ادا کرنا اگرچہ ممکن ہے۔لیکن اگر پُورا لشکر ایک ہی مرتبہ نماز میں کھڑا ہو جائے تو خطرہ ہے کہ دشمن یکبارگی حملہ نہ کر دے۔لہٰذا اِس وقتی تقاضے کے مطابق حکم ہوتا ہے کہ نماز کو کم کر لیا کرو:-

- وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ ٭ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ۝ ۴/۱۰۱ ...... اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ آدھی آدھی فوج باری باری کے ساتھ، اس طرح قصر نماز ادا کر لیا کرے۔ کہ ایک گروہ سالارِ لشکر کے ساتھ باجماعت نماز ادا کر رہا ہو اور دوسرا پہرہ دے رہا ہو:-
- وَاِذَا کُنۡتَ فِیۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَۃٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ ۟ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ ۪ وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَۃٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ ۴/۱۰۲=اور اے رسول سلامٌ علیہ! جب آپ خود ان میں موجود ہوں تو امامِ صلوٰۃ کے فرائض آپ خود انجام فرمائیں۔ پس چاہیے کہ مجاہدوں کا ایک گروہ آپ کے ساتھ قیامِ صلوٰۃ میں کھڑا ہو جائے (اور دوسرا گروہ پہرہ دیتا رہے) پھر جب وہ (پہلا گروہ) سجدہ (کر کے ایک رکعت پوری) کر چکے تو چاہیے کہ وہ تمہارے پیچھے (پہرہ پر) چلا جائے۔اور دوسرا گروہ آ جائے، جس نے صلوٰۃ ادا نہیں کی۔اے رسول سلامٌ علیہ! وہ بھی آپ کے ساتھ صلوٰۃ ادا کر لے۔

یہ تو ہوا اُس وقتی تقاضے کے متعلق حکم، کہ جب ابھی لڑائی شروع نہ ہوئی ہو۔اور جب لڑائی شروع ہو جائے تو اُس وقت کے متعلق حکم ہوتا ہے کہ اگر اُس کے دوران صلوٰۃ کا وقت آ جائے تو ہر مجاہد جس حالت میں بھی ہو، کھڑے، بیٹھے یا لیٹے

الگ الگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلیا کرے:-

● فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ج ۴/۱۰۳ = پھر جب تم مذکورہ تقاضوں والی صلوٰۃ پوری کرچکو (اور لڑائی شروع ہوجائے۔تو اِس کے دوران اگر صلوٰۃ کا وقت آجائے) تو پھر صرف اللہ کا ذکر کرلیا کرو، کھڑے بیٹھے اور لیٹے (جس پوزیشن میں بھی ہو)......اور اِس کے بعد جب جنگ اور خطرۂ فتنۂ کفار ختم ہوجائے تو ایسے وقت کے لئے حکم ہوتا ہے:-

● فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ج ۴/۱۰۳ پھر جب تمہیں اطمینان ہوجائے (کہ دشمن کا خطرہ نہیں رہا) تو پورے آداب وشرائط کے ساتھ پوری نماز ادا کیا کرو۔اور اِس طرح بدلتے ہوئے حالات سے متعلقہ ہدایات دے چکنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:-

● اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ٥ ۴/۱۰۳ = یہ اتنے تکلّف کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ فرضیّتِ نماز، مقررہ اوقات کی حدود محدود میں ہے۔وقتوں کی پابندی ہر آن فرض ہے۔

● اِسی طرح سورہ بقر کی آیت نمبر ۲۳۹ میں نماز ہی کے وقتی تقاضوں میں سے ایک ایسے وقت کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم سفر میں ہو۔نماز کا وقت ہے۔لیکن اگر تم پورے قرآنی حدود و قیود کیساتھ نماز ادا کرو، تو کسی وقتی خطرے کا خوف لاحق ہوتا ہے، تو ایسا کیا کرو، کہ اگر سواری پر ہو تو سواری پر ہی نماز ادا کرلیا کرو۔اور اگر پیدل سفر کررہے ہو تو پیدل چلتے چلتے نماز ادا کرلیا کرو:- فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ج ۲/۲۳۹

دیکھا آپ نے کہ خدائے علیم وخبیر، بدلتے ہوئے حالات کے وقتی تقاضوں سے کس طرح باخبر ہے۔اور اُس نے کس وضاحت وصراحت کے ساتھ نماز کے متعلقہ احکام میں وقتی تقاضوں کی ایک ایک شق کو کھول کھول کر بیان کردیا ہے۔کہ پانی نہ ہو یا مضرِ صحت ہو تو تیمّم کرلیا کرو۔جنگ میں ہو تو ایک ایک گروہ باری باری سے، دوسرے گروہ کے پہرے میں نماز ادا کرلیا کرے۔جنگ شروع ہو تو ہر مجاہد جس پوزیشن میں ہو اُسی پوزیشن میں صلوٰۃ ادا کرلے۔سفر میں ہو اور کوئی خطرہ لاحق ہو جائے تو پیادہ پا یا سواری پر چلتے چلتے نماز ادا کرلیا کرو۔

اب بتایئے گا کہ ایسی ذاتِ علیم وعلّام کے متعلق، کیا ایسا تصوّر بھی کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے کبھی بھی کوئی ایسا حکم نازل فرمایا ہو جو وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکتا ہو۔اور اُسے واپس لینا پڑ گیا ہو۔یعنی پہلے حکم کو دوسرے حکم کے ساتھ منسوخ کرنا پڑ گیا ہو؟

## ۲۷/۲۔ تنسیخ آیات کے متعلق قرآنی فیصلہ

تنسیخ آیات کا تصوّر سورہ بقر کی آیتِ ذیل سے لیا جاتا ہے:-

● مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○ ۲/۱۰۶ (مروّجہ ترجمہ)= جو ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے یا اُسے بھلا دیتے ہیں، تو اُس سے بہتر یا اُس جیسی آیت لاتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِس ترجمے پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی ہی آیتوں میں سے بعض کو منسوخ کر دیتا ہے تو اُن سے بہتر لانا تو بھلا ایک بات ہوئی، جو اگرچہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ ایسی آیت نازل ہی کیوں فرمائی جو واپس لینی پڑی، پہلے ہی بہتر آیت کیوں نہ نازل کر دی۔ لیکن دوبارہ بھی پھر اُس جیسی، مِثۡلِهَا نازل کرنے کا کیا فائدہ؟ اور اگر دوبارہ اُس جیسی ہی نازل کرنی تھی تو پہلی کے منسوخ کرنے کا کیا مطلب؟

**برادرانِ عزیز!** اللہ تعالیٰ ایسے عبث افعال کے تصوّر تک سے پاک و منزّہ ہے کہ پہلے تو کوئی ایسی آیت نازل کر دے جو وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکے، اور اُسے واپس لینا پڑ جائے۔ اور پھر دوبارہ نازل کرتے وقت، یا تو اُس سے بہتر آیت نازل کرے اور یا پھر اُسی جیسی نازل کر دے جو پہلی کی مانند وقتی تقاضوں کے ساتھ نہ چل سکے۔

اب آیئے حقیقت حال کی طرف! واضح رہے کہ مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ میں اٰیَةٍ کی تنوین عوض مضاف الیہ ہے۔ لیکن اس کا مضاف الیہ اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔ کہ اُس کے متعلق اپنی ہی نازل کردہ آیتوں کو منسوخ کرنے کا تصوّر پیدا ہونے لگے۔ اور نہ وہ دوبارہ اُنہی جیسی قابلِ منسوخ آیتیں (مِثۡلِهَا) لانے کے فعل عبث کا مرتکب ہوتا ہے...... لیکن ہماری اِس تنقیح پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو منسوخ نہیں کرتا تو پھر کس چیز کو منسوخ کرتا ہے۔ کیونکہ ''مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ'' کے الفاظ سے مطلقاً عدم تنسیخ کا تصوّر تو لیا ہی نہیں جا سکتا۔ اِس سوال کا جواب سورہ حج کی آیتِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ دیکھئے گا ارشاد ہوتا ہے:-

● وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِهٖ ۚ فَیَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَكِیۡمٌ ○ ۲۲/۵۲

(مفہوم) صاحبِ قرآن! آپ سے پہلے ہم نے کوئی نبی رسول سلامٌ علیہ نہیں بھیجا کہ اُسکے ساتھ ایسا نہ ہوا ہو کہ جب وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتا (یعنی لوگوں کو ہمارا پیغام پہنچاتا) تو شیطان اُس کے پہنچائے ہوئے پیغاموں میں کچھ اپنی طرف سے پیش کر دیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس چیز کو منسوخ کرتا ہے جو شیطان پیش کرتا ہے۔ اِس کے بعد اپنی آیتوں کو محکم کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ علم وحکمت ہے۔ (یعنی وہ بے علم وحکمت نہیں کہ ایسی آیتیں نازل کرے جو وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکیں اور پھر اُنہیں منسوخ کر کے واپس لینا پڑے)۔

**دیکھئے گا!** اِس آیتِ مجیدہ میں ایک مستقل اصول بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو محکم کرتا ہے منسوخ نہیں کرتا۔ منسوخ اُس چیز کو کرتا ہے، جو شیطان پیش کرتا ہے...... فلہٰذا ثابت ہوا کہ آیتِ مجیدہ ۲/۱۰۶ میں **اٰیَةٍ** کی تنوین سے ''آیتُ الشَّیْطٰن'' مُراد ہے آیت اللہ مُراد نہیں۔ پس ۲/۱۰۶ میں جس چیز کی تنسیخ کی خبر دی گئی ہے اُسی چیز کو ۲۲/۵۲ میں **مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ** فرمایا ہے۔ اور اپنی آیتوں کے متعلق **یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ** کی خبر دی گئی ہے۔ جس سے آیاتُ اللہ کی تنسیخ کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ الفاظ استحکام آیاتُ اللہ کی بیّن دلیل ہیں۔

**اب ملاحظہ فرمائیں** ۲۲/۵۲ کے مستقل اصول کی روشنی میں آیتِ مجیدہ ۲/۱۰۶ کا صحیح قرآنی مفہوم:-

یاد رہے کہ آیتِ مجیدہ ۲/۱۰۶ کا ربط ۲/۱۰۴ کے ساتھ ہے۔ اس لئے یہاں ۲/۱۰۴ ہی سے شروع کیا جاتا ہے۔ دیکھئے ارشاد ہوا ہے:-

● **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○** ۲/۱۰۴ (مفہوم) ایمان والو! تم (ہمارے رسول سلامٌ علیہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے) **رَاعِنَا** نہ کہنا۔ (یہ یہودیوں کی نشانی ہے۔ ۴/۴۶) تم **اُنْظُرْنَا** کہا کرو۔ اور (جب ہمارا نبی تمہاری طرف متوجہ ہو کر کلام فرمائے تو) سنا کرو۔ ہمارے حکم کا انکار کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے گا کہ سورہ نساء ۴/۴۶ میں **رَاعِنَا** کہنے کو شیطانوں کی نشانی (آیت) بتایا گیا ہے:-

● **مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا ۢ بِاَلْسِنَتِهِمْ ○** ۴/۴۶۔ اور یہودیوں میں سے ایسے ہیں جو اللہ کے کلام کو اُس کے اصل مقام سے بدل دیتے ہیں۔ اور (ہمارے رسول سلامٌ علیہ کو) کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بات سُنی اور انکار کر دیا۔ پس آپ ہماری سُنیے دوسروں کی نہ سُنیے۔ اور زبان کو پیچ دے کر کہتے ہیں رَاعِنَا (یعنی رَاعِیْنَا کہتے ہیں = اے ہمارے چرواہے)

**اب غور فرمایئے گا!** کہ باری تعالیٰ یہودی شیطانوں کی اِس نشانی **رَاعِنَا** کو منسوخ کر کے اور اِسے بھول جانے کا حکم دے کر مُحکمیّت میں اِس سے بہتر نشانی لائے ہیں **اُنْظُرْنَا**، کہ زبان کے پیچ سے بگاڑ کر، اِس کا کوئی توہین آمیز مفہوم لیا ہی نہیں جاسکتا۔ اور مفہوم کے لحاظ سے بالکل اُس کی مثل ومانند ہے۔ یعنی **رَاعِنَا** اور **اُنْظُرْنَا** مترادف المفہوم

الفاظ ہیں۔ رَاعِنَا کا معنی ہے ہماری رعایت فرمائیں۔ اور اُنْظُرْنَا کا معنیٰ ہے ہماری طرف توجہ فرمائیں۔ فلہٰذا اُنْظُرْنَا محکمیّت کے لحاظ سے رَاعِـنَـا سے بہتر ہے۔ اور مفہوم کے لحاظ سے مثل و مانند اور مذکورہ آیتِ مجیدہ ۲/۱۰۴ میں اِس شیطانی نشانی کو منسُوخ کرنے کے بعد ۲/۱۰۶ میں باری تعالیٰ نے اپنا یہ مستقل قانون پیش کر دیا ہے:-

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ[1] اَوۡ[2] نُنۡسِهَا[3] نَاۡتِ بِخَيۡرٍ[4] مِّنۡهَاۤ اَوۡ[5] مِثۡلِهَا[6] ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ○ ۲/۱۰۶

(مفہوم) نہیں منسُوخ کرتے ہم کسی (شیطانی) نشانی کو، یعنی ترک کروا دیتے ہیں۔ تو (محکمیّت میں) اُس سے بہتر نشانی لاتے ہیں اور (مفہوم میں) اُس جیسی۔ اے مخاطب! کیا تُو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے اور پیمانے مقرر کرنے والا ہے۔ (اُس کی کوئی آیت، صحیح اندازوں اور پیمانوں کے خلاف ہوتی ہی نہیں کہ اُسے نازل کرنے کے بعد پھر منسُوخ کرنا پڑ جائے)۔

**فلہٰذا** اِس ترجمہ اور تفسیر میں ناسخ و منسُوخ کے مروّجہ روایاتی تصوّر کا گزر تک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک ایک آیت اپنے مقام پر محکم اور چٹان کی طرح اٹل ہے۔

# ۲۸۔ شانِ نزُول

## ۲۸/۱۔ قرآنِ کریم عالمگیر ضابطۂ حیات ہے

قرآن فہمی کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں سدِّ سکندری بن کر کھڑی ہوئی ہیں۔ جیسے کہ آپ سابقہ عنوان میں دیکھ چکے ہیں کہ خود قرآن کی رُو سے تو قرآن کا کوئی شوشہ تک منسُوخ نہیں۔ اور اُدھر اِس کی پانچ سو آیاتِ کریمات کو منسُوخ قرار دے رکھا ہے۔ اِسی طرح سابقہ تفاسیر میں ایک نظریہ چل رہا ہے **شانِ نزُول** کا، کہ یہ آیت فلاں یہودی کے حق میں اُتری تھی اور یہ فلاں منافق کے بارے میں۔ یہ آیت فلاں صحابی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ اہلِ بیت کے فلاں فردِ محترم کے لئے۔ اور اس طرح قرآنی احکام کی عمومیت کو، جو قیامت تک کی پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے، صرف چند افراد تک محدود کر کے رکھ

---

[1] یہاں آیت بمعنی نشانی ہے۔ [2] اَوْ عاطفہ بمعنی واؤ تفسیری بمعنی یعنی ہے۔ اَوْ عاطفہ کی تشریح حروف کی بحث میں آگے آ رہی ہے۔ [3] بھلا دینا بمعنی ترک کروا دینا۔ [4] خَیْرٍ مِّنْهَا بمعنی محکمیّت میں اُس سے بہتر کہ زبان کے پیچ کے ساتھ راعنا کی طرح بگاڑا نہیں جا سکتا۔ [5] اَوْ عاطفہ واؤ کا فائدہ دیتی ہے بمعنی اور۔ [6] مِثْلِهَا سے مُراد ہے مفہوم میں اُس جیسی۔

دیا گیا ہے۔ اِس طرح شانِ نزول کا عقیدہ فہمِ قرآن کی راہ میں وہ سدِّ سکندری بنا ہوا ہے جو کسی بھی آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے قرآنِ کریم کی طرف آنے ہی نہیں دیتا۔ اور حالت یہ ہوتی ہے کہ آیت تو لے لی قرآن سے اور شانِ نزول تفسیروں سے ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ اور پھر مزیداری یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے ایک ہی نسخہ کے ایک ہی صفحہ پر ایک ایک آیت کے کئی کئی شانِ نزول باندازِ تشکیک درج ہیں۔ یعنی یقینی بات کوئی نہ ملے گی کہ یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ مثلاً:-

## ۲۸/۲ ۔شانِ نزولوں کے باہمی اختلافات

آیتِ مجیدہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِہٖٓ ۳۹/۳۳ کے متعلق تفسیر عزیزی، حاشیہ نسخہ قرآنِ کریم مطبوعہ ملک دین محمد اینڈ سنز کے صفحہ ۷۳۷ پر لکھا ہے کہ:-

''معالم التنزیل میں ہے ''جَآءَ بِالصِّدْقِ'' ابن عباس کی روایت میں ہمارے حضور ﷺ ہیں۔ سُدی کی روایت میں جبریل۔ اسی طرح مزید لکھا ہے کہ ''وَ صَدَّقَ بِہٖ'' سُدی کے نزدیک ہمارے حضور ﷺ ہیں اور کلبی کی روایت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ''

اب غور فرمایئے گا کہ شانِ نزول کے پردے میں ایک ہی جنبشِ قلم کے ساتھ کتنی غیر یقینی باتیں لکھ دی گئی ہیں۔ یعنی ''جَآءَ بِالصِّدْقِ'' یا آنحضرت کے حق میں نازل ہوا یا جبریل کے حق میں۔ اور ''وَ صَدَّقَ بِہٖ'' یا تو آنحضور سلامٌ علیہ کے حق میں نازل ہوا تھا اور یا حضرتِ صدیقؓ کے حق میں۔

## ۲۸/۳ ۔حاشیہ تفسیر ثنائی

یوں تو آپ کو کوئی بھی تفسیر جو شانِ نزول کے نظریہ پر لکھی گئی ہو، ایسی نہیں ملے گی، جس میں شانِ نزول کا اختلاف موجود نہ ہو۔ لیکن ہم آپ کو دورِ جدید کی مشہور ترین تفسیر کی سیر کراتے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب مرحوم کے مترجم قرآنِ مجید مرتبہ محمد داؤد صاحب راز مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۶۷۰ پر سورہ تحریم کی اوّلین آیت:-

● یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ۶۶/۱ کا پہلے نمبر پر تو، مفہوم ہی غلط اور ناموسِ رسالت کے منافی لے لیا ہے کہ رسولِ اکرم سلامٌ علیہ نے معاذ اللہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کی حلال فرمودہ کسی چیز کو حرام ٹھہرا لیا تھا اور اِس کے بعد شانِ نزول میں جو گُل کھلائے ہیں، حاشیہ کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ لکھا ہے:-

''اِس سورت کی ابتدائی آیتوں کی شانِ نزول میں مُفسّروں کے اقوال یہ ہیں۔ (۱) بعض تو کہتے ہیں کہ یہ حضرت ماریہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اُن کو حضورؐ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ نسائی میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عائشہؓ

اور حفصہؓ کے کہنے سننے سے ایسا ہوا تھا۔ آپ نے کفّارہ دے کر اپنی قسم توڑی اور اِس لونڈی سے ملے جلے۔ (۲) بالکل صحیح بات[۱] یہ ہے کہ زینب بنت جحش کے گھر میں آپ شہد پیا کرتے تھے............ اِس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی''۔

یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرتِ ماریہؓ کا کیا واقعہ ہے، کہ ایک شانِ نزول کے مطابق اُنہیں آنحضور سلامٌ علیہ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا؟ اور شہد کا کیا واقعہ ہے جسے آپ نے حرام فرما دیا تھا؟...... روایات کے اِن تراشیدہ واقعات کی تفصیل مولوی ثناء اللہ صاحب کے مذکورہ بالا مترجم قرآنِ کریم کے صفحہ ۱۷۶ کے حاشیے پر بالفاظ ذیل درج ہے:-

## ۲۸/۴ ۔ حضرتِ ماریہؓ کا روایتی قصّہ

''کہتے ہیں آنحضرت نے اُمّ المؤمنین حفصہؓ کے گھر میں ماریہؓ اپنے حرم سے صحبت کی۔ حضرتِ حفصہؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میرے گھر میں میرے بستر پر آپ ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اب سے ماریہؓ میرے اُوپر حرام ہے۔ اور تُو اِس کا ذکر عائشہ سے نہ کیجیو۔ لیکن حضرت حفصہؓ نے عائشہؓ سے یہ حال کہہ دیا۔ اُن کو بہت غصہ آیا۔ یہاں تک کہ آپ نے قسم کھائی کہ اب میں ماریہؓ کے پاس کبھی نہیں جاؤں گا۔ اس وقت یہ آیت اتری''۔

یہ تو ہے آیتِ مجیدہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۶۶/۱ کے شانِ نزُول کی تفصیل کہ، معاذ اللہ معاذ اللہ آنحضرت نے گھر میں ایک لونڈی رکھی ہوئی تھی۔ آپ کا اُس کے ساتھ میاں بیوی کا تعلق تو تھا لیکن اُسے کوئی گھر نہیں دیا ہوا تھا۔ آپ نے حضرت حفصہؓ کے گھر میں اُس بے گھر بیوی کا حقِ زوجیّت ادا کیا۔ لیکن حفصہؓ ناراض ہو گئیں۔ اُنہیں خوش کرنے کے لئے آپ نے اُسے اپنے اُوپر حرام کر دیا۔ اور حفصہؓ سے کہا۔ اِس واقعہ کا ذکر عائشہؓ سے نہ کرنا (کیوں؟) لیکن وُہ باز نہ آئی۔ آپ کو غصّہ آ گیا۔ اور حفصہؓ کا غصّہ بیچاری بیگناہ ماریہ پر نکالا۔ اور قسم کھالی کہ اب ماریہؓ کے جنسی حقوق کبھی ادا نہیں کروں گا۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ اے رسول سلامٌ علیہ! تُو اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے اُوپر اُس چیز کو کیوں حرام کرتا ہے جسے اللہ نے تیرے لئے حلال ٹھہرایا ہے۔ اس پر حضرت نے قسم توڑی اور مسکینوں کو کھانا کھلا کر کفارہ ادا کیا۔ یہ پورا قصّہ محض تراشیدہ ہے۔ آیتِ مجیدہ ۶۶/۱ کے الفاظ اس کے حامل نہیں ہیں۔

---

[۱] یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہلِ روایات کے ہاں، جب نسائی شریف میں، جو صحاح ستّہ میں داخل ہے، یہ لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ماریہؓ کو حرام کرنے پر اُتری تھی۔ تو یہ شہد والی بالکل صحیح بات بتانے والے صاحب کون ہیں؟ کیا امام نسائیؒ سے وہ زیادہ صحیح بات پر پہنچنے والے تھے؟ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو نسائی شریف صحیح ہے، اور دوسری طرف اس کے مندرجات کو یہ کہہ کر غلط قرار دے دیا گیا ہے کہ جو بالکل صحیح بات ہے وہ نسائی شریف کے خلاف ہے۔

## ۲۸/۵ ۔ شہد کا روایتی قصّہ

اب اِسی آیتِ مجیدہ کے دُوسرے شانِ نزول کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ اِسی صفحہ پر لکھا ہے:-

''بعضوں نے کہا کہ آنحضرت سلامٌ علیہ نے اپنی بی بی حضرت زینبؓ کے گھر شہد پیا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے صلاح کی کہ جب آنحضرت سلامٌ علیہ ہمارے پاس آئیں تو ہم یہ کہیں کہ آپ کے منہ سے گوند کی بوآتی ہے۔ اور آنحضرت سلامٌ علیہ کو اِس سے بڑی نفرت تھی کہ آپ کے بدن، لباس یا کپڑے سے کوئی بُری بُو آئے۔ چنانچہ جب آنحضرت سلامٌ علیہ ان کے پاس آئے تو دونوں نے مل کر یہی کہا۔ آپ نے فرمایا، میں نے تو زینبؓ کے پاس شہد پیا تھا۔ اب سے شہد کبھی نہیں پیوں گا۔ اُس وقت یہ آیت اتری۔ بعضوں نے کہا کہ بی بی اُمِّ سلمہ کے پاس سفید شہد پیا تھا''۔

## ایک اہم نوٹ

حاشیہ ثانی کہتا ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ نے شہد، یا تو حضرتِ زینبؓ کے گھر سے پیا تھا، اور یا حضرتِ اُمِّ سلمہؓ کے گھر سے۔ لیکن بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد سوم کے صفحہ ۱۳۶ پر لکھا ہے کہ آپ نے شہد حضرت حفصہؓ کے گھر سے پیا تھا۔

یہ ہے دُوسرے شانِ نزول کی تفصیل، کہ شہد پلانے والی کہیں حضرت زینبؓ بتائی گئی ہے، کہیں اُمِّ سلمہؓ اور کہیں حفصہؓ (الامان والحفیظ) نیز پہلے نمبر پر تو یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ کی دو بیویوں نے ایک جھوٹ گھڑا، پھر جھوٹ پر ایک دوسری سے تعاون کیا۔ اور اس کے بعد مل کر مجوزہ جھوٹ بولا کہ یارسول اللہ سلامٌ علیہ آپ کے منہ سے بُو آتی ہے۔ اِس پر آنحضور نے بلا تحقیق اپنے اوپر شہد حرام کر دیا۔ یہ تو ایک معمولی سطح کا آدمی بھی جانتا ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی پر سانس خارج کر کے سُونگھنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ منہ سے کس قسم کی بُو آ رہی ہے۔

اب بتایئے! کہ اِس بالکل صحیح شانِ نزول نے ناموسِ ازواجِ مطہرات کو داغدار تو کیا ہی تھا۔ خود رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کو کس سطح کا انسان ثابت کر دکھایا ہے، کہ بلا تحقیق ایک ایسا کام کر دیا، جس سے آپ پر اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام کرنے کی سنگین دفعہ عائد ہوگئی۔ اور ذاتِ باری کو تنبیہہ کے طور پر آیت نازل کرنی پڑی کہ:-

- اے نبی سلامٌ علیہ! یعنی ہماری طرف سے خبر پا کر لوگوں کو حلال وحرام کی تمیز دلانے والے، تجھے تو عوام کی رہنمائی کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ تُو نے خود ہی اللہ کے حلال کو کیوں حرام کر دیا ہے؟...... کیا ایسا تصوّر سیّدنا خاتم النبیّین سلامٌ علیہ کے متعلق کیا جا سکتا ہے، جن کا اقرار واعلان اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدّس کتاب میں قیامت تک کے لئے محفوظ کر رکھا ہے:-
- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحٰی اِلَیَّ ۔ ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹ = میں تو صرف اور صرف اُسی ضابطے کی اتباع کرتا ہوں جو میری

طرف وحی کیا گیا ہے......آنحضور سلامٌ علیہ کے اِس صحیح اور سچے اعلان کی روشنی میں:-

## ۲۸/۶ - آیۂ تحریم کا صحیح مفہوم

اب آیۂ مجیدہ ● یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ ا للّٰہُ لَکَ ج تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ۶۶/۱ کا صحیح مفہوم ملاحظہ فرمائیں......یاد رہے کہ لِمَ تُحَرِّمُ استفہام[۱] انکاری ہے اور تُحَرِّمُ فعل مضارع مستقبل کے لئے آیا ہے، حال کے لئے نہیں آیا:-

● اے نبی سلامٌ علیہ! تُو ایسی چیز کو کیوں حرام کرے گا، جو اللہ نے تیرے لئے حلال ٹھہرائی ہے۔ (یعنی تُو اللہ کے حلال کو کبھی حرام نہیں ٹھہرائے گا۔ اِس سلسلے میں) تُو بیویوں کی خوشنودی کیوں چاہے گا؟ (یعنی تو بیویوں کی خوشنودی کے لئے بھی اللہ کے کسی حلال کو حرام نہیں ٹھہرائے گا)۔

دیکھا آپ نے کہ اِن الفاظ میں کس طرح ناموسِ رسالت کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ لیکن جو آیتِ مجیدہ تحفّظِ ناموسِ رسول سلامٌ علیہ کی ضامن ہے۔ شانِ نزول کے روایتی نظریہ نے اُسی آیت کی مدد سے حضور سلامٌ علیہ کے دامنِ عصمت کو اِس بُری طرح داغدار کر رکھا ہے، کہ قرآنی حلال وحرام کے ضامن سلامٌ علیہ ہی نے اللہ کے حلال کو حرام کر دیا تھا۔ العیاذُ باللہ!

## ۲۸/۷ - شانِ نزول کا نظریہ خود شانِ باری بھی کے خلاف ہے

سابقہ تفاسیر وتراجم نے تصوّر دیا ہے کہ وضو کا حکم نازل کرنے کے بعد تیمّم کا حکم اُس وقت نازل ہوا تھا کہ جب رسول اکرم سلامٌ علیہ معہ صحابہؓ ایک سفر میں تھے۔ قافلہ ایسے مقام پر تھا، جہاں پانی موجود نہیں تھا۔ قافلے کو روانگی کا حکم ہوا۔ چنانچہ کوچ ہونے والا تھا کہ حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہوگیا۔ ہار کی تلاش میں نماز کا وقت تنگ ہوگیا۔ صحابہ نے حضرتِ ابوبکرؓ کو طعنے دینے شروع کئے کہ دیکھا تیری بیٹی نے کیا کِیّا ہے۔ نماز کا وقت جا رہا ہے۔ پانی یہاں ہے نہیں اور اِس نے قافلہ کو روک دیا ہے۔ اِس پر حضرت ابوبکرؓ نے بیٹی کے کندھے پر کچوکے دیئے۔ اور بہت سخت سُست کہا، لیکن اُس نے اِس لئے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ آنحضور سلامٌ علیہ اُس کے زانو پر سر رکھ کر سوئے ہوئے تھے۔ حضرتِ عائشہؓ، صحابہؓ رسول سلامٌ علیہ اور والد بزرگوار کے طعنوں کو زہر کے گھونٹ کر کے پی گئیں۔ تو اُس وقت تیمّم کا حکم نازل ہوا کہ پانی نہ ہو تو تیمّم کر لیا کرو۔ (ملخّص بخاری شریف قرآن محل کراچی جلد دوم صفحہ ۷۷۰)

---

[۱] عربی زبان کا عموماً قاعدہ ہے کہ استفہامیہ فقروں میں انکار سے اقرار اور اقرار سے انکار مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح ۶۶/۱ میں جو بصورتِ استفہام ارشاد ہوا ہے کہ تو اُسے کیوں حرام کرے گا جسے اللہ نے حلال کیا ہے۔ تو یہ استفہام انکاری ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ اے نبی سلامٌ علیہ! آپ اللہ کے حلال کو کبھی بھی حرام نہیں ٹھہرائیں گے۔

دیکھا آپ نے! یہ ہے آیۂ تیمّم کا شانِ نزول جس میں ناموسِ رسالت وصحابہؓ کو اِس طرح مجروح کیا گیا ہے کہ قافلے بھر میں نماز کے وقت کے ضیاع کی بدولت اضطراب آیا ہوا ہے۔ اور آپ دورانِ سفر بھی زوجہ محترمہ کے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے ہیں۔ کیا آنحضور سلامٌ علیہ کو نماز کے وقت کی فکر نہیں تھی؟...... دوسرے نمبر پر اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو صحابہؓ رسول سلامٌ علیہ کو، زوجہؓ رسول سلامٌ علیہ کا اتنا بھی احترام نہیں تھا کہ ہار کا گُم ہو جانا کوئی خود اختیاری امر نہیں، اور تیسرے نمبر پر خود اللہ تعالیٰ کو کیا اتنا بھی معلوم نہیں تھا کہ اُمّت پر ایسے وقت بھی آئیں گے جہاں وضو کے لئے پانی موجود نہیں ہوگا۔ تیمّم کا حکم وضو کے حکم کے ساتھ ہی کیوں نہ نازل کر دیا کہ جہاں پانی نہ ملے تیمّم کر کے نماز پڑھ لیا کرنا۔

افسوس ہے کہ روایات نے قرآنِ کریم سے پوری پوری بے اعتنائی اختیار کر رکھی ہے۔ ورنہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آیت مجیدہ ۵/۶ میں وضو کے حکم کے عین متصل وضاحت کر دی ہے:- ● وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ ۵/۶= اور اگر (پانی موجود ہے، لیکن) تم بیمار ہو (اور پانی مضر پڑتا ہے)۔ تم سفر میں ہو۔ یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے۔ یا بیوی سے لمس کرے اور پانی نہ پائے، تو آلائش کو پاکیزہ مٹی کے ساتھ صاف کر لیا کرو۔ اور مُنہ اور ہاتھوں سے گرد وغبار پونچھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی کا ارادہ ہرگز نہیں کرتا...... اب دیکھئے گا! کہ قرآنِ کریم ہر مسئلے کی ضروری شقیں ساتھ کے ساتھ بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ مگر روایات ہیں کہ شانِ نزول کا شاخسانہ کھڑا کر کے یہ تصوّر دے رکھا ہے کہ جب تک کسی آیت کے نزول کیلئے اسباب پیدا نہیں ہوتے تھے، نازل نہیں ہوتی تھی۔

## ۲۸/۸۔ ایک ضروری وضاحت

شانِ نزول کے ضمن میں واضح کرنے کی یہ چیز ہے کہ قرآنِ کریم میں بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدّس رسول سلامٌ علیہ پر بعض مسائل کی وضاحت لوگوں کے سوال کرنے سے پہلے ہی اِس طرح فرما دی تھی کہ لوگ آپ سے یہ سوال پوچھیں گے، آپ یہ جواب دیجئے گا۔ مثلاً ارشاد ہوا ہے:-

● يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ۲/۲۱۹ =صاحبِ قرآن! لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ وہ کہاں تک اللہ کی راہ میں خرچ کرتے چلے جائیں۔ آپ فرما دیجئے گا کہ تمہیں ضرورت سے زائد ہر چیز اللہ کی راہ میں دے دینی ہوگی۔

● يَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ط قُلْ هُوَ اَذًى ۲/۲۲۲ =صاحبِ قرآن سلامٌ علیہ! لوگ آپ سے عورتوں کے ماہواری کورس کے متعلق سوال کریں گے۔ آپ فرما دیجئے گا۔ کہ وہ ایک بیماری ہے۔ اِن ایّام میں اِن سے پرہیز کرتے رہنا۔ (وغیرہ وغیرہ)

واضح رہے کہ يَسْـئَلُوْنَ فعل مضارع ہے۔ جو عربی زبان میں الگ الگ حال اور استقبال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مروّجہ تراجم وتفاسیر نے اِسے حال کے لئے مختص کر کے شانِ نزول کا جواز ثابت کیا ہے کہ لوگ جب آپ سے سوال کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے سوال کو دُہرا کر جواب نازل کرتا تھا۔ بالفاظِ دیگر جب سائل سوال کرتا تھا تو معاذ اللہ معاذ اللہ آپ کے پاس کوئی جواب موجود نہیں ہوتا تھا۔ آپ وحی کا انتظار کرتے تھے۔ اور جب وحی آتی، تب جواب دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ چیز تو کسی انسان کے متعلق بھی باور نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر کسی قوم کی طرف بھیجے۔ لیکن اُس قوم کے سوالوں کا جواب اور نمائندگی سے متعلقہ ہدایات دیئے بغیر روانہ کردے...... مگر اللہ تعالیٰ کے آخری نمائندہ رسولِ عربی سلامٌ علیہ کے متعلق تفاسیر میں لکھا ہے کہ لوگوں نے قِصّۂ اصحابِ کہف کے متعلق سوال کیا لیکن آنحضور سلامٌ علیہ کے پاس جواب موجود نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کل بتاؤں گا۔ خیال یہ تھا کہ جبریل آئیں گے اور پوچھ کر بتادوں گا۔ لیکن جبریل نہ آئے اٹھارہ دِن۔ اور آپ سلامٌ علیہ معاذ اللہ معاذ اللہ! اٹھارہ دِن تک لوگوں کے سامنے ندامت اُٹھاتے رہے (دیکھئے حاشیہ موضح القرآن متعلقہ آیاتِ مجیدہ ۱۸/۲۳-۲۴) اس کے برعکس اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدّس نمائندہ کی شان یہی ہوسکتی ہے کہ سوال سائل کے منہ میں ہو اور اِدھر جواب حاضر وموجود ہو...... پس اِس ٹھوس مسلّمہ کی رُو سے يَسْـئَلُوْنَكَ فعل مضارع سے زمانہ حال مُراد نہیں، بلکہ زمانہ استقبال مُراد ہے۔ اور قوم کے ہر قسم کے سوالوں کے جوابات حضور کو قبل از وقت ہی عطا کر دیئے گئے تھے کہ اے رسول سلامٌ علیہ! لوگ آپ سے یہ سوال کریں گے آپ یہ جواب دینا۔ یہ سوال کریں گے تو یہ جواب دینا۔

المختصر! شانِ نزول کے روایاتی نظریہ کے مطابق چونکہ ناموسِ باری اور ناموسِ رسالت دونوں مجروح ہوتی ہیں اس لئے یہ نظریہ مطلقاً غیر قرآنی، غلط اور زمانۂ رسالت سے کہیں بعد کی پیداوار ہے۔

**فلہٰذا** زیرِ نظر ترجمہ اور تفسیر میں روایاتی شانِ نزول کی طرف ہرگز رُخ نہیں کیا گیا، بلکہ قرآنِ کریم کے اپنے بتائے ہوئے مندرجہ بالا اصول وقواعد کے مطابق قرآن کی تفسیر خود قرآنِ کریم کے ساتھ کی گئی ہے۔

# ٢٩۔حُروفِ مقطّعات

## ٢٩/١۔ کیا حُروفِ مقطّعات کا مفہوم، معاذ اللہ معاذ اللہ رسولِ کریم بھی نہیں جانتے تھے

قرآنِ کریم کی متعدد سُوَرِ مجیدات کے ابتداء میں الٓمّٓ، الٓمّٓصٓ کی قسم کے حرُوف آئے ہیں۔جن کے متعلق سابقہ تفاسیر وتراجم نے ایک تصوّر تو یہ دیا ہے:- اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ مُرَادِهٖ = اِس کا معنٰی اور مفہوم اللہ کے سِوا کوئی نہیں جانتا۔اور دوسرا تصوّر یہ ہے کہ اِن کا مفہوم اللہ اور اُس کے رسول ہی جانتے ہیں۔اُنہوں نے کسی کو بھی نہیں بتایا۔اوّل تو یہ نظریئے اِس لحاظ سے بھی محلِّ نظر ہیں' کہ اگر اِن حروف کا مفہوم پوشیدہ رکھنا ہی منظور تھا تو اِن کے نازل کرنے کا کیا مقصد؟ کیا یہ صرف حُبّ کے تعویذوں پر لکھنے کے لئے نازل کئے گئے تھے؟ العیاذُ باللہ...... اِن میں سے پہلا تصوّر انتہائی خطرناک ہے، کہ کیا اِن کا مفہوم رسولِ مقبول سلامٌ علیہ بھی نہیں جانتے تھے؟ حالانکہ یہ حروف قرآنِ کریم کا حصّہ ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے پُورے قرآنِ کریم کے متعلق چار مرتبہ کے تکرار کے ساتھ اعلان فرمایا ہے:- ● وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ $\frac{54}{17-22-32-40}$ = اور بے شک بے شک ہم نے پُورے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا...... اِن آیاتِ کریمات میں القرآن کا الف لام استغراقی ہے،اور واضح کر دیا گیا ہے کہ حروفِ مقطّعات سمیت سارے کا سارا قرآنِ کریم آسان اور انسانی فہم وادراک کے عین مطابق ہے۔

## ٢٩/٢۔حرُوفِ مقطّعات کیا ہیں؟

تقطیع کا معنٰی ہے کاٹنا۔جدا کرنا۔لہٰذا مقطّعات اپنے الفاظ سے قطع کردہ حرُوف ہیں۔ جو اپنے اپنے الفاظ کے قائم مقام کے طور پر از روئے اختصار آتے ہیں۔اختصار کا یہ طریقہ ہر زبان میں موجود ہے۔مثلاً انگریزی میں ڈپٹی کمشنر کے لئے ڈی۔سی اور ڈویژنل آفیسر کے لئے ڈی او استعمال ہوتا ہے۔چنانچہ ڈیؔ ڈپٹی کا۔اور سیؔ کمشنر کا قائم مقام ہے۔اور اِسی طرح ڈیؔ ڈویژنل کا اور اوؔ آفیسر کا قائم مقام ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآنِ کریم میں قطعِ حروف کی کوئی مثال موجود ہے؟ اِس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک رسول سلامٌ علیہ کا تعارف دو ناموں اِل یاسین اور الیاس سے کرایا ہے۔اوّل الذکر اُن کا پُورا نام ہے اور موخر الذّکر قطع

کردہ۔ قطعِ حرف کے لئے ذیل کے نقشہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

۱۔ الیاسین = الیا + سین

۲۔ الیاس = الیا + س..........قطع کردہ از سین

دیکھئے! اس نقشہ سے بالصّراحت عیاں ہورہا ہے کہ الیاس کا سؔ، اور الیاسین کے سینؔ کا پہلا قطع کردہ حرف ہے۔ اربابِ عقل و دانش کے لئے قرآنِ کریم کی یہ مثال حرُوفِ مقطعات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے اپنے الفاظ کے قطع کردہ پہلے حروف ہیں، اور اپنے اپنے پُورے الفاظ کے قائم مقام ہیں۔

## ۲۹/۳ ۔ روایاتی اور قرآنی تصوّر کا الگ الگ خاکہ

ایک طرف تو روایات یہ تصوّر دیتی ہیں کہ حروفِ مقطّعات کا مفہوم صرف اللہ، یا اللہ اور رسول سلامٌ علیہ کے سِوا کوئی نہیں جانتا۔ اور نہ اُنہوں نے ان کا کوئی مفہوم بتایا ہی ہے۔ اور دوسری طرف الٓمّٓ کا یہ مفہوم بتایا بھی جاتا ہے، کہ الف سے اللہ، لام سے جبریل اور م سے محمد سلامٌ علیہ مُراد ہے۔ کیا خوب کُلیہ اختیار کیا گیا ہے کہ دو لفظوں، اللہ اور محمد سلامٌ علیہ کے تو پہلے حروف قطع کر لئے ہیں اور تیسرے لفظ جبریل کا آخری حرف کاٹ لیا ہے۔ اور میم مشدّدہ جو دراصل دو میم ہیں، اُن میں سے ایک میم چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ الٓمّٓ کا مفہوم بتاتے ہیں **آلِ مُحَمّد** سلامٌ علیہ۔

اب آیئے حقیقت حال کی طرف! حروفِ مقطّعات کا مفہوم سمجھنے کے لئے ایک آسان ترین مقطّعہ پر غور فرمائیں:۔

● یٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۙ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ ۳۶/۱-۳ = یٰسٓ میں یٓا حرفِ ندا ہے اور سٓ مُنادیٰ ہے۔ اور اِنَّکَ میں کؔ ضمیر واحد مذکر مخاطب آئی ہے، جو اپنے مرجع کو چاہتی ہے۔ اور یہاں دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہے کہ اِس ضمیر کا مرجع سٓ ہی ہے جسے قرآنِ کریم کی شہادت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ بلا شُبہ آپ ہمارے رسولوں میں سے ایک رسول سلامٌ علیہ ہیں...... اب بتایئے گا کہ یہ کون سی ذاتِ مقدّس ہے جنہیں نزولِ قرآن کے ساتھ شرفِ رسالت عطا ہوا تھا؟...... اب دیکھئے! اِس کے جواب میں آپ کی زبان پر بے ساختہ آرہا ہے، حضُور صاحبِ نور کا نامِ نامی محمدٌ رّسول اللہ سلامٌ علیہ۔ پس یٰسٓ کے بعد آنے والی کَ ضمیر واحد مخاطب نے ثابت کر دیا کہ سٓ حرف مقطّعہ جناب محمدٌ رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی کے لئے آیا ہے اور یہ حضور سلامٌ علیہ کا لقبِ گرامی ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ اے سٓ! آپ بھی ہمارے رسولوں سلامٌ علیہم میں سے ایک رسول سلامٌ علیہ ہیں۔

## ۲۹/۴ ۔ سٓ کا مفہوم

سٓ کیا ہے اور یہ کس لفظ کا قطع کردہ حرف ہے؟……اس کا جواب اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کی خداوندی خبر کے مطابق رسولوں سلامٌ علیہم کی صفاتِ حمیدہ کی فہرست میں ملے گا۔ حضرتِ زکریا سلامٌ علیہ کو، حضرتِ یحییٰ سلامٌ علیہ کی خوشخبری ان الفاظ میں دی گئی ہے:- ● اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًاۢ بِکَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ ۳/۳۹ ۔اے زکریا! بلاشُبہ، اللہ تُجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، جو قانونِ الٰہی کا مصدق سیّد متحمل مزاج، نبی اور صالحین میں سے ہوگا۔ اِس آیتِ مجیدہ میں حضرتِ یحییٰ کی پانچ صفتیں بیان ہُوئی ہیں۔ جن میں ایک صفت سیّد ہے۔ پس لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۲/۲۸۵ کے مطابق اللہ کے سب رسول معہ آنحضور سیّد ہیں۔ فلہٰذا ثابت ہوا کہ یٰسٓ کا سٓ لفظ سیّد سے قطع کردہ پہلا حرف ہے اور سیّد آنحضور کا قُرآنی لقبِ گرامی ہے، جو انبیاء سلامٌ علیہم کے لئے مختص ہے۔

## ۲۹/۵ ۔ حروفِ مقطّعات کا قاعدہ کُلیہ

حرفِ مقطّعہ سٓ کی قرآنی بحث سے حروفِ مقطّعات کے متعلق یہ قاعدہ کلیہ نکھر کر عیاں ہو چکا کہ جملہ حروفِ مقطّعات آنحضور سلامٌ علیہ کے القاب گرامی اور اپنے اپنے الفاظ سے قطع کردہ پہلے حروف ہیں۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم کی ۲۹ سُورتوں کی ابتداء میں الگ الگ ذیل کے حروفِ مقطّعات آئے ہیں:-

الٓمٓ ۔ سورہ بقرہ، آل عمران، عنکبوت، روم، لقمان اور سجدہ، چھ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔

الٓمٓصٓ ۔ سورہ اعراف کے شروع میں اور الٓرٰ سورہ یونس، ہود، یوسف، ابراہیم اور حجر پانچ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں

الٓمّٓرٰ سورہ رعد کے شروع میں اور حٰمٓ سورہ مومن، حٰم سجدہ، زخرف، دخان، جاثیہ اور احقاف چھ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں۔

طٰسٓ سورہ نمل کے شروع میں۔ اور طٰسٓمٓ سورہ شُعراء اور قصص کی ابتداء میں آئے ہیں۔

طٰهٰ سورہ طٰہٰ اور یٰسٓ سورہ یٰسٓ کے شروع میں، صٓ سورہ صٓ کے شروع میں اور قٓ سورہ قٓ کی ابتداء میں آیا ہے۔

نٓ سورہ قلم کے شروع میں آیا ہے، حٰمٓ عٓسٓقٓ سورہ شوریٰ کی اور کٓھٰیٰعٓصٓ سورہ مریم کی ابتداء میں آئے ہیں۔

جیسے کہ حرف مقطّعہ سٓ کی بحث میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ جُملہ حُروفِ مقطّعات آنحضور سلامٌ علیہ کے القاب

گرامی ہیں۔ پس واضح رہے کہ انہیں ہر جگہ پر، یا تو مرجع کی حیثیت حاصل ہے یا ماٗمور کی۔ اور ہر مقام پر حروفِ مقطّعات کے بعد یا تو آنحضور سلامٌ علیہ کیلئے کَ ضمیر حاضر مخاطب آئی ہے، جس کا مرجع حروفِ مقطّعات ہیں، اور یا آپ ہی کو مخاطب کر کے کوئی حکم دیا گیا ہے۔ ذیل میں جملہ حُروفِ مقطّعات الگ الگ معہ ضمائر مخاطب پیش خدمت ہیں:-

● الٓمّٓ. سورہ بقر، یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۴/۲ کے الفاظ میں دو مرتبہ تکرار کے ساتھ کَ ضمیر مخاطب میں آنحضور سلامٌ علیہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اور ان ضمائر کا مرجع الٓمّٓ ہے۔...... سورہ آلِ عمران میں نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ ۳/۳ ...... سورہ عنکبوت میں وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّکَ ۲۹/۱۰ ...... سُورہ سجدہ میں بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ ۳۲/۳ ...... سورہ رُوم میں فَاَقِمْ وَجْهَکَ ۳۰/۳۰ ' الگ الگ کَ ضمیر مخاطب آنحضور سلامٌ علیہ ہی کیلئے آئی ہے ...... اور سورہ لقمان میں فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۳۱/۷ کے الفاظ میں آنحضور سلامٌ علیہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے[1]۔ جس سے بالوضاحت ثابت ہوا کہ الٓمّٓ حروفِ مقطّعات حضور سلامٌ علیہ ہی کے القاب گرامی ہیں جن کیساتھ آپ کو ان چھ سورتوں کے شروع میں مخاطب کیا گیا ہے۔

● الٓمّٓصٓ سورہ اعراف میں کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ ۷/۲ کے الفاظ میں دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ کَ ضمیر مخاطب میں آنحضور سلامٌ علیہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اور اِن ضمائر کا مرجع الٓمّٓصٓ ہے۔

● الٓرٰ کے خطاب سے سورہ یونس میں قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ ...... الخ ۱۰/۱۵ کے الفاظ میں آنحضور ہی کو مخاطب کیا گیا ہے ...... سورہ ہود میں قُلْ محذوف کیساتھ آنحضور ہی کو حکم ہوا ہے کہ اعلان کر دیجئے گا اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ۱۱/۲ ...... سورہ یوسف میں نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ۱۲/۳ ...... اور سورہ ابراہیم ۱۴/۱ میں کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ کے الفاظ میں الگ الگ کَ ضمیر مخاطب کے ساتھ آنحضور سلامٌ علیہ ہی کو خطاب کیا گیا ہے ...... اور سورہ حجر ۱۵/۳ میں ذَرْهُمْ کے فعل امر کیساتھ آنحضور سلامٌ علیہ ہی کو حکم دیا گیا ہے کہ مخالفین کو چھوڑ دیجئے گا۔ فلہٰذا حروفِ مقطّعات الٓرٰ بھی حضور سلامٌ علیہ ہی کے القابِ گرامی ہیں۔ جن کیساتھ پانچ سُورتوں کے شروع میں آپ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

---

[1] سورہ روم میں الٓمّٓ حروفِ مقطّعات کے بعد تیسویں آیت میں کَ ضمیر مخاطب آئی ہے۔ واضح رہے کہ ضمیر کے، مرجع سے دُور واقع ہونے سے، حروف مقطّعات کی حیثیت پر کوئی مخالف اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ سورہ بقر اور آل عمران میں مرجع الٓمّٓ کے عین متصل ضمیر مخاطب موجود ہے:- الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ۳/۱-۳۔ اِس طرح باقی حروف مقطّعات کے بعد بھی اگر کہیں ضمیر مخاطب یا قُلْ کا خطاب ذرا دُور وارد ہوا ہو تو اس سے کوئی حرج واقعہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ پر اُنہی مقطّعات کے عین متصل ضمیر مخاطب لا کر شک وشبہ کی گنجائش تک ختم کر دی ہوئی ہے۔

● الٓمّٓرٰ کے خطاب سے سُورہ رعد میں وَالَّذِیٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ ۱۳/۱ کے الفاظ میں دومرتبہ کے تکرار کے ساتھ کَ ضمیر مخاطب لاکر آنحضور ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔اور ان ضمائر کا مرجع الٓمّٓرٰ ہے۔

● حٰمٓ کے خطاب سے سُورہ مومن میں فَلَا یَغْرُرْکَ ۴۰/۴ ......سُورہ دخان میں رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ ۴۴/۶ ......اورسُورہ جاثیہ میں تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ۴۵/۶ میں الگ الگ کَ ضمیر مخاطب کے ساتھ آنحضور ہی کو مخاطب کیا گیا ہے......سُورہ احقاف میں قُلْ اَرَءَیْتُمْ ......الخ ۴۶/۴ ......اورسُورہ حٰمٓ سجدہ میں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ۴۱/۶ ...... اورسُورہ زخرف میں لَئِنْ سَاَلْتَھُمْ ......الخ ۴۳/۹ کے الفاظ میں آنحضور سلامٌ علیہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ حٰمٓ کے حروفِ مقطّعات بھی حضور سلامٌ علیہ کے القاب گرامی ہیں۔جن کے ساتھ آپ کو چھ سُورتوں کے شروع میں مخاطب کیا گیا ہے۔

● طٰسٓ کے خطاب سے سُورہ نمل میں اِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ......الخ ۲۷/۶ کے الفاظ میں ،کَ ضمیر واحد مخاطب کے ساتھ آنحضور ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔اوراس ضمیر کا مرجع طٰسٓ ہے۔

● طٰسٓمّٓ کے خطاب سے سُورہ شعراء، لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ ۲۶/۳ کے الفاظ میں دومرتبہ کے تکرار کے ساتھ۔اورسُورہ قصص ۲۸/۳ میں بھی نَتْلُوْا عَلَیْکَ کے الفاظ میں الگ الگ کَ ضمیر مخاطب کے ساتھ آنحضور ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ طٰسٓمّٓ بھی آنحضور کے القاب گرامی ہیں۔

● طٰہٰ کے خطاب سے سورہ طٰہٰ میں مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ۲۰/۲ کے الفاظ میں کَ ضمیر مخاطب کے ساتھ حضور ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

● یٰسٓ کے خطاب سے سورہ یٰسٓ میں اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۳۶/۳ کے الفاظ میں آنحضور سلامٌ علیہ ہی کے لئے کَ ضمیر مخاطب آئی ہے۔

● صٓ کے خطاب سے سورہ صٓ میں اَمْ عِنْدَھُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّکَ ۳۸/۹ کے الفاظ میں حضور سلامٌ علیہ ہی کے لئے کَ ضمیر مخاطب آئی ہے۔

● قٓ کے خطاب سے سورہ قٓ میں فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ ۵۰/۳۹ میں فعل امر کیساتھ آنحضور سلامٌ علیہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

● نٓ کے خطاب سے سُورہ قلم میں مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ۞ ۶۸/۲ کے الفاظ میں اَنْتَ اور کَ

ضمائرِ مخاطب کے دومرتبہ کے تکرار کے ساتھ آنحضور ہی کو مخاطب کیا ہے...... صٓ ، قٓ اور نٓ یک حرفہ مقطّعات ہیں۔اِن میں حرفِ مقطّعہ قٓ کے خطاب کے بعد فَاصْبِرْ فعل امر اگرچہ ذرا دُور جا کر وارد ہوا ہے۔لیکن اِس سے حرفِ مقطّعہ کی اصل حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔کیونکہ یک حرفہ مقطّعہ صٓ کے قریب کَ ضمیر مخاطب آئی ہے۔اور نٓ حرفِ مقطّعہ کے بالکل متصل دومرتبہ کے تکرار کے ساتھ آنحضور کے لئے اَنْتَ اور کَ دو ضمائر مخاطب واقع ہوئی ہیں۔

● حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ کے خطاب سے سورہ شوریٰ میں یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ ۴۲/۳ کے الفاظ میں دومرتبہ کے تکرار کے ساتھ آنحضور سلامٌ علیہ ہی کے لئے کَ ضمیر مخاطب لائی گئی ہے۔اور اِن ہر دو ضمائر کا مرجع حٰمٓ عٓسٓقٓ ہی ہے۔

● کٓھٰیٰعٓصٓ کے خطاب سے سورہ مریم میں ذِکْرُ رَحْمَۃِ رَبِّکَ ۱۹/۲ کے الفاظ میں،آنحضور سلامٌ علیہ ہی کے لئے کَ ضمیر مخاطب لائی گئی ہے جس کا مرجع کٓھٰیٰعٓصٓ ہی ہے۔

# ۳۰۔ حروفِ مقطّعات کے الگ الگ مفاہیم

یہاں تک تو صرف اِس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ قرآنِ کریم میں آمدہ حرُوفِ مقطّعات اپنے اپنے پُورے الفاظ سے قطع کردہ پہلے حرُوف ہیں۔اور چونکہ ہر ایک کے بعد آنحضور کے نام یا تو کسی فعل امر کے ساتھ کوئی حکم دیا گیا ہے۔اور یا کَ ضمیر مخاطب کے ساتھ آپ کو خطاب کیا گیا ہے۔پس یہ سب آنحضور سلامٌ علیہ کے وہ القابِ گرامی ہیں جن کے ساتھ خداوندِ عالم نے آپ کو مخاطب کر کے اپنا پیغام اپنے بندوں تک پُہنچایا ہے۔اب رہا سوال حروفِ مقطّعات کے مطالب ومفاہیم کا:-

جواباً عرض ہے کہ جس طرح سی۔آئی۔سی کا مفہوم ملٹری ڈیپارٹمنٹ ہی بتا سکتا ہے کہ کمانڈر اِن چیف کا مخفّف ہے اور ڈی۔ایس۔پی کے مفہوم کی وضاحت محکمہ سول ہی کر سکتا ہے کہ یہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا قائم مقام ہے۔اسی طرح قرآنی حروفِ مقطّعات کا مفہوم صرف قرآنِ کریم ہی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔جیسے کہ مضمون کے شروع میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ حرفِ مقطّعہ سٓ کا مفہوم خود قرآنِ کریم نے متعیّن کیا ہے سیّد۔

اب باقی حروفِ مقطّعات کا مفہوم آئینۂ قرآنیہ میں ملاحظہ فرمائیں...... یاد رہے کہ حروفِ مقطّعات اگرچہ ۲۹ سُورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔لیکن بعض مقطّعات چونکہ بتکرار وارد ہوئے ہیں۔مثلاً الٓمّٓ چھ سُورتوں کے شروع میں،

الٓرٰ پانچ سُورتوں، طٰسٓمٓ دوسُورتوں، اور حٰمٓ چھ سُورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں۔ اس لئے حروفِ مقطّعات کی تعداد ۱۴ ہے۔ لہٰذا بالترتیب ۱۴ نمبروں میں اِن کے قرآنی مفاہیم، خود آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں حاضر خدمت ہیں:۔

**۳۰/۱ ۔ الٓمّٓ ۔** یہ چار حروف ہیں۔ الف۔ لام اور میم مشدّدہ، جن کے ساتھ چھ سُورتوں، بقر، آل عمران، عنکبوت، روم، لقمان اور سجدہ کے شروع میں آنحضور کو مخاطب کیا گیا ہے۔ الفؔ سے امین، لاؔم سے لَیِّنُ القلب، مِیؔم سے مرسل اور مِیؔم ثانی سے محمد سلامٌ علیہ مُراد ہے۔ یہ حروف بالترتیب مذکورہ الفاظ سے قطع کردہ پہلے حروف ہیں اور اپنے اپنے پورے لفظ کے قائم مقام ہیں، ثبوت کے لئے سطورِ ذیل بغور ملاحظہ فرمائیں۔

**ا۔ الف سے امین مُراد ہے** قرآن کریم شاہد ہے کہ اللہ کے سب نبی رسول سلامٌ علیہ امین[۱] تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سُورہ شُعرا میں متعدّد رسولوں کو خود اُنہی کے الفاظ میں امین بتا کر قرآنِ کریم میں قیامت تک کے لئے محفوظ کر رکھا ہے:۔

● حضرت نوح سلامٌ علیہ نے قوم سے کہا:۔ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۲۶/۱۰۷۔ اور بعینہٖ یہی جُملہ حضرت ہود سلامٌ علیہ کی طرف سے ۲۶/۱۲۵ میں۔ حضرت صالح سلامٌ علیہ کی طرف سے ۲۶/۱۴۳ میں، حضرت لوط سلامٌ علیہ کی طرف سے ۲۶/۱۶۲ میں، اور حضرت شعیب سلامٌ علیہ کی طرف سے ۲۶/۱۷۸ میں موجود ہے۔

مندرجہ بالا قرآنی شواہد اور لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ۲/۲۸۵ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے جُملہ نبی رسول امین تھے، اور چونکہ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۳۶/۳ کے خداوندی ارشاد کے مطابق حضور سلامٌ علیہ بھی رسولوں میں سے ایک تھے۔ لہٰذا حضور بھی امین ہیں۔ اور چونکہ الٓمّٓ حضور کے القابِ گرامی ہیں۔ فلہٰذا الٓمّٓ میں الف اپنے پورے لفظ امین کا قطع کردہ پہلا حرف اور اِسی کا قائم مقام ہے۔

**ب۔ لام سے لَیِّنُ القلب مُراد ہے حضور لین القلب تھے۔** اللہ کا پیغام جب اللہ کے رسول، اُس کے بندوں تک پہنچاتے، تو سرکش لوگ رُسل انبیاء پر قسم قسم کی پھبتیاں کستے اور طعنے دیتے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ کو مفتری، ساحر، کاہن اور مجنون وغیرہ

---

[۱] اللہ کے رسول امینِ رسالت تھے۔ اللہ کے پیغام میں نہ کمی کرتے تھے نہ زیادتی۔ سابقہ انبیاء اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔ لیکن آنحضور سلامٌ علیہ کے بعد چونکہ کوئی نبی رسول سلامٌ علیہ آنے والا نہیں تھا۔ اس لئے آپ سے اعلان کروایا گیا:۔ ● قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ۷/۱۵۸ = اے رسول! اعلان کر دیجئے گا کہ لوگو! میں تم سب (یعنی قیامت تک کی نوعِ انسانی) کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

کے بُرے القاب سے ملقب کر کے آپ کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ جب مخالفین مجلسِ رسول سلامٌ علیہ میں آتے تو اُن کا اندازِ کلام اِس قدر تمسخر و تضحیک کا مرقّع ہوتا کہ اگر حضور متین و متحمّل مزاج نہ ہوتے تو برہم ہو جاتے، اور لوگ مجلس سے اُٹھ کر چلے جاتے۔ لیکن حضور اِس قدر متحمّل مزاج اور نرم دل (لین القلب) واقع ہوئے تھے کہ آپ کو شاعر، کاہن، دیوانہ اور مفتری کی پھبتیاں برہم نہیں کر سکتی تھیں۔ اِسی چیز کی وضاحت میں آنحضور کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:-

● فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَا نۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۳/۱۵۹ = صاحبِ قرآن! اللہ کی رحمت سے لوگوں کے لئے، آپ لین القلب نرم دل ہیں۔ اگر آپ غلیظ القلب، سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کی مجلس سے بھاگ جاتے۔ دیکھئے! یہاں حضور سلامٌ علیہ کی صفت **غلیظ القلب** کی ضِد **لین القلب** بیان ہوئی ہے۔ پس حروفِ مقطّعات الٓمّٓ میں لام اپنے پورے الفاظ لین القلب کا پہلا قطع کردہ حرف اور انہی کا قائم مقام ہے۔

**ج۔ میم سے مُراد ہے مُرسل**

الٓمّٓ کا میم اوّل لفظ مُرسل کا قطع کردہ پہلا حرف اور اسی کا قائم مقام ہے۔ حضور کا مُرسل ہونا آیتِ ذیل سے ثابت ہے:- اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۳۶/۳۔

**د۔ میم ثانی سے مُراد ہے محمد سلامٌ علیہٗ حمد در حمد کیا ہوا**

الٓمّٓ کا میم ثانی لفظ محمد سلامٌ علیہ کا پہلا قطع کردہ حرف ہے۔ محمد سلامٌ علیہ کے معنے ہیں حمد در حمد کیا ہوا۔ بے حد تعریفوں والا۔ یہ بھی آنحضور کا لقبِ گرامی ہے جو کثرتِ استعمال کی بدولت آپ کا نام مشہور ہو چکا ہے۔ قرآنِ کریم نے حضور کا نام نامی اور اسمِ گرامی احمد سلامٌ علیہ بتایا ہے۔ حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ کے الفاظ میں مذکور فی القرآن ہے:-

● وَاِذۡ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ ۶۱/۶ = اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب مریم کے بیٹے عیسیٰ سلامٌ علیہ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ توراۃ کی تصدیق کرنے والا ہوں، جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے۔ اور ایک رسول سلامٌ علیہ کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام **احمد** سلامٌ علیہ ہو گا۔

دیکھئے! قرآنی شہادت کے مطابق حضور کا اِسم گرامی احمد سلامٌ علیہ ہے۔ اور محمد چونکہ آپ کے القاب کی فہرست میں مذکور ہے۔ اسلئے قرآنی رہنمائی کے مطابق حضور کا لقبِ گرامی ہے...... یاد رہے کہ اِس سے ہماری غرض کوئی نئی بحث کھڑی کرنا نہیں۔ بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآنِ کریم اِس امر کی رہنمائی کرتا ہے کہ جب لفظِ محمد کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے تو اُسکے معنے اُجاگر کئے جائیں:-

## محمد (سلامٌ علیہ) بمعنی حمد در حمد اور تعریف در تعریف کیا ہوا۔

**المختصر!** الٓمّٓ کے الفؔ سے مُراد ہے امین۔ لاؔم سے لینُ القلب۔ میؔم اوّل سے مُراد مُرسل اور میؔم ثانی سے مُراد ہے محمد (حمد در حمد کیا ہوا)۔ سَلَامٌ عَلٰی الٓمّٓ

**۳۰/۲ آلمّٓصٓ کا مفہوم** یہ پانچ حروف ہیں جو صرف سورہ اعراف کے شروع میں آئے ہیں۔ پہلے چار حروف کی وضاحت سطورِ بالا میں گزر چکی ہے۔ آخری حرف صٓ، صاحب النّاس اور صاحبِ قرآن کا پہلا قطع کردہ حرف، اور اِنہی کا قائم مقام ہے۔

● مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ ۵۳/۲ میں کُمْ ضمیر جمع مذکر مخاطب آئی ہے۔ جو زمانۂ رسالت سے لے کر قیامت تک کے مخاطبین سے خطاب کرتی چلی جائے گی۔ فلہٰذا صَاحِبُکُمْ کی قرآنی خبر کے مطابق حضور صاحبُ النّاس (یعنی دنیائے انسانیت کے ساتھی مونس و غمخوار) تھے۔ اور پیشتر عرض کیا جا چکا ہے کہ ۷/۱۵۸ کے مطابق آنحضور سلامٌ علیہ قیامت تک کی نوعِ انسانی کے رسول سلامٌ علیہ تھے۔ کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی رسول سلامٌ علیہ آنے والا نہیں۔ اور قیامت تک کی نوعِ انسانی کے ساتھ آپ کی مذکورہ مصاحبت صرف اور صرف اُس کتابِ مقدّس کے واسطے ہی سے قائم ہے اور قائم رہے گی جو قیامت تک کے لوگوں کے پاس اپنے صحیح متن کے ساتھ پہنچنے والی ہے، یعنی قرآنِ کریم۔ اس لئے ثابت ہوا کہ حضور سلامٌ علیہ صاحبُ النّاس بھی ہیں اور صاحبِ قرآن بھی...... فلہٰذا الٓمّٓصٓ میں الفؔ سے امین، لاؔم سے لین القلب، میؔم اوّل سے مُرسل، میؔم ثانی سے محمد سلامٌ علیہ اور صٓ سے صاحبِ قرآن اور صاحبُ النّاس مُراد ہے۔ (سَلَامٌ عَلٰی الٓمّٓصٓ)

**۳۰/۳ الٓرٰ** یہ تین حروف ہیں جو سورہ یونس، ہود، یوسف، ابراہیم اور حجر کی ابتداء میں آئے ہیں۔ پہلے دو حروفِ مقطعات الف اور لام کی وضاحت اُوپر گزر چکی ہے۔ تیسرا حرف ہے رٰ۔ جو رَاکِعٌ سے علامتِ فتح سمیت قطع کردہ پہلا حرف ہے۔ قرآنِ کریم میں آنحضور سلامٌ علیہ کے نام حکم صادر ہوا ہے:- اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ۱۱/۱۱۴ + ۱۷/۷۸۔ جس میں آنحضور سلامٌ علیہ کو ہمیشہ صلٰوۃ ادا کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز قرآنی شہادت کے مطابق آپ قرآنِ کریم کے سو فیصدی متبع تھے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ ۶/۵۰ + ۱۰/۱۵ + ۴۶/۹ پس آپ سو فیصدی صلٰوۃ گزار تھے۔ اور چونکہ قیام، رکوع اور سجدہ صلٰوۃ کے رُکن ہیں۔ پس آپ قائم بھی تھے قیامِ صلٰوۃ کرنے والے۔ راکع بھی تھے رکوع صلٰوۃ کرنے والے اور ساجد بھی تھے سجدۂ صلٰوۃ کرنے والے۔

فلہٰذا الٓرٰ میں الف سے امین، لآم سے لینُ القلب اور رٓ سے راکع مُراد ہے۔(سَلَامٌ عَلٰی الٓرٰ)

**۳۰/۴۔ الٓمّٓرٰ** یہ پانچ حروف ہیں جو سورہ رعد کے شروع میں آئے ہیں۔ الف لام میم میم رٰ۔ اِن پانچوں کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے:- امین۔ لین القلب، مُرسل، محمد، راکع۔(سَلَامٌ عَلٰی الٓمّٓرٰ)

**۳۰/۵۔ یٰسٓ** یٰسٓ کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے کہ یا حرفِ ندا اور سٓ منادٰی ہے۔ جو سیّد کا پہلا قطع کردہ حرف ہے(سَلَامٌ عَلٰی سٓ)

**۳۰/۶۔ صٓ** یہ صاحبِ قرآن کا پہلا قطع کردہ حرف ہے۔ وضاحت کیلئے دیکھئے عنوان الٓمّٓصٓ۔(سَلَامٌ عَلٰی صٓ)

**۳۰/۷۔ قٓ** قائمٌ کا پہلا قطع کردہ حرف ہے۔ قیامِ صلوٰۃ کرنیوالا۔ وضاحت کیلئے دیکھئے عنوان الٓرٰ۔(سَلَامٌ عَلٰی قٓ)۔

**۳۰/۸۔ نٓ** سورہ قلم کے شروع میں آیا ہے۔ اور نذیر کا قطع کردہ پہلا حرف ہے۔ قرآنی سند کیلئے ملاحظہ ہو۔ آیتِ ذیل، جس میں آپ کو قیامت تک کی نوعِ انسانی کے لئے نذیر ٹھہرایا گیا ہے:- قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ ۲۲/۴۹ =اے رسول سلامٌ علیہ! اعلان کردیجئے گا کہ اے نوعِ انسانی میں تم سب کے لئے نذیرٌ مُّبین ہوں۔(سَلَامٌ عَلٰی نٓ)۔

**۳۰/۹۔ طٰہٰ** یہ دوحرف ہیں طٰ اور ہٰ، جو بالتّرتیب طَاھِرٌ اور ھَادِیٌ کے پہلے قطع کردہ حروف اور انہی الفاظ کے قائم مقام ہیں۔ ملاحظہ ہوں قرآنی اسناد:- ● اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ ۝ۙ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ ۝ۙ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ ۵۶/۷۷-۷۹ = بے شک وہ ایک بلند مرتبہ قرآن ہے۔ کائنات کی پُراسرار کتاب میں موجود ہے۔ اِس کی طرف صرف وہی لوگ آتے ہیں جو طاہر و پاکیزہ ہیں...... اب چونکہ قرآنِ کریم کا نزول ہی آنحضور سلامٌ علیہ پر ہوا تھا۔ لہٰذا حضور سلامٌ علیہ بدرجۂ اولیٰ طاہر واطہر ہیں...... اِس کے بعد حضور سلامٌ علیہ کے ہادی ہونے کی قرآنی سند ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ باری ہے:- اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ ۱۳/۷ = اے رسول سلامٌ علیہ! بے شک آپ نذیر ہیں۔ اور ہر ایک قوم کے لئے ایک ہادی ہے۔ آنحضور سلامٌ علیہ چونکہ قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کے مطابق قیامت تک کی اقوام کے لئے نذیر ہیں۔ اِس سے ثابت ہوا کہ سابقہ انبیاء سلامٌ علیہم الگ الگ اقوام کے لئے ہادی اور نذیر تھے۔ لیکن آپ قیامت تک کے لئے ہادی اور نذیر ہیں۔ پس حروفِ مقطّعات طٰہٰ میں طٰ سے مُراد طاہرٌ اور ہٰ سے مُراد ہادیٌ ہے۔(سَلَامٌ عَلٰی طٰہٰ)

**۳۰/۱۰ ۔ طٰسٓ** سورہ نمل کے شروع میں آئے ہیں۔ طٰ سے مُراد طاہر اور سٓ سے مُراد سیّد ہے۔ ہر دو حروف کی وضاحت گزر چکی ہے۔ (سَلَامٌ عَلٰی طٰسٓ)

**۳۰/۱۱ ۔ طٰسٓمّٓ** سورہ شعراء اور قصص کے شروع میں آئے ہیں۔ اِن چاروں حروف طٰ، س، میم اول اور میم ثانی کی وضاحت گزر چکی ہے۔ طٰ سے مُراد طاہرؐ، سٓ سے مُراد سیّد، میم اوّل سے مُرسل اور میم ثانی سے محمد سلامٌ علیہ مُراد ہے۔ حمد درحمد کیا ہوا۔ (سَلَامٌ عَلٰی طٰسٓمّٓ)

**۳۰/۱۲ ۔ حٰمٓ** یہ دو حروف، ذیل کی چھ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں۔ مومن، حٰم سجدہ، زخرف، دُخان، جاثیہ اور احقاف۔ حٰ سے مُراد حاملِ قرآن اور میم سے مُراد محمد سلامٌ علیہ ہے، حمد درحمد کیا ہوا۔ حاملِ قرآن کی قرآنی سند یہ ہے:- ● فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۲/۹۷ = اے رسول سلامٌ علیہ! بے شک جبریل نے قرآنِ کریم کو آپ کے قلبِ اطہر پر نازل کیا ہے۔ چونکہ حضور سلامٌ علیہ نزولِ قرآن کے متحمل ہیں۔ لہٰذا آپ حاملِ قرآن ہیں۔ میم کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اِس سے مُراد مُرسل بھی ہے اور محمد بھی۔ (سَلَامٌ عَلٰی حٰمٓ)

**۳۰/۱۳ ۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ** یہ پانچ حروف سُورہ شُوریٰ کی ابتداء میں آئے ہیں۔ حٰ سے حاملِ قرآن مُراد ہے۔ مٓ سے محمد سلامٌ علیہ۔ حمد درحمد کیا ہوا۔ عٓ سے عبداللہ۔ سٓ سے سیّد اور قٓ سے قائم (قیامِ صلوٰۃ کرنے والا)۔ اِن حروف میں سے حٰ، م، س اور ق کی وضاحت گزر چکی ہے۔ عٓ سے عبداللہ کی قرآنی سند ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ جن میں ارشاد ہوا ہے:-● وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ ۷۲/۱۹ = اور یہ کہ بے شک، جب عبداللہ (اللہ کا بندہ محمد قیامِ صلوٰۃ میں اللہ کے حضور) کھڑا ہوتا ہے تو اُس کے حضور میں دعائیں کرتا ہے۔ لہٰذا عبداللہ بھی آنحضور کا ایک لقبِ گرامی ہے، جس کا قطع کردہ حرف عٓ، عٓسٓقٓ میں آیا ہے۔ (سَلَامٌ عَلٰی حٰمٓ عٓسٓقٓ)

**۳۰/۱۴ ۔ کٓهٰیٰعٓصٓ** یہ پانچ حروفِ مقطّعات سُورہ مریم کے شروع میں آئے ہیں۔ جن میں یا سے مُراد ہے یَـامِنٌ بمعنی برکت دینے والا۔ اور باقی بالترتیب کریم، ہادی، عبداللہ اور صاحبِ قرآن کے پہلے قطع کردہ حروف ہیں۔ اِن میں سے ہٰ، عٓ اور صٓ کی وضاحت گزُر چکی ہے۔ کٓ کی قرآنی سند درج ذیل ہے۔ ارشادِ باری ہے:-

● اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ○ ۶۹/۴۰ = بلاشُبہ قرآنِ کریم اہلِ عالم کے سامنے قول کی صورت میں ایک رسولِ کریم سلامٌ علیہ کی زبانِ مبارک سے پیش ہوا ہے۔ اِس آیت میں آنحضور بارشادِ الٰہی کریم کے گرامی لقب سے ملقب کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اِن حروفِ مقطّعات میں کٓ کریم کا قطع کردہ حرف اور اِسی کا قائم مقام ہے۔ (سَلَامٌ عَلٰی کٓهٰیٰعٓصٓ)

**گذارش** قرآنِ کریم کے حروفِ مقطّعات، جو آنحضور سلامٌ علیہ کے وہ القابِ گرامی ہیں، جن کے ساتھ خداوندِ عالم آنحضور کو مخاطب فرمایا کرتے تھے، اِن کا قرآنی مفہوم ۱۴ نمبروں میں ختم ہوا۔ اِن میں بعض

حروف ایسے ہیں جو ایک سے زیادہ مفاہیم کے حامل ہیں۔ مثلاً قرآنِ کریم کی روشنی میں نٓ سے نذیر بھی ثابت ہے اور نبی بھی۔ عٓ سے عبداللہ بھی ثابت ہے اور عابد بھی۔ صٓ سے صادق بھی ثابت ہے اور صاحبِ قرآن اور صاحبُ الناس بھی۔ حٓ سے حامد بھی ثابت ہے اور حاملِ قرآن بھی۔ اِس طرح حروفِ مقطّعات کی وضاحت میں جن الفاظ کو قرآنی اسناد کی تائید حاصل ہو اُن کے تسلیم کرنے میں کسی راستباز کو انکار نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ نظریہ ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوسکتا کہ حروفِ مقطّعات کا مفہوم کوئی نہیں جانتا۔ حتّٰی کہ خود رسولِ مقبول سلامٌ علیہ بھی نہیں جانتے تھے۔ جن کے یہ اپنے القابِ گرامی ہیں۔ اور یا صرف اللہ اور رسول جانتے ہیں، اُنہوں نے کسی کو نہیں بتایا۔

# ۳۱۔ حُروف کی بحث

قرآن فہمی کے لئے جہاں یہ لازم ہے کہ ہر لفظ کے صحیح معنے لئے جائیں۔ وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ عربی ادب کی رُو سے، جن ذُو معنی حُروف کے کئی کئی معنے مسلّم ہیں۔ اُن میں سے وہ معنے لئے جائیں جو نہ سیاق وسباق کے خلاف جاتے ہوں، اور نہ قرآنی کلیہ جات وعالمی مشاہدات کی مخالفت لازم آتی ہو۔ ذیل میں چند حروف مثلاً واؤ ، اَوْ ، بـا ، فَا ، فِیْ ، مِنْ ، عَـنْ ، اِلـی ، کَلَّا ، بَلْ اور دُوْن وغیرہ کے متعدّد معنے قرآنِ کریم کی روشنی میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اِن میں سے بعض معنے سابقہ مُفسّرین ومترجمین نے لئے ہی نہیں۔ حالانکہ قرآنی لُغت نے اُن معنوں کو وضاحتاً اُجاگر کر رکھا ہے۔

## ۳۱/۱۔ واؤ کے مختلف استعمالات

واؤ عاطفہ۔ الفاظ کا عطف الفاظ پر اور جملے کا عطف جملے پر ہوتا ہے

ا۔ واؤ بمعنی اور۔ ایسی واؤ عاطفہ کہلاتی ہے۔ الفاظ کا عطف الفاظ پر اور جملوں کا عطف جملوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً آیتِ مجیدہ:-

● خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ $\frac{16}{3}$ میں لفظ ارضؔ کا عطف لفظ سماواتؔ پر ہے۔ اور آیتِ مجیدہ:-

● فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ ٥ $\frac{13}{40}$ میں جملہ عَلَیْنَا الْحِسَابُ کا عطف جملہ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ پر ہے۔

خبر کا عطف خبر پر، امر کا عطف امر پر اور مثال کا عطف مثال پر ہوتا ہے

● لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ $\frac{7}{59}$ = بے شک ہم نے نوح سلامٌ علیہ کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا۔

● وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا $\frac{7}{65}$ = اور بے شک ہم نے

قومِ عاد کی طرف اُن کے بھائی ہُود سلام علیہ کو بھیجا۔ ● وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ۷/۷۳ =اور بے شک ہم نے قومِ ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح سلام علیہ کو بھیجا۔ ● وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ۷/۸۵ =اور بے شک ہم نے اہلِ مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب سلام علیہ کو بھیجا۔ دیکھئے! اِن آیاتِ کریمات میں چھ[۶]، چودہ[۱۴] اور چھبیس[۲۶] آیتوں کے وقفہ کے بعد بھی خبر کا عطف خبر ہی پر آیا ہے۔ اور اوّلین معطوف علیہ ۷/۵۹ میں مذکور لَقَدْ اَرْسَلْنَا کی خبر کے الفاظ، اگرچہ ۷/۶۵ + ۷/۷۳ اور ۷/۸۵ میں دُہرائے نہیں گئے۔ بلکہ صرف اِلٰی عَادٍ ، اِلٰی ثَمُوْدَ اور اِلٰی مَدْیَنَ آیا ہے۔ لیکن بوجہ معطوف اَرْسَلْنَا کی خبر، اِن تینوں میں بدرجۂ اتم موجود ہے......اب امر کا عطف، امر پر کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں ابلیس کو مخاطب کر کے ارشاد ہُوا ہے:-

● قَالَ اذْھَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْھُمْ فَاِنَّ جَھَنَّمَ جَزَآؤُکُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ○ وَ[۱] اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْھُمْ بِصَوْتِکَ وَ[۲] اَجْلِبْ عَلَیْھِمْ بِخَیْلِکَ وَ[۳] رَجِلِکَ وَ[۴] شَارِکْھُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ[۵] الْاَوْلَادِ وَ[۶] عِدْھُمْ ؕ وَ[۷] مَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○ ۱۷/۶۳-۶۴...... دیکھئے! اِن دو آیتوں میں یکے بعد دیگر سات واوٗ آئی ہیں......پہلی، دوسری، چوتھی اور چھٹی واوٗ یکے بعد دیگر اذْھَبْ امر پر عطف ہیں۔ تیسری اور پانچویں میں الفاظ کا عطف الفاظ پر ہے۔ اور ساتویں اظہارِ حقیقت کے لئے آئی ہے۔ آیاتِ کریمات کے مفہوم پر غور فرمائیں:-

اللہ نے کہا جا، جو کوئی تیری اتباع کرے گا تو تابع اور متبوع، تم سب کا پورا پورا بدلہ جہنّم ہوگا۔ اور تُو اپنی آواز کے ساتھ جسے بہکا سکتا ہے بہکا لے۔ اور اُن پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لے۔ اور اُن کے مالوں اور اولاد میں شریک ہو جا۔ اور اُنہیں جھوٹے وعدے دیتا رہ۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان اُنہیں جو بھی وعدہ دیتا ہے وہ فریبِ محض ہے۔ (مثال کا عطف مثال پر، اس کی متعلقہ آیاتِ مجیدہ، اوٗ عاطفہ کے تحت آگے آ رہی ہیں)۔

۲۔ واوٗ بمعنی لیکن ۔۳۔ واوٗ بمعنی کیونکہ۔ ۴۔ واوٗ برائے اظہارِ حقیقت، کیلئے آیتِ ذیل پر غور فرمائیں۔ اِس میں تین واوٗ آئی ہیں۔ پہلی کا معنٰی ہے لیکن، دوسری کا معنٰی ہے کیونکہ اور تیسری اظہارِ حقیقت کیلئے آئی ہے:-

● یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ[۱] لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ وَ[۲] ھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَالَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ[۳] کَانَ اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ○ ۴/۱۰۸ =وہ (چھپ چھپ کر تجویزیں کرنے والے منافق) لوگوں سے چھُپ سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھُپ سکتے۔ کیونکہ جب وہ رات کو چھُپ کر ایسی تجویزیں کرتے ہیں، جنہیں وُہ پسند نہیں کرتا۔ اُس وقت بھی وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وُہ جو بھی عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ

اُنہیں گھیرے ہُوئے ہے۔

۵۔ واوٗ بمعنی بلکہ۔ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۵/۴۴ = پس لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔اور میری آیتوں کے بدلے دنیا کا حقیر مال حاصل نہ کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ جولوگ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے ساتھ حکم نہیں کرتے۔وہی تو کافر ہیں۔

۶۔ واوٗ بمعنی جبکہ:- ● اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ط ۶/۱۰۱ = اللہ کا بیٹا کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ اس کی بیوی ہی کوئی نہیں۔ یہاں واوٗ حالیہ تسلیم کرنا بھی درست ہے۔ حالانکہ اس کی بیوی ہی کوئی نہیں۔

۷۔ واوٗ تفسیر بمعنی یعنی:- تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ o ۱۵/۱ = مذکورہ بالا آیتیں الکتاب یعنی بیان کرنے والے قرآن کی ہیں۔

۸۔ واوٗ بمعنی اسلئے:۔ جب حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ نے قومِ بنی اسرائیل کو ارضِ مقدّس کے ایک شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا۔تو اُنہوں نے جواب دیا:-

● قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ صلے وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ج ۵/۲۲ = بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسیٰ، اِس شہر میں ایک طاقتور قوم ہے۔ اِس لئے ہم اُس وقت تک اِس شہر میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اُس میں سے نکل نہ جائیں۔

۹۔ واوٗ بمعنی حالانکہ۔ آیتِ ذیل میں اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:-

● اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط ۲/۴۴ = کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اسکے ضمن میں اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو۔ حالانکہ تم توراۃ وانجیل کی تلاوت کرتے ہو (جن میں ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے)۔

۱۰۔ واوٗ بمعنی تو، پھر۔ پس (یعنی واوٗ بمعنی فا):۔ ● وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ o لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا ...... ۴۳/۱۲-۱۳ = اور اللہ نے تمہارے لئے جہاز اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ (اُن میں سے ہر) ایک کی پیٹھ پر سیدھے (متوازن) سوار ہوا کرو۔ پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو، جب تم اُس پر با اطمینان سوار ہو جاؤ۔ تو کہا کرو پاک ہے وہ ذات، جس نے اِنہیں ہمارے لئے مسخّر کر دیا ہے......الخ۔ یہاں واوٗ بمعنی تو آیا ہے۔ اگلی

آیتوں میں دیکھئے! واوٗ بمعنی یعنی اور برائے اظہار صفت ہے۔

● وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ط وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ کی نعمت کو یاد رکھو، جو تم پر کی گئی، یعنی جو اُس نے تم پر اپنی حکمت والی کتاب نازل کی ہے۔ وُہ تمہیں اُس ایک ہی کتاب کے ساتھ نصیحت کرتا ہے۔ پس اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچتے رہو۔ ۲/۲۳۱

۱۱۔ واوٗ برائے اظہارِ صفت: آیتِ بالا میں الکتب والحکمۃ کی واوٗ سے یہ مُراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اور حکمت الگ الگ دو چیزیں نازل فرمائی ہیں۔ کیونکہ يَعِظُكُمْ بِهٖ میں ہ ضمیر واحد آئی ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ یہ ایک چیز ہے دو نہیں، اور الکتٰب والحکمۃ کی درمیانی واوٗ کا معنٰی يٰسٓ o وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ کے الفاظ میں بتا دیا گیا ہے = شہادت ہے حکمت والے قرآن کی۔ پس اِس قرآنی شہادت اور يَعِظُكُمْ بِهٖ کی ضمیر واحد کی رُو سے الکتٰب والحکمۃ کا معنٰی ہے حکمت والی کتاب۔

۱۲۔ واوٗ بمعنی بذریعہ: وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۹/۳ = اور حج اکبر کے دن لوگوں کیلئے اللہ کا اعلان ہے اُس کے رسُول کے ذریعہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بیزار ہے۔ دیکھئے یہاں واوٗ بمعنی بذریعہ آیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حجِ اکبر کو اپنا مذکورہ بالا اعلان، کہ وُہ مُشرکوں سے بیزار ہے، اپنے رسول سلامٌ علیہ ہی کے ذریعہ کروایا تھا...... نیز مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۳۳/۱۲ میں بھی واوٗ بمعنی کے ذریعہ آئی ہے۔ کیونکہ اللہ اپنے رسول سلامٌ علیہ کے ذریعہ ہی وعدہ فرماتا ہے۔ خود آکر نہ کوئی وعدہ دیتا ہے نہ لیتا ہے۔

۱۳۔ واوٗ بمعنی اَوْ (یا): آیتِ ذیل میں واوٗ بمعنی یا ہے۔ قوم بنی اسرائیل کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:-

● ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ۳/۱۱۲ = بنی اسرائیل پر، وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں، ذِلّت لازم کر دی گئی ہے۔ سوائے اِس کے کہ وہ اللہ کے قانون کو تھام لیں یا لوگوں کے بنائے ہُوئے قوانین میں سے کسی قانون کا سہارا لے لیں۔

۱۴۔ واوٗ استیناف۔ اِس واوٗ کے ساتھ سابقہ مضمون سے الگ نیا مضمون شروع ہوتا ہے یعنی اِس کا نہ ماقبل کے کسی لفظ پر عطف ہوتا ہے، نہ کسی جُملے پر۔ صرف ماقبل عنوان کے کسی گوشے کے متعلق کچھ واضح کرنا مطلوب ہوتا ہے:-

● وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لا مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ o ۱۳/۳۷ = اور اسی طرح ہم نے آپ پر اپنا حکم نامہ شُستہ عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ اور

اگر آپ نے ہمارا علم آ جانے کے بعد لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کا اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار رہو گا اور نہ کوئی اُس کے عذاب سے بچانے والا ہوگا...... دیکھئے! یہاں وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ ......الخ کی واؤ کا عطف، نہ ماقبل کسی لفظ پر ہے نہ جُملے پر۔ صرف مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کے متعلق اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر اسے چھوڑ کر رسولِ مقبول سلامٌ علیہ بھی کسی کی اتباع کریں گے تو اُنہیں بھی چھڑانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

**۱۵۔ واوٴ برائے معیّت بمعنی نیز:۔** لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ ۵/۱۷ = بے شک وہ لوگ کفر کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ مسیح ابنِ مریم سلامٌ علیہ ہی اللہ ہے۔ اے رسول سلامٌ علیہ! کہہ دیجئے گا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا کہ مسیح ابنِ مریم اور اُس کی ماں، نیز (اُن کے ساتھ) زمین میں جو بھی جاندار ہیں، سب کو ہلاک کر دیتا۔ تو کون ہوتا جو اُس کی منشاء کے خلاف کچھ بھی اختیار رکھتا...... دیکھئے! وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ والی واوٴ معیّت کی ہے۔ چونکہ نصاریٰ مسیح کو عین اللہ اور حضرت مریمؑ و مسیح سلامٌ علیہ دونوں کو شریکِ الوہیت ٹھہراتے ہیں۔ لیکن مریمؑ کو مُردہ اور مسیح کو زندہ مانتے ہیں۔ اس لئے یہاں بتایا گیا ہے کہ صرف مریمؑ ہی نہیں بلکہ دونوں ماں بیٹا فوت ہو چکے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیّت میں ہوتا تو وہ اُن کے ساتھ زمین کے ہر جاندار کو ہلاک کر دیتا۔ اُسے کون روکنے والا تھا۔ لیکن یہ اُس کی مشیّت میں نہیں۔

**۱۶۔ واوٴ برائے قسم (شہادت)** کسی مقدّمہ میں جب گواہوں سے گواہی لی جاتی ہے تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ یُوں ہوا تھا۔ فی الحقیقت گواہ یہ کہتا ہے کہ میں اپنے بیان پر اللہ حاضر و شاہد کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ عربی ادب میں اس کیلئے وَاللّٰهِ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ جب اللہ تعالیٰ خود کوئی شہادت پیش کرتا ہے تو اپنے پیدا کردہ اُن شاہکاروں کو، جن میں ابتدائے آفرینش سے آج تک کوئی تغیّر نہیں آیا، گواہی کیلئے پیش کرتا ہے۔ ورنہ قسمیں کھانا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ مثلاً:-

وَالشَّمْسِ - وَالْقَمَرِ - وَالَّيْلِ - وَالنَّهَارِ وغیرہ کا معنٰی ہے، شہادت ہے سورج کی۔ شہادت ہے چاند کی۔ شہادت ہے رات کی۔ شہادت ہے دن کی، کہ جس طرح یہ حقائق ثابتہ ہیں۔ اُسی طرح یہاں جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے وُہ بھی ایک لاریب حقیقت ہے۔

**المختصر!** قرآنی لُغت کے مطابق واوٴ کے متعدّد معنے قرآنِ کریم میں موجود ہیں:- اور[1] لیکن[2] کیونکہ[3] حقیقت یہ ہے[4] بلکہ[5] جبکہ[6] یعنی[7] اس لئے[8] حالانکہ[9] تو، پھر[10] برائے اظہارِ صفت[11] بذریعہ[12]

یا[۱۳]، استیناف[۱۴]، معیّت[۱۵] اور شہادت[۱۶]۔

اب یہ فیصلہ قارئینِ کرام پر رہا کہ اِن میں سے دُوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں اور چھٹے نمبر والے پانچ معنے، جن کی قرآنِ کریم نے باندازِ صریح وضاحت کر رکھی ہے۔ کیا سابقہ تراجم میں کہیں یہ معنے آپ کو ملتے ہیں؟

## ۳۱/۲ ۔ اَوْ کے مختلف استعمالات

### مثال کا عطف مثال ہی پر ہوتا ہے

ا۔ اَوْ بمعنی یا۔ وضو کے لئے پانی موجود نہ ہو یا مُضر پڑتا ہو تو تیمّم کے حکم میں، یکے بعد دیگر تین مرتبہ اَوْ آیا ہے۔ اور تینوں کا معنٰی ہے یَا:-

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا...... ۵/۶ = اور اگر تم بیمار ہو اور پانی کا استعمال مُضر پڑتا ہو، یا تم مسافر ہو، **یا** تم میں سے کوئی قضاءِ حاجت سے آیا ہو، **یا** تم نے بیویوں کو ازدواجی انداز سے چھوا ہو اور پانی نہ پاؤ تو آلائش صاف کرنے کے لئے پاکیزہ مٹی کا استعمال کر لیا کرو۔

واؤ عاطفہ کی بحث میں قرآنی مثالوں کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ الفاظ کا عطف الفاظ پر، جُملوں کا جُملوں پر، خبر کا خبر پر، اور امر کا امر ہی پر پڑتا ہے۔ اب اَوْ عاطفہ کی بحث میں ملاحظہ فرمائیں کہ مثال کا عطف مثال ہی پر ہوتا ہے۔

سورہ بقر، یعنی ابتدائے قرآنِ مجید میں آنحضرت پر واضح کیا گیا ہے کہ سلسلۂ تبلیغ میں آپ کو تین قسم کے افراد سے واسطہ پڑے گا۔ پہلے مومن، جو آپ پر اور قرآن پر ایمان لے آئیں گے۔ وہ آپ پر جان مال سب کچھ قربان کر دیں گے۔ دوسرے کافر، یعنی مطلقاً انکار کرنے والے۔ اُن کے ساتھ مغز مارنے کی ضرورت نہیں۔ اور تیسرے منافق، جو کُفر چھُپا کر ایمان کا اظہار کریں گے...... اِسی سورہ بقر میں اِن تینوں گروہوں کی دو دو مثالیں لف نشر غیر مرتّب کے انداز میں اِس طرح بیان ہوئی ہیں کہ ۲/۱۷و۱۹ میں دو مثالیں منافقوں کی، ۲/۱۷۱و۲۵۹ میں دو مثالیں کافروں کی۔ اور ۲/۲۶۱و۲۶۵ میں دو مثالیں مومنوں کی بیان ہُوئی ہیں...... مُنافقوں کی دو مثالیں یہ ہیں:-

- مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَاحَوْلَهٗ.......... الخ ۲/۱۷ = اُن (منافقوں) کا حال اُس شخص جیسا ہے جو (رات کو) آگ جلائے۔ جب وہ جل اُٹھے تو اُس کا ارد گرد روشن ہو جائے اور جب بُجھ جائے تو وہ پھر اندھیروں میں رہ جائے۔

دیکھئے! یہاں کَمَثَلِ میں کاف حرفِ تشبیہہ موجود ہے۔ جو کسی وقوعہ کے لئے نہیں آتا۔ بلکہ مثال کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ اس مثال پر، مثال کا عطف پھر کافِ تشبیہہ کے ساتھ اِس سے اگلی آیت ۲/۱۹ میں آیا ہے:-

● اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّ بَرۡقٌ ۚ ۲/۱۹ = یا اُن کا حال اُس شخص کے حال جیسا ہے کہ (رات کے وقت) آسمان سے بارش ہورہی ہو، اُس میں رات، بارش اور بادلوں کے اندھیرے بھی ہوں، گرج بھی ہو اور بجلی کی چمک بھی ہو۔ تو جب بجلی چمکے تو اُن کا اِردگرد روشن ہو جائے۔ اور جب بند ہو جائے تو وہ پھر اندھیروں میں پڑے رہیں۔ یعنی منافقوں کا حال یہ ہے کہ قرآنِ کریم سُنا تو خیالات روشن ہو گئے۔ لیکن جب لوٹ کر کافروں میں گئے۔ تو پھر کفر کا اندھیرا چھا گیا۔ (اِن آیات کی تفصیل اپنے مقام پر آگے آ رہی ہے)

اس سے آگے کافروں کی دو مثالوں میں سے پہلی مثال ۲/۱۷۱ میں مذکور ہے:- ● وَ مَثَلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا كَمَثَلِ الَّذِىۡ يَنۡعِقُ بِمَا لَا يَسۡمَعُ ............ الخ، اور دوسری ۲/۲۵۹ ● اَوۡ كَالَّذِىۡ مَرَّ عَلٰى قَرۡيَةٍ ............ الخ میں آئی ہے......واضح رہے کہ جس طرح ۲/۱۷ اور ۲/۱۹ باہم معطوف معطوف علیہ ہیں۔ کیونکہ دونوں میں کافِ تشبیہہ موجود ہے، اور مثال کا عطف مثال پر ہے۔ اُسی طرح ۲/۱۷۱ اور ۲/۲۵۹ بھی باہم معطوف معطوف علیہ ہیں۔ دونوں میں کاف تشبیہہ موجود ہے۔ اور مثال کا عطف مثال پر ہے۔ سابقہ تراجم اور تفاسیر نے مثال پر مثال کے عطف کے قرآنی اصول کو نظر انداز کر کے آیت مجیدہ اَوۡ كَالَّذِىۡ مَرَّ عَلٰى قَرۡيَةٍ ۲/۲۵۹ کیساتھ حضرت عُزیر سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کر کے ایک عجیب وغریب چیستانی واقعہ چسپاں کر رکھا ہے کہ آپ ایک اُجڑی ہوئی بستی سے گزرے تو کہا کہ اِسے اللہ کس طرح زندہ کرے گا۔ اللہ نے آپ کو سو سال کیلئے مار ڈالا پھر زندہ کیا وغیرہ۔ حالانکہ مَرَّ فعل ماضی پر اَلَّذِیۡ اسم موصول داخل ہوا ہے جس نے مَرَّ ماضی کو مضارع بنا دیا ہے۔ اور مفہومِ الفاظ یہ ہے کہ یا اُس شخص کی مانند کہ جو کسی برباد بستی پر سے گزرے۔ اور کہے کہ اللہ اِسے کس طرح دوبارہ زندہ کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ اُسے مار ڈالے۔ وہ سَو برس مرا پڑا رہے۔ اتنے میں بستی آباد ہو جائے۔ اللہ اُسے زندہ کرے۔ اس کا کھانا اور پانی خراب نہ ہوا ہو۔ مگر اُس کے گدھے کی ہڈیاں بکھر گئی ہوں۔ اللہ اُس کے دیکھتے دیکھتے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر گدھے کو زندہ کر دے۔ پھر وُہ کہے میں نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یاد رہے کہ اِس طرح کسی کو قیامت منوانا، اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیّت ہی سے خارج ہے۔ سابقہ تراجم نے اِس مثال کو واقعہ بنا کر حضرت عُزیر سلامٌ علیہ کے ذِمّہ لگا رکھا ہے۔ حالانکہ انبیاء سلامٌ علیہم تو، لوگوں کو قیامت منوانے آتے تھے۔ اُن کا اپنا ایمان اِس قسم کا نہیں ہو سکتا۔ کہ جب تک اللہ تعالیٰ مُردہ گدھے کو اُن کے دیکھتے دیکھتے زندہ کر کے نہ دکھائے، اُس وقت تک وہ نہ اللہ تعالیٰ کو قادر ہی مانیں اور نہ قیامت پر ایمان لائیں۔ العیاذُ باللہ!

المختصر! آیتِ مجیدہ ۲/۲۵۹ حرف عطف اَوۡ سے شروع ہوتی ہے۔ اور اس میں كَالَّذِىۡ کا کافِ تشبیہہ موجود ہے

اب اَوْ عاطفہ اپنے معطوف علیہ کو چاہتا ہے۔ اوراس کا معطوف علیہ وہی ہوسکتا ہے، جس میں کافِ تشبیہہ موجود ہو۔ اوروہ ہے ۲/۱۷۱ میں۔ وہاں صاف صاف لفظاً مذکور ہے کہ کافروں کی مثال ایسی ہے:- مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، اور یہاں آیت ماقبل ۲/۲۵۸ میں ایسے کافر بادشاہ کا ذکر ہے۔ جسے حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ نے صفاتِ خداوندی کی بحث میں لاجواب کر دیا۔ لیکن وہ ایمان نہ لایا...... لہٰذا ۲/۲۵۹ میں بتایا گیا ہے کہ ایک تو ذریعۂ ہدایت یہ ہے کہ حقیقتِ حال کو حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کی طرح اس طرح علٰی وجہ البصیرت سمجھا دیا جائے کہ مخاطب لاجواب ہو جائے۔ اِس سے آگے مثال کے طور پر بیان ہوا ہے کہ جو کافر دلائلِ قاطعہ کے ساتھ نہ مانے، تو یا پھر ایسا ہو کہ اُسے اللہ تعالیٰ اُجڑی ہوئی بستی آباد کر کے دکھائے، مُردہ ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا مشاہدہ کرائے تو پھر وہ مانے۔ لیکن ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ کافروں کے متعلق سورہ مجیدہ کی ابتداء ہی میں کہہ دیا گیا ہے:-

● اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۞ ۲/۶ = اے رسول سلامٌ علیہ! کافروں کو آپ کا سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اِس سے آگے مومنوں کی دو مثالوں میں سے پہلی مثال بقر ۲/۲۶۱ میں آئی ہے:- ● مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ ...... الخ = مومنوں کا حال جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ایک دانے کے حال جیسا ہے کہ ہر دانے سے سات بالیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ہر بال میں سَو سَو دانہ پیدا ہوتا ہے...... غور فرمایئے گا! کہ اِس آیت میں کَمَثَلِ حَبَّةٍ میں کافِ تشبیہہ وارد ہوا ہے۔ اِسکے بعد ۲/۲۶۵ میں واوٗ عاطفہ اور کافِ تشبیہہ ہی کیساتھ مومنوں کی دوسری مثال اِن لفظوں میں بیان ہوئی ہے:-

● وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ ...... الخ = اور مومن، جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے، اور اپنے معاشرہ کے کمزوروں کو قدموں پر کھڑا کرنے کیلئے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں، اُن کا حال ایسا ہے جیسے کہ ایک زرخیز ٹیلے پر ایک باغ ہو۔ اگر اُسے بارش مُیسر آ جائے تو کئی گُنا پھل دے۔ اور اگر بارش نہ بھی ہو اُس کے لئے شبنم بھی کافی رہے...... اب غور فرمایئے گا کہ ہر دو آیات کریمات میں مثال کا عطف مثال ہی پر ہے۔

۲۔ اَوْ بمعنی بلکہ۔ ۳۷/۱۴۷ میں حضرت یونس سلامٌ علیہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے:- وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ۞ = اور ہم نے اُسے ایک لاکھ افراد بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا...... دیکھئے! اگر اس آیت میں اَوْ بمعنی "یا" لیا جائے تو علمِ الٰہی پر زَد پڑتی ہے کہ ہم نے اُسے ایک لاکھ یا اِس سے بھی زیادہ افراد کی طرف بھیجا

تھا۔فلہٰذا ثابت ہوا کہ اَوْ بمعنی بلکہ بھی عربی ادب میں مسلّم ہے۔

۳۔ اَوْ بمعنی حتیٰ کہ، یہانتک کہ۔ ۴۸/۱۶ میں آیا ہے:- ● قُل لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ٥ = اے رسول سلامٌ علیہ! دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے (جو غنیمت کے طلبگار ہیں) کہہ دیجئے گا کہ تم، عنقریب ایک سخت جنگجو قوم کے ساتھ لڑنے کیلئے بلائے جاؤ گے۔تم اُن سے (ایسی سخت) جنگ کرو گے۔یہاں تک کہ وہ تمہاری اطاعت قبول کرلیں گے......غور فرمایئے گا کہ یہاں بھی اَوْ بمعنی "یا" نہیں لگ سکتا۔کیونکہ یہ مفہوم بالکل بے معنی ہے کہ:-"یا تم ان سے لڑو گے یا وہ تمہاری اطاعت قبول کرلیں گے"۔

۴۔ اَوْ برائے انقسام مفہوم ۷/۴ میں آیا ہے کہ مجرموں پر:- ● فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ٥ = ہمارا عذاب اُن پر کبھی رات کے وقت آیا۔اور کبھی دوپہر کے وقت، کہ جب وہ آرام کر رہے تھے۔

۵۔ اَوْ برائے نفی تام۔ ۷۶/۲۴ میں آنحضور سلامٌ علیہ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے:-

● فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ٥ = اے رسول سلامٌ علیہ! اپنے ربوبیّت کرنے والے کے حکم پر ثابت قدم رہیئے گا۔اور (مخالفین) بدکار و ناشکرے (جو کچھ بھی) ہیں۔اُن کی اطاعت ہرگز نہ کرنا۔

۶۔ اَوْ برائے شک واشتباہ۔ سورہ مومنون میں آیا ہے کہ قیامت کے دِن پوچھا جائے گا کہ تم زمین میں کتنا عرصہ رہے۔اس کا جواب درج ہے:- ● قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۲۳/۱۱۳ = وہ کہیں گے کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ زمین میں رہے تھے۔

۷۔ اَوْ بمعنی واوِ تفسیر۔ ۳/۱۶۷ میں آیا ہے کہ منافقوں سے کہا گیا:- ● وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ = اور اُنہیں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔یعنی ملک کا دفاع کرو......غور فرمایئے گا! کہ جنگ اور دفاع ایک ہی چیز ہے۔اور یہاں اَوْ بمعنی واوِ تفسیر بمعنی یعنی آیا ہے۔جیسے کہ آیت مجیدہ کے اگلے الفاظ، منافقوں کے جواب میں بھی قتال ہی کو دفاع ٹھہرایا گیا ہے:-

● قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ = انہوں نے کہا کہ (ہم لڑنا نہیں جانتے) اگر لڑنا جانتے تو ضرور تمہاری پیروی کرتے۔

## ۳۱/۳۔ب کے مختلف استعمالات

ب کا معنٰی عموماً ساتھ لیا جاتا ہے۔لیکن قرآنِ کریم نے ذیل کے سولہ معنے بیان کئے ہیں:-

۱۔ با برائے تعدیہ (لازم کو متعدّی بنانے کیلئے):۔
● ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ۲/۱۷ = اللہ اُن کا نور لے گیا۔ (لفظی ترجمہ)

۲۔ با (اظہارِ سبب کیلئے):۔ ● فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۳/۱۱ = پس اللہ نے اُنہیں اُنکے گناہوں کے سبب سے پکڑلیا۔

۳۔ با بمعنی کے ساتھ:۔ ● يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ ۱۱/۴۸ = اے نُوح سلامتی کے ساتھ اُتر جا۔

۴۔ با بمعنی کے پاس:۔ ● اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ ۲۵/۷۲ = جب وہ لغو کے پاس سے گزرتے ہیں۔

۵۔ با بمعنی کے عوض:۔ ● وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ ۱۲/۲۰ = اور اُنہوں نے اُسے تھوڑی قیمت کے عوض بیچ دیا۔

۶۔ با بمعنی کے متعلق:۔ ● اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۲۵/۵۹ = اس کے متعلق، صاحبِ خبر رحمان سے پُوچھ۔

۷۔ با بمعنی میں سے:۔ ● عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ ۷۶/۶ = ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے بندے پیئیں گے۔

۸۔ با بمعنی کے وقت:۔ ● نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۵۴/۳۴ = ہم نے اُنہیں صبح کے وقت نجات دی۔

۹۔ با بمعنی کے مقام پر:۔ ● وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ ۳/۱۲۳ = اور بیشک اللہ نے بدر کے مقام پر تمہاری مدد فرمائی۔

۱۰۔ با بمعنی پر، اُوپر:۔ ● لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۴/۴۲ = کاش کہ اُن کے اُوپر زمین ہموار ہو جائے۔

۱۱۔ با بمعنی کا:۔ ● وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ ۵/۶ = اپنے سروں کا مسح کرلیا کرو۔

۱۲۔ با بمعنی کو:۔ ● بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۸۲/۹ = بلکہ تم دین کو جھٹلاتے ہو۔

۱۳۔ با بمعنی کے بارے میں:۔ ● مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۸۲/۶ = تجھے تیرے نعمتیں دینے والے پروردگار کے بارے میں کس نے دھوکا دے دیا ہے

۱۴۔ با بمعنی کے ذریعہ:۔ ● وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۱۶/۱۶ = اور وُہ ایک مخصوص (قطبی) ستارہ کے ذریعہ راستے معلوم کرتے ہیں۔

۱۵۔ با زائدہ:۔ ● لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۸۸/۲۲ = اے رسول سلامٌ علیہ! آپ، لوگوں پر داروغے نہیں ہیں۔

۱۶۔ با برائے قسم:۔ ● فَبِعِزَّتِكَ ۳۸/۸۲ = تیری عزّت کی قسم۔

## ۳۱/۴۔ ف کے مختلف استعمالات

ف کا معنٰی عموماً لیا جاتا ہے 'پھر'۔ لیکن قرآنی لُغت سے ذیل کے متعدّد معنے ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ فا بمعنی پھر۔(برائے ترتیب وتعقیب)۔یعنی ایک کام کے بعد دوسرے کا بالترتیب انجام پذیر ہونا:-

● ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۲۳/۱۴ = پھر ہم نطفہ کو لوتھڑا بناتے ہیں۔ پھر لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا، پھر گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں پیدا کرتے ہیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں...... دیکھئے! یہاں فا کے ساتھ ہر کام کا یکے بعد دیگر بالترتیب واقع ہونا بتایا گیا ہے۔لیکن یادرہے کہ فا کیلئے لازم نہیں کہ ترتیب وتعقیب ہی کے لئے ہو۔ نیز ترتیب وتعقیب کی صورت میں ہر کام کے بعد دوسرے کام کا درمیانی وقفہ ہر مقام پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وُہی ہوگا جو اللہ تعالٰی نے اپنے کائناتی قوانین میں خود مقرر کر رکھا ہے۔قوانینِ کائنات کی مخالفت کبھی نہیں ہوگی۔

۲۔ فا برائے توضیح بمعنی سو:-● وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ ۴/۷ = اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا۔سو ہمارا عذاب اُن پر رات کے وقت آیا، یا جب وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے۔ دیکھئے! یہاں فا کے ساتھ بستیوں کی ہلاکت کے وقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ ہمارا عذاب کسی پر رات کو آیا۔اور کسی پر دوپہر کو آیا۔

۳۔ فا بمعنی تو(اگر اِنْ شرطیہ کے بعد آئے):- ● قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ ۳/۳۱ = کہہ دیجئے گا! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

۴۔ فا بمعنی ورنہ:- ● هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِىْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۷/۳ =(حضرتِ صالح سلامٌ علیہ نے قوم سے کہا) یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے (ربوبیّتِ عامہ کی رُو سے اللہ کی) ایک نشانی ہے۔پس اِسے چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین میں سے کھائے۔اور اِسے ضرر نہ پہنچانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا۔

۵۔ فا بمعنی اس طرح:- ● فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۲۸/۱۵ = پس اُس (حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ) نے اُسے مُکّا مارا۔اِس طرح اُس کا کام تمام کر دیا۔

۶۔ فا بمعنی لیکن:- ● وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِىْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا ۷/۱۷۵ = اور اے رسول سلامٌ علیہ! آپ اِن پر اُس شخص کی خبر پڑھیئے۔ جسے ہم نے (اپنی کتاب کے ذریعہ) اپنی آیتیں عطا فرمائیں۔لیکن وہ اُن کی حدود سے نکل گیا۔

۷۔ فا برائے اظہارِ حقیقت:- غیر اللہ کو مددگار ٹھہرانے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:- ● اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَ هُمُ الۡعِزَّۃَ فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًاo ۴/۱۳۹ = کیا وہ غیر اللہ سے غلبہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ غلبہ سارے کا سارا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

۸۔ فا زائدہ:- ● بَلِ اللّٰہَ فَاعۡبُدۡ o ۳۹/۶۶ = بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر۔ یہاں فَا زائدہ ہے کیونکہ فا کے بغیر بھی یہی معنے بنتے ہیں۔

## ۳۱/۵۔ س کے مختلف استعمالات

۱۔ س برائے مستقبل قریب:- س حرف تہجی ہے۔ جس کا عمومی فائدہ یہ ہے کہ جب یہ مضارع پر داخل ہو تو اُسے زمانہ مستقبل کیلئے مختص کر دیتا ہے۔ مثلاً:-

● قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ ...... فَسَیَقُوۡلُوۡنَ اللّٰہُ ۱۰/۳۱ = اے رسول سلام علیہ! آپ اِن سے پوچھیے گا کہ تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ ...... اِس کے جواب میں وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ ...... دیکھئے گا! اس مثال میں یَقُوۡلُوۡنَ فعل مضارع پر سؔ داخل ہوا ہے جس سے فعل مضارع نے مستقبل کا فائدہ دیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ سؔ داخل ہونے سے فعلِ مضارع ضروری ہی مستقبل کے لئے مختص ہو جاتا ہو۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں ایسی متعدّد مثالیں موجود ہیں کہ سؔ داخل ہونے سے مستقبل کا معنیٰ لینا غلط ہے۔ مثلاً:-

۲۔ س برائے تاکید ● فَسَیَکۡفِیۡکَهُمُ اللّٰہُ ۲/۱۳۷ کا یہ مفہوم ہرگز صحیح نہیں ہے کہ "تیرے لئے تیرے مخالفوں کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ زمانہ حال میں کافی نہیں مستقبل میں کافی ہوگا۔" بلکہ صحیح مفہوم یہ ہے کہ "تیرے لئے تیرے مخالفوں کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ ضرور ضرور کافی ہے" ...... دیکھئے! یہاں زمانہ حال کا معنٰی لینا ہی درست ہے۔ نیز یاد رہے کہ حال میں استقبال از خود آ جاتا ہے۔ کیونکہ آج کا مستقبل کل کو حال بن کر آتا ہے۔ اور فَسَیَکۡفِیۡکَهُمُ اللّٰہُ کے مطابق کفایتِ خداوندی کے دوام کی دلیل بن کر آتا ہے۔ اِس کے برعکس استقبال میں حال داخل نہیں ہو سکتا۔ اِس لئے اگر آیتِ بالا ۲/۱۳۷ کا یہ معنٰی لیا جائے کہ اللہ کافی ہے نہیں، کافی ہوگا تو کفایت خداوندی مجروح ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں مستقبل کا معنٰی لینا غلط ہے۔ فلہٰذا ثابت ہوا کہ یہ قاعدہ کُلیہ نہیں ہے کہ مضارع پر سؔ داخل ہو تو ضرور ہی اُسے مستقبل کے لئے مختص کر دیتا ہے۔ بلکہ ثابت ہوا کہ مضارع پر سؔ داخل ہو تو بعض اوقات حال کے معنوں میں تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ اِسی عنوان کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:-

● سَنُقۡرِئُکَ فَلَا تَنۡسٰۤی ۸۷/۶۔ دیکھئے یہاں نُقۡرِءُ فعل مضارع پر سؔ داخل ہوا ہے۔ اگر اِسے مستقبل کے

لئے مختص کر دیا جائے تو یہ مفہوم سامنے آتا ہے ’’ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ بھولیں گے نہیں‘‘۔ یہ مفہوم مشاہدے کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس وقت آپ کو سَنُقْرِئُکَ کہا گیا تھا اُس وقت تعلیم قرآنی دی جارہی تھی۔ ہنُوز دی جانے والی نہیں تھی۔ پس اِس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ یقیناً یقیناً ہم آپ کو پڑھاتے ہیں پھر آپ ہرگز بھولتے نہیں‘‘۔

پس سَ کے مضارع پر داخلہ کے خواص قرآنِ کریم کی رُو سے یہ ہیں:- ● کبھی فعل مضارع کو مستقبل کا فائدہ دیتا ہے اور کبھی حال کے معنوں میں تاکید پیدا کرتا ہے یعنی یقیناً ایسا ہے یا ایسا ہوتا ہے۔

## ۳۱/۶۔ فی کے مختلف استعمالات

فی حرفِ جار کا عموماً معنٰی لیا جاتا ہے میں۔ لیکن قرآنی لُغت سے ذیل کے متعدد معنے ثابت ہیں:-

۱۔ **فی بمعنی میں:-** ● وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۴/۱۳۱ = اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔

۲۔ **فی برائے اظہارِ سبب:-** ● قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۱۲/۳۲ = اُس عورت (زنِ عزیز) نے (زنانِ مصر سے مخاطب ہو کر حضرت یوسف کی طرف اشارہ کر کے) کہا، یہ ہے وُہ جس کی وجہ سے تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔

۳۔ **فی بمعنی کے مقابلے پر:-** ● فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۹/۳۸ = آخرت کی کامیابی کے مقابلے پر دنیا کا مال ہیچ ہے۔

۴۔ **فی بمعنی کے لئے:-** ● فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط ۲/۲۳۴ = پھر جب بیوہ عورتوں کی عدت پوری ہو جائے تو تمہارے لئے اُس کام میں کوئی ہرج نہیں جو وہ اپنی جانوں کے لئے بطریق معروف کریں (یعنی نکاح ثانی کرلیں)۔

۵۔ **فی بمعنی کے ذریعہ:-** ● اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۵/۹۱ = بلاشبہ شیطان (ضابطۂ خداوندی کا مُنکر) ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے درمیان خمر و میسر کے ذریعہ عداوت اور بُغض پیدا کردے۔

## ۳۱/۷۔ مِنْ کے مختلف استعمالات

عموماً مِن بمعنی سے لیا جاتا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم سے ذیل کے متعدد معنے ثابت ہیں:-

۱۔ **مِنْ ابتدائیہ بمعنی سے:-** ● مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ۱۷/۱ = مسجد حرام

سے مسجد اقصیٰ تک۔

۲۔ مِنْ بیانیہ برائے استغراق:- ● فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ۲۲/۳۰ =سب کے سب بتوں کی نجاست سے بچتے رہو۔

۳۔ مِنْ بعضیہ:- ● وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۴۰/۷۹=اور چار پایوں میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

۴۔ مِنْ بمعنی کی طرف سے:- ● اِنِّیْ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ o اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ ۲۷/۲۹-۳۰ = بیشک میری طرف ایک معزز چٹھی بھیجی گئی ہے۔بلا شبہ وہ سلیمان کی طرف سے ہے۔

۵۔ مِنْ بمعنی کی وجہ سے:- ● مِمَّا خَطِیْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا ۷۱/۲۵=وہ اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق کئے گئے۔

۶۔ مِنْ بمعنی کی بجائے:- ● اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۹/۳۸ =کیا تم آخرت (کی کامیابی) کی بجائے، دنیا (کے مال) پر راضی ہو گئے ہو؟

۷۔ مِنْ بمعنی میں سے:- ● وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ o ۱۵/۲۶=اور بیشک ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے بدبودار گارے میں سے پیدا کیا۔

۸۔ مِنْ بمعنی کے ساتھ:- ● یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ ۴۲/۴۵ =وہ کنکھیوں کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

۹۔ مِنْ بمعنی کے مقابلے پر:- ● وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۲۱/۷۷ =اور ہم نے اُس کی اُس قوم کے مقابلے پر مدد کی جس نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

۱۰۔ مِنْ بمعنی کے ہاں:- ● لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا ۵۸/۱۷=اللہ کے ہاں اُن کے مال اور اولاد کسی کام نہیں آئیں گے۔

۱۱۔ مِنْ بمعنی کے:- ● اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ ۶۲/۹=جب وقت کے ذریعے صلوٰۃ کے لئے ندا دی جائے جمعہ کے دن۔

۱۲۔ مِنْ برائے تمیز:- ● وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۲/۲۲۰=اور اللہ اُس مفسد کو جانتا ہے جو مُصلح کے لبادے میں فساد کرتا ہے۔

۱۳۔ مِنْ بمعنی کے بدلے:- ● اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۵/۳۶ = بیشک اگر منکرینِ ضابطۂ خداوندی کے پاس زمین بھر کی

پوری دولت ہو اور اُتنی ہی اور بھی ہو۔ اسلئے کہ وُہ قیامت کے عذاب کے بدلے فدیہ دیں تو اُن سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۴۔ مِنۡ بمعنی کوئی بھی:- ● مَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا ۶/۵۹ = نہیں گرتا کوئی بھی پتّا، مگر اللہ اُسے جانتا ہے۔

● وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۳/۶۲ = اور نہیں ہے کوئی بھی الٰہ سوائے اللہ کے۔

۱۵۔ مِنۡ زائدہ اور مِمَّا بمعنی اسلئے کہ:- ● وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰۤى اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ ۵/۸۳ = اور جب وہ (قرآن) سُنتے ہیں جو رسول سلامٌ علیہ کی طرف نازل ہوا ہے۔ تو تُو دیکھتا ہے اُن کی آنکھوں کو، کہ آنسو بہاتی ہیں۔ اس لئے کہ وہ حق کو پہنچاتے ہیں۔

## ۳۱/۸ عَنۡ کے مختلف استعمالات

عن حرفِ جار کا معنٰی عموماً لیا جاتا ہے "سے" لیکن قرآنِ کریم میں ذیل کے متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے:-

۱۔ عَنۡ بمعنی سے:- ● مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَ مَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ ۹/۱۲۰ = مدینہ والوں اور آس پاس کے دیہات والوں کو یہ لائق نہیں تھا کہ وُہ اللہ کے رسول سے پیچھے رہ جائیں۔

۲۔ عَنۡ بمعنی پر:- ● رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ ۹/۱۰۰ = اللہ اُن پر راضی ہوگیا اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے۔

۳۔ عَنۡ بمعنی کا۔ کے۔ کی:- ● وَهُوَ الَّذِىۡ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ ۴۲/۲۵ = اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

۴۔ عَنۡ برائے الٹے معنے:- ● اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِىۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۱۹/۴۶ = اے ابراہیم سلامٌ علیہ! کیا تُو میرے معبودُوں کے ساتھ رغبت رکھنے والا نہیں ہے۔

۵۔ عَنۡ بمعنی کے بعد:- ● لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ۸۴/۱۹ = تم ایک طبقہ کے بعد دوسرے طبقہ پر ضرور چڑھو گے۔

۶۔ عَنۡ بمعنی میں آکر:- ● وَمَا نَحۡنُ بِتَارِكِىۡۤ اٰلِهَتِنَا عَنۡ قَوۡلِكَ ۱۱/۵۳ = اور ہم تیری باتوں میں آکر اپنے معبودُوں کو چھوڑنے والے نہیں۔

۷۔ عَنۡ بمعنی کیمطابق:- ● وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۹/۱۱۴ = اور ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے استغفار کرنا ایک وعدہ کیمطابق تھا جو اس کے ساتھ انہوں نے کیا۔

۸۔ عَنۡ بمعنی کے ساتھ:- ● وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ۵۳/۳ = اور وہ اپنی خواہش کے ساتھ نہیں بولتا۔

## ۳۱/۹ ۔ علٰی کے مختلف استعمالات

حرفِ جار علٰی کا معنیٰ عام طور پر لیا جاتا ہے پر۔ لیکن قرآن کریم میں ذیل کے متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے:۔

۱۔ علٰی بمعنی پر:۔ ● وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۲۳/۲۲ = اور تم کشتیوں پر سوار کئے جاتے ہو۔

۲۔ علٰی بمعنی سے:۔ ● اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ ۸۳/۲ = جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں۔

۳۔ علٰی بمعنی میں:۔ ● وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ ۲/۱۸۵ = اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو۔

۴۔ علٰی بمعنی کیمطابق:۔ ● لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۲/۱۸۵ = تاکہ تم اللہ کی ہدایت کیمطابق اُس کی بڑائی کا اظہار کرو۔

۵۔ علٰی بمعنی کے باوجود:۔ ● وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ۲/۱۷۷ = اور مال کی محبت کے باوجود حاجتمندوں کو مال دیتا ہے۔

۶۔ علٰی بمعنی کے متعلق:۔ ● اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۷/۱۰۵ = یہ کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہ کہوں۔

۷۔ علٰی بمعنی تک:۔ ● هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۱۵/۴۱ = یہ سیدھا راستہ مجھ تک پہنچتا ہے۔

۸۔ علٰی بمعنی کے سامنے:۔ ● وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۲۰/۳۹ = اور تاکہ تیری پرورش میری نگاہ کے سامنے کی جائے۔

۹۔ علٰی بمعنی کے ذریعہ:۔ ● مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ ۳/۱۹۴ = تُو نے ہمارے ساتھ جو اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ کیا تھا۔

۱۰۔ علٰی بمعنی فرض ہے:۔ ● فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۳/۲۰ = پس اے رسول سلامٌ علیہ! سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ آپ پر ہمارا پیغام پہنچانا فرض ہے

۱۱۔ علٰی بمعنی کے پاس:۔ ● اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۲۰/۱۰ = یا میں آگ کے پاس کوئی رہبر پاؤں۔

۱۲۔ علٰی بمعنی کے مقابلے پر:۔ ● فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ ۶۱/۱۴ = پس ہم نے اُن کے دشمنوں کے مقابلے پر مومنوں کی مدد فرمائی۔

## ۳۱/۱۰ ۔ اِلٰی کے مختلف استعمالات:۔

اِلٰی حرفِ جار قرآنِ کریم میں ذیل کے متعدد و مختلف معنوں میں آیا ہے:۔

۱۔ اِلٰی بمعنی تک (زمان کیلئے):- ● ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ۲/۱۸۷ = پھر تم رات تک روزہ مکمل کرو۔

اِلٰی بمعنی تک (مکان کیلئے):- ● مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ۱۷/۱ = مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

۲۔ اِلٰی بمعنی سمیت:- ● فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ ۵/۶ = اپنے چہرے اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھولیا کرو۔

۳۔ اِلٰی بمعنی کے ساتھ:- ● وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ ۴/۲ = اور اپنے مالوں کیساتھ اُن یتیموں کے مال نہ کھا جانا۔

۴۔ اِلٰی بمعنی کو:- ● لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ۶/۱۲ = وہ قیامت کے دن کو تمہیں ضرور اکٹھا کرے گا۔

۵۔ اِلٰی بمعنی میں:- ● لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ۶/۱۲ = وہ قیامت کے دن میں تمہیں ضرور اکٹھا کرے گا۔

۶۔ اِلٰی زائدہ:- ● اسی ۶/۱۲ کا مفہوم اِلیٰ کے بغیر بھی صحیح برآمد ہوتا ہے کہ = وہ قیامت کے دن تمہیں ضرور اکٹھا کرے گا۔

۷۔ اِلٰی بمعنی کے نزدیک:- ● رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ ۱۲/۳۳ = اے میرے پروردگار میرے نزدیک قید خانہ اُس سے پسندیدہ ہے۔

۸۔ اِلٰی بمعنی کے متعلق:- ● وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۱۷/۴ = اور ہم نے بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا۔

۹۔ اِلٰی بمعنی کیلئے:- ● وَالْاَمْرُ اِلَیْکِ ۲۷/۳۳ = اور حکم تیرے لئے ہے۔

۱۰۔ اِلٰی بمعنی کی طرف:- ● وَاِنَّ اللّٰہَ لَھَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۲۲/۵۴ = اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

## ۳۱/۱۱ ۔ کَلَّا کے مختلف استعمالات

حرفِ ردع ہے۔ اِس کا عمومی معنٰی ہے ہرگز نہیں۔ لیکن قرآنِ کریم میں اس کے متعدد استعمال موجود ہیں:-

۱۔ کَلَّا بمعنی بات یوں نہیں ہے:- ● اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ؕ کَلَّا

بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ۸۳-۱۳/۱۴ = جب اُس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں بات یوں نہیں ، یہ قرآن کہانیاں نہیں، بلکہ یہ لوگ جو کسب کرتے رہے تھے اُس نے اِنکے دِلوں کو زنگ آلود کردیا ہے۔

۲۔ **کَلَّا** بمعنی **ہرگز نہیں**:- ● قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ ۲۶-۶۱/۶۲ = (جب فرعون بنی اسرائیل کا تعاقب کرتا ہوا قریب پہنچ گیا تو) اصحابِ موسیٰ نے کہا بے شک ہم پکڑے جانے والے ہیں۔ موسیٰ نے فرمایا ہرگز نہیں ۔ میرا پروردگار ضرور میری رہنمائی کرے گا۔ (فرعون کی گرفت سے ضرور بچالے گا)۔

۳۔ **کَلَّا** بمعنی **وہ ایسا نہیں کرسکیں گے**:- ● وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ ۲۶-۱۴/۱۵۔ (حضرت مُوسیٰ سلامٌ علیہ نے کہا کہ) فرعونیوں کا میرے ذِمّہ ایک جُرم ہے (کہ مجھ سے اُن کا ایک آدمی قتل ہوگیا تھا) اِس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وُہ مجھے قتل نہ کردیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ ایسا نہیں کرسکیں گے ۔

۴۔ **کَلَّا** بمعنی **حقیقت یہ ہے**:- ● كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ۹۶/۶ = حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ انسان، اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے۔

۵۔ **کَلَّا** بمعنی **ضرور ضرور**:- ● كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۰۲-۳/۴ = ضرور ضرور تُم عنقریب جان لوگے۔ پھر سُن لو کہ، ضرور ضرور تُم عنقریب جان لوگے۔

## ۳۱/۱۲ بَلْ کے مختلف استعمالات

حرفِ استدراک ہے۔ کبھی کلام ماسبق کی تردید و انکار کیلئے، کبھی تائید وتصدیق کیلئے اور کبھی وضاحت واضافہ کیلئے آتا ہے۔ نیز کبھی کلامِ ماسبق کی تردید کے بغیر، کلامِ مابعد کی تائید کے لئے آتا ہے۔

۱۔ **بَلْ** برائے **تردید و انکار**:- ● وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ ۲۱/۲۶ = اور وُہ (انبیاء میں سے بعض کے متعلق) کہتے ہیں کہ رحمان نے اُنہیں بیٹا بنایا ہے۔ وہ بیٹے سے پاک ہے۔ (اُس نے کسی نبی کو بیٹا نہیں بنایا) بلکہ وہ اُس کے واجب التکریم بندے تھے۔

۲۔ **بَلْ** برائے **تائید و توثیق**:- ● قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ ۲۱-۶۲/۶۳ ۔ سابقہ تفسیروں نے اس آیت میں آمدہ بَلْ کو، برائے تردید وانکار قرار دے کر حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کو دروغ گو بنادیا ہے۔ حالانکہ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۱۹/۴۱ کی قرآنی

خبر کے مطابق آنحضور سلامٌ علیہ ہرگز ہرگز جھوٹ بولنے والے نہیں تھے، نہ دروغِ مصلحت آمیز نہ دروغ شر انگیز۔ اِس لئے ۲۱/۶۳ میں آمدہ بل تردید وانکار کا نہیں ہوسکتا کہ جب بُت پرستوں نے کہا کہ اے ابراہیم کیا ہمارے بُتوں کو تُو نے توڑا ہے۔ تو آنحضور سلامٌ علیہ نے جھوٹ بولا ہو کہ میں نے نہیں، بلکہ بڑے بُت نے اُنہیں توڑ ڈالا ہے۔ فلہٰذا یہ بَـل تائید وتصدیق کا ہے۔ تردید وانکار کا نہیں اور آیت مجیدہ کا عین قرآنی مفہوم یہ ہے:-

● ''بُت پرستوں نے کہا کہ اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تُو نے ایسا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اُسی نے کیا ہے (جس کا تم ذکر کر رہے تھے[ا]) یہ بڑا بُت (صحیح سالم موجود) ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو اِنہی سے پُوچھ لو۔ کہ تمہیں کس نے توڑا ہے''۔

[ا] قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ کے فعل، فَعَلَ کی هُوَ ضمیر مستتر، آیت ماقبل ۲۱/۶۰ کے لفظ ابراہیم سلامٌ علیہ کی طرف پھرتی ہے کہ جب اُنہوں نے بُتوں کو ٹوٹا ہوا پایا تو ایک دوسرے سے پُوچھا :- قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا = اُنہوں نے کہا ہمارے معبُودوں کیساتھ ایسا کس نے کیا ہے۔ دُوسروں نے جواب دیا:- ● قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ ۲۱/۶۰ =انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کے متعلق سُنا ہے کہ وہ اِن کے ساتھ ایسی تجویز کرنے کا ذکر کرتا تھا۔ اُس نوجوان کو ابراہیم کہتے ہیں۔ حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ نے جبکہ خود اعلان کر رکھا تھا وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ ۲۱/۵۷ = اللہ کی قسم میں ضرور تمہارے بُتوں کے ساتھ ایک تجویز کروں گا۔ اس لئے ابراہیم صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۱۹/۴۱ کی طرف دروغِ مصلحت آمیز بھی منسوب نہیں ہوسکتا۔ پس ۲۱/۶۳ میں، آمدہ بَل برائے تردید وانکار نہیں برائے تائید واقرار ہے۔ (كَبِيْرُهُمْ هٰذَا مرکب ناقص مبتدا، اور سَالِمٌ خبر محذوف ہے۔ قرینہ موجود ہو تو خبر محذوف ہوسکتی ہے۔ پس تقدیرِ کلام یہ ہے:- كَبِيْرُهُمْ هٰذَا سَالِمٌ، یہ ان کا بڑا صحیح سالم ہے۔ اگر یہ بولتے ہیں تو اِنہی سے پوچھ لو، کہ اِن کے ساتھ توڑ پھوڑ کس نے کی ہے)۔

۳۔ **بَلْ** برائے **وضاحت واضافہ:-** ● بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ ۲۱/۵ = بلکہ (ہماری آیتوں کے متعلق) لوگوں نے کہا کہ یہ پریشان خیالات ہیں۔ بلکہ یہ کہا کہ اس نے اپنی طرف سے بنالی ہیں، بلکہ یہ کہا کہ یہ رسول سلامٌ علیہ تو ایک شاعر ہے۔

۴۔ **بَلْ** برائے **تائید کلام مابعد بلا تردید کلام ماسبق:-** ● وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا ۲۳/۶۲-۶۳ =اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو سچ بولتی ہے، اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔ لیکن اِن کے اذہان اِس کی طرف سے غفلت میں ہیں۔

## ۳۱/۱۳ مِنْ دُوْن کے مختلف استعمالات

مِنْ دُوْن کا معنٰی عموماً لیا جاتا ہے ''کے سوا''۔ لیکن قرآنی لُغت میں اس کا معنٰی ''کے ساتھ'' بھی ہے:-

● وَ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۵/۱۱۶ =اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ کہے گا کہ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ سلامٌ علیہ! کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کیساتھ دو الٰہ اور ٹھہرالو...... دیکھئے گا! یہاں مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا معنٰی اللہ کے سِوا نہیں بلکہ اللہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ ۵/۷۳ میں نصاریٰ کا عقیدہ اللہ کیساتھ دو اور الٰہ ٹھہرانا بتایا گیا ہے۔ اللہ کے سِوا دو الٰہ ٹھہرانا نہیں بتایا:- ● لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ = بے شک وہ لوگ کافر ہوئے جو کہتے ہیں اللہ تین اِلٰہوں کا تیسرا ہے۔ پس مِنْ دُوْن کا معنٰی ''کے ساتھ'' بھی قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔

## ۳۱/۱۴ اِلَّا کے مختلف استعمالات

یہ حرفِ استثنٰی ہے۔ جو عموماً سوائے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم میں اس کے متعدّد معنے موجود ہیں:-

۱۔ اِلَّا بمعنی سوائے:- ● لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۴۷/۱۹ ۔اللہ کے سِوا کوئی الٰہ نہیں۔

۲۔ اِلَّا بمعنی ہاں البتہ:- ● فَلَوْ لَا کَانَتْ قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَھَآ اِیْمَانُھَآ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ۱۰/۹۸ = پس کیوں نہ ہوئی کوئی ایسی بستی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اُسے نفع دیتا۔ ہاں البتہ قومِ یونس ایسی تھی کہ ایمان لائی اور اُسے اُس کے ایمان نے فائدہ دیا۔ (یعنی اُس سے عذابِ خداوندی ٹل گیا)

۳۔ اِلَّا عاطفہ بمعنی اَور:- اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا ۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ ۲۷/۱۰-۱۱ = بے شک میرے رسول سلامٌ علیہ ہرگز میرے ہاں نہیں ڈرتے۔ اَور وہ شخص بھی نہیں ڈرتا، جس نے کوئی زیادتی کی۔ پھر اعمالِ صالحہ کے ساتھ برائی کو نیکی کے ساتھ بدل دیا۔

۴۔ اِلَّا برائے استغراق:- اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ ۳۸/۱۴ = بلا شُبہ سب نے ہمارے رسُولوں کو جھٹلایا۔

۵۔ اِلَّا بمعنی اِنْ لَا (اگر نہیں):- اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۹/۴۰ = اگر تم اُس کی مدد نہ کرو تو کوئی بات نہیں۔ اللہ نے اُس کی مدد اُس وقت بھی کی تھی، جب اُسے کافروں نے نکال دیا تھا (اور آئندہ بھی کرتا رہے گا)۔

۶۔ اِلَّا برائے تاکید و تائید:- خَالِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ۱۱/۱۰۸ = اہلِ جہنم اُس میں اُس وقت تک رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین موجود ہیں۔ یقیناً تیرے پروردگار نے جو چاہا ہے وُہی ہوگا۔ یعنی اُس نے ایسا ہی چاہا ہے کہ جب تک آسمان و زمین موجود ہیں، وہ جہنم میں رہیں...... دیکھئے! یہاں اِلَّا

کلام ماسبق کی تاکید و تائید کے لئے آیا ہے۔تردید کے لئے نہیں آیا۔اسی طرح ۸۷/۶-۷ میں بھی آیا ہے:- سَنُقْرِءُ کَ فَلَا تَنْسٰی o اِلَّا مَاشَآ ءَ اللّٰهُ ۸۷/۶-۷ = اے رسول سلامٌ علیہ!بلا شُبہ ہم آپ کو پڑھاتے ہیں پھر آپ ہرگز بھُولتے نہیں۔ اِس آیتِ مجیدہ کے اِس ٹکڑے سے ثابت ہوتا ہے کہ نزولِ وحی کے ساتھ ہی آنحضور کو قرآن مجید حفظ ہوتا چلا جاتا تھا۔ایسا حفظ' جو آپ کے ذہنِ مبارک سے کبھی محو نہیں ہوتا تھا۔اب اِس سے آگے آیا ہے اِلَّا مَاشَآ ءَ اللّٰهُ ...... اگر یہاں اِلَّا کو استثنائیہ قرار دیا جائے تو معنٰی بنتا ہے کہ ''ہم آپ کو پڑھاتے ہیں پھر وہ آپ کو حفظ ہو جاتا ہے آپ ہرگز نہیں بھُولتے۔ سوائے اُس کے جسے اللہ بھُلا دینا چاہئے''۔ظاہر ہے کہ اِلَّا مَاشَآ ءَ اللّٰهُ کا یہ مفہوم سیاقِ کلام کے خلاف ہے۔کیونکہ قرآنِ کریم کے جس حصے کو بھُلا دینا ہو اس کا نازل کرنا، کارِ عبث اور محض ڈرامائی کردار ثابت ہوتا ہے۔اب چونکہ ایسے کردار سے ذاتِ خداوندی پاک و منزّہ ہے۔پس ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کو آنحضور سلامٌ علیہ کے ذہن میں محفوظ کرنے کی جو کیفیت آیتِ مجیدہ کے پہلے جُملے میں بتائی گئی ہے سَنُقْرِءُ کَ فَلَا تَنْسٰی ۔ یقیناً ہم آپ کو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔پس وُہ آپ کے ذہن مبارک میں محفوظ ہوتی چلی جاتی ہے۔اس پر جُملہ مَاشَآ ءَ اللّٰهُ اِس کی تائید و تاکید کے لئے ہی ہوسکتا ہے، تردید کے لئے نہیں۔پس سیاقِ کلام کے مطابق اِلَّا مَاشَآ ءَ اللّٰهُ کا مفہوم یہ ہے ''یقیناً جو چاہا اللہ نے، یعنی اللہ تعالیٰ نے چاہا ہی یہ ہے کہ آپ کو قرآن کی جو تعلیم دی جائے۔وہ آپ کو ایسی حفظ ہوتی چلی جائے کہ آپ ہرگز ہرگز نہ بھُولیں''۔

سَ بمعنی یقیناً کے لئے عنوان نمبر ۳۱/۵ میں حرف سَ کی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

## ۳۱/۱۵ اِنَّ کے مختلف استعمالات

حرفِ تاکید ہے، عموماً ابتداءِ کلام میں آتا ہے:- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ...... ۲/۶ = بے شک جو لوگ ضابطۂ خداوندی کا انکار کرتے ہیں۔اُنہیں آخرت کے عذاب سے ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔

اِنَّمَا ، اِنَّ + مَا کا مرکّب ہے۔کلمہ حصر ہے بمعنی سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں ۔

اِنَّا ،اِنَّ اور نَا کا مرکّب ہے۔قرآنِ کریم میں اِنَّا اور اِنَّنَا دونوں صورتوں میں آیا ہے۔بمعنی بے شک ہم۔

اِنِّیْ، اِنَّ اور ی کا مرکب ہے۔ اِنِّی اور اِنَّنِیْ دونوں صورتوں میں آیا ہے۔بمعنی بے شک میں۔

اِنَّکَ. اِنَّکُمْ وغیرہ ایک ہی صورت میں آئے ہیں۔بمعنی بے شک تُو۔بے شک تُم۔

## ۳۱/۱۶ ۔اَنّٰی کے مختلف استعمالات

یہ حرفِ استفہام ہے۔متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ا۔ اَنّٰی بمعنی کس طرح:- اَنّٰی يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ

تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۶/۱۰۱ =اللہ کا بیٹا کس طرح ہوسکتا ہے۔جبکہ اُس کی بیوی ہی کوئی نہیں۔

۲۔ اَنّٰی بمعنی کہاں سے:- اَنّٰی لَكِ هٰذَا ۳/۳۷ =(اے مریمؑ!) تجھے یہ رزق کہاں سے ملا ہے۔

۳۔ اَنّٰی بمعنی کدھر کو:- فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ۶/۹۵ =پھر تم کدھر کو اُلٹے پھر رہے ہو۔

۴۔ اَنّٰی بمعنی جب:- نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ص فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ ۲/۲۲۳ =تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ممنوعہ اوقات، یعنی حمل، حیض، بیماری، زچگی کے علاوہ، اپنی کھیتیوں کو جب چاہو آؤ۔

## ۳۱/۱۷ استفہام اقراری اور انکاری

حروفِ استفہام کے متعلق یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اگر ان میں انکار مذکور ہو تو اقرار مقصود ہوتا ہے۔اور اگر اقرار مذکور ہو تو انکار مقصود ہوتا ہے۔

۱۔ استفہامِ انکاری:- هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۶۷/۳ =اے مخاطب! کیا تُو کائنات میں کوئی کمی دیکھتا ہے...... دیکھئے گا! اگرچہ یہاں ''دیکھتا ہے'' کے مثبت الفاظ آئے ہیں۔لیکن متکلم کی غرض یہ بتانا ہے کہ تُو کائنات میں ہرگز کوئی کمی نہیں دیکھتا''۔

۲۔ استفہام اقراری:- اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ۹۵/۸ =کیا اللہ تعالیٰ حاکموں کا حاکم نہیں ہے،اس جملہ میں اگرچہ ''نہیں ہے'' کے منفی الفاظ آئے ہیں، لیکن متکلّم کی غرض یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکموں کا حاکم ہے۔

یاد رہے کہ سورہ تحریم ۶۶/۱ میں یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ میں استفہام انکاری ہے۔جس سے سابقہ تفاسیر وتراجم نے آنخضور سلامٌ علیہ کی طرف اللہ کے حلال کو حرام کرنا منسوب کر رکھا ہے۔حالانکہ یہاں کہا گیا ہے کہ تُو کیوں اللہ کے حلال کو حرام کرے گا۔یعنی تُو کبھی نہیں کرے گا۔

## ۳۱/۱۸ اِنْ کے مختلف استعمالات

اہلِ قواعد نے اِسے شرطیہ ماننے کے علاوہ نافیہ اس شرط پر مانا ہے کہ اس کے بعد اِلَّا آیا ہو اور اسے تاکید یہ اس شرط کے ساتھ تسلیم کیا ہے کہ اگر اس کا صلہ لام آئے۔لیکن قرآنِ کریم میں اِنْ نافیہ بلا وُرودِ اِلَّا بھی آیا ہے اور اِنْ تاکید یہ بمعنی اِنَّ بلا صلہ لام بھی آیا ہے۔بالترتیب مثالیں ملاحظہ فرمائیں:-

۱۔ اِنْ شرطیہ:- اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ ۱۰/۱۵ =اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو بلا شُبہ میں بھی بڑے دن کے عذاب سے خُوف کھاتا ہُوں۔

۲۔ اِنْ نافیہ باوُرود اِلَّا:- اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۶/۵۷ =اللہ کے سِوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں۔

۳۔ اِنْ نافیہ بلا ورود اِلَّا:- اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ۶۸/۱۰ =تمہارے پاس اِس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۴۔ اِنْ تاکیدیہ بمعنی بےشک صلہ لام کے ساتھ:- وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۳/۱۲ =اور بےشک تو اِس سے پہلے بےخبروں میں سے تھا۔ اِس آیت میں لَمِنْ کی لام، حرف اِنْ کے صلہ کی لام ہے۔

۵۔ اِنْ تاکیدیہ بمعنی بےشک بغیر صلہ لام:- وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۳۳/۲۴ =اور تُم اپنی خادمہ عورتوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو، تاکہ تُم دنیوی زندگی کا مال حاصل کرو۔ بےشک وہ اِس سے بچنے کا ارادہ رکھتی ہیں...... یہ تو ہے اس آیت مجیدہ کا معنٰی اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا میں، اِنْ تاکیدیہ بمعنی اِنَّ، بیشک کی صُورت میں......لیکن چونکہ۔ اِس آیت میں حرفِ اِنْ کا لام صلہ موجود نہیں۔ اِس لئے جُملہ تراجم میں اِس آیت کا معنٰی، اِسے اِنْ شرطیہ قرار دے کر یہ لکھا ہے:-

اگر تمہاری خادمائیں عصمت کو بچانے کا ارادہ کریں تو اُنہیں دنیا کا مال حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو......اس ترجمے پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ عصمت کو بچانے کا ارادہ نہ کریں تو کیا پھر اُن کی عصمت فروشی کاروبار کھول لینے کی اجازت دے دی گئی ہے؟ معاذ اللہ استغفر اللہ!...... فلہٰذا ان دلائلِ قاطعہ کی رُو سے ثابت ہوا، کہ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا ۳۳/۲۴ میں اِنْ بمعنی اِنَّ ہے۔ اور یہ جُملہ معترضہ کی صورت میں عورتوں کی عام جبلّت کے اظہار کے لئے آیا ہے کہ وہ تو بلاشُبہ عصمت فروشی سے بچنا چاہتی ہیں۔ تُم دنیوی مال کے لئے اُنہیں عصمت فروشی کے لئے مجبور نہ کرو۔ چنانچہ آیتِ مجیدہ کے اگلے الفاظ میں کہا گیا ہے:- وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۳۳/۲۴ =اور جو کوئی اُنہیں بدکاری پر مجبُور کرے۔ تو اُن کے مجبُور کئے جانے کے بعد (اس گناہ کا بوجھ مجبُور کرنے والوں پر ہوگا) مجبُور کی گئی عصمت فروشوں کے لئے اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ فلہٰذا مہرِ نیمروز کی طرح ثابت ہوا کہ اِنْ تاکیدیہ کا جب قرینہ موجود ہو اِس کا صلہ لام حذف ہوتا ہے۔

## ۱۹/۳۱ ۔ اَمْ کے مختلف استعمالات

۱۔ اَمْ بمعنی یا:- ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۲۷/۷۹ =کیا پیدائش کی رُو سے تم زیادہ سخت ہو۔ یا فضائی کرّہ جات۔

۲۔ اَمْ بمعنی نیز:- قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۱۶/۱۳ = کہہ دے اے رسول سلامٌ علیہ! کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں۔ نیز کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں۔

۳۔ اَمْ زائدہ:- اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا...... ۴۳/۵۲ = میں اس سے بہتر ہوں۔

## ۳۱/۲۰ ۔ اَمَّا کے مختلف استعمالات

یہ اَنْ اور مَا کا مرکّب ہے۔ استیناف کا فائدہ دیتا ہے۔ جو، جس اور یا کے معنوں میں آیا ہے:-

۱۔ اَمَّا بمعنی جو، جس:- اَمَّا السَّفِیْنَۃُ ...... وَاَمَّا الْغُلَامُ ...... وَاَمَّا الْجِدَارُ ۱۸/۷۹-۸۲ = جو کشتی ہے، اُس کا قِصّہ یہ ہے......اور جو لڑکا ہے، اُس کی حقیقت یہ ہے......اور جو دیوار ہے اُس کا واقعہ یہ ہے۔

۲۔ اَمَّا بمعنی یا:- اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْہِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ۶/۱۴۴ = یا وہ، جو دونوں مونثوں کے رحموں میں ہے۔

## ۳۱/۲۱ ۔ اِمَّا کے مختلف استعمالات

دراصل یہ اِنْ اور مَا کا مرکّب ہے بتکرار وارد ہوا ہے۔ اِس کے متعدّد مفاہیم قرآنِ کریم میں آئے ہیں:-

۱۔ اِمَّا بمعنی یا:- فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ۴۷/۴ = جنگی قیدیوں کو یا تو احسان کر کے آزاد کرنا ہے اور یا فدیہ لے کر آزاد کرنا ہے۔

۲۔ اِمَّا بمعنی خواہ:- اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا ۷۶/۳ = خواہ شکر کرنے والا ہو، اور خواہ انکار کرنے والا ہو جائے۔

۳۔ اِمَّا بمعنی اگر:- فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۱۹/۲۶ = پھر اگر تُو کسی بشر کو دیکھے۔

## ۳۱/۲۲ ۔ بَعْدُ کے مختلف استعمالات

یہ مادہ ب۔ ع۔ د۔ سے مشتق ہے۔ بمعنی دُوری اور دُور ہونا۔ لیکن بطورِ حرفِ جار بھی استعمال ہوتا ہے بمعنے کے بعد۔

قرآن مجید میں بصورتِ حرف ذیل کے متعدّد معنوں میں استعمال ہوا ہے:-

۱۔ بعد بمعنی کے بعد:- اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًۢا بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥ ۶/۵۴ = حقیقت یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص نادانی کے ساتھ کوئی ناروا کام کر بیٹھے۔ پھر اُس کے بعد اگر وُہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو وُہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۲۔ بعد بمعنی سوا:- فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰہِ ۴۵/۲۳ = پھر اللہ کے سوا اُس کی کون رہنمائی کر سکتا ہے۔

۳۔ بعد بمعنی اِسکے باوجود:- ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ رَحْمَۃٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ٥ ۲/۱۷۸ = مذکورہ رعائتیں تیرے پروردگار کی طرف سے بطور تخفیف و رحمت ہیں۔ پھر اس کے باوجود جو

کوئی سرکشی کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

**۳۱/۲۲ ذٰلِکَ کا قرآنی استعمال** یہ اسم اشارہ واحد مذکر بعید ہے۔ سلسلۂ کلام میں آئے تو کسی دُور کی چیز کی طرف اشارہ کرنے کیلئے آتا ہے۔ مثلاً نزدیک پڑے ہوئے قلم کیلئے کہیں گے ھٰذَا الْقَلَمُ. اور دُور پڑے ہوئے رجسٹر کیلئے کہا جاتا ہے ذٰلِکَ الدَّفْتَرُ...... لیکن جب ذٰلِکَ سلسلۂ تحریر میں آتا ہے، تو اُس سے مُراد ہوتی ہے مذکورہ بالا۔ جیسے کہ قرآنِ کریم میں ذیل کی متعدّد مثالیں موجود ہیں۔ بنی اسرائیل کے متعلق آیا ہے:-

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُ وْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۲/۶۱ = اور اُن پر ذِلّت و مسکنت مسلّط کردی گئی اور وہ غضبِ الٰہی کے مستحق ہوگئے۔ مذکورہ بالا عذاب اُن پر اس لئے واجب ہوا کہ وُہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

سورہ بقر کی آیت نمبر ۲۲۵ تا ۲۳۱ میں طلاق کے مسائل کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا ہے:- ذٰلِکَ يُوْعَظُ بِهٖ ۲/۲۳۲ = اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا ہدایتوں کی نصیحت کرتا ہے اُس کے لئے جو اللہ اور روزِ مکافات پر ایمان رکھتا ہے۔

نیز آیت نمبر ۲۴۳ تا ۲۴۸ میں حضرت طالوت کے جالوت کے ساتھ جہاد کرنے کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:-

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۲/۲۴۸ = بلاشُبہ مذکورہ بالا بیان میں، اگر تم مومن ہو تو تمہارے لئے ایک واضح نشان موجود ہے۔

# ۳۲۔ قواعد کی بحث

**۳۲/۱ ۔ افعال ثلاثی مجرّد کا خاصۂ وِجدان** قواعد کی رُو سے عربی افعال کی دو قسمیں ہیں، مجرّد اور مزید فیہ۔ اہلِ قواعد نے مزید فیہ کے بعض ابواب کا خاصۂ وِجدان تسلیم کیا ہے۔ لیکن مجرّد افعال کا خاصۂ وِجدان تسلیم نہیں کیا گیا۔ لیکن واضح رہے کہ ترتیبِ قواعد محض بشری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اور بشری کوششیں سہو و خطا سے منزہ نہیں ہوسکتیں۔ سہو و خطا سے پاک اللہ تعالیٰ اور اُس کی مقدّس کتاب قرآنِ کریم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ قواعد اپنے مرتّب کردہ صرفی نحوی کُلیات کی صحت کی دلیل کے لئے قرآنی آیات ہی لاتے ہیں۔ اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ کہ قواعد کی صحت کی دلیل آیاتِ قرآنیہ ہوں۔ فلھٰذا

اہلِ قواعد کے اپنے تسلیم کردہ نظریہ کے مطابق، کہ گرائمر کا ہرُ وہ کلیہ صحیح ہے جس کی تائید قرآنی آیات کریمات کرتی ہوں۔اور ہرُ وہ کلیہ غلط ہے جو قرآنِ کریم کے خلاف ہو۔اِس سلسلے میں ہم حروف کی بحث عنوان نمبر ۱۸/۳۱ میں اِنْ نافیہ اور اِنْ تاکیدیہ کے متعلق عرض کر چکے ہیں کہ قرآنِ کریم میں اِنْ نافیہ بلا ورُودِ اِلّا بھی آیا ہے۔اور بلا صلہ لام اِنْ بمعنی اِنَّ بھی آیا ہے۔اِسی طرح واضح رہے کہ:-قرآنِ کریم کی آیاتِ مقدّسات سے ثابت ہوتا ہے کہ افعال ثلاثی مجرّد کا خاصۂ وِجدان تسلیم کرنا لازم ہے۔کیونکہ اگر ثلاثی مجرّد کا خاصۂ وِجدان تسلیم نہ کیا جائے تو قرآنِ کریم میں تضاد وتخالف پایا جاتا ہے۔اِس کا بتایا ہوا مکافاتِ عمل کا نظریہ بیکارِ محض ٹھہرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ ظالم اور غیر عادل ثابت ہوتا ہے۔مثلاً سورہ یٰسٓ میں ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ o اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ o وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ o ۳۶/۷-۹ = اِن آیاتِ مقدّسات کا مفہوم، ہر ترجمہ اور تفسیر میں افعال ثلاثی مجرّد کو خاصۂ وِجدان سے تہی دامن مان کر یہ لکھا ہے:-

بے شک اُن میں سے اکثر پر عذاب کی بات واجب ہو چکی ہے۔پس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں۔پھر وہ طوق ٹھوڑیوں تک ہیں۔پس وہ اپنے سر اُوپر کو اٹھائے ہُوئے ہیں۔اور ہم نے اُن کے آگے بھی دیوار بنادی ہے۔اور اُن کے پیچھے بھی دیوار بنادی ہے۔پھر ہم نے اُنہیں ڈھانپ دیا ہے، پس وُہ نہیں دیکھتے۔

اب غور فرمایئے گا! کہ اِس ترجمہ کی رُو سے، جن کے گلے میں اللہ تعالیٰ خود ایسا طوق ڈالدے جو ٹھوڑی تک پہنچ کر اُس کو اُوپر کا اُوپر اُٹھا رکھے۔مزید برآں اُن کے آگے بھی دیوار کھینچ دی گئی ہو۔اور پیچھے بھی دیوار کھینچ کر اُوپر سے ڈھانپ دیا گیا ہو۔اگر اُنہیں راہِ ہدایت نظر نہ آئے تو اُن بچاروں کا کیا قصور؟ اور مروّجہ ترجمہ کی رُو سے سب کچھ خود کر چکنے کے بعد اگلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے:-

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ o ۳۶/۱۰ = اور اے رسول سلامٌ علیہ! آپ اُن کو بُرے اعمال کے بُرے نتائج سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وُہ ایمان نہیں لائیں گے۔اِس پر سُورہ بقر میں ذیل کا مزید اضافہ موجود ہے:-

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰی سَمْعِهِمْؕ وَ عَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ٘ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ o

۲/۷ = ہم نے اُن کے ذِہنوں پر اور اُن کے کانوں پر مُہر لگادی ہے۔اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لئے بہت بڑا

عذاب ہے۔

**ان بچاروں کا قصور کیا ہے؟**

اب غور طلب امر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ذِہنوں اور کانوں پر مُہر کر دی ہو۔ آگے پیچھے دیواریں کھینچ کر اُوپر سے ڈھانپ دیا ہو۔ تو اِس صورت میں اگر وہ نہ سُن سکنے اور نہ سوچ سکنے کے باعث راہِ ہدایت کو قبول نہ کریں تو اُن کا کیا قصور؟ اور ہدایت سے خود محرُوم کردہ افراد کے لئے وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥ کا فیصلہ کہاں کا انصاف ہے؟...... یہ وُہ آیاتِ کریمات ہیں جن کی رُو سے بڑے بڑے جیّد علماء برسرِ منبر کہہ دیتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ محرومِ ہدایت کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۳۹/۳۶ کا مفہوم بھی یہی لیا جاتا ہے کہ جسے اللہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں...... یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کو گمراہ کرنے والا، اور خود گمراہ کردہ کو عذاب دینے والا قرار دے کر ظالم ٹھہرانے میں صرف اِس بشری سہو کا ہاتھ ہے، جو مجرّد افعال کا خاصۂ وِجدان تسلیم نہیں کیا گیا۔ آیاتِ بالا پر اگر معمولی سا غور کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آ رہی ہے کہ جس طرح ابواب مزید فیہ کا خاصۂ وِجدان تسلیم کیا گیا ہے۔ اِسی طرح افعال مجرّد میں بھی خاصۂ وِجدان موجود ہے۔ ذیل میں آیاتِ بالا کا ترجمہ اور مفہوم بصُورتِ خاصۂ وِجدان ملاحظہ فرمائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ کس طرح ہر اُلجھن کی گرہ کشائی ہو جاتی، اور ذاتِ باری اُس عظیم اعتراض سے بَری ثابت ہوتی ہے جو مروّجہ تراجم کی رُو سے عائد ہوتا، اور اُسے انتہائی ظالم ٹھہراتا ہے۔ یہ ہے آیاتِ کریمات کا متن معہ قرآنی مفہوم:۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ٥ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ٥ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ٥ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ٥ ۳۶/۷-۱۰ ۔ بے شک اُن کی اکثریت پر عذاب کا حکم وارد ہو چکا، کیونکہ وُہ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک ہم نے اُن کی گردنوں میں (غیر اللہ کی تقلید و اطاعت[1] کے) طوق پڑے ہُوئے پائے ہیں[2]۔ (اُنہیں وُہ خود اتارتے نہیں) پھر وُہ طوق اُن کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہُوئے ہیں۔

---

[1] ۷/۱۵۷ میں آیا ہے کہ رسولِ کریم سلامٌ علیہ یہی غیر اللہ کی تقلید و اطاعت کے طوق اُتارتے تھے۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ = وہ رسول سلامٌ علیہ عربی لوگوں کے وُہ بوجھ یعنی وُہ طوق اُتارتے ہیں جو اُن پر پڑے ہوئے ہیں، قرآنِ کریم، اپنے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے اولین درس کے مطابق ربوبیّتِ عامہ کا ایک ہی خدائی طوق پہناتا ہے۔ اِس کے برعکس انفرادی منفعت کوشیوں کے غیر اللہ کی اطاعت کے طوق لوگ خود پہن لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں پہناتا۔ [2] ''ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے پائے ہیں''۔ یہ خط کشیدہ الفاظ فعل ثلاثی مجرّد کے خاصۂ وِجدان کی رُو سے متن میں آمدہ لفظ جَعَلْنَا کا معنٰی ہیں۔

اِس لئے[۳] وُہ سروں کو اُوپر اٹھائے ہوئے ہیں۔ (یعنی ذاتی منفعت کوشیوں پر مشتمل، غیر اللہ کی اطاعت کے طوق اُنہیں ربوبیّتِ عامہ سے محرُوم افراد، یعنی نچلی سطح کے لوگوں کی طرف دیکھنے ہی نہیں دیتے) اور ہم نے اُن کے سامنے بھی (عوام کُش نظریات کی) ایک دیوار کھچی ہُوئی پائی ہے اور اُن کے پیچھے بھی ایک دیوار کھچی ہُوئی پائی ہے[۴]۔ اور اُنہیں (انفرادی منفعت کوشیوں کے دبیز) پردوں میں ڈھکا ہوا پایا ہے[۵]۔ اِس لئے[۶] وُہ نہیں دیکھتے۔ (اے رسول سلامٌ علیہ! اِن حالات میں) اُن کیلئے برابر ہے کہ آپ اُنہیں اُن کے اعمال کے خطرناک نتائج سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، ایسے لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

اِس سے آگے آیت مجیدہ ۲/۷ کا مفہوم افعال مجرّد کے خاصۂ وِجدان کے قرآنی کلیہ کے مطابق ملاحظہ فرمائیں۔ آیت مجیدہ یہ ہے:-

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ٘ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥

۲/۷ = اللہ نے ان کے قلوب اور کانوں پر (ربوبیّت کُش نظریات کی) مُہریں لگی ہوئی پائی ہیں[۷]۔ اور اُن کی آنکھوں پر (ربوبیّت کُش عقائد کا) پردہ پڑا ہوا ہے[۸]۔ اِس لئے وہ (ضابطۂ ربوبیّت پر ایمان نہیں لاتے) اُن کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔

**دیکھا آپ نے کہ:-** قرآنی رہنمائی کے مطابق مجرّد افعال کا خاصۂ وِجدان تسلیم کرنے سے اِس خاصہ کے ترک کی بدولت ذاتِ باری پر وارد شُدہ بڑے بڑے اعتراضات کے کوہِ گراں کِس طرح چشم زدن میں پاش پاش ہو چکے ہیں۔ اب نہ اللہ تعالیٰ ظالم ٹھہرتا ہے کہ خود ہی آگے پیچھے دیواریں بھی کھینچتا ہے اور عذابِ عظیم کی وعید بھی سُناتا ہے اور نہ قرآنِ کریم میں تضاد و تخالف ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف تو لَا يَظْلِمُ النَّاسَ کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اور دوسری طرف خود قلوب و اذہان پر مُہریں لگا دیتا ہے کہ وُہ ضابطۂ خداوندی پر ایمان نہ لا سکیں۔

---

۳،۶ واؤ کا معنٰی ہے اس لئے۔ دلیل کے لئے دیکھئے حروف کی بحث عنوان نمبر ۳۱/۱ کی شق نمبر ۸۔ ۴ ''ہم نے دیوار کھچی ہوئی پائی ہے''۔ خط کشیدہ الفاظ فعل ثلاثی مجرّد کے قرآنی خاصۂ وِجدان کی رُو سے، متن میں آمدہ لفظ جَعَلْنَا کا معنی ہیں۔ ۵ اِسی خاصہ کی رُو سے ''پس ہم نے اُنہیں ڈھکا ہوا پایا ہے''۔ یہ متن میں آمدہ فَاَغْشَيْنٰهُمْ کا معنٰی ہیں۔ یہاں اَغْشٰى فعل مزید فیہ باب افعال سے ہے جس کا خاصۂ نسبت بماخذ اہلِ قواعد نے پہلے ہی تسلیم کیا ہوا ہے جو وِجدان ہی کے مترادف ہے۔ ۷ ''اللہ نے...... مُہریں لگی ہوئی پائی ہیں''۔ یہ خَتَمَ. فعل ثلاثی مجرّد کے خاصۂ وِجدان کی رُو سے، متن میں آمدہ الفاظ خَتَمَ اللّٰهُ کا معنی ہے۔ ۸ ''اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے''۔ یہ معنٰی ہے وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ کا۔ یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔ اِس کا جو معنٰی ہم نے لکھا ہے۔ ترکیبِ نحوی کے مطابق سو فیصدی صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ سابقہ تراجم کے اس الزام سے سو فیصدی بری ہے کہ وُہ خود ہی لوگوں کے قلوب و اذہان، اور کانوں پر مُہریں لگا کر، اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال کر، اُن کے آگے پیچھے دیواریں کھینچ کر خود گمراہ کرتا ہے اور خود ہی اُنہیں عذابِ الیم کی وعید سُناتا ہے۔

اور عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہریں۔ العیاذُ باللہ!

## ۳۲/۲ فعلِ ماضی، مضارع کے معنوں میں

اہلِ قواعد نے تسلیم کیا ہے کہ گیارہ صورتوں میں ماضی مضارع کا فائدہ دیتی ہے۔ اور اِس پر قرآنی آیاتِ مقدسات ہی کو بطور دلیل پیش کیا ہے:-

**۱۔ عطف ماضی بر مضارع:-** وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۲۵/۲۷ = اور ظالم ہاتھ کاٹ کھائے گا۔ کہے گا کاش کہ میں اللہ کے رسول سلامٌ علیہ کے ساتھ اپنا راستہ بناتا۔ یہاں يَقُوْلُ فعل مضارع ہے جس پر قَالَ ماضی کا عطف آیا ہے۔ اور وہ مضارع بن گیا ہے:- وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۲۵/۳۰ = اور رسولِ مقبول سلامٌ علیہ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری اِس قوم نے قرآن کو اِس طرح پکڑا ہوا تھا جس طرح چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔

**۲۔ ابتدائے کلام میں:-** ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ ۱۶/۷۶ = ضَرَبَ فعل ماضی ابتدائے کلام میں آ کر مضارع بن گئی ہے = اللہ دو مردوں کا حال بیان کرتا ہے۔

**۳۔ اسم موصول کے بعد آئے:-** اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۶/۱۵۹ = اَلَّذِيْنَ اسم موصول کے بعد فَرَّقُوْا فعل ماضی آیا ہے۔ اس لئے مضارع بن گیا ہے = بے شک جو لوگ اپنے دین میں تفریق پیدا کر کے فرقے فرقے ہو جائیں گے۔ اے رسول سلامٌ علیہ! آپ کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

**۴۔ ندا کے بعد:-** يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ ۲۲/۷۳ = ضُرِبَ فعل ماضی يٰاَيُّهَا حرفِ ندا کے بعد آیا ہے اس لئے مضارع بن گیا ہے۔ لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ اِسے غور کے ساتھ سننا۔

**۵۔ لفظ حَيْثُ کے بعد:-** وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۲/۱۹۱ = ثَقِفْتُمُوْا فعل ماضی حَيْثُ کے بعد آیا ہے اس لئے مضارع کا فائدہ دیتا ہے۔ بمعنی = تم ملک کے باغیوں کو جہاں پاؤ اُنہیں قتل کر دو۔

**۶۔ لفظ كُلَّمَا کے بعد آئے:-** كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۷/۳۸ = جب بھی کوئی جماعت جہنم میں داخل ہوگی، اپنے جیسی جہنمی جماعت پر لعنت کرے گی۔

**۷۔۸۔۹۔۱۰۔ شرط، جزا اور ہر دو پر عطف:-** وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۵/۶۵ ۔ اس آیت مجیدہ میں اٰمَنُوْا [۱]، اَتَّقَوْا [۲]، كَفَّرْنَا [۳] اور اَدْخَلْنَا [۴]

چاروں فعل ماضی ہیں۔ پہلا اور تیسرا چونکہ حرفِ شرط لَوْ کی بالترتیب شرط اور جزا ہیں۔ اور دوسرا، چوتھا چونکہ بالترتیب اُن کے معطوف ہیں۔ اِس لئے مضارع کا فائدہ دیتے ہیں۔ اور آیتِ مجیدہ کا معنٰی یہ ہے کہ:۔ اگر اہلِ کتاب ایمان لے آئیں۔ اور قانونِ خداوندی کی مخالفت سے بچیں تو ہم اُن کی بدحالیاں دُور کردیں گے۔ اور نعمتوں والے باغات میں داخل کریں گے۔

۱۱۔ جملہ دعائیہ میں:- وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ط حَتّٰى إِذَا جَاءُوهَا وَ فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ ۳۹/۷۳ = جو لوگ اپنے ربوبیّت کرنے والے کے ضابطہِ ربوبیّت کی مخالفت سے بچتے ہیں، قیامت کے دن جنّت کی طرف گروہ در گروہ بھیجے جائیں گے جب وُہ جنّت پر پہنچیں گے۔ اور اُن کے لئے اُس کے دروازے کھولے جائیں گے تو جنّت کا خازن کہے گا تم پر سلامتی ہو۔ تم خوش رہو۔ طِبْتُمْ فعل ماضی ہے جو دعائیہ انداز میں آکر مضارع بن گیا ہے۔

## ۳۲/۳ فعل مضارع ماضی کے معنوں میں

جس طرح فعل ماضی بعض صُورتوں میں مضارع کا فائدہ دیتا ہے۔ اِسی طرح فعل مضارع بعض صورتوں میں ماضی کا فائدہ دیتا ہے:-

۱۔ ماضی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے:- وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ج يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۱۲/۵۶ = اور مذکورہ بالا طریقے سے ہم نے یوسف سلامٌ علیہ کو سرزمین مصر میں اقتدارِ ارضی عطا فرمایا۔ وہ جہاں چاہتا تھا قیام کرتا تھا...... دیکھئے! یہاں يَتَبَوَّأُ اور يَشَاءُ دونوں فعل مضارع ہیں۔ لیکن چونکہ زمانہ ماضی کا واقعہ یوسف سلامٌ علیہ بیان کرنے میں وارد ہوئے ہیں۔ اسلئے ماضی کا فائدہ دیتے ہیں۔ ایسے افعال مضارع کو مضارع حکائی کہتے ہیں۔

۲۔ مضارع کا عطف ماضی پر:- وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝ ۱۲/۱۰۲ = اے رسول سلامٌ علیہ! جس وقت یوسف سلامٌ علیہ کے بھائی اس کے خلاف اپنی مُہم پر اکٹھے ہوئے اور وہ بُری تجویز کر رہے تھے، اُس وقت آپ اُن کے پاس موجود نہیں تھے۔ يَمْكُرُونَ فعل مضارع کا عطف چونکہ أَجْمَعُوا فعل ماضی پر آیا ہے۔ اِس لئے ماضی بن گیا ہے۔ نیز اگر مضارع فعل ماضی کے ماتحت آئے تو بھی ماضی کا فائدہ دیتا ہے۔ خواہ عطف مذکور ہو خواہ نہ ہو۔

۳۔ مضارع پر لَمْ داخل ہو:- لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ۱۷/۱۱۱ = اللہ تعالیٰ نے بیٹا نہیں بنایا۔ يَتَّخِذْ فعل مضارع پر لَمْ داخل ہونے سے مضارع ماضی منفی بن گیا ہے۔

## ۳۲/۴ اللہ تعالیٰ قیدِ مکان و زمان سے منزّہ ہے

عربی سمیت ہر زبان کی گرائمر میں ماضی، حال اور استقبال، تین زمانے تسلیم کئے گئے، اور سلسلۂ کلام میں متکلّم، حاضر اور غائب کا لحاظ لازم قرار دیا گیا ہے۔ لیکن قواعد کی بحث میں قرآن فہمی کیلئے اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ قیدِ مکان و زمان سے آزاد ہے۔ اسلئے ایک ہی آیتِ مجیدہ میں اپنے لئے باندازِ ذیل متکلّم کے صیغے بھی لاتا ہے، اور غائب کے بھی:-

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ ۶/۹۹ = وہ اللہ ہی ہے جو بلندی سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر ہم اس کے ساتھ ہر چیز کی نباتات نکالتے ہیں...... دیکھئے یہاں اپنے لئے پہلے غائب کا صیغہ استعمال کیا ہے اَنْزَلَ اور متصل ہی متکلّم کا صیغہ لایا گیا ہے اَخْرَجْنَا۔

اِسی طرح ایک ہی آیت میں اپنے لئے باندازِ ذیل مخاطب کا صیغہ بھی لایا جاتا ہے اور غائب کا بھی:- رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۞ ۳/۹۔ دیکھئے! یہ راسخون فی العلم کی دعا ہے، جسے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ اِس میں پہلے اپنے لئے اِنَّكَ ضمیر مخاطب لائی گئی ہے۔ اور پھر غائب کا صیغہ آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ...... حالانکہ اندازِ کلام کے مطابق ہونا چاہیئے اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۔ پس قرآن فہمی کے لئے اسلوبِ قرآنیہ کے ضمن میں یاد رکھیئے گا، چونکہ اللہ تعالیٰ قیدِ زمان و مکان میں مقیّد نہیں ہے۔ اس لئے اپنے لئے حاضر، غائب اور متکلّم تینوں صیغے لائے جاتے ہیں۔

## ۳۲/۵ کلماتِ حصر

قرآنِ کریم میں حصر کے متعدّد طریقے مذکور ہیں:-

۱۔ حصر بذریعہ نفی اثبات لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۴۷/۱۹ = نہیں ہے کوئی بھی الٰہ موجود سوائے اللہ کے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۶/۵۷ + ۱۲/۴۰ = نہیں ہے حکم کسی کا سوائے حکم اللہ کے...... قرآنِ کریم میں یہ چوٹی کا حصر ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدت کی وضاحت فرمائی ہے کہ شرک فی الحکم بھی شرک فی الذات ہی کے برابر ہے۔ چنانچہ شرک کے متعلق فیصلہ دے دیا ہے کہ ہرگز ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا:- اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۴/۴۸ + ۴/۱۱۶۔

۲۔ حصر بذریعہ اِنَّمَا و اَنَّمَا:- قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۸/۱۱۰ = اے رسول سلامٌ علیہ کہہ دیجئے گا، سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں (یعنی سو فیصدی صحیح امر یہ ہے) کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں...... قرآنی قواعد میں

یہ حصر بھی انتہائی محکم مانا گیا ہے۔لیکن افسوس ہے کہ اہلِ اسلام کے بعض گروہوں کا آنحضور سلامٌ علیہ کو بشر تسلیم نہ کرنا، اِنَّمَا کے محکم حصر کو بیکار کر کے، صرف آنحضور سلامٌ علیہ کے حصارِ بشریت ہی کو نہیں توڑ دیتا، بلکہ اِس سے اللہ تعالیٰ کی الوہیّت بھی معاذ اللہ معاذ اللہ مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔کیونکہ اِسی آیت کے اگلے الفاظ میں ارشاد ہوا ہے:-اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۱۸/۱۱۰ =سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ تمہارا الٰہ الٰہ واحد ہے......دیکھئے! جس حصر کے ساتھ آنحضور سلامٌ علیہ کی بشریت کا اعلان کیا گیا ہے۔اُسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی الوہیّت بیان ہوئی ہے۔پس جبکہ اللہ تعالیٰ کا حصارِ الوہیّت ہرگز ہرگز نہیں ٹوٹ سکتا۔اِس لئے آنحضور سلامٌ علیہ کے حصارِ بشریت میں بھی شگاف ممکن نہیں۔

۳۔ حصر بذریعہ ضمیر مُقدّم:- اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۱/۴ =اے اللہ! ہم صرف تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں......قرآنی قواعد میں ضمیر مقدم کے حصر کو بھی نفی اثبات اور اِنَّمَا کے برابر کا درجہ حاصل ہے یہ اس لئے:-

کیونکہ جس طرح اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ میں اطاعت و فرمانبرداری کو نفی اثبات کے ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مُختص کر دیا گیا ہے اُسی طرح ضمیر مقدّم کے حصر اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں بھی اکیلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار لیا گیا ہے۔اِسی طرح ضمیر مقدّم هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۱۱۲/۱ میں احدیّت کو صرف اللہ ہی کے لئے مختص کیا گیا ہے۔

۴۔ حصر بذریعہ جار مجرُور مقدّم:- لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۴/۱۳۱-۱۳۲ =آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے...... یہ حقیقت کسی فرد و بشر سے مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس ملکیّت میں غیر اللہ کا ہرگز ہرگز اشتراک نہیں ہے......افسوس ہے کہ اِس حصر ہی کو نظرانداز کرنے کا نتیجہ ہے کہ غیر متوازن تقسیمِ رزق کو خدائی تقسیم تسلیم کر لیا گیا ہے۔حالانکہ جب اللہ تعالیٰ نے حصر کے ساتھ اعلان کر رکھا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز میری ہے،تو اس کی ملکیّت پر ضروریات سے زائد انسانی ملکیّت کا تصوّر کس طرح پیدا ہوسکتا ہے؟

## ۳۲/۶ تنوین عہدی ذکری، اور تنوین عوض مضاف، یا عوض مضاف الیہ

عربی قواعد میں الف لام عہدی ذکری، اور بدل الاضافت کے علاوہ اگرچہ تنوین عہدی ذکری، اور بدل الاضافت بھی مسلّم ہے۔لیکن عام تراجم میں تنوین کے اِنْ اَوصاف کا لحاظ بہت کم رکھا گیا ہے۔قرآن فہمی کیلئے جس طرح الف لام کے مذکورہ اوصاف کا لحاظ رکھنا لازم ہے، اُسی طرح تنوین کے مذکورہ اوصاف کو بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

یعنی جس طرح ۱۲/۵ب میں فَلَمَّا جَآءَ ہُ الرَّسُوْلُ میں، اَلرَّسُوْل کا الف لام عوض مضاف الیہ ہے۔ مضاف الیہ، الملک ہے، اور اَلرَّسُوْل سے مُراد رسولُ الملک ہے، رسولُ اللہ نہیں۔ اِسی طرح ۶۱/۶ میں مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ کے لفظ رسُولٍ کی تنوین عوض مضاف الیہ ہے۔ اور رسُولٍ سے مُراد رسُول اللہ ہے

نیز جس طرح فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ ۲/۱۸۵ میں اَلشَّھْرَ کا الف لام عہدی ذکری، اور اس سے مُراد رمضان کا مہینہ ہے کیونکہ اسی آیت میں اَلشَّھْر کا نام ماقبل مذکور ہے شَھْرُ رَمَضَانَ ...... اِسی طرح تنوین عہدی ذکری بھی آتی ہے ۵/۲ میں اُس قوم کا ذکر کر کے، جس نے مسلمانوں کو مسجد حرام سے روک دیا تھا، صحابہؓ کو حکم دیا گیا ہے کہ اقتدار مُیسر آنے پر اُن کی دشمنی تمہیں اِس چیز کا مجرم نہ بنادے کہ تم اُن سے انصاف نہ کرو:- وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ......الخ ۵/۲ اور ۵/۸ میں اُسی قوم کے لئے تکرار تاکیدی کے طور پر ارشاد ہوا ہے:- وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ...... یہاں قَوْمٍ کی تنوین عہدی ذکری ہے، یعنی وہ قوم جس نے مسجدِ حرام سے روک دیا تھا۔

## ۳۲/۷ بِسم اللہ شریف بھی قرآنِ کریم کی آیت ہے

بسم اللہ شریف کے متعلق یہ تصوّر غلط ہے کہ یہ قرآن مجید کی آیت نہیں۔ بلکہ ۱۵/۹ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے خداوندی دعویٰ کے مطابق بِسْمِ اللّٰہ شریف بھی قرآنِ کریم کا حصہ ہے۔ نزولی ہے اضافی نہیں۔ اور قرآنِ کریم ہی کی آیتِ مجیدہ ہے۔

## بسم اللہ شریف بظاہر جملہ ناقص ہے تام نہیں

غیر مسلموں کا قرآنِ کریم پر اعتراض ہے کہ اس کا بالکل ابتدائی جُملہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، نامکمل فقرہ ہے کیونکہ جملہ مکمل ہوتا ہے فاعل فعل اور مفعول کے ساتھ۔ لیکن اس میں سے فعل ہی غائب ہے......غور فرمائیں بسم اللہ شریف کے پانچ لفظ ہیں:- ب[۱]، اِسم[۲]، اللہ[۳]، رحمان[۴] اور رحیم[۵]......ب حرفِ جار ہے۔ اسم، اسمِ نکرہ ہے۔ اللہ اسم علم ہے۔ رحمان اور رحیم دونوں اسم صفت ہیں۔ اب چُونکہ اس جملے میں فعل کوئی نہیں۔ اس لئے گرائمر کی رُو سے یہ جملہ ناقص ہے تام نہیں۔ لیکن ترکیب نحوی اور قواعدِ عرب کا قاعدہ کلیہ ہے، کہ جہاں فعل مذکور نہ ہو: وہاں جار مجرور، فعل محذوف کے متعلق ہوتا ہے۔ اور قرائن کی رُو سے فعل محذوف خود بخود نکھر کر عیاں ہو جاتا ہے۔ جُملہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا فعل محذوف ترکیب نحوی میں ملاحظہ فرمائیں۔

● بِ[1] حرف جار ہے۔ ● اسم[2] مجرور ہے، اپنے ماقبل مذکور حرفِ جار، ب کا۔ اور مضاف ہے، اپنے مابعد مذکور لفظ اللہ کا۔ ● اللہ مضاف الیہ ہے اپنے ماقبل مذکور لفظ اسم کا، اور موصوف ہے، اپنے مابعد مذکور ہر دو الفاظ رحمان اور رحیم کا۔ ● رحمان اور رحیم دونوں صفتیں ہیں اپنے موصوف اللہ کی...... اللہ موصوف اپنی ہر دو صفات رحمان اور رحیم کے ساتھ مل کر مضاف الیہ ہوا اپنے مضاف اسم کا۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوئے بِ کے۔ اور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے فعل محذوف کے۔ اب قرآنِ کریم کی ابتداء ہی میں بسم اللہ شریف میں فعل محذوف کے بعد چونکہ مذکور ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ''. اور چُونکہ جُملہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' صرف کہنے یا پڑھنے کی چیز ہے۔ اِس لئے یہاں فعل محذوف قُلْ یا اِقْرَاْ روزِ روشن کی طرح نکھر کر عیاں ہو رہا ہے۔ یعنی پڑھ تو اے رسول سلامٌ علیہ! یا کہہ تو اے رسول سلامٌ علیہ! اعلان کر دے تو اے رسول سلامٌ علیہ! کہ پوری کی پوری حمد وستائش اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو جُملہ عالمین کیلئے سامانِ ربوبیّت پیدا کرنے والا ہے۔

اِس سے آگے اُس حکمتِ بالغہ کی طرف غور فرمائیں، کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں فعل مذکور کیوں نہیں لایا گیا، محذُوف کیوں رکھا گیا ہے؟ یاد رہے کہ بسم اللہ شریف وہ پاکیزہ جُملہ ہے کہ ہر کام اس کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں فعل محذُوف اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہر موقعہ اور مقام پر الگ الگ افعال محذُوف خُود بخود متصوّر ہوتے چلے جائیں۔ مثلاً آنحضور پر جب یہ جُملہ نازل ہوا تو مفہوم تھا ''پڑھ یا کہہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اور جب حضور سلامٌ علیہ نے اس حکم کی تعمیل فرمائی تو محذُوف نکلا ''میں پڑھتا ہوں، میں کہتا ہوں، اعلان کرتا ہوں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ...... اب چونکہ ہر کام کی ابتداء بسم اللہ شریف سے ہوتی ہے، اِس لئے جب ہم کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں تو مفہوم ہوتا ہے ''میں کھاتا ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام کے ساتھ''...... جب مشرُوبات کے استعمال پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے تو مفہوم ہوتا ہے ''پیتا ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام کے ساتھ''...... جب عورتیں بسم اللہ پڑھ کر مختلف کام کرتی ہیں۔ یعنی آٹا گوندھتی ہیں، دودھ بلوتی ہیں، مکھن نکالتی ہیں، روٹیاں پکاتی ہیں، تو ہر مقام پر الگ الگ مفہوم ہوتے ہیں۔ کہ ''آٹا گوندھتی ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام کے ساتھ۔ دودھ بلوتی ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام کے ساتھ، مکھن نکالتی ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام کے ساتھ۔ علیٰ ہذا القیاس۔

# ۳۳۔ جمع القرآن

## ۳۳/۱ جمع قرآن تفاسیر کے آئینے میں

قرآن فہمی کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ عقیدہ بھی ہے جو قرآنِ کریم کے متعلق مسلمانوں کو وراثتاً ملتا چلا آ رہا ہے کہ جب رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کی وفات ہوئی تو قرآنِ کریم ابھی کتابی شکل میں نہیں آیا تھا۔ بلا ترتیب پراگندہ صورت میں ہڈیوں، پتوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی کچھ آیتیں کسی صحابیؓ کے پاس تھیں اور کچھ آیتیں کسی کے پاس[1]۔ آخر جب جنگِ یمامہ میں بہت سے حافظ شہید ہو گئے، تو حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ قرآن کو جمع کیا جائے۔

چُنانچہ حضرت عثمانؓ کو قرآنِ کریم کے جمع و ترتیب کی خدمت سپرد کی گئی۔ اُنہوں نے اپنی نگرانی میں یہ کام حضرت زیدؓ سے کروایا۔ جنہوں نے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ آیت آیت کر کے جمع کیا۔ لیکن جب اِس طرح تلاشِ بسیار کے بعد قرآنِ کریم جمع ہو گیا تو حضرت زیدؓ کا کہنا ہے، کہ دو آیتیں کم تھیں۔ ایک آیت سورہ توبہ کی اور ایک سورہ احزاب کی۔ جو مزید تلاش کے بعد حضرت خزیمہؓ بن ثابت انصاری کے گھر سے ملیں[2]۔

## ۳۳/۲ قرأت کے اختلافات تفاسیر کی رُو سے

یہ تو ہوئی روایات کی رُو سے جمع القرآن کی صُورت! اب اِس کی قرأت کی حالت ملاحظہ فرمائیں:-

قرآنِ کریم کی قرأت کے متعلق یہ تصوّر دیا گیا ہے کہ رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کے زمانے میں قبیلے قبیلے کی قرأتِ قرآن میں بھی اختلافات موجود تھے۔ چنانچہ جب اپنے دورِ خلافت میں حضرت عثمانؓ، صحیفۂ

---

[1] ہمارے اِس بیان پر قرآن محل کراچی کی مطبوعہ مترجم بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۹۸۹ سطر ۲۷-۲۸ پر حضرت زید صحابیؓ کی طرف منسوب کردہ یہ الفاظ شاہد ہیں کہ:- ''حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم ایک جوان آدمی ہو۔ تم کو متہم بھی نہیں کر سکتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وحی لکھتے تھے۔ اس لئے قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو''۔ [2] اس بیان کی تصدیق مذکورہ بخاری شریف جلد دوم کے صفحہ ۹۹۰ پر موجود ہے۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں:- میں نے قرآن کو کھجور کے پٹھّوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورہ توبہ کی آخری آیت میں نے ابوخزیمہؓ انصاری کے پاس پائی۔ صفحہ ۹۹۱ پر حضرت زیدؓ ہی کی طرف منسوب کردہ الفاظ ہیں:- میں نے مصاحف کو نقل کرتے وقت سورہ احزاب کی ایک آیت نہ پائی...... ہم نے اُسے تلاش کیا تو وہ آیت مجھے حضرت خزیمہؓ بن ثابت انصاری کے پاس ملی۔

حفصہؓ سے نقل کروانے لگے۔ تو حضرت زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن زبیرؓ سعیدؓ بن عاص اور عبدالرحمٰنؓ بن حارث بن ہشام کو حکم دیا تو اُن لوگوں نے اس کو مصاحف میں نقل کیا۔ اور حضرت عثمانؓ نے اِن تینوں قریشیوں کو کہا کہ جب تُم میں اور زیدؓ بن ثابت میں کہیں (قرأتِ) قرآن میں اختلاف ہو تو اُس کو قریش کی زبان میں لکھو"۔ (بخاری شریف مترجم مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد دوم صفحہ ۹۹۰-۹۹۱)

## ۳۳/۳ اعراب کا اختلاف

محترم موُدودی صاحب نے ترجمان القرآن جون ۱۹۵۹ء کے صفحہ ۴۵ پر لکھا ہے کہ:- "جس رسم الخط میں ابتداً نبی صلعم نے وحی کی کتابت کرائی تھی۔ اور جس میں حضرت ابوبکرؓ نے پہلا مصحف مرتّب کرایا، اور حضرتِ عثمانؓ نے جس کی نقل بعد میں شائع کرائی اُس کے اندر نہ صرف یہ کہ اعراب نہ تھے۔ بلکہ نقطے بھی نہیں تھے کیونکہ اُس وقت یہ علامات ایجاد نہ ہوئی تھیں"۔ آپ نے لکھا ہے کہ اعراب اور نقطے، دَورِ بنواُمیّہ میں حجاج بن یوسف نے لگوائے تھے۔ بالفاظِ دیگر تاثّر یہ دیا گیا ہے۔ کہ زمانۂ رسالت وخلافت میں ہر قبیلہ اپنی اپنی منشاء کے اعراب اور ان کے نقطے پڑھا کرتا تھا۔ العیاذُ باللہ! لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اعراب اور نقطے، جو قرأت کے اختلافات کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ ہیں، حضرت عثمانؓ نے اِن کے بغیر قرأت کے اُس مشہور ومعروف اختلاف، جس کی بنا پر آج بھی ایک فرقہ وضو میں پیروں کو دھوتا ہے اور ایک مسح کرتا ہے، کو قریش کی زبان میں اَرْجُلَکُمْ لکھوایا تھا یا اَرْجُلِکُمْ۔ جبکہ اعراب ونقاط کے بغیر اس لفظ کی شکل یہ ہے "ارحلکم"۔

المختصر! اقتباساتِ بالا سے واضح ہوا کہ مروّجہ تفاسیر کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم سلامٌ علیہ نے قرآنِ کریم کو کتابی شکل نہیں دی تھی۔ آپ نے اپنے زمانے میں کچھ کاتبوں سے وحی کی کتابت کروائی تو تھی۔ لیکن اُس کی شکل یہ تھی کہ وہ ہڈیوں، پتوں اور پتھروں پر لکھی ہوئی پراگندہ صُورت میں مختلف صحابہؓ کے ہاں پڑی ہوئی تھی۔ جسے حضرت عثمانؓ نے زیدؓ بن ثابت کے ذریعہ تلاش کروا کر جمع کیا...... لیکن قرآنِ کریم اِس نظریئے کا مطلقاً حامل نہیں۔ وُہ نہیں مانتا کہ وہ زمانۂ رسالت میں ہڈیوں، پتوں اور پتھروں پر لکھا ہوا پراگندہ اور بے ترتیب صورت میں پڑا ہوا تھا۔

## ۳۳/۴ قرآن کہتا ہے کہ وُہ زمانۂ رسالت میں صحیح کتابی صورت میں باریک جھلّی کے کاغذوں پر سطر وار لکھا ہوا تھا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-
وَالطُّوْرِۙ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍۙ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ ۵۲/۱-۳

(مفہوم) اُس کتاب کی شہادت ہے جو طُور پر الواح میں لکھی گئی تھی ۷/۱۴۵ = اور اس کتاب کی شہادت ہے جو جھلّی

کے کُشادہ کاغذوں پر سطر وار لکھی ہوئی ہے......اب بتایئے! قرآنِ کریم کی اِس واضح شہادت کے بعد کیا یہ چیز تسلیم کی جا سکتی ہے کہ نبی اکرم سلامٌ علیہ کے زمانے میں قرآنِ کریم ہڈیوں اور پتوں پر لکھا جاتا تھا اور کیا ہڈیوں یا پتوں کے بھرے ہوئے ٹوکرے یا بوری کو کتاب کہا جاسکتا ہے؟

## ۳۳/۵ قرآنِ کریم کو خود رسولِ اکرم سلامٌ علیہ اپنے دست مبارک سے لکھا کرتے تھے

ارشادِ باری ہے:-

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ٥ ۲۹/۴۸ =

(مفہوم) اے رسول سلامٌ علیہ! آپ اِس کتاب قرآنِ کریم کے نزول سے پہلے نہ کسی کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے داہنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔

غور فرمایئے گا! کہ اِس آیتِ مجیدہ میں آپ کے متعلّق عدم تلاوت اور عدم کتابت دونوں چیزوں کا تصوّر معطوف معطوف علیہ کی صُورت میں نزولِ قرآن سے پہلے کے متعلّق دیا گیا ہے، جس سے بالصّراحت ثابت ہُوا کہ رسولِ اکرم سلامٌ علیہ اِس کتاب قرآنِ کریم کے نزُول کے بعد اِس کو پڑھا بھی کرتے تھے اور داہنے ہاتھ سے لکھا بھی کرتے تھے۔

## ۳۳/۶ قرآنِ کریم کا نسخۂ امام

اور حضور سلامٌ علیہ کے اپنے دست مبارک کا لکھا ہوا قرآنِ کریم ہی، وہ نسخۂ امام تھا' جو ہر وقت آپ کے پاس موجود رہتا تھا، اور جس کی طرف اشارہ کر کے حضور سلامٌ علیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:- وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ۶/۱۹ ۔

اور میری طرف ☜ یہ

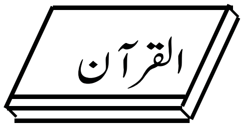


قرآن وحی کیا گیا ہے۔

غور فرمایئے گا! کہ ہذا اسم اشارہ قریب ہے جو موجود شے کے لئے آتا ہے۔ اگر قرآنِ کریم کتابی شکل میں موجود نہ ہوتا تو ہذا القرآن کے الفاظ کبھی نہ آتے۔ کیونکہ جب آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔ تو اگر قرآنِ کریم کا مکتوب نسخہ کتابی شکل میں آپ کے پاس موجود نہیں تھا تو مخاطب کہہ سکتے تھے کہ بتایئے گا وہ کونسا قرآن ہے جو آپ پر نازل ہوا ہے۔ تو اُس وقت آپ کا یہ جواب انتہائی مضحکہ خیز ہوتا، اگر آپ ہڈیوں پتوں کے ٹوکرے کی طرف اشارہ فرماتے کہ

میری طرف ☜ ......... وحی کیا گیا ہے۔

## ۳۳/ے قرآنِ کریم کے متعدّد نسخے اِس نسخۂ امام سے روزانہ آپ کی نگرانی میں نقل ہوا کرتے تھے

قرآنِ کریم کی روزانہ کتابت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود مخالفینِ رسول سلامٌ علیہ کی شہادت پیش کی ہے:- وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ؈ ۲۵/۵ = (مفہوم) اور مخالفینِ رسول سلامٌ علیہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن پُرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ جنہیں محمد سلامٌ علیہ نے دل سے گھڑ کر خود لکھ لیا ہے۔ اور پھر یہ اس کی نگرانی میں صبح شام (یعنی روزانہ بدستور) اِملا کرایا جاتا ہے۔

اِس آیتِ مجیدہ میں رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کے متعلق مصدر اِكْتَتَابٌ کی خبر دی گئی ہے۔ عربی دان حضرات خوب جانتے ہیں، کہ اکتتاب کا معنٰی ہے اپنے دل سے گھڑ کر اپنے ہاتھ سے لکھنا...... یہ ہے آنحضور سلامٌ علیہ کے نسخۂ امام کے متعلق قرآنی شہادت کہ اُسے تو آپ اپنے دست مبارک سے لکھا کرتے تھے۔ اور اِس کے بعد اُس نسخہ سے روزانہ آپ کی نگرانی میں اِملا کرائی جاتی تھی[1]۔ اِملا کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک شخص بولتا جاتا تھا، اور بہت سے لکھنے والے لکھتے جاتے تھے۔ نیز تُمْلٰى عَلَيْهِ کے الفاظ سے بالوضاحت ثابت ہے کہ یہ اِملا کا کام رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کی نگرانی میں کیا جاتا تھا۔ یعنی اِملا کئے ہوئے نسخوں کی تحریر کو حضور سلامٌ علیہ خود ملاحظہ فرما کر انکی تصحیح فرمایا کرتے تھے[2]۔

المختصر! قرآنِ کریم کی اپنی شہادت کے مطابق وحی کی کتابت کا کام اِس طرح ہوا کرتا تھا کہ جس قدر وحی نازل ہوتی، اُسے رسولِ اکرم سلامٌ علیہ خود دستِ مبارک سے نسخۂ امام میں لکھا کرتے تھے۔ اور اِس کے بعد اُس نسخۂ امام سے قرآنِ کریم کے متعدّد نسخوں کی روزانہ اِملا جاری رہتی تھی۔ اِس طرح خود رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کی زندگی ہی میں آنحضرت سلامٌ علیہ کے امام نسخے کے علاوہ متعدّد مزید نسخے تیار ہو چکے تھے۔ جنہیں آنحضرت سلامٌ علیہ نے اپنی سلطنت کے جُملہ مراکز کے علاوہ بیرونِ سلطنت بھی بہت سے نسخے بھیج کر ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا'' ۷/۱۵۸ کے مقدّس اعلان کی عملی تصدیق فرما کر ثابت کر دیا تھا کہ لوگو! میں پوری نوعِ انسانی کی طرف رسول سلامٌ علیہ ہو کر آیا ہوں''۔

---

[1] اِسی اِملا کی شہادت سورہ قلم میں موجود ہے:- نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ؈ ۶۸/۱ = اے نبی! قلم اور قرآن کی شہادت ہے جسے کاتب سطر وار لکھتے ہیں۔ [2] روایات کا کہنا ہے کہ حضور سلامٌ علیہ ان پڑھ یعنی معاذ اللہ جاہل تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ حالانکہ ۹۶/۳-۴ میں حضور سلامٌ علیہ ہی کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ = اے رسول سلامٌ علیہ! پڑھیئے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا ربِ اکرم وہ ہے جس نے (آپ کو) قلم کے ساتھ تعلیم دی ہے۔ اب ظاہر ہے قلم کے ساتھ لکھنا ہی سکھایا جاتا ہے۔ قلم کے ساتھ گھڑ دوڑ یا تیراندازی نہیں سکھائی جاتی۔

## ۳۳/۸ آنحضرت سلامٌ علیہ خود بھی حافظِ قرآن تھے اور آپ نے متعدّد مزید حافظِ قرآن بنائے بھی تھے

رسولِ اکرم سلامٌ علیہ کے حافظے کی یہ کیفیت تھی کہ نزولِ وحی کے ساتھ ہی قرآنِ کریم آپ کو حفظ ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:-

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ۝ ۸۷/۶ = یقیناً ہم ہی آپ کو پڑھاتے ہیں پھر آپ ہرگز نہیں بھولتے۔ اس آیت مجیدہ کی شہادت کے مطابق حضور سلامٌ علیہ خود بھی حافظِ قرآن تھے۔ اور مزید مومن حفّاظ کی خبر آیتِ ذیل میں دی گئی ہے:-

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ ۲۹/۴۹

(مفہوم) یہ قرآنِ کریم جو واضح آیاتِ مجیدہ پر مشتمل ہے، اُن مومنوں کے صدورِ مبارک میں موجود و محفوظ ہے جنہیں علم (قرآنِ کریم) دیا گیا ہے[۳]۔ پس آیاتِ بالا سے ثابت ہوا کہ رسولِ اکرم سلامٌ علیہ نے قرآنِ کریم کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا تھا۔ اِس کے خود بھی حافظ تھے اور صحابہؓ کی اکثریّت کو بھی حافظِ قرآن بنا دیا تھا۔

فلہٰذا ترجمہ وتفسیر زیرِ نظر میں اِس قرآنی مسلّمہ کو بھی سامنے رکھا گیا ہے کہ قرآنِ کریم زمانۂ رسالت ہی میں موجودہ کتابی شکل میں محفوظ تھا۔ اِس کا متن، اعراب، نقطے، وقفے اور ترتیب سب کچھ وہی ہے جو رسولِ اکرم کے دستِ مبارک کے لکھے ہوئے قرآنِ کریم کے نسخۂ امام کی تھی۔ اور جو خود رسولِ اکرم سلامٌ علیہ اور کثیر صحابہؓ کے صدُورِ پُرنور میں موجود تھا۔

## ۳۳/۹ ترتیبِ قرآنِ کریم

مروّجہ تفاسیر کا کہنا ہے کہ قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب حضرت عثمانؓ کی دی ہُوئی ہے، لیکن قرآنِ کریم اس نظریئے کو بھی قبول نہیں کرتا۔ سابقہ صفحات میں آیاتِ قرآنی کی رُو سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآنِ کریم کو خود رسولِ اکرم سلامٌ علیہ، اِس کے نزول کے ساتھ ساتھ ہی کتابی شکل میں لکھ لیا کرتے تھے، تو اِس طرح حضرت عثمانؓ کے متعلق قرآنِ کریم کے جمع کرنے کا نظریہ ہی سرے سے غلط ہے۔ کیونکہ آنحضرت سلامٌ علیہ نے قرآنِ کریم کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی پراگندہ صُورت میں نہیں چھوڑا تھا۔ تو اِس طرح جب قرآنِ کریم مُنتشر اور پراگندہ تھا ہی نہیں تو حضرت عثمانؓ یا کسی اور صحابیؓ کے جمع کرنے کا تصوّر تک ختم ہو جاتا ہے۔

تو اب جبکہ ثابت ہو چکا کہ اِسے خود رسولِ اکرم سلامٌ علیہ نے کتابی صُورت دی تھی۔ تو اس کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آنحضرت سلامٌ علیہ نے اِسے کس ترتیب کے ساتھ لکھا تھا؟ اِس کا جواب بھی نہایت آسان ہے کہ آپ نے اِسےؑ بالکل اُسی

---

[۳] زمانۂ رسالت کے سارے مومن اوّلین اُوتُوا العلم تھے۔ لیکن سب کے سب حافظِ قرآن نہیں تھے۔ اِن کے لئے بلا استثنٰی جمع کا صیغہ آنا، صحابہ کرامؓ میں حفّاظ کی اکثریت کی خبر دیتا ہے۔

ترتیب سے لکھا تھا۔ جس ترتیب کے ساتھ خود آپ کے صدرِ مبارک میں محفوظ تھا اور جس ترتیب سے آپ نے صحابہؓ کے کثیر التعداد حفّاظ کو حِفظ کروا رکھا تھا۔

یاد رہے کہ ترتیب کے بغیر کسی چھوٹی سی کتاب کو بھی حفظ نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ مروّجہ تفاسیر کا دیا ہوا یہ تصوّر قبول کر لیا جائے کہ قرآنِ کریم رسولِ اکرم سلامٌ علیہ اور کثیر التعداد صحابہؓ کو حِفظ بھی تھا، اور بے ترتیب بھی تھا۔ العجب ثم العجب!

## ۳۳/۱۰ حِفظ و ترتیب کا چولی دامن کا ساتھ ہے

جس حالت میں یہ امر مسلّم ہے کہ ترتیب کے بغیر حفظ ممکن نہیں۔ اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ رسولِ اکرم سلامٌ علیہ اور متعدّد صحابہؓ حافظ بھی تھے۔ تو بالصّراحت ثابت ہو چکا کہ قرآنِ کریم کی ترتیب اِس کے **اوّلین حافظ** خود رسولِ اکرم کے صدرِ مبارک میں بصورتِ حِفظ موجود تھی۔ اُسی ترتیب کو آپ نے کتابی صورت میں بشکلِ مشہُود لکھ کر محفوظ کیا۔ (حضور سلامٌ علیہ کے صدرِ مبارک میں قرآن کی ترتیب کس نے دی تھی)۔ اس کا جواب عنوان ۳۳/۱۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔ قرآنِ کریم، آنحضور سلامٌ علیہ کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ جس میں کوئی بڑے سے بڑا دشمنِ قرآن بھی زیر زبر تک میں تغیّر و تبدّل نہیں کر سکا۔ کیونکہ اِس کی حفاظت کا ذِمّہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے:-

● اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ ۱۵/۹

## تحفّظِ ناموسِ رسالت و صحابہؓ

روایات کا دیا ہوا یہ تصوّر کہ رسولِ مقبول سلامٌ علیہ نے اپنی زندگی میں قرآنِ کریم کو مرتب نہیں فرمایا تھا، بلکہ اِسے آیت آیت کی صورت میں پراگندہ حالت میں چھوڑ گئے تھے، ناموسِ رسالت کو بہت بُری طرح داغدار کرتا ہے۔ کہ آپ کو جو ضابطۂ حیات قیامت تک کی پُوری نوعِ انسانی کے لئے دیا گیا تھا، آپ اُس ضابطے کو اس پراگندہ حالت میں چھوڑ گئے۔ کہ معاذ اللہ! اُسے آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو مرتّب کرنا پڑا۔ اور اُس کے بعد پھر اس نظریہ کی بدولت ناموسِ صحابہؓ بھی محفوظ نہیں کیونکہ بقولِ روایات اُنہوں نے قرآنِ کریم کو اس طرح اُلٹ پُلٹ کر رکھ دیا کہ جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی اُسے تیسویں پارہ میں رکھا اور جو سب سے اخیر پر اُتری تھی، اُسے کتاب کے ابتدائی حصے میں رکھا۔ یا پھر معاذ اللہ نہ اعراب نہ نقطے، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے مرتّب کردہ نسخہ ہائے قرآنِ کریم کے الفاظ پر نہ صرف یہ کہ زیریں زبریں نہیں تھیں بلکہ نقطے بھی نہیں تھے۔ دوسری طرف بخاری شریف میں مذکور ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ کا ارشاد ہے کہ قرآنِ کریم سات قرءتوں میں نازل ہوا ہے یعنی اِس کی سات قسم کی زیریں زبریں نازل ہوئی تھیں۔ العیاذُ باللہ!

## ۳۳/۱۱ قرآنِ کریم کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟

روایات کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے سورہ علق کی ابتدائی آیاتِ کریمات کا نزول ہوا تھا۔ چنانچہ بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد اوّل کی کتاب الوحی صفحہ نمبر ۸۱ پر حضرت حارثؓ بن ہشام کی روایت درج ہے کہ انہوں نے ''رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے۔ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ کبھی میرے پاس گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے[۱]۔ اور وہ مُجھ پر بہت سخت ہوتی ہے[۲]۔ اور جب میں اُسے یاد کرلیتا ہوں[۳] جو اُس نے کہا تو وہ حالت مجھ سے دُور ہو جاتی ہے...... حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھا۔ پھر جب وحی موقوف ہو جاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا[۴]۔

آگے بڑھنے سے پہلے روایتِ بالا پر قرآنِ کریم کی روشنی میں غور فرمائیں:۔

۱ ۲/۹۷ میں ارشاد ہوا ہے:۔ ● فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ = پس بلا شبہ (جبریل............ ایک مخصوص مَلک جو انبیاء سلامٌ علیہم پر صُحفِ ربانی پہنچانے کے لئے مقرر کیا گیا تھا) قرآنِ کریم کو آپ کے قلب اطہر پر نازل کرتا تھا، لیکن گھنٹے کی آواز کانوں سے سنی جا سکتی ہے قلب سے نہیں۔ فلہٰذا وحی الٰہی کے گھنٹے اور گھڑیال کی صورت میں نازل ہونے کا تصوّر قرآنِ کریم کے خلاف ہے۔

۲ دوسرے نمبر پر سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے:۔ ● مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ ۲۰/۲ = ہم نے آپ پر قرآن اِس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف یا سختی میں پڑ جائیں۔ فلہٰذا آپ کیلئے، نزولِ وحی کا، موجب تکلیف اور سختی ہونا بھی قرآنِ کریم کے خلاف ہے۔

۳ تیسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۸۷/۶ = بے شک ہم آپ کو پڑھاتے ہیں پھر آپ بھولتے نہیں۔ اِس آیتِ مجیدہ کی رُو سے آنحضورؐ وحی نازل ہوتے ہی حافظ ہو جایا کرتے تھے۔ فلہٰذا آپ کیلئے قرآنِ کریم کو حفظ کرنے کی تکلیف و مشقّت کے نظریہ کا بھی قرآنِ کریم حامل نہیں۔

۴ چوتھے نمبر پر وحی کے وقت زور سردی کے دنوں میں پسینہ آ جانے کا تصوّر بھی ۲۰/۲ کے خلاف ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ ہم نے قرآنِ کریم کو اِس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ کیلئے موجبِ تکلیف ہو۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ زور سردیوں میں پسینہ معمولی مشقّت میں نہیں آتا بلکہ انتہائی جانکاہ مشقّت کے بعد ہی آتا ہے۔ اب آگے بڑھیئے:۔

حضرت عائشہؓ ہی کی روایت سے صفحہ نمبر ۸۲ پر منقول ہے کہ:۔ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ پر اترنی شروع ہوئی

وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ دیکھتے تھے۔ چنانچہ جب بھی آپ خواب دیکھتے تو صبح کی روشنی میں ظاہر ہو جاتا۔ پھر تنہائی سے آپ کو محبت ہونے لگی[1]۔ اور غارِ حرا میں تنہا رہنے لگے[2]۔ اور قبل اِس کے گھر والوں کے پاس آنے کا شوق ہو۔ وہاں تحنث کیا کرتے اور تحنث سے مُراد ہے کئی راتیں عبادت کرنی۔ اور اِس کے لئے توشہ لیتے۔ یہاں تک کہ جب وہ غارِ حرا میں تھے، حق آیا۔ چنانچہ اُن کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھ۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں[3]۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے پکڑا۔ اور مجھے زور سے دبایا۔ یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی۔ پھر مجھ کو چھوڑ دیا، اور کہا پڑھ۔ میں نے کہا پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر دُوسری بار مُجھے پکڑا اور زور سے دبایا۔ یہاں تک کہ میری طاقت جواب دینے لگی۔ پھر مجھے چھوڑا، اور کہا پڑھ۔ میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں پھر تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا۔ پھر چھوڑ دیا، اور کہا پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو دہرایا۔ اِس حال میں کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس آئے۔ اور فرمایا کہ مجھے کمبل اُڑھا دو۔ مجھے کمبل اُڑھا دو۔ تو لوگوں نے کمبل اُڑھا دیا۔ یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا۔ حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رُسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ناتوانوں کا بوجھ اپنے اُوپر لیتے ہیں محتاجوں کے لئے کماتے ہیں۔ مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اُٹھاتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس لے گئیں۔ جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے......الخ

[1]، [2] اِس روایت سے غارِ حرا میں خلوت گزینی کا نظریہ حضور سلامٌ علیہ کی طرف رہبانیت پسندی کا انتساب کرتا ہے۔ جو آپ پر بہتان محض ہے۔ کیونکہ آنحضور سلامٌ علیہ کی قبل نبوت کی زندگی کے متعلق سُورہ نجم میں بتایا گیا ہے:- مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۵۳-۲=لوگو! آپ کا ساتھی نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہک گیا ہے۔ اِس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نوعِ انسانی کے دُکھ سُکھ کے ساتھی تھے اور یہ ساتھ کنجِ تنہائی میں بیٹھنے کا نام نہیں۔ معاشرہ کے دُکھیا انسانوں کی خدمت کرنے کا نام ہے۔ آپ کی صحیح تعریف تو روایتِ بالا کے الفاظ میں بھی موجود ہے کہ آپ کنجِ تنہائی میں رہبانیت کے عامل نہیں تھے۔ بلکہ صلہ رحمی فرماتے تھے، ناتوانوں کے بوجھ اُٹھاتے تھے۔ محتاجوں کے لئے کماتے، اور مہمانوں کی مہمان نوازی فرماتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اعمال کسی کنجِ تنہائی میں سرانجام نہیں دیئے جاسکتے، بلکہ معاشرہ میں ناتوانوں اور محتاجوں کی شبانہ روز خدمت کرنے سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔

## ۳۳/۱۲ ۔قرآنِ کریم، قیامت تک کی پُوری نوعِ انسانی کیلئے مکمل ہدایت نامہ ہے

● اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا وَّ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا ۶/۱۱۴ =اے رسول سلامٌ علیہ کہہ دیجئے گا! کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں حالانکہ اُس نے اپنا حکم نامہ تمہاری طرف ایک مفصّل کتاب کی صورت میں نازل کر دیا ہے۔

● وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ ھُدًی وَّ رَحۡمَۃً وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ o ۱۶/۸۹ =اے رسول سلامٌ علیہ! ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے اور فرمانبرداروں کیلئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

● اَوَ لَمۡ یَکۡفِھِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡھِمۡ ط اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ o ۲۹/۵۱ =اور اے رسول سلامٌ علیہ! کیا لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اپنی کتاب نازل کر دی ہے، جو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ بیشک اس میں ماننے والوں کے لئے رحمت اور نصیحت موجود ہے۔

آیاتِ بالا میں صراحتاً بتا دیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم مکمل، مفصّل، تبیان، ہدایت، رحمت، بشارت، نصیحت اور کافی ہونے کے ساتھ ساتھ قیامت تک کے لوگوں کے لئے ضابطۂ حیات بھی یہی ہے۔ جب تک آنحضور بنفس نفیس زندہ رہے، لوگوں کو صرف اِس قرآن کے ساتھ ہی اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کرتے رہے۔ اور آپ کے بعد ہر اُس مبلغ پر اس قرآن ہی کے ساتھ لوگوں کو اُن کے فرائض سے آگاہ کرنا فرض ٹھہرایا گیا ہے، جس تک یہ پہنچتا رہے۔ اب چُونکہ اس کی حفاظت کو خُود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے:- اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ o ۱۵/۹۔ اِس لئے یہ امر ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں قرآنِ کریم، مرورِ زمانہ کے ہاتھوں ضائع یا گم ہو جائے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ قیامت تک کے لئے اُسی طرح محفوظ رہے گا جس طرح چودہ سو سال سے آج تک محفوظ ہے کہ مخالف قومیں اس کی زیر زبر تک کو نہ ضائع کر سکی ہیں، اور نہ اُن میں کوئی معمولی سی تبدیلی ہی لا سکی ہیں۔

## باقی انبیاء اپنی اپنی قوم کی طرف مبعُوث کئے گئے تھے لیکن صاحبِ قرآن کو پوری نوعِ انسانی کی طرف بھیجا گیا تھا

● لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ ۷/۵۹ ۔ بلا شبہ نوح سلامٌ علیہ کو اس کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا۔

● وَ اِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاھُمۡ صٰلِحًا ۷/۷۳ ۔ اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔

● وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ۸۵/۷ ۔اور اہلِ مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب سلامٌ علیہ کو بھیجا۔

● ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِھِمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ۱۰۳/۷ ۔پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ سلامٌ علیہ کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا۔

● وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ ۶/۶۱ ۔اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ سلامٌ علیہ نے بنی اسرائیل کو کہا کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔

آیاتِ بالا میں متعدّد انبیاء سلامٌ علیہم کے اسماءِ گرامی بیان کر کے واضح کیا گیا ہے کہ وہ اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔لیکن آنحضور سلامٌ علیہ کے متعلق خود ارشادِ باری ہے:-

● قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ۱۵۸/۷ ۔اے رسول سلامٌ علیہ! کہہ دیجئے گا کہ اے نوعِ انسانی! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اس آیتِ مجیدہ سے بالصّراحت ثابت ہے کہا آنحضور سلامٌ علیہ پوری نوعِ انسانی کے رسول سلامٌ علیہ تھے۔تو اِس طرح جو کتاب آپ کو دی گئی تھی۔یعنی جس کتاب کے آپ رسول سلامٌ علیہ تھے اور جس کتاب کا بلاغ آپ کا فریضۂ رسالت تھا، وہ کتاب خُود پُوری نوعِ انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہدایت نامہ اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

**آنحضور سلامٌ علیہ خاتم النبیّین تھے آپکے بعد اور کوئی نبی نہیں آئیگا۔نہ نیا نہ پرانا**

اب چونکہ قرآنِ کریم قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے مکمل ضابطۂ حیات، اور کامل و اکمل ہدائت نامہ ہے۔نیز چونکہ رسولِ مقبول سلامٌ علیہ قیامت تک کی نوعِ انسانی کیلئے رسول سلامٌ علیہ تھے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی حفاظت اپنے ذمہ لے کر ۹/۱۵ آئندہ کے لئے نبیوں کا سلسلہ بند کر دیا ہے:-

● مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ ۴۰/۳۳ ۔محمد سلامٌ علیہ تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور لیکن (وہ اس جہت سے پوری اُمت کے دینی باپ ہیں کہ) وہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں......اس آیت مجیدہ کی رُو سے ثابت ہے کہ آپ کے بعد آپ کی کتاب کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر کے نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔پس اب کوئی بھی نبی نہیں آئے گا۔نیا اِس لئے نہیں کہ ضابطۂ خداوندی میں اِس سلسلہ کو بند کر دیا گیا ہے اور پُرانا اِس لئے نہیں، کہ پُرانے نبیوں میں سے نہ کوئی زندہ ہے نہ آئے گا۔سب وفات پا چکے ہیں:-

● وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۳/۱۴۴ =نہیں ہیں محمد سلامٌ علیہ مگر آپ ایک رسول سلامٌ علیہ ہیں۔آپ سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔

● مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۵/۷۵ =نہیں ہیں مریم کے بیٹے مسیح سلامٌ علیہ مگر ایک رسول سلامٌ علیہ۔آپ سے پہلے سب رسول سلامٌ علیہ گزر چکے ہیں۔

اِن آیاتِ کریمات کے تقابل سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح مسیح سلامٌ علیہ سے پہلے جملہ رسولوں کے متعلق کہا گیا ہے۔قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ =اسی طرح آنحضور سلامٌ علیہ کے متعلق ارشاد ہوا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ......تو اب جس طرح قَدْ خَلَتْ کی خداوندی خبر کے مطابق حضرت مسیح سے پہلے رسولوں میں سے کوئی زندہ نہیں،اُسی طرح آنحضور سلامٌ علیہ سے پہلے رسولوں میں سے بھی بمعہ مسیح سلامٌ علیہ نہ کوئی زندہ ہے اور نہ کوئی آئے گا۔حضرت مسیح سلامٌ علیہ کے متعلق روایات کی یہ خبر کہ آپ دُوسرے یا چوتھے آسمان پر زندہ ہیں اور نازل ہونگے،آیاتِ بالا کے خلاف ہے۔

## ۳۳/۱۳ آنحضور سلامٌ علیہ ہدایت کے متلاشی تھے قرآنِ کریم،معاشرہ کے دُکھوں کا مداوا ہے

سورہ وَالضُّحٰی میں ارشاد ہوا ہے:-

● وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۹۳/۷ =اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلاشِ ہدایت میں سرگرداں پایا،پس آپ کی ہدایت فرمائی۔اس آیت کی تفسیر کے لئے زمانۂ رسالت سے ماقبل زمانۂ جہالت کو نگاہوں کے سامنے لائیے۔جب ہر طرف ظلم و استبداد کے اندھیروں نے پوری کائنات کو یکسر تاریک کر رکھا تھا۔جب زیرِ دست انسان بالا دستیوں کے ظلم وستم کی چکّی میں شبانہ روز پس رہے تھے اور کوئی دِل ان کی بے پناہ مظلومیت کے لئے پسیجتا نہ تھا۔بے گناہ چھوٹی بچیوں کو گڑھا کھود کر زندہ دبا دیا جاتا۔لیکن کوئی آنکھ اُن ناکردہ گناہ مظلوموں کے لئے ایک آنسو تک نہیں بہاتی تھی۔نہ سفر محفوظ تھے نہ حضر مامون۔نہ عزت محفوظ تھی نہ عصمت مصئون۔پُوری دُنیا کی زیرِ دست انسانیت بالا دستوں کی زرخرید ملکیت بنی ہوئی تھی۔نوعِ انسانی کی خرید و فروخت کے لئے سرِ بازار منڈیاں لگائی جاتی تھیں۔اور اس افضل ترین نوع کے مرد عورتیں،بھیڑ بکری کی طرح دن دیہاڑے بِکا کرتے تھے۔ہر خریدار منڈی کی اِس جنس مرد و عورت کو خریدنے سے پہلے اس طرح کھینچ داب اور مسل دھسل کر پرکھتا ہوا پایا جاتا،جس طرح بھیڑ بکری کے ایک ایک عضو کے متعلق تسلی کی جاتی ہے۔عورت کا معاشرہ میں کوئی مقام ہی نہ تھا۔متوفی کے مال متروکہ کی طرح عورت کو بھی وراثت کا مال ہی سمجھا جاتا تھا۔جنسی بے راہ روی کی یہ حالت کہ لونڈیاں آپس میں چند دنوں کیلئے عاریتہً بھی لی دی جایا کرتی تھیں۔

● اس انتہائی ظلم وظلمت کے زمانے میں ایک فردِ محترم پیدا ہوئے جن کا خاندانی نام رکھا گیا تھا **احمد** سلامٌ علیہ ۶۱/۶۔
لیکن یہ احمد سلامٌ علیہ (اللہ کی بے حد تعریف کرنے والا) اس بے پناہ ظلم وتاریکی کے زمانے میں گوناگوں خوبیوں، صداقتوں اور راستبازیوں کی بدولت تھوڑے ہی عرصے میں **محمد** سلامٌ علیہ ہو گیا (حمد درحمد کیا ہوا) ہر چہار طرف سے اس مردِ کامل کی تعریفوں کے پُل بندھ گئے اور حالت یہ ہوگئی کہ آپ کو، اُس بدترین معاشرہ میں بے اختیار محمد سلامٌ علیہ کے پیارے نام سے پُکارا جانے لگا۔ (تعریفوں میں دبا ہوا) حالت یہ تھی کہ معاشرہ کے ہر گوشے میں آپ کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ ہر مقام پر آپ کی عزت کی جاتی ہے۔ ہر معاملے میں آپ کو حاکم ومنصف مانا جاتا ہے۔ صادق وامین کے بہترین القاب آپ کے لئے مختص کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن آپ خوش نہیں تھے یعنی آپ ان گوناگوں سعادتوں کے باوجود غمگین رہتے تھے۔
**کیوں؟** ............ اِس لئے کہ آپ صرف اپنے لئے عزت ووقار کے متمنی نہیں تھے۔ بلکہ پُوری نوعِ انسانی کو بالکل مساوی انداز میں باعزت وباوقار دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ دُکھی انسانیت کے مداوا کے طلبگار تھے۔ آپ نوعِ انسانی کے اُن افراد کو، جو منڈی کی جنس بن کر سرِ بازار بکا کرتے تھے، اُن کا اصلی مقام دلانا چاہتے تھے۔ صنفِ نازک کے کھوئے ہُوئے وقار کی واپسی کے متمنی تھے۔ زندہ دبائی جانے والی لڑکیوں کو جینے کا حق دلانے کے لئے مغموم ومضطرب رہتے تھے۔ مزدور کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر سے سرمایہ دار کا غاصبانہ حق زائل کر کے مزدور اور اُس کے بے گناہ بچوں کے لبوں کو بھی تبسم آشنا دیکھنے کے طلب گار تھے۔ اعلیٰ وادنیٰ، عربی وعجمی، قریشی وغیر قریشی، ہاشمی واموی، کالا گورا، اسود واحمر، مزدور وسرمایہ دار، مالک ومزارع، آقا وغلام اور بندہ وصاحب کے جملہ انسانیت سوز امتیازات کو یک قلم موقوف کر کے پُوری کی پُوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کو صرف اور صرف نوعِ انسانی کے ہموار اور فرحت افزا مقام پر فائز دیکھنا چاہتے تھے، جہاں ہر طرف مسرتیں رقص کرتی ہوئی دکھائی دیں اور پُورے معاشرے کے ایک ایک فرد کے لبوں پر، ہر آن ایک جیسی مسکراہٹیں کھیلتی ہُوئی پائی جائیں۔

● آپ سلامٌ علیہ کو ان حسین تمناؤں اور جنّت بدوش حسرتوں کی تکمیل کے لئے ایک لازوال رہنمائی کی ضرورت تھی۔ اِسی ہدایت کے لئے آپ حیران وسرگردان تھے کہ ایک ایسی تحریک کا آغاز کیا جائے جس کا انجام مذکورہ بالا تمناؤں کی فردوسِ مشہود ہو۔ آپ اپنے گردوپیش کے انسانوں کو ایک منشور بطور بُنیاد دینا چاہتے تھے، جس پر دُکھیا انسانیت کے مداوا کی عمارت اُٹھائی جائے۔ چُنانچہ رحمتِ باری جوش میں آئی اور آپ پر نزولِ وحی کی ابتدا ہوئی۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ ۲/۱۸۵۔ رات کا وقت مکمل تنہائی اور سکوت ۱/۷۴، بستی سے باہر مسجد اور باغ ۱/۱۷ ، ۵۳/۱۵۔ بہار کا موسم ۵۳/۱۶، جب ہر طرف نئی جوانی کا آغاز ہوتا

ہے، مُردہ دِلوں میں بھی نئی زندگی کی لہریں دوڑتی ہیں۔ ایسے پُر فضا مقام اور سُہانے وقت میں، اُس طلب گارِ ہدایت کو، جو مذکورہ بالا فردوسِ نگاہ وگوش تمناؤں اور حسرتوں کو تکمیل کے لئے ایک عظیم الشان مہم کی ابتدا کرنا چاہتا تھا، باری تعالیٰ نے خود اُسی کے اندازِ تکلّم میں یعنی اُسی کو متکلّم بنا کر ارشاد فرمایا "(اے غمخوارِ انسانیت!) اللہ صاحبِ بخشش عامہ اور رحمتِ خاصہ کے نام کے ساتھ اقرار واعلان فرمایئے:- اَلْحَمْدُلِلّٰهِ پوری کی پوری حمد وستائش اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ جو جُملہ جہانوں کی جُملہ مخلوق کا رب، روزی رساں سب کے لئے یکساں طور پر سامانِ ربوبیّت مہیا کرنے والا ہے۔ حقوقِ ربوبیّت کے لحاظ سے اُس کے ہاں نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کا حقِ ربوبیّت مسلّم ہے۔ وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہے۔ صرف رَبُّ الْمُترفین، یا رَبُّ الْمُسْلمین نہیں وُہ سب کا رب ہے:- اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ $\frac{۱}{۱}$

● رسولِ اکرم سلامٌ علیہ قبلِ نبوت کے پُر اضطراب دَور میں جب دُکھی انسانیت کے مداوا کی تلاش میں، طلب گارِ ہدایت تھے، اُس وقت آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ مُجھ پر کتاب اُترنے والی ہے۔ وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓی اِلَیْکَ الْکِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ $\frac{۲۸}{۸۶}$ ۔ چنانچہ عالمین کے پروردگار نے طلبگارِ ہدایت ہی کو متکلّم بنا کر آپ ہی کی زبانِ فیض ترجمان سے گوہر افشانی فرماتے ہوئے کتابِ مجید کی افتتاحی سُورتِ مجیدہ نازل فرمائی۔ جو آنحضرت سلامٌ علیہ کی حسین آرزوؤں اور مسرت بدوش حسرتوں کا آئینہ بھی ہے $\frac{۹۳}{۷}$ ۔ قرآنِ کریم کی فہرست بھی ہے۔ پورے قرآن میں دُہرائے ہوئے سات عنوانات پر مشتمل بھی ہے $\frac{۱۵}{۸۷}$ ۔ اور اُس مبارک تحریک کا سات نکاتی منشور بھی ہے، جس تحریک کا افتتاح آپ نے نوعِ انسانی کو اُس کی گوناگون مصائب ومشکلات سے نجات دلانے کے لئے، قرآنِ کریم کے نزولِ اوّل کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتدائی ہدایات اور نوعِ انسانی کے نام احکامات اور قوم کے سوالوں کے ضروری جوابات مل چکنے کے فوراً بعد فرمایا۔ اور سورہ فاتحہ ہی کے سات عنوانات، اور اپنے سات نکاتی منشور کے اعلان ہی میں، قوم پر واضح کردیا کہ آپ کیا لے کر آئے ہیں۔ کس بحرِ عمیق کے شناور اور کس میدان کے شاہسوار ہیں۔ آپ کی مقدّس تحریک کی ابتداء کیا ہے اور انتہا کیا ہوگی۔

المختصر! سُورہ فاتحہ پُورے قرآنِ کریم کا نچوڑ، پُورے قرآن کا اجمال ہے۔ پُورا قرآن اس اجمال کی تفصیل ہے۔ سُورہ بقر کی ابتدائی بیس آیتوں میں آنحضور سلامٌ علیہ کو ہدایات دی گئی ہیں کہ آپ کی پاکیزہ مہم اور مُبارک تحریک کے سلسلے میں آپ کو تین قسم کے لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑے گا:- ۱۔ مومن ۲۔ کافر ۳۔ منافق

مومن وہ ہوں گے، جو آپ پر، قرآنِ کریم پر، سابقہ کتابوں اور آخرت پر ایمان لائیں گے۔ نظام ربوبیّت کے قیام میں آپ کا ساتھ دیں گے اور اس کے لئے اپنے مال خرچ کریں گے $\frac{۲\text{-}۳}{۲}$

**کافر** وہ ہوں گے، جو آپ کی نبوت کا، قرآنِ کریم اور آخرت کا مطلقاً انکار کردیں گے۔ اُنہیں سمجھانا، یا نہ سمجھانا برابر ہوگا۔ اُن کے ذہنوں اور کانوں پر نہ سننے اور نہ سمجھنے کی مُہر ہوگی۔ اور اُن کی آنکھوں پر باپ دادا کی تقلید کے پردے پڑے ہوئے ہوں گے۔ ۲/۶-۷۔ وہ ایمان لانے والے نہیں ہوں گے۔ اُن کے ساتھ مغزماری نہ فرمایئے گا۔

**منافق** وہ ہوں گے، جو زبان سے ایمان کا اقرار کریں گے لیکن دراصل مومن نہیں ہوں گے۔ وُہ درپردہ کافروں کے ساتھ ملے ہُوئے ہوں گے۔ آپ کے پاس آئیں گے تو ایمان کا اظہار کریں گے۔ اور جب خلوت نشین پیشواؤں کے پاس جائیں گے تو ان سے کہیں گے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مومنوں سے تو ہم محض مذاق کرنے جاتے ہیں۔ ۲/۸-۱۴...... یعنی ایسے لوگوں کے متعلق آنحضور سلامٌ علیہ کو ہدایت دی گئی ہے کہ ایسے لوگ انتہائی خطرناک ہوں گے۔ اُن سے پُوری طرح بچ کر رہنا ہوگا۔

اس طرح پہلی بیس آیتوں میں مذکورہ بالا تینوں قسم کے لوگوں کے متعلق مختصر ہدایات دے چکنے کے بعد آیت نمبر ۲۱-۲۲ میں پوری نوعِ انسانی کی طرف قرآنِ کریم کا پہلا خطاب ہے:-

**يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝** ۲/۲۱-۲۲

(مفہوم) اَے پوری نوعِ انسانی! اپنے پروردگار کی عبودیت (فرمانبرداری) کرو، جو تمہارا بھی رب ہے، اور اُن لوگوں کا بھی رب ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ (یہ خالصاً رب تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حکم اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم زندگی کی جُملہ مشکلات اور معاشرہ کے ہرقسم کے خطرات ومصائب سے بچ جاؤ۔ تمہارا رب وہ ہے جس نے تم سب کیلئے زمین کو فرش اور آسمان کو بناء (ربوبیّت) بنایا ہے یعنی وہ بلندی سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر اُس پانی کے ساتھ تم سب کے حاصل سب کے لئے ہرقسم کے میوہ جات پیدا کرتا ہے۔ پس تم اللہ کے لئے (اُس کی ربوبیّت میں) غیراللہ کو شریک نہ ٹھہرانا۔ کیونکہ (کائنات اور اسبابِ ربوبیّت میں غیراللہ کی عدمِ شرکت اس طرح نمایاں ہے کہ اس حقیقت کو) تم سب جانتے ہو۔

اس کے بعد، آیت نمبر۲۳ تا ۲۸، معترضہ جُملے ہیں۔اور آیت نمبر ۲۹ میں ربوبیّتِ عالمینی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ۱/۱ کا تائیدی اور تاکیدی اعلان ہے:-

**هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا** ق ۲/۲۹

(مفہوم) اے نوعِ انسانی! اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے جو کچھ بھی زمین میں پیدا کیا ہے، وُہ سب کا سب تُم سب کے سب کے لئے پیدا کیا ہے۔

بالفاظِ دیگر:-

قرآنِ کریم ناہموار تقسیمِ رزق کے جملہ نظاموں کے خلاف، ہموار و متوازن تقسیم رزق کا نظام پیش کرتا ہے اور اِسی نقطۂ ماسکہ کے گرد اِس کی پوری تعلیم گردش کرتی ہے۔

---

## حاصل کلام | بِرادرانِ اِسلام!

یہ ہے زیرِ نظر ترجمہ و تفسیر کا تعارف، جو خود قرآنِ کریم کے آئینے میں اس طرح عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ مشکل الفاظ اور قواعد و گریمر کی مشکل اصطلاحوں سے عمداً پرہیز کر کے آسان اصطلاحیں پیش کی گئی ہیں، تاکہ کم علم اصحاب بھی سمجھ سکیں۔اس پورے مضمون کا خلاصہ یہ ہے:-

- قرآن کا یہ ترجمہ اور تفسیر قرآن فہمی کے اُن اصولوں پر مبنی ہے، جو خُود قرآنِ کریم نے پیش کئے ہیں۔
- پوری تفسیر کا محوری نقطہ، قرآنِ کریم کے ابتدائی اور انتہائی اعلان، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ۱/۱ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۱۱۴/۱ کے مطابق **ربوبیّتِ عالمینی** ہے۔

یاد رہے کہ خود قرآنی تعلیم کی روشنی میں:-

قرآنِ کریم کی غرضِ نزول یہ ہے:-

# قرآنِ کریم کی غرضِ نزول یہ ہے

کہ پورے کُرۂ ارض پر پوری نوعِ انسانی کا ایک عالمگیر ہموار و متوازن **نظامِ ربوبیّتِ عامہ** قائم ہو۔ نسلی، لسانی، جغرافیائی، امیر و غریب، مالک و ملازم، زمیندار و مزارع، کارخانہ دار و مزدور کے جملہ امتیازات ختم ہو جائیں اور پوری زمین **اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o** کی عملی تفسیر بن جائے۔ جس میں:-

- نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا۔
- نہ بے مکان ہو نہ بے علاج۔
- نہ کوئی ساہوکار ہو نہ قرضدار
- نہ کوئی کرایہ خواہ ہو نہ کرایہ دار۔

ہر فردِ انسانی، ضروریاتِ زندگی سے سو فیصدی بہرہ یاب ہو۔ پورا کرہ ارض ایک گھر بن جائے، اور پوری نوعِ انسانی ایک کنبہ

- نہ کہیں توپیں اور ٹینک آگ اُگلتے ہوئے پائے جائیں۔
- نہ کہیں نیپام بموں کا خوف ہو، نہ ہائیڈروجن اور ایٹم بموں کا خطرہ۔

پس زیرِ نظر ترجمہ و تفسیر کے اس تعارف، اور قرآنِ حکیم کے محوری نقطہ **ربوبیّتِ عامہ** کو نگاہ میں رکھئے اور اب اللہ کا نام لے کر، سورہ فاتحہ کا ترجمہ و تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج ۲/۲۸۶

## رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ o

## وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ o ۲۳/۹۷-۹۸

# قرآنِ کریم کے مفسّر نہیں خادم

قرآنِ کریم کی تفسیر بذریعہ آیاتِ کریمات خود قرآنِ کریم کے اندر موجود ہے۔ اور اس کا مفسّر خُود اللہ تعالیٰ ہے۔ہم مفسرینِ قرآن نہیں بلکہ خادمینِ قرآن بتصریفِ آیاتِ الفرقان ہیں۔

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰۔این سمن آباد لاہور (پاکستان)

بِسمِ اللّٰہ الرَّحمٰن الرَّحیم ط

# ترجمۃ القرآن بتصریفِ آیاتُ الفرقان

المعروف بہ

# تفسیر القرآن بِالقرآن

## سُورہ فاتحہ

اِس سُورت مقدّسہ کا پُورا تعارف پیش لفظ میں گزر چکا ہے۔اِس کی سات آیتیں اور ایک رکوع ہے۔ فاتحہ کا معنیٰ کھولنے والی۔ افتتاح کرنے والی۔ یہ قرآنِ مجید کی اوّلین سورت ہے۔اور قل محذوف کیساتھ اُسی ذاتِ مقدّس کومخاطب کر کے نازل کی گئی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی نظرِ انتخاب نے اپنے آخری پیغام کیلئے منتخب فرمایا۔ یہ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِی، قرآنِ کریم کی فہرست وخلاصہ ہے ۱۵/۸۷۔ اور یہ اُس انقلابی تحریک کا سات نکاتی منشور ہے، جسے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول سلامٌ علیہ نے گُونا گُوں مصائب وآلام میں گِھری ہوئی انسانیت کے مداوا کے لئے شروع فرمایا۔اِس کٹھن منزل اور پُر آشوب مہم کیلئے آپ ایک مقدّس رہنمائی کے متمنّی تھے وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ۹۳/۷ =حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو طلبگارِ ہدایت پایا، پس ہدایت فرمادی۔اِس ہدایت کا نزول بصورت قرآنِ حکیم آنحضور سلامٌ علیہ کے قلبِ اطہر پر ہوا :-

- نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ۴۷/۲
- فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِکَ ۲/۹۷

بسم اللہ

● اب چونکہ ربوبیّت کا عدم توازن ہی انسانی مصائب کا سرچشمہ ہے اس لئے ضابطۂ خداوندی از ابتداء تا انتہا اس عدم توازن ہی کے انسداد و انصرام پر مبنی ہے۔ چنانچہ خداوندِ عالم ضامنِ ربوبیّتِ عامہ نے اپنی مقدّس کتاب کو ربوبیّتِ عالمینی ہی سے شروع کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا ہے:-

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ [1]

[2] شروع ساتھ نام اللہ کے بخشش کرنے والا مہربان

(اے دُکھیا انسانیت کے غمخوار [3]) اللہ صاحبِ بخششِ عامہ (بلامحنت نعمتیں عطا کرنے والے) اور صاحبِ شفقتِ خاصہ (انسانی محنت کا بھرپور ثمر مرحمت فرمانے والے) کے نام کیساتھ کہہ دیجئے گا۔ اعلان فرما دیجئے گا:-

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ ۱

سب تعریف واسطے اللہ کے ہے جو پروردگار عالموں کا

پُوری کی پُوری تعریف (جو کائنات کا گوشہ گوشہ ہمہ وقت بزبانِ حال ادا کر رہا ہے) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کی جُملہ مخلوق (العالمین) کا رب ہے۔ (وہ ہر چیز کی ربوبیّت کے سامان مہیا کرنے والا ہے)۔

## نظریۂ قسمت و تقدیر، قرآنِ کریم کے درسِ اوّل ہی کے خلاف ہے

● دیکھئے! قرآنِ کریم کے درسِ اوّل ہی میں آنحضور سلامٌ علیہ کی زبانِ مبارک سے ربوبیّتِ عامہ کا اعلان کروا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ نعمتیں صرف بالا دستوں کیلئے نہیں پیدا فرمائی گئیں۔ بلکہ اِن میں انسان کی خود پیدا کردہ، اعلیٰ وادنیٰ، بندہ و صاحب، آقا و غلام، کارخانہ دار و مزدور اور زمیندار اور مزارع کی غلط تمیز کے خلاف سب کا حق مساوی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے رَبُّ الۡمُتۡرِفِيۡن نہیں۔ قرآنِ کریم کی اِس پہلی ہی آیتِ کریمہ میں مختلف افراد کی مختلف ناہموار تقدیروں کے نظریہ پر ضربِ شدید لگائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب رَبِّ العالمین ہے۔ یعنی اپنی پُوری مخلوق کا رب

---

[1] واضح رہے کہ قرآنِ کریم میں بسم اللہ شریف بھی نزولی آیتِ مجیدہ ہے۔ لیکن چونکہ قرآنِ کریم کے تمام نسخوں میں بسم اللہ شریف پر آیت کا نمبر نہیں دیا گیا۔ اس لئے ہم نے بھی اس پر نمبر نہیں دیا تا کہ تفسیر زیرِ نظر کی آیتوں کے نمبر عام قرآنی نُسخوں سے مختلف نہ ہو جائیں۔

[2] عربی متن کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحب مرحوم کا ترجمہ دیا گیا ہے اور تقابل کی آسانی کے لئے سامنے ترجمہ بتصریفِ آیات الفرقان ہے۔

[3] لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝ (۹/۱۲۸)
اے نوعِ انسانی تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے۔ تمہاری بدحالی اُسے بے قرار رکھتی ہے۔ تمہاری بھلائی کے لئے حریص ہے مومنوں پر بالخصوص شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

ہے تو پھر اُس کی طرف یہ نظریہ کس طرح منسوب کیا جا سکتا ہے کہ اُس نے کسی کی قسمت میں ناشتہ نہار عصرانہ اور عشائیہ چار وقت کے پُر تکلّف کھانے لکھے ہوئے ہیں اور کسی کی قسمت میں صرف دو وقت کی خشک روٹی لکھی ہے۔ یاد رہے کہ معاشی ناہمواری یعنی ربوبیّت کا عدم توازن جو آنحضور سلامٌ علیہ کو مضطرب و بے قرار رکھتا تھا، اسلام میں اِس کے دہکتے ہوئے جہنم کا جواز قسمت و تقدیر کے غلط نظریہ ہی پر قائم کیا گیا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم کے اوّلین جُملہ اور اِس مقدّس کتاب کے پہلے ہی سبق میں اِس نظریہ کو باطل قرار دے کر بھوکے عوام کو متنبّہ کر دیا گیا ہے کہ نعماءِ خداوندی میں تمہارا بھی برابر کا حق ہے۔

## عطاءِ نعماءِ خداوندی کے دو طریقے ہیں۔ بلا محنت اور بامحنت

● سورہ فاتحہ کی دُوسری آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سامانِ ربوبیّت دو طریقوں سے میسر آتا ہے۔ ایک اُس کی صفتِ رحمان کی رُو سے اور دوسرے اُس کی صفتِ رحیم کی رُو سے۔ چنانچہ روشنی، گرمی، ہوا، بارش اور کائنات کی ہزاروں مخفی قوتیں، جو ہر آن سامانِ ربوبیّت مہیا کرنے میں سرگرم عمل ہیں، اور انسانی زندگی کے لئے بنیادی نکتے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ وہ ہیں جن پر حضرتِ انسان کا نہ کوئی پائی پیسہ خرچ ہوتا ہے اور نہ اِسے روشنی، گرمی وغیرہ کے حصول کیلئے کوئی معمولی جسمانی طاقت ہی خرچ کرنا پڑتی ہے نہ کوئی دقت۔ ربوبیّت کی یہ تمام انمول نعمتیں اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیّت کے ماتحت نوعِ انسانی کو مل رہی ہیں اور دوسری نعمتیں وہ ہیں جو محنت و مشقت ہی سے میسر آتی ہیں۔ اناج کے کھلیان اُس وقت تک میسّر نہیں آسکتے جب تک انسان زمین میں ہل چلا کر، بیج ڈال کر، کھیت کو سیراب نہ کرے۔ غلّہ پیدا کرنے کے لئے زمین کی مضمر صلاحیتیں، سورج کی گرمی، ہوا اور پانی تو ہمیں بلا مُشقّت حاصل ہیں۔ لیکن زمین کو پھاڑنا بیج ڈالنا اور سیراب کرنا ہمارا اپنا کام ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں سونا، چاندی، لوہا، تانبہ، سیسہ وغیرہ ہزاروں قسم کی معدنیات ہماری محنت کے بغیر پیدا کر دی ہیں۔ لیکن اُنہیں حاصل کرنے کیلئے کوہ کنی ہمارا فریضہ ہے۔ چنانچہ سورہ زیرِ نظر کی دوسری آیتِ مجیدہ میں حصولِ سامانِ ربوبیّت کے متعلق وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ نعمتیں بلا محنت عطا کرنے والا ہے اور کچھ بامحنت:۔

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِۙ ۲

بخشش کرنے والا مہربان

رب العالمین رحمان و رحیم ہے۔ (بلا محنت اور بامحنت سامانِ ربوبیّت عطا کرنے والا ہے) وہ رحمان ہے، روشنی گرمی ہَوا وغیرہ نعمتیں بلا محنت عطا کر رہا ہے۔ (نیز رحیم ہے انسانی محنت کا پُورا پُورا ثمر مرحمت فرماتا ہے)۔

## اللہ تعالیٰ کی بلا محنت اور با محنت عطا کردہ نعمتوں کے متعلق باز پُرس کیلئے مخصوص عدالت کی خبر

● اب چونکہ انسان کو صاحبِ اختیار وارادہ پیدا کیا گیا ہے۔(اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ ۴۱/۴۰)اس لئے اگلی آیت میں ہر مجرم کو عموماً اور غاصبینِ ربوبیّت کو خصوصاً متنبّہ کر دیا گیا ہے۔ کہ ان سے ضرور ضرور باز پرس کی جائے گی۔ دُنیوی عدالتوں میں رشوت، سفارش اور جھوٹی شہادتوں کے ذریعہ ربوبیّتِ عامہ کے غاصب بَری ہو جاتے ہیں۔ اور ناکردہ گناہ تختۂ دار پر کھچ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور نہ رشوت چل سکے گی نہ سفارش اور نہ کسی کو جھوٹی گواہی کی جرأت ہوگی۔ ربوبیّتِ عامہ کی بلا محنت اور با محنت نعمتوں کو لُوٹ کا مال قرار دینے والے ضرور ضرور سزایاب ہوں گے۔ پس بتایا گیا ہے کہ اپنی صفاتِ رحمان ورحیم کے مطابق سامانِ نشو ونما دینے والا ایک عدالتِ عام کے دن کا مالک ہے:۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۞ ۳

خداوند دن جزا کا

وہ رب العالمین جزا کے دن کا مالک ہے۔
(اُس نے اپنی عطا کردہ نعمتوں کو قانونِ ربوبیّت کے مطابق یا مخالف استعمال کرنے والوں کی جزا سزا کیلئے عدالتِ عام کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے)۔

## اللہ تعالیٰ کی خالص فرمانبرداری اور خالص استعانت میں وصل کا اقرار

● آیاتِ بالا میں ربوبیّتِ عامہ کے اعلان اور ذرائع ربوبیّت کے بلا محنت اور با محنت حصول کے دونوں طریقوں کی وضاحت اور درسِ ربوبیّت کی عملاً تعمیل وتکذیب کرنے والوں کیلئے جزا سزا کے اعلان کے بعد اگلی آیت میں اقرار لیا جا رہا ہے کہ ہم عبادت بھی تیری ہی کرینگے اور مدد و مرادیں بھی تجھ ہی سے مانگیں گے۔ عبادت و استعانت میں وصل رکھیں گے۔ یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ نماز تیری پڑھیں اور مرادیں اوروں سے مانگیں:۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۞ ۴

تجھی کی عبادت کرتے ہیں ہم اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم

ہم (رسول معہ مومنین تیرے ضابطہ کی سزا سے ڈرتے ہوئے ۱/۱۵) خالص تیری فرمانبرداری کرتے رہیں گے۔ اور خالص تجھ ہی سے مدد مانگتے رہیں گے۔ (یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے سوا نہ کوئی فرمانبرداری کے قابل ہے اور نہ ہی کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے)۔

● اللہ تعالیٰ کی خالص فرمانبرداری سے مُراد اُس کے نازل کردہ ضابطۂ حیات کی بلا شرکت غیرے اِتّباع ہے۔ ۷/۳ اور خالص استعانت کے اقرار میں ہر غیر اللہ سے مدد مرادیں مانگنا حرام قرار دیا ہے۔ خواہ وہ فرد جس سے مدد مانگی جا رہی ہو کوئی نبی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝ کے اقرار میں خود آنحضور سلامٌ علیہ بھی شامل ہیں۔ اس طرح جب خود خاتم النبیین بھی خالص اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنے کا اقرار کرتے رہے تو خالص اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مرادیں مانگنا، ۱/۵ کے مطابق فرض بھی ہے اور آنحضور سلامٌ علیہ کے کئے ہوئے اقرار کے مطابق سُنتِ رسول بھی۔ بالفاظِ دیگر غیر اللہ سے مُرادیں مانگنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور مخالفتِ رسول سلامٌ علیہ بھی ہے۔ نیز واضح رہے کہ آیتِ بالا میں عبادت واستعانت میں وصل قائم رکھنے کا اقرار بھی لے لیا ہے۔ یعنی جس کی عبادت کریں، مُرادیں بھی اسی سے مانگا کریں۔ اگلی آیتِ مجیدہ میں اِنہی عقائد واعمال کو صراطِ مستقیم قرار دیا گیا ہے۔ اور اُس پر چلتے رہنے کی دعا سکھائی گئی ہے:۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ۙ ۵

دکھا ہم کو راہ سیدھی

(ہم تجھ ہی سے دعا کرتے ہیں کہ اِسی) سیدھے راستے پر ہمیں چلائے رکھ (کہ تیرے نظامِ ربوبیّت کو عملاً قائم رکھیں اور تیری عبادت واستعانت میں وصل کریں فصل نہ کریں)

عام تراجم میں اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ کا ترجمہ یہ لکھا ہے "دکھا ہم کو راہ سیدھی"۔ ''بتلا ہم کو راہ سیدھی''۔ اس پر غیر مسلم معترضین کا اعتراض ہے کہ جب رسولِ مقبول سلامٌ علیہ کی خود ساری عمر سیدھی راہ دیکھنے کے لئے دعا ہی کرتے رہے، دیکھی نہیں تو آپ دُوسروں کو سیدھی راہ کیا بتا سکتے تھے؟ واضح رہے کہ تصریفِ آیات کے قرآنی اصول کے مطابق مذکورہ بالا مروّجہ ترجمہ غلط ہے، اِس کا فیصلہ آیت نمبر ۶/۱۶۲ میں موجود ہے جہاں ارشاد ہوا ہے۔ ● قُلۡ اِنَّنِیۡ هَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ = اے رسول سلامٌ علیہ اعلان کر دیجئے گا کہ میرے ربوبیّت کرنے والے نے مجھے سیدھی راہ دکھلا دی ہے۔ نیز ۳۶/۳ میں ارشاد ہوا ہے:۔

● اِنَّکَ ..... عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ = بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ فلہٰذا اِن آیات کریمات کی رُو سے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کا صحیح معنٰی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کردہ راہ پر چلتے رہنے کی دعا ہے کہ:۔ ''چلائے رکھ ہم کو راہ سیدھی پر''۔ ''دکھا ہم کو راہ سیدھی''۔ غلط ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد، سب جادۂ ربوبیّتِ عامہ ہی کے راہ رَو تھے

● اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بالفاظِ ذیل اقرار لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ افراد جُملہ انبیاء سلامٌ علیہم صراطِ مستقیم ہی کے جادہ پیما تھے۔ جس میں نظامِ ربوبیّتِ عامہ کا قیام، قرآنِ کریم

کے درسِ اوّل۱ کے مطابق سرفہرست ہے:۔

| | |
|---|---|
| صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ۬ ۶ <br> راہ اُن لوگوں کی کہ نعمت کی ہے تُو نے اوپر اُن کے | ہمیں اُن لوگوں کے راستے پر چلائے رکھ جن پرتُو نے انعام فرمایا۔ (یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے انعام یافتہ بندے اِسی خالص ربوبیّت، خالص عبودیّت اورخالص استعانت والے راستے ہی کے راہ رَو تھے)۔ |

● اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں اِنہی مقدّس ہستیوں انبیاء سلام علیہم کے متعلق بتادیا ہے کہ اُن پر کبھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نہیں ہوئی تھی۔ وجہ یہ کہ وہ ۲۱-۲۶/۲۷ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے سوفیصدی فرمانبردار تھے۔ اُن کا ہرقدم اطاعتِ خداوندی ہی میں اٹھتا تھا:۔

| | |
|---|---|
| غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا <br> سوائے اُن کے کہ غضب کیا ہے اوپر اُن کے اور نہ <br> الضَّآلِّیۡنَ ۠ ۷ <br> گمراہوں کی | تیرے انعام یافتہ افراد ایسی برگزیدہ جماعت تھی کہ اُن پر کبھی تیرا غصہ نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ تیری راہ گم کرنے والے تھے ہی نہیں۔ |

● سابقہ تراجم میں غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ کا معنی لکھا ہے ''نہ راستہ اُن لوگوں کا جن پر تیرا غضب ہُوا اور نہ گمراہوں کا''۔ یہ ترجمہ سیاقِ کلام اور ترکیب قواعد کے خلاف ہے۔ سید محمود الحسنؒ صاحب دیوبندی نے اس کا یہ صحیح ترجمہ لکھا ہے:۔ ''جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے''۔ عام تراجم کے متعلق مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے قرآنِ کریم کے حاشیہ پر لکھا ہے:۔ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ، اَلَّذِیۡنَ کا بدل ہے یا اُس کی صفت ہے۔ بعض تراجم دہلویہ میں جو اِس کا ترجمہ لکھا ہے وہ خلافِ ترکیب اور خلافِ مقصود ہے''۔ نیز مولوی مودُودی صاحب نے بھی تفہیم القرآن میں ہماری ہمنوائی کی ہے۔ اور شیخ محمد اقبال صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور نے بھی اپنی کتاب توضیح القرآن کے صفحہ ۲۴ پر غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ کا معنٰی لکھا ہے:۔ ''جو نہیں غضب زدہ اور گمراہ''......آیتِ مجیدہ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ کے ترجمہ کی بالعموم حالت یہ ہے کہ ننانوے فیصد تراجم میں اس کا معنٰی یہی لکھا ہوا ہے جو صریحاً خلافِ ترکیب اور خلافِ مقصود ہے۔ نیز حیرت کا مقام یہ ہے کہ دیوبند کے ایک ہی مدرسہ کے متعدّد اساتذہ نے اِس آیت کا ایک دُوسرے کے خلاف ترجمہ لکھا ہے مثلاً شاہ اشرف علی صاحب اور مولوی احمد علی صاحب لاہوری نے اپنے

اپنے تراجم میں عام غلط ترجمہ کی ہمنوائی کی ہے، جسے شیخ الہند اور عثمانی صاحب نے خلافِ ترکیب اور خلاف مقصود بتایا ہے حالانکہ یہ چاروں بزرگ ایک ہی مدرسہ کے استاد اور ایک ہی مکتبِ فکر کے حامل ہیں۔

## تحفظ ناموسِ رسالت

● المختصر آیتِ بالا غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں اللہ تعالیٰ نے جُملہ انبیاء سلام علیہم کی ناموس کو محفوظ کر دیا ہے۔ جیسے کہ سورہ انبیاء میں ارشاد ہوا ہے:۔

● لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۲۱/۲۷ = اللہ کے نبی بات میں بھی اپنے خالق و مالک سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور عمل کے لحاظ سے ان کا ایک ایک قدم حکمِ خداوندی کے مطابق اٹھتا تھا۔ قرآنِ کریم میں انبیاء سلام علیہم کی جن سہو اور بُھول چُوک کا ذکر ہے وہ اُن کے بشری تقاضے تھے:۔ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۴/۱۱ نہیں ہیں ہم مگر تمہارے جیسے بشر ہی ہیں۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۱۸/۱۱۰ سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ میں تمہارے جیسا بشر ہی ہوں۔ چنانچہ ایک طرف تو وضاحت کی گئی ہے کہ انبیاء سلام علیہم کو مافوق البشر قرار دے کر الٰہ نہ بنالیا جائے۔ وُہ ہر قسم کے بشری تقاضوں کے حامل تھے۔ پیدا ہُوئے، کھاتے پیتے تھے، بیمار ہو جاتے تھے، بیویوں کے شوہر، بچوں کے باپ اور والدین کے بیٹے تھے۔ نیز بشری تقاضوں ہی میں زندگی گزار کر فوت بھی ہو گئے تھے۔

● اور دوسری طرف قرآنِ کریم اِس امر کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ انبیاء سلام علیہم کو گھٹیا کردار کے حامل، اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور عصیان وطغیان کی آلائشوں میں ملوث مان کر ناموسِ رسالت کو داغدار کیا جائے۔ سُورہ فاتحہ کی آیت نمبر ۷ میں انبیاء سلام علیہم پر بہتان تراشیوں کا مکمل سدِّ باب کر دیا گیا ہے۔ یعنی اُن کی ناموس کو داغدار کرنے والے من گھڑت قِصّوں کو فوراً غلط قرار دے دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اُن میں سے کسی پر بھی کبھی ناراض نہیں ہُوا تھا، کہ کسی کو جنت سے نکال دیا ہو۔ کسی نے پہلے ہی ننانوے بیویاں گھر میں ڈال رکھی ہوں۔ اور ساتھ ہی ایک ہمسائے کی بیوی بھی ہتھیا لی ہو اور اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر ننانوے دُنبیوں کے مالک کا ایک دُنبی والے کی دُنبی چھیننے کا مقدمہ سامنے لاکھڑا کیا ہو کسی سے ناراض ہو کر حکومت چھین لی ہو اور اُسے مچھیروں کے ہاں نوکری کرنا پڑی ہو۔ کسی سے ناراض ہو کر اس پر کئی کئی دن کے لئے نزولِ وحی کا سلسلہ بند کر دیا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ معاذ اللہ استغفر اللہ۔

## حاصل کلام یہ کہ:۔

● سورہ فاتحہ کی پہلی آیت مجیدہ ''الحمد للہ رب العالمین'' میں اعلانِ ربوبیّتِ عامہ کے ذریعہ سرمایہ داری، جاگیرداری، زمینداری وغیرہ ہر اُس نظام کو باطل قرار دیدیا گیا ہے جو تقسیمِ ربوبیّت میں ناہمواری کا موجب بنتا ہو۔

● دُوسری آیتِ مجیدہ ''الرحمٰن الرحیم'' میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ سامانِ ربوبیّت کو اللہ تعالیٰ کی بلا محنت عطا کردہ نعمتوں کے ذریعہ اپنی محنت کے ساتھ حاصل کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہو۔ تاکہ ترقی کی دوڑ میں پسماندہ ہو کر نہ رہ جاؤ۔

● تیسری آیتِ مقدّسہ میں بتایا ہے کہ نعماءِ خداوندی جو پوری نوع انسانی کا مساوی حق ہیں اِن کے صحیح یا غلط استعمال کی جزا سزا قیامت کی عدالت میں ضرور ضرور دی جائے گی۔ یعنی ''مالک یوم الدین'' کی خبر میں ہر قسم کی سفارشوں کی نفی کے علاوہ نام نہاد وسیلوں کے ساتھ پیروں کے دامن پکڑ کر نجات حاصل کرنے کا تصوّر بھی مطلقاً باطل ٹھہرا دیا ہے۔

● چوتھی آیت ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' میں عبودیتِ خالص اور استعانتِ خالص کا اقرار لے کر نبیوں ولیوں زندہ یا مُردہ پیروں، قبروں اور مزاروں وغیرہ سے مُرادیں مانگنے سے مطلقاً روک دیا گیا ہے۔ نیز عبودیّت واستعانت کے وصل کے اقرار میں واضح کر دیا ہے، کہ غیر اللہ سے مُرادیں مانگنا، اللہ کے ساتھ کئے گئے وعدہ کو توڑنا اور اُس انقطاع کی بدولت گمراہ ہونا ہے جس کے وصل کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہوا ہے۔ $\frac{۲}{۲۶-۲۷}$ + $\frac{۱۳}{۲۰-۲۱،۲۵}$۔

● پانچویں آیتِ کریمہ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' میں مذکورہ بالا عقائد و اعمال کو صراطِ مستقیم بتا کر اور سارے باطل راستوں سے الگ کر کے یہ امر نمایاں کر دیا ہے، کہ عقیدۂ ربوبیّتِ عامہ کے ساتھ سامانِ ربوبیّت کو اللہ تعالیٰ کی بلا محنت عطا کردہ نعمتوں کے ساتھ مسلسل حاصل کرتے رہنا اور اُس کی متوازن اور غیر متوازن تقسیم کے عوض قیامت کی عدالتِ عالیہ میں جزا سزا پر ایمان کامل ہی صراطِ مستقیم ہے۔

● چھٹی آیتِ مجیدہ ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ''. میں جُملہ انبیاء سلامٌ علیہم کا راستہ بھی ربوبیّتِ عامہ ہی بتا کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ سرمایہ داری، جاگیرداری اور ملوکیّت و مشیخیت جیسے ربوبیّت کُش نظریات کے ساتھ انبیاء سلامٌ علیہم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ پس معاشی عدم توازن کی کوئی صورت سُنّتِ رسول ہو ہی نہیں سکتی۔

● اور ساتویں آیت ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ'' میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سلامٌ علیہم کے متعلق اقرار لے لیا ہے کہ وہ اُس کے سو فیصدی فرمانبردار، غیر مغضوب اور غیر گم کردہ راہ تھے۔ اِس طرح اُن جُملہ تراشیدہ قصّوں کو باطل قرار دیدیا گیا ہے جو کسی بھی انداز میں اِس مقدّس جماعت کی سیرت ہائے مقدّسہ کو داغدار کرتے ہوں۔ اور اُن سے انبیاء سلامٌ علیہم کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اُن کی راہ گم کردگی کا تصوّر پیدا ہوتا ہو۔

---

# سُورۃ البقر

● اِس سورۂ جلیلہ کی ۲۸۶ آیتیں اور چالیس رکوع ہیں ۔ اِس کے شروع میں حروفِ مقطّعات کے جلیل القدر القاب کے ساتھ مخاطب کر کے آنحضور سلامٌ علیہ کو یہ اہم ہدایات دیدی گئی ہیں کہ آپ کو سلسلۂ تبلیغ میں تین قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ مومن ۔ کافر اور منافق ۔

● **مومن متقی** وُہ ہیں جو قانون کی مخالفت سے بچنے والے ہیں ۔ آپ کے ساتھ مل کر نظامِ ربوبیّت قائم کرنے میں مال بھی خرچ کریں گے ۔ قرآنِ کریم کے بتائے ہوئے ہر غیب ، اللہ، ملائکہ اور قیامت کے علاوہ اِس انقلابی منشور کی کامیابی پر بھی ایمان لائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگ ہی کامیاب و کامران ہونگے ۲/۲-۵ ۔

● دوسری قسم **کافروں** کی ہوگی جو انقلابی منشور کے اوّلین درسِ ربوبیّتِ عامہ ہی کا مطلقاً انکار کر دیں گے ۔ وُہ اللہ اور مکافاتِ عمل کے منکر ہوں گے ۔ ایسے لوگوں کے ساتھ دماغ سوزی نہ فرمانا ۔ وہ ہرگز نہیں مانیں گے ۔ یعنی جن لوگوں کی سمجھ میں اتنی موٹی سی بات بھی نہیں آسکتی کہ ربوبیّتِ عامہ یعنی بنیادی ضروریاتِ زندگی ہر کسی کا پیدائشی حق ہے ٗ اور جو معاشی عدم توازن ہی کو درست جانتے ہوں اور اُسے برقرار رکھنے کے حق میں ہوں ، اُن کو آپ کا سمجھانا یا نہ سمجھانا برابر ہوگا ۔ ۲/۶-۷

● اور تیسری قسم کے لوگ ہونگے **منافق** ۔ جو بظاہر آپ کے ساتھ شامل ہوجائیں گے ۔ لیکن در پردہ وُہ بھی انکار کرنے والوں ہی کے ساتھی ہوں گے ۔ ایسے لوگوں سے انتہائی احتیاط لازم ہے ۔

● آنحضور سلامٌ علیہ کے نام اِن ابتدائی ہدایات کا سلسلہ آیت نمبر ۲ سے لے کر آیت نمبر ۲۰ تک چلا گیا ہے ۔ اِس کے بعد آیت نمبر ۲۱ میں نوعِ انسانی کے نام قرآنِ کریم کا پہلا خطاب ہے **یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ** ......الخ ، جس میں ربوبیّتِ عامہ کی انتہائی کُھلی وضاحت کی گئی ہے ۔ اِس کے بعد بنی اسرائیل کے حالات اور معاشرہ کے عبوری دَور کے لئے معاشی ، معاشرتی اور ہر قسم کے سوشل مسائل سے متعلقہ احکام دیدیئے گئے ہیں ۔ بعض مقامات پر نزولِ جاریہ کی آیاتِ کریمات بھی ہیں ۔ مختصراً یہ کہ ہر قسم کے ضروری احکامات کے لحاظ سے یہ سُورۂ جلیلہ بلاغت و فصاحت اور جامعیّت کا پیکرِ عظیم ہے ۔ دیکھئے ! ابتدائی آیاتِ کریمات میں

آنحضور سلامٌ علیہ کو حروفِ مقطعات کے عظیم الشان القاب کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع ساتھ نام اللہ تعالیٰ کے بخشش کرنے والا مہربان

الٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ صلے ج

یہ کتاب ہے ۔ نہیں شک بیچ

فِیۡہِ ج ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ○ لا ۲

اُس کے راہ دکھاتی ہے واسطے پرہیز گاروں کے

اے امین، لین القلب[۱]، مرسل، محمد، اللہ صاحبِ بخششِ عامہ (بلامشقت نعمتیں عطا کرنے والے) اور صاحبِ رحمتِ خاصہ (انسان کی محنت کا پورا پورا بدلہ دینے والے ۵۳/۳۹) کے نام کے ساتھ کہہ دیجئے گا کہ اُس کتاب (سُورہ فاتحہ) میں کوئی شک نہیں۔ یہ ان لوگوں کیلئے ہدایت نامہ ہے، جو (دُنیوی اور اُخروی خطرات سے محفوظ رہنے کیلئے ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے) بچنے والے ہیں۔

● قرآنِ مجید کی تمام سُورتوں کو ۹۸/۳ فِیۡهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ کے الفاظ میں الگ الگ ایک ایک کتاب بتایا گیا ہے۔ فلہٰذا سُورہ فاتحہ بھی ایک کتاب ہے جو یہاں پر ذٰلِکَ اشارہ بعید کا مشارٌ الیہ ہے۔ نیز واضح رہے کہ صرف سُورہ فاتحہ ہی لاریب نہیں بلکہ ۳۲/۲ کے الفاظ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ میں پُوری کتاب قرآنِ کریم کو لاریب کہا گیا ہے۔

## متّقین کی تعریف، اور ستیارتھ پرکاش کا اعتراض

عام تراجم میں ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کا معنٰی لکھا ہے "ہدایت ہے واسطے پرہیزگاروں کے" اس پر سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۶۹۷ پر اعتراض کیا ہے کہ وہ (پرہیزگار) تو پہلے ہی (سیدھے) رستہ پر ہیں اور جو جھوٹے رستہ پر ہیں، ان کو یہ قرآن رستہ نہیں دکھلا سکتا، تو پھر کس کام کا رہا؟"......واضح رہے کہ عام تراجم میں متّقین کا معنٰی جو پرہیزگار لکھا ہے، وُہ حقیقت کی ترجمانی نہیں کرتا اِسی لئے اس پر غیر مسلم کا اعتراض بجا تسلیم کرنا پڑتا ہے لفظ متّقین متّقی کی جمع ہے اس کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ق۔ی=وقی۔ اس کا بنیادی معنٰی ہے، حفاظت کرنا، بچانا، مصدر متعدّی) وَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ ۵۲/۱۸ = اُن کے رب نے اُنہیں بچالیا......اور اسی مادہ سے ہے تقویٰ۔ بمعنی خود بچنا۔

اسمِ فاعل متّقی بصیغہ واحد۔ اور متّقین بصیغہ جمع بمعنی زندگی کی ہر خطرناک گھاٹی سے بچنے والے......قرآنِ کریم نے ضروریاتِ زندگی کے باقاعدہ میسّر نہ ہونے ہی کو معاشرہ کے ہر خطرہ کی علت ٹھہرایا ہے جس سے مصائب کے چشمے پھوٹتے

---

[۱] الٓمّٓ کے مفہوم کے لئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۳۰/۱ دیکھئے۔

ہیں۔ بھائی بھائی سے ٹکراتا ہے۔ باپ اور بیٹے میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ خاندان خاندانوں سے‘ قبیلے قبیلوں سے اور حکومتیں حکومتوں سے برسرِ پیکار آتی ہیں۔ کارخانہ دار اور مزدور، زمیندار اور مزارع‘ سرمایہ دار اور غریب، قرضدار اور قرض خواہ‘ جیسے فتنہ سامان طبقات ناہموار ربوبیّت اور غیر متوازن تقسیمِ رزق ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ اِس تقسیم میں، مزدور کارخانہ دار سے، مزارع زمیندار سے، قرضدار قرضخواہ سے اور غریب سرمایہ دار سے کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ آئے دن اُن میں ٹکراؤ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ متّقی وہ ہیں جو چاہتے ہیں کہ اِن جُملہ خطرات سے بچ جائیں۔ لیکن چونکہ، جتنے بھی ضابطے اور آئین اُن کے سامنے آتے ہیں وہ معاشی ناہمواری کے ذریعہ، مذکورہ طبقاتی تقسیم کو موجود رکھنے کے حامی ہیں۔ اِس لئے جب تک خطرات و فسادات کی علّت، ناہموار قانون موجود ہو، قانون کی نگہداشت کرنے والے بھی خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا:۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کے الفاظ میں واضح کیا گیا کہ تحریکِ ربوبیّت کا سات نکاتی منشور، یقیناً یقیناً اُن لوگوں کی رہنمائی کریگا جو خطرات سے بچنے کیلئے قانون کی مخالفت سے بچنے والے ہیں، فلہٰذا‘ اگر اس جُملے کا صحیح معنٰی پیش کیا جاتا، تو قرآنِ کریم کے اس اہم موضوع پر سوامی دیانندکو اعتراض کا موقع میسر نہ آتا۔ قرآنِ کریم میں متّقین کا لفظ $\frac{۲۶}{۹۱-۹۰}$ میں غٰوین کی ضد بیان ہوا ہے۔ اور غٰوین کہتے ہیں آئین وقوانین کے باغیوں کو۔ یعنی ایسے لوگوں کو‘ جو آئین وضوابط کی حدود میں رہنا ہی نہ چاہتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو قرآن جیسا صحیح اور متوازن آئین بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اِس لئے قرآنِ کریم کے خلاصہ، سُورۂ فاتحہ کے متعلق وضاحت کردی گئی ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ :۔ اِس میں آئینی توازن سو فیصدی موجود ہے جو ایک جہنمی معاشرہ کو جنتی معاشرہ میں تبدیل کرنے کی پُوری پُوری صلاحیّت رکھتا ہے...... لیکن اِس سے اُن لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا‘ جو قانون کی مخالفت سے بچنے والے نہیں۔ یہ اُن لوگوں کی رہنمائی کرے گا، جو قانون کی مخالفت سے بچنے والے یعنی متّقی ہیں۔ اُنہی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

| | |
|---|---|
| الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ<br>وہ جو ایمان لاتے ہیں، ساتھ غیب کے، اور قائم رکھتے ہیں<br>الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ ۳<br>نماز کو اور اس چیز سے کہ دی ہم نے خرچ کرتے ہیں | یہ وُہ لوگ ہیں جو اپنی تنہائیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے ضابطے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ اللہ کی تعلیم دی ہوئی صلوٰۃ کو عملاً قائم کرتے ہیں۔ اور جو ہم نے اُنہیں رزق دیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ |
| وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ<br>اور جو لوگ کہ ایمان لاتے ہیں، ساتھ اس چیز کے کہ اُتاری گئی ہے | اور یہ وُہ لوگ ہیں جو اُس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل ہوا ہے (یعنی قرآنِ کریم) اور اُس پر بھی |

اِلَیۡکَ وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ج

طرف تیری ، اور جو کچھ اُتاری گئی ہے پہلے تجھ سے ۔

وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ ۴

اور ساتھ آخرت کے وہ یقین رکھتے ہیں۔

ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوا (یعنی صحفِ انبیآء) اور وہ آخرت پر (یعنی قیامت کے روزِ جزا پر) بھی یقین رکھتے ہیں۔

اخیر پر اِنہی لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:۔

اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ق

یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں پروردگار اپنے سے

وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۵

اور وہی ہیں خلاصی پانے والے

یہ (ضابطۂ خداوندی پر خلوت وجلوت میں ایمان رکھنے والے، اور ربوبیّتِ عامہ کو بروئے کار لانے کے لئے نظامِ ربوبیّت قائم کرنے، اور اس پر مال خرچ کرنے والے) ہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہوتے ہیں۔ اور یہی ہیں جو دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہونگے۔

## ربوبیّتِ عامہ کا قیام ہی معراجِ انسانیت، اور رَبُّ الۡعٰلَمِین کے ہاں دنیوی اور اُخروی کامیابی ہے

آیت بالا کے آخری الفاظ، اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ق وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ میں مِنۡ رَّبِّهِمۡ اور هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ غیر قرآنی نظریات کے حامل بڑے بڑے داناؤں کے ہاں اُن افراد کو کامران وکامیاب مانا گیا ہے جو زندگی میں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرلیں۔ اِس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی کا سرٹیفکیٹ اُنہیں دیا گیا ہے، جو مال کو جمع کرنے کی بجائے اُسے خرچ کرکے اقامتِ صلوٰۃ کریں۔ یعنی ربوبیّت کا ایسا نظام قائم کریں، جس کا گوشہ گوشہ بزبان حال گواہی دے رہا ہو کہ اللہ ربّ العٰلمین ہے۔ یہ ہے مفہوم عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ کا۔ یاد رہے کہ یہاں اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنَ اللّٰہ نہیں فرمایا بلکہ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ فرمایا ہے۔ کیونکہ عنوان ہی ربوبیّتِ عالمینی کا چل رہا ہے:۔

## نوعِ اِنسانی کے حق ربوبیّت کا اِنکار گویا اللہ اور قیامت کا انکار ہے

اگلی آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے، جو قرآنی منشور کے درسِ اوّل ربوبیّتِ عامہ کے مُنکر ہیں۔ یعنی جو لوگ رزق کی ناہموار تقسیم کو برقرار رکھ کر نوعِ انسانی کی ضروریاتِ زندگی کے بنیادی اور پیدائشی حقوق ہی کا انکار کرتے ہیں۔ اور جو فی الحقیقت اللہ اور روزِ جزا کے مُنکر ہیں۔ اُنہیں سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ
تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے برابر ہے اُوپر ان کے
ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ
کہ ڈرایا تُو نے اُن کو یا نہ ڈرایا تُو نے اُن کو
لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ ٦
نہیں ایمان لائیں گے

بے شک جو لوگ نظریۂ ربوبیّت کا انکار کر دیں، اُن کے لئے برابر ہے کہ آپ اُنہیں اُن کے فرائض سے آگاہ کریں یا نہ کریں۔ (کیونکہ جو لوگ ربوبیّتِ عامہ کو انسانی بنیادی حقوق ہی تسلیم نہیں کرتے) وہ نظریۂ ربوبیّت پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے (اُن کے ساتھ مغز ماری نہ فرمایئے گا)

اس سے اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰی
مُہر کی اللہ نے اُوپر دلوں اُنکے کے اور اُوپر
سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰۤی اَبۡصَارِهِمۡ
کانوں اُنکے کے اور اُوپر آنکھوں اُن کی کے
غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۝ ٧ ع ۱
پردہ ہے ۔ اور واسطے اُن کے عذاب ہے بڑا ۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کے قلوب پر اور کانوں پر عدم تدبّر ۹/۱۷، ۴۶/۱۷، ۵۷/۱۸ اور ہوائے نفس ۲۳/۴۵ کی مُہریں لگی ہوئی پائی ہیں اور اُن کی آنکھوں پر (باطل نظریات کا) پردہ ہے۔ اِس لئے اُن کے لئے عذابِ عظیم ہے ۔ (یہ لوگ گونا گون مصائب و شدائد کے جہنم میں پڑے جلتے رہتے ہیں ۹/۶ تا ۹/۴۲)

## کفر چھپا کر ایمان کا اظہار کرنیوالے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں

اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں آنحضور سلامٌ علیہ کو اُس خطرناک گروہ کی خبر دی گئی ہے، جو اپنے آپ کو اللہ اور روزِ جزا کے مومن بتائیں گے۔ لیکن در پردۂ مُنکرینِ ربوبیّت سے ملے ہُوئے ہونگے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہیں، جو کہتے ہیں، ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے
وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ۝ ٨
اور ساتھ دن پچھلے کے اور نہیں وہ ایمان لانے والے ۔

اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور جزا سزا کے دن پر ایمان لائے ۔ لیکن وہ (ہرگز ہرگز) ایمان لانے والے نہیں۔

یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا
فریب دیتے ہیں اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں

وہ اللہ اور مومنوں کو (یعنی آپ کی ساتھی جماعت کو ۴۸/۲۹) دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ نہیں دھوکا

يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ ۹

فریب دیتے مگر اپنے تئیں ۔ اور نہیں سمجھتے ۔

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ

بیچ دلوں اُنکے کے بیماری ہے ۔ پس بڑھا دی اُن کی اللہ نے

مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ ۵ بِمَا

بیماری اور واسطے اُن کے عذاب ہے درد دینے والا بسبب اِس کے کہ

كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۱۰

تھے جھوٹ بولتے ۔

دیتے ،مگر اپنے آپ کو ) کیونکہ اُنہیں اس امر کا شعور ہی نہیں ( کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں ) ۔

اُن کے اذہان میں نفاق کی بیماری ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مرضِ منافقت میں ، بڑھتا ہوا پاتا ہے ۔ ( اُن کے اظہارِ منافقت ۳/۱۷۹ ) پر اُن کے لئے کہ درد ناک عذاب ( کی سزا ) ہے ۳۳/۶۱ ۔ اس لئے کہ وہ ( نظامِ ربوبیّت کی مخالفت کو چھپا کر اور ایمان کا اظہار کر کے ) جھوٹ بولتے تھے ۔

● قرآنِ کریم میں جُملہ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے حق میں بتکرار کثیر وارد ہوا ہے کہ اُن کے لئے دردناک عذاب ہے ۔ لیکن مشاہدہ اس کے بالکل برعکس ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہر طرف دندناتے پھرتے ہیں ۔ اس پر کہہ دیا جاتا ہے کہ اِنہیں قیامت کو عذاب ہوگا ۔ لیکن سورۂ نور میں ، اسلامی معاشرہ میں بے حیائی پھیلانے والوں کے لئے بالفاظِ صریح بتایا گیا ہے :۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۲۴/۱۹ = بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے اُن کے لئے دنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے ۔

اب غور فرمائیں کہ آخرت کا عذاب تو دے گا اللہ تعالیٰ ، جس نے ۱/۳ میں اپنے متعلق مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے کا اقرار لیا ہے ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیتِ بالا ، ۲۴/۱۹ کے مطابق لازم ہونے والا دُنیا کا عذاب ، یعنی مجرموں کو دُنیوی سزا کون دے گا ۔ اِس کا فیصلہ بھی سورۂ نور میں دے دیا گیا ہے کہ یہ ملکی نظام کے ذمہ ہے ۔ چنانچہ جنسی جُرم کے مُرتکب جوڑے کے متعلق ارشاد ہوا ہے :۔ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۲۴/۲ = دونوں کو الگ الگ سو سو کوڑے لگاؤ ۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۲۴/۲ = اور چاہئے کہ سزا کے وقت مومنوں کا ایک گروہ موجود ہو ۔ اب ظاہر ہے کہ یہ سرِ عام آئینی سزا حکومت ہی دیگی ، اللہ نہیں دیتا ۔

## چُھپے دشمن منافقوں کی سزا

فلہٰذا ربوبیّت کے چھپے دشمن یعنی منافقوں کو سزا دینے کا حکم ، قرآنی معاشرہ کے سربراہِ اوّل سلامٌ علیہ کو دیا گیا تھا :۔

لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لَنُغۡرِیَنَّکَ بِہِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡہَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ۚ ۖ ۝ مَّلۡعُوۡنِیۡنَ ۚ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا ۝

۶۰-۶۱/۳۳ = اگر منافق، یعنی جن کے ذہنوں میں نفاق کی بیماری ہے۔اور وہ لوگ بھی جو شہر میں غلط افواہیں اُڑانے والے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں تو اے رسول ہم آپ کو ضرور اُن کے پیچھے لگا دیں گے۔(نتیجہ یہ کہ) وُہ آپ کے پاس اِس (شہر) میں نہیں رہیں گے۔مگر تھوڑا عرصہ۔(اور وہ بھی) لعنت کئے گئے۔ذلیل وخوار۔بالآخر بھاگ جائینگے۔پھر اُن کی سزا یہ ہے کہ، جہاں بھی پائے جائیں گرفتار کر لئے جائیں۔اور اُن کا ایک ایک فرد قتل کر دیا جائے۔(عود الی المقصود):۔

## منافق فسادفی الارض کے حامی ہیں

ربوبیّتِ عالمینی کے چھپے منافقوں کے متعلق، اِس امر کی خبر دیتے ہوئے کہ وہ مفسد ہیں، اگلی دو آیتوں میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ

اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُن کے مت فساد کرو بیچ زمین کے،

قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ۝ ۱۱

کہتے ہیں سوائے اس کے نہیں ہم سنوارتے ہیں۔

اور جب اُن سے کہا جائے (کہ ناہموار نظریۂ ربوبیّت کے ساتھ) زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔تو وُہ جواب دیتے ہیں، کہ ہم تو زمین کی اصلاح کرنے والے ہیں۔(ہم عوام کے بڑے ہمدرد ہیں)

● ناہموار معاشرہ کے اربابِ اقتدار، اپنے آپ کو انسانیت کے خیرخواہ ظاہر کر کے عوام کی محنت پر خود تو عیش اُڑاتے ہیں۔اور محنت کشوں کو اُن کی محنت کے ماحصل میں سے صرف اتنا حصہ دیتے ہیں کہ وُہ اُن کی خدمت کے لئے زندہ رہ سکیں۔ حالانکہ قرآنِ کریم نے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۱/۱ کے، اوّلین اعلان میں، مساوی حقوقِ ربوبیّت کا اعلانِ عام کر رکھا ہے۔چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں مُنکرینِ ربوبیّتِ عامہ کو، جو اصلاح کے دعویدار بن کر محنت کشوں کی محنت کا ماحصل سمیٹتے چلے جاتے ہیں، مفسد قرار دیا ہے:۔

اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰکِنۡ

خبردار ہو، تحقیق وُہی ہیں فساد کرنے والے۔اور لیکن

لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ۝ ۱۲

نہیں سمجھتے

(اے رسول سلامٌ علیہ!) خبردار رہنا کہ بلاشُبہ مفسد یہی ہیں۔(جو اقرارِ ربوبیّت کے پردے میں فریب کارانہ طور سے عوام کے حقوقِ ربوبیّت غصب کرتے ہیں) لیکن اُنہیں شعور نہیں ہے۔(کہ زبانی اقرار اور عملاً انکار کی دوعملی روش ہمیشہ کے لئے چھپی نہیں رہ سکتی)

● اب آیاتِ بالا کے مطابق یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی، عوام کے خیرخواہ بن کر اصلاحِ معاشرہ اور امنِ عالم ہی کے دعویدار بنتے ہیں ۔ لیکن اِس نظام میں سرمایہ دار و مزدور، اور عوام و حُکّام کے مساوی حقوقِ ربوبیّت تسلیم ہی نہیں کئے جاتے ۔ جو مراعات سرمایہ دار و حُکّام کو مُیسّر کی جاتی ہے ۔عوام کو ہرگز نہیں دی جاتی ۔مگر قرآنِ کریم کا درسِ اوّل ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' اِس امر کا متقاضی ہے کہ بلاتمیز سرمایہ دار و مزدُور، اور حُکّام و عوام سب کے حقوقِ ربوبیّت قانوناً اور عملاً مساوی تسلیم کئے جائیں۔

آیتِ بالا، اور اگلی آیات کریمات میں، منافقوں کے حالات اِس طرح واضح کئے جارہے ہیں، جیسے کہ وُہ سامنے موجود ہیں، اور اُن کی روش سے آگاہ کیا جاتا ہے ۔ یہ ایک انتہائی بلیغ اسلوبِ بیان ہے، جس میں آنحضور سلامٌ علیہ کو اِس خطرناک گروہ کے متعلق خبردار کیا جارہا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ

اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُن کے ایمان لاؤ، جیسا ایمان لائے

النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ

لوگ کہتے ہیں کیا ، ایمان لائیں ہم جیسا ایمان لائے ہیں

السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ

بے وقوف خبردار ہو تحقیق وہی ہیں بے وقوف

وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۳

اور لیکن نہیں جانتے۔

اور جب اُن سے کہا جائے کہ ( اللہ تعالیٰ کی ربوبیّتِ عالمینی پر) اِس طرح ایمان لاؤ، جس طرح لوگ ایمان لائے ہیں۔(یعنی استحصال سے باز آجاؤ) تو کہتے ہیں، کیا ہم نظریۂ مساوات کو اُس طرح تسلیم کرلیں، جس طرح بے وقوفوں نے تسلیم کیا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتے۔ ( کہ ربوبیّتِ عامہ پر ایمان لانے والے بیوقوف نہیں ہیں، بلکہ یہ خود بیوقوف ہیں (جوعوام کے ضروریاتِ زندگی کے ان حقوقِ ربوبیّت کا انکار کرتے ہیں، جنہیں اپنے لئے محفوظ رکھا ہوا ہے )

● اس حقیقتِ ثابتہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دُنیا بھر کا ہر فساد، ظلم، چوری، چکاری، رہزنی، ڈکیتی، جیب تراشی، دھوکہ بازی، فریب دہی اور قتل و غارت وغیرہ ہر چیز کے پس منظر کو اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ ناہموار تقسیم رزق ہی کی پیداوار ہے۔ مثلاً چوری کی ابتداء بھی ناہموار تقسیم ہی سے شروع ہوتی ہے کہ محرومِ ربوبیّت افراد بھُوک سے تنگ آکر ابتداءً چھوٹی چھوٹی چوریاں شروع کرتے ہیں۔ اور اِس کی انتہاء بھی ناہموار نظریۂ تقسیم ہی کی مرہونِ منّت ہے۔ کہ کل کا اُچکّا، اور جیب تراش، جب چوری کے مال سے سرمایہ دار ہوجاتا ہے۔ تو دن دہاڑے ڈاکے مارتا پھرتا ہے، اب اُس کا جمع کردہ مال پھر موجب فساد بن کر اُس کے اور مُلکی قانون کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ اور نتیجہ یہ کہ درجنوں افراد کا قاتل اور

لاکھوں کے مال کا ڈاکو، مال کے زور سے عدالت سے بَری ہو کر پھر دندناتا پھرتا ہے۔

## ناہموار تقسیمِ رزق کے مفسدانہ نظریہ کا جواز خلوت نشین گروہ مُہیّا کرتا ہے

اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ اِن شواہد کی روشنی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ناہموار تقسیمِ رزق کے مفسدانہ نظریہ کو صحیح، اور امن پرور تسلیم کس طرح کرلیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اِس کے لئے افراد کی الگ الگ قسمت وتقدیر کی افیون کافی ہے۔ جو دوسری مذہبی جماعتوں کے علاوہ، صدیوں سے اِس امتِ مرحومہ کو بھی پلا دی گئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ افراد کی الگ الگ قسمت روزِ اوّل ہی سے لکھ دی ہے۔ گویا آقا وغلام، سرمایہ دار ومزدور، زمیندار ومزارع اور امیر وغریب کا جو فساد انگیز منظر موجود ہے، سب اللہ تعالیٰ کے، روزِ اوّل کے فیصلہ ہی کے مطابق منصۂ شہود پر جلوہ بار ہے۔ اِس لئے ہموار تقسیمِ رزق کو سرے سے دیوانہ پن قرار دے کر، ہموار نظریۂ ربوبیّت کے حاملین کو دیوانے اور بے وقوف قرار دیا جاتا اور اپنے معتقدین کو اُن سے الگ رہنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ اور جو کوئی اُن سے ملتا جلتا ہو۔ اُس سے بازپُرس کی جاتی ہے کہ مومنوں کے ہاں کیوں گئے تھے؟ چنانچہ خلوت نشینوں کی طرف سے اِس بازپُرس کی خبر بالفاظِ ذیل دی گئی ہے:۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا

اور جب ملتے ہیں اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں ۔ کہتے ہیں

اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ

ایمان لائے ہم، اور جب اکیلے ہوتے ہیں طرف سرداروں اپنوں کے،

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ

کہتے ہیں تحقیق ہم ساتھ تمہارے ہیں ۔ سوائے اس کے نہیں کہ ہم

مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ۱۴

ٹھٹھا کرتے ہیں۔

اور یہ منافق جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں (نظریۂ ربوبیّت سے گمراہ کرنے والوں) کی خلوت گاہوں میں جاتے ہیں تو (اُن کو اِس سوال کے جواب میں، کہ تم مومنوں کے پاس کیوں جاتے ہو، یہ) کہتے ہیں کہ ہم بلاشبہ تمہارے ہی ساتھ ہیں ۔ ہم تو مومنوں کو حقیر سمجھتے ہیں (کہ یہ ہیں ربوبیّتِ عامہ کے مضحکہ خیز نظریہ کے علمبردار اور روزِ ازل کی لکھی ہوئی تقدیروں کو مٹانے کے دعویدار)۔

لیکن جواباً ارشاد ہوا ہے:۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ

اللہ ٹھٹھا کرتا ہے اُن سے اور کھینچتا ہے اُن کو

اللہ تعالیٰ اُنہیں (قانونِ مشیّت کے مطابق) ذلیل کرتا اور اُن کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے۔ اور وہ اپنی سرکشی

فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ۱۵
بیچ سرکشی اُن کی کے بھٹکتے ہیں ۔

میں حیران وسرگردان ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ
یہی لوگ ہیں جنھوں نے مُول لی گمراہی
بِالۡهُدٰی ۖ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُهُمۡ
بدلے ہدایت کے ۔ پس نہ فائدہ پایا سوداگری اُن کی نے
وَمَا کَانُوۡا مُهۡتَدِیۡنَ ۱۶
اور نہ ہوئے راہ پانے والے

یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں اُنہیں اُن کی تجارت کوئی فائدہ نہیں دیتی اور وہ ہدایت پانے والے نہیں۔

## ہموار و متوازن قانون ہی مصائبِ عالم کا واحد حل ہے

● قرآنی ہموار قانون میں ہر فردِ معاشرہ جنت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اِس کے برعکس ناہموار معاشرہ کی اکثریت بنیادی ضروریاتِ زندگی، خوراک، لباس، مکان اور علاج کی محرومی کے جہنم میں جلتی رہتی ہے۔ اور سرمایہ داروں کے ہاں ملک بھر کی دولت رواں دواں پائی جاتی ہے۔لیکن اِنہیں بھی دشمن، چور، ڈاکو، بجلی، آگ، طوفان، تجارتی نقصان اور عہدہ سے برطرفی وغیرہ کی فکر دامن گیر رہتی ہے کہ اگر اِن میں سے کسی کی زد میں آ گئے تو محرومِ ربوبیّت ہو جائیں گے۔ اور خُود اِن کا بھی پرسانِ حال کوئی نہیں ہوگا۔ اب اِنہیں اتنی سمجھ بھی نہیں کہ ربوبیّتِ عامہ کے اُس ذمہ دار نظام کے بدلے جس میں جملہ حادثات کا مداوا موجود ہے یہ خریدتے کیا ہیں؟۔ خریدتے ہیں مذکورہ بالا حادثات کا خطرہ، اور اُسی قبیل کے سینکڑوں مصائب، جو چھوٹے چھوٹے خاندانوں کی خانگی شکر رنجیوں، بھائیوں بھائیوں کے جھگڑوں، باپ بیٹوں کے تنازعوں، ہمسایوں ہمسایوں کی آویزشوں، خاندانوں خاندانوں کی عداوتوں اور قبیلوں قبیلوں کی لڑائیوں میں، جہاں صرف مُکّا، چپت، اینٹ، پتھر، لاٹھی، ڈنڈا اور بندوق پستول وغیرہ کے ساتھ ہی دادِ امن دی جاتی ہے۔ لیکن اِس سے آگے بڑھیں تو ریاستوں ریاستوں اور مُلکوں مُلکوں کی جنگوں میں، جہاں توپیں، آگ اگلتی ہوئی پائی جاتی ہیں، پَیروں کے نیچے سے سرنگیں پھٹتی، اور سر کے اوپر سے نیپام بم گرتے ہیں۔ جو آنِ واحد میں لاکھوں بیگناہ شہریوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں، یہ سب کچھ اُسی تجارت کا ماحصل ہے، جو انسان نے ربوبیّتِ عامہ ؏ کے جنت بدوش، اور امنِ عالم کے حقیقی ضامن قانونِ ربوبیّت کے بدلے، ہزار ہا سال سے ناہموار و غیر متوازن قانون خریدا ہوا ہے:۔

● چنانچہ اگلی آیت میں، اصلاحِ عالم کے ان جُھوٹے دعویدار منافقوں کی مثال بیان ہوئی ہے:۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ

مثال اُن کی جیسے مثال اُس شخص کی ہے جو جلا دے آگ

فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ

پس جب روشن کیا جو کچھ گرد اُس کے تھا لے گیا اللہ

بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ

روشنی اُن کی اور چھوڑ دیا اُن کو بیچ اندھیروں کے

لَّا يُبْصِرُونَ ۝ ١٧

نہیں دیکھتے۔

اِن منافقوں (یعنی اقرار کے پردے میں انکارِ ربوبیّت کرنے والوں) کا حال، اُس شخص جیسا ہے جو (رات کے وقت جنگل میں سفر کررہا ہو۔ جنگلی درندوں سے بچنے اور راستہ معلوم کرنے کیلئے) آگ کا دِیا جلائے پھر جب وہ اُس کا اردگرد روشن کردے (تو راستہ نمایاں' اور درندوں کا خطرہ دُور ہوجائے۔ لیکن جیسے کہ کھلی فضا میں ہوا کی تیزی سے آگ بُجھ جاتی ہے) اللہ (اپنے اِس قانون کے مطابق' جب) ایسے لوگوں کی روشنی لے جائے۔ اور اُنہیں اندھیروں میں چھوڑ دے۔ (تو جس طرح آگ بجھ جانے سے راستہ گم اور درندوں کا خطرہ آموجود ہوتا ہے۔ اُسی طرح قرآنی نورِ ہدایت کو چھوڑ کر شیطانوں کی طرف لَوٹ جانے کی بدولت $\frac{۲}{۱۴}$) نہ وہ سیدھی راہ دیکھتے ہیں۔ (اور نہ معاشی درندوں کے خطرے سے محفوظ رہ سکتے ہیں)۔

● یعنی مُنافقوں کی حالت یہ بتائی گئی ہے کہ مومنوں کے پاس آتے ہیں' تو قانونِ ربوبیّت کی قندیل سے ربوبیّتِ عامہ کا صحیح راستہ نمایاں ہوجاتا ہے۔ اور جب اپنے باطل پیشواؤں کے پاس جاتے ہیں جو ناہموار تقسیمِ رزق ہی کو رضاءِ الٰہی قرار دیتے ہیں تو پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ صحیح راہ بھی آنکھوں سے اوجھل ہوجاتی ہے اور حقوقِ ربوبیّت کو غصب کرنے والے درندوں کا خطرہ بھی موجود رہتا ہے پس اِس طرح منافقوں کی دوعملی سے اُن کی رہی سہی عقل وبصیرت بھی ضائع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا

بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں

يَرْجِعُونَ ۝ ١٨

پھر آتے۔

(اس دورُخی روش کی بدولت، وہ دماغی توازن تک کھو کر اِس طرح ہوجاتے ہیں) جیسے کہ وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس (چونکہ اُن پر سرمایہ داری کے باطل نظریات کا غلبہ ہوتا ہے، اِسلئے) نظامِ ربوبیّت کی طرف نہیں لوٹتے۔

## ایک اور مثال

اس سے اگلی دو آیتوں میں، منافقوں ہی کی وضاحت کے لئے، ایک اور مثال بیان ہوئی ہے تا کہ اِس دوعملی کے شکار ہونے والوں کی حالت کھل کر سامنے آ جائے:۔

اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ
یا مانند مینہ کے آسمان سے بیچ اُس کے

ظُلُمٰتٌ وَّ رَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ يَجۡعَلُوۡنَ
اندھیرے ہیں اور گرج ہے اور بجلی ہے۔ کرتے ہیں

اَصَابِعَهُمۡ فِىۡٓ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ
انگلیاں بیچ کانوں اپنے کے کڑک سے

حَذَرَ الۡمَوۡتِ ‌ؕ وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌ ۢ
ڈر موت کے سے اور اللہ تعالیٰ گھیرنے والا ہے

بِالۡكٰفِرِيۡنَ ۱۹o
کافروں کو۔

یا اُن کا حال ایسا ہے کہ آسمان سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہو۔ اِس میں (اندھیری رات، اور کالی گھٹاؤں کے مشترکہ) اندھیرے بھی ہوں۔ ہولناک کڑک بھی، اور بجلی کی چمک بھی ہو۔ (اور یہ لوگ راستہ چلتے اِس بارش میں گھر جائیں، اور) موت کے ڈر سے، کڑک سے بچنے کے لئے اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیں (تو موت سے بچ نہیں سکتے، کیونکہ) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، انکار ربوبیّت کرنے والوں کو (اپنے قانونِ مشیّت کے ساتھ) چاروں طرف سے گھیرنے والا ہے۔ (قرآنی ضابطۂ سرمایہ داری کی موت ہے)

اِس مثال میں باطل نظاموں کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ ناہموار آئین کے اندھیروں اور اندھیر گردیوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ مصائب و آلام کی موسلا دھار بارش جاری ہے۔ دُکھیا انسانوں کی چیخ و پکار سے کان پھٹے جا رہے ہیں، ایسے میں کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لینے سے دُکھیا انسانیت کا مداوا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ضابطۂ ربوبیّت کی حالت بجلی کی سی ہے جو سرمایہ داری کے باطل نظریات پر برق بن کر گرتا ہے۔ اور ساتھ ہی اُس کی چمک کیساتھ صحیح راہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ منافق لوگ قرآنی روشنی میں چند قدم مومنوں کیساتھ چلتے ہیں، لیکن اپنی دورُخی رَوش کی بدولت، جب اپنے باطل پیشواؤں کے پاس جاتے ہیں تو پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور پھر رُک جاتے ہیں۔ اگلی آیت میں نہایت اختصار، اور انتہائی بلیغ انداز میں اِس سارے مضمون کو بالفاظِ ذیل بیان کیا ہے:۔

يَكَادُ الۡبَرۡقُ يَخۡطَفُ اَبۡصَارَهُمۡ‌ؕ
نزدیک ہے کہ بجلی اُچک لے جاوے بینائی ان کی

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِيۡهِ ۙ
جب روشنی دیتی ہے اُن کو چلتے ہیں بیچ اُس کے

قریب ہے کہ بجلی کی چمک اُن کی بینائی ضائع کر دے جب وہ چمک کر اُن کیلئے روشنی کرتی ہے، تو اُس میں (تھوڑا سا) چلتے ہیں۔ اور جب (ختم ہو کر) اندھیرا کر دیتی ہے۔ تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا (یعنی اگر اُس کا یہ

وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ
اور جب اندھیرا کرتی ہے اُوپر ان کے کھڑے ہو رہتے ہیں اور اگر
شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ
چاہے اللہ لے جاوے کان اُن کے اور
اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ
آنکھیں اُن کی۔ تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے
قَدِيْرٌ ۲۰
قادر ہے۔

قانون ہوتا، کہ وہ لوگ کانوں، آنکھوں اور دماغ سے صحیح کام نہ لیں، تو اُنکے یہ اعضاء چھین لے۔) تو وہ ایسے لوگوں کی سماعت اور بصارت وبصیرت لے جاتا۔(لیکن اُس نے ایسا قانون نہیں بنایا۔ کیونکہ قیامت کو کانوں، آنکھوں اور دماغ ہی کے متعلق تو سوال کیا جائے گا ۱۷/۳۶) بلاشُبہ اللہ تعالٰی ہر چیز کے پیمانے اور قوانین مقرر کرنے والا ہے۔

● اس آیتِ مجیدہ میں منافقین کی خطرناک دورُخی کو اِس طرح نمایاں کیا گیا ہے، جیسے کہ وہ اندھیرے میں بجلی کی چمک میں چلتے، اور اُس کے چمک چُکنے کے بعد رُک جاتے ہیں۔ یعنی جب وہ ضابطۂ خداوندی، قرآنی نُور کی طرف آتے ہیں، تو وہ اُنہیں امن وسلامتی کی منزل پر گامزن کر دیتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ اِس نُور سے مسلسل بہرہ یاب ہونے کی بجائے پھر اُن باطل پیشواؤں کی طرف لوٹ جاتے ہیں، جو سرمایہ دارانہ نظام کو رضاءِ الٰہی بتاتے ہیں، اِس لئے یہ نُور اُن سے چھن جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالٰی اُن کی اس روش کے بدلے، کہ وہ عوام کو سرمایہ داری کی چکّی میں پِستا ہوا، آنکھوں دیکھنے اور اُن کی چیخ وپکار کو کانوں سُننے کے باوجود قانونِ ربوبیّت کو تسلیم نہیں کرتے، اُن سے اُن کے کان اور آنکھیں، یعنی سماعت اور بصیرت وبصارت سلب نہیں کرتا، چھین نہیں لیتا تا کہ وہ جب بھی چاہیں، ضابطۂ خداوندی سے فیضیاب ہوسکیں۔ کیونکہ ہدایت وگمراہی میں سے کوئی راہ اختیار کرنا، انسان کے قبضۂ اختیار میں دے دیا گیا ہے۔ ۲۹/۱۸، ۱۸/۴۱، ۱۹/۴۳، ۲۹/۶، اور قیامت کو سماعت، بصیرت اور بصارت ہی کے متعلق سوال کیا جائے گا ۱۷/۳۶۔

● آیتِ بالا میں جُملہ آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ، جس کا معنی لیا جاتا ہے:۔"اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ اور اِس پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے، یہ تصوّر دیا جاتا ہے کہ خداوندِ عالم اپنے خود مقرر کردہ قوانینِ کائنات کے خلاف بھی کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور اِس سے آگے کہیں تو بلا باپ کی پیدائش، کہیں پہاڑوں کے چلنے اور بولنے، کہیں شیر خوار بچے کے کلام کرنے، اور کہیں مُردہ جانوروں کے زندہ ہوکر اُڑ جانے کا تصوّر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ جُملہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ کا مفہوم اِس سے بالکل اُلٹ ہے۔ واضح رہے کہ جہاں تک قوانینِ جاریہ کی مخالفت پر قُدرت رکھنے کا تعلق ہے۔ اللہ تعالٰی میں یہ طاقت موجود ہے کہ درختوں کے ساتھ پھلوں کی صورت میں بچے لگا سکتا ہے۔ بارش کی طرح آسمان سے برسا

سکتا ہے۔لیکن وہ اپنی اِس اسباب وعلل کی دُنیا میں، جسے اُس نے اپنے مقرر کردہ قوانین کی زنجیروں میں خود جکڑ رکھا ہے، ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ ہر کام کو اپنے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہی سرانجام فرماتا ہے کیوں؟، اِس لئے کہ وہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ ہر چیز کے لئے خود قانون بنانے والا ہے۔

لفظ قدیر مادہ ق۔د۔ر= قدر سے صفت مشبّہ ہے۔قادر اس مادہ سے اسم فاعل ہے۔اور اس مادہ کا معنٰی ہے، اندازہ کرنا پیمانہ مقرر کرنا، قانون بنانا، اور قادر قدیر کا معنٰی ہے اندازے، پیمانے، اور قانون مقرر کرنے والا۔ اِس طرح اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا معنٰی ہوا:"بےشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے غیر متبدل اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے"۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے"لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ۱۰/۶۴"= قوانینِ الٰہیہ کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔ نیز مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ ۵۰/۲۹ = میرا قول خود میری طرف سے بھی بدلا نہیں جاتا، کے مطابق اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کو نہ کوئی اور ہی بدلنے والا ہے۔اور نہ وہ خود ہی اُنہیں بدلتا ہے۔فلہٰذا جملہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا یہ معنٰی غلط ہے کہ اللہ اپنے مقرر کردہ قوانین کے خلاف بھی کرنے پر قادر ہے بلکہ قرآن وقواعد کی رُو سے صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے قوانین مقرر کرنے والا ہے۔(اور ہر کام کو اپنے مقررہ قوانین کے مطابق ہی انجام دیتا ہے۔)

## اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ کی تفسیر،تصریفِ آیات کیساتھ

جنگِ بدر میں فتح ہوئی اور جنگِ اُحد میں شکست ۳/۱۲۳، ۳/۱۶۵۔ان ہر دو فتح وشکست کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ ہمارے قانون کے مطابق ہی ہوئی تھیں۔کیونکہ ہم عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہر چیز کے پیمانے مقرر کرنے والے ہیں۔جنگِ اُحد کی شکست کے متعلق صحابہؓ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:۔ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا ؕ قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ۳/۱۶۵ =اور کیا جس وقت تمہیں شکست کی مصیبت آئی، تحقیق اِس سے دوگنی شکست تم اُنہیں دے چکے ہو تم نے کہا کہ یہ شکست کہاں سے آگئی؟ اے رسول سلامٌ علیہ کہہ دیجئے گا کہ وہ تمہاری اپنی ہی طرف سے تھی۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ (فتح وشکست سمیت) ہر چیز کے قانون مقرر کرنے والا ہے۔

● دیکھئے اس آیتِ مجیدہ میں جملہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جب صحابہؓ کا عمل ہمارے فتح والے قانون کے مطابق تھا، تو فتح ہوگئی اور جب اُن کا عمل شکست والے قانون کے مطابق ہُوا تو شکست ہوگئی۔ کیونکہ ہم نے ہر چیز کے قانون بنا دیئے ہوئے ہیں۔ہم عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہیں۔

## نوعِ آدم کے نام قرآنِ کریم کا اوّلین خطاب

سُورہ بقرہ کی آیت نمبر ا سے ۲۰ تک آنحضور سلامٌ علیہ کے نام مومنوں ، کافروں ، اور منافقوں سے متعلقہ ضروری ہدایات جاری کرنے کے بعد نوعِ آدم سے اوّلین خطاب فرمایا ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ
اے لوگو ! عبادت کرو پروردگار اپنے کی جس نے
خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
پیدا کیا تم کو اور اُن کو جو پہلے تم سے تھے تو کہ
تَتَّقُوْنَ ۙ ۲۱
تم بچو۔

اے نوعِ انسانی! اپنے ربوبیّت کا سامان مہیا کرنیوالے کے فرمانبردار بن جاؤ۔ جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور اُنہیں بھی پیدا کیا ہے، جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں۔ (اور یہ خالص فرمانبرداری کا حکم اِس لئے دیا گیا ہے) تا کہ تم (دنیا اور آخرت کے عذاب سے) بچ جاؤ۔

الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا
جس نے کیا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا
وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
اور آسمان کو چھت اور اُتارا آسمان سے
مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا
پانی پس نکالا ساتھ اُس کے پھلوں سے رزق
لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا
واسطے تمہارے پس مت مقرر کرو واسطے اللہ کے شریک
وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۲۲
اور تم تو جانتے بوجھتے ہو۔

وہ تمہارا پروردگار ہی تو ہے، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش، اور آسمان (یعنی فضا) کو بناءِ (ربوبیّت) بنایا ہے (کہ بارشیں جو اصلِ ربوبیّت ہیں' آسمان ہی سے برستی ہیں) اِس طرح وہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر اُس پانی کے ساتھ ،تم سب (یعنی تمہارے ایک ایک فرد ۲/۲۹) کیلئے میووں کے رزق پیدا کرتا ہے۔ (پس یاد رکھو کہ یہ پُورا نظام کائنات خالص اللہ تعالیٰ کا ہے) تم اس میں غیر اللہ کو شریک نہ کر لینا حالانکہ (کائنات و نظامِ کائنات میں کسی بھی غیر اللہ کی عدم شرکت اِس طرح نمایاں ہے کہ اِسے) تم خوب جانتے ہو۔

## لفظِ ندّ کی لُغوی تحقیق

لفظ ندّ کا سہ حرفی مادہ ہے ن۔د۔د۔ اس کا بنیادی معنٰی ہے کسی کی مثل اور نظیر۔ لیکن اِس مماثلت میں قرآنِ کریم نے جو تخصیص بتائی ہے وہ انتہائی اہم ہے۔ یہ مادہ سورہ بقر میں صرف دو مرتبہ آیا ہے۔ ایک مقام تو ۲/۲۲ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اِن صفاتِ مخصوصہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ

الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّکُمْ ج ۲/۲۲ = (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) اوران صفاتِ مخصوصہ کی وضاحت کے بعدارشاد ہوا ہے۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا. ۲/۲۲

● اور دُوسرے مقام پر اِنہی صفات کو اورزیادہ وضاحت کے ساتھ بالفاظِ ذیل بیان کر کے ندّ اور انداد کی وضاحت کردی گئی ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ o ۲/۱۶۴

بے شک آسمانوں اورزمین کی پیدائش میں، اوردن رات کے بدل بدل کرآنے میں، اورکشتیوں میں، جولوگوں کوفائدہ پہنچانے کیلئے سمندر میں چلتی ہیں، اوراُس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ فضا سے نازل کرتا ہے۔اوراُس کے ساتھ مُردہ زمین کو زندہ کرنے میں ، اوراللہ تعالیٰ کے، زمین میں ہرقسم کے جانداروں کو پھیلا دینے میں، اور ہواؤں کے رخ بدل بدل کر چلانے، اورزمین وآسمان کے درمیان بادلوں کو مسخر کرنے میں عقل مندوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں...... سامانِ ربوبیّت کی اِس وضاحت کے بعدارشاد ہوا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللّٰهِ ۲/۱۶۵ =لیکن لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جوصفاتِ بالا کے مالک اللہ کے ساتھ اَوروں کو انداد (اِن صفات میں مثل ونظیر) ٹھہراتے ہیں۔اوراُن کے ساتھ اُس انداز سے محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ کے ساتھ کی جاتی ہے۔

فلہٰذا قرآنی لُغت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نظامِ کائنات میں کسی بھی غیر اللہ کو شریک کرنا، اوراس کے حکموں کو بلاسند قرآنی، بلاچون وچرا تسلیم کرنا، جس طرح کہ اللہ کے حکموں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا فرض ہے، اللہ کے ندّ ٹھہرانا ہے۔

## عنوانِ ربوبیّت بدستُور جاری ہے

آیتِ مجیدہ زیرِ بحث ۲/۲۲ کے جملہ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّکُم میں رِزْقًا لَّکُمْ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں، جن میں اِس امر کی وضاحت کردی گئی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے اوّلین درس میں ربوبیّتِ عالمینی کے جس عنوان کو شروع کیا گیا ہے وہ بدستور جاری ہے۔اِس سلسلے میں یادرکھو کہ دکھی انسانیت کے دکھوں کا مداوا رِزْقًا لَّکُم کے الفاظ میں اجاگر کر دیا گیا ہے۔ لَکُم جارمجرور میں آمدہ کُمْ ضمیر جمع مخاطب کا مرجع ۲/۲۱ میں مذکور اَلنَّاس یعنی پوری نوعِ انسانی ہے۔

یعنی واضح کردیا گیا ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والا پُورے کا پُورا رزق پوری کی پُوری نوعِ انسانی کیلئے ہے۔

عربی دان حضرات سے مخفی نہیں کہ کُـــم ضمیر جمع مخاطب کے دائرہ میں پُوری کی پُوری نوعِ انسانی داخل ہے۔ کیونکہ اس ضمیر جمع مخاطب کا مرجع اَلنّاس ہے۔ فلہٰذا اِن الفاظ میں دُکھیا انسانیت کے تمام تر مصائب و آلام کا واحد حل بتادیا گیا ہے کہ زمین سے جتنا بھی رزق پیدا ہو، وہ سارے کا سارا، ساری کی ساری نوعِ انسانی کا مساوی حق تسلیم کیا جائے۔ اور اُسکی مساوی تقسیم کی جائے۔

## عالمگیر، یا جداگانہ نظامِ ربوبیّت

نیز واضح رہے کہ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ کے الفاظ میں صراحت کردی گئی ہے کہ پُورا کرۂ ارض، ایک ریاست، ایک سلطنت اور ایک ہی نظام کے ماتحت ہونا چاہئے جس میں پُوری پیداوار کو پُوری آبادی پر مساویانہ انداز سے تقسیم کیا جانا رضاءِ خداوندی ہے۔ یاد رہے کہ آج پُوری زمین ایک شہر کی سی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ کہ سیلاب مشرق میں آئے تو فوری امداد مغرب سے پہنچ جاتی ہے۔ اور زلزلہ مغرب میں آئے تو مدد مشرق سے آجاتی ہے۔ اسی طرح وہ دن دُور نہیں کہ کرۂ ارض یقیناً یقیناً ایک گھر اور ایک کنبہ کی صورت اختیار کر جائے گا۔ پس الٰہی فیصلہ یہ ہے کہ زمین بھی اللہ کی اور مخلوق بھی اللہ کی، لہٰذا چاہئے کہ پُوری زمین ایک گھر ہو اور پُوری نوعِ انسانی ایک خاندان۔ لیکن جب تک زمین پر قبضہ مخالفانہ کی الگ الگ لکیریں کھچی ہوئی ہیں اُس عبُوری دَور کیلئے لازم ہے کہ الگ الگ نظاموں کی اساس بھی نظریۂ ربوبیّت پر قائم کی جائے۔ جیسے کہ آنحضور سلامٌ علیہ نے اِسی بنیاد پر اوّلین قرآنی ریاست قائم فرمائی تھی۔ تاریخِ رسالت وخلافت میں اگرچہ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کو درآمدی انداز سے داخل کیا گیا ہے۔ تاہم سیّدِ رسالتمآب سلامٌ علیہ اور پہلی دو خلافتوں میں سربراہِ ریاست اور عوام کو ربوبیّت کی ایک ہی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے۔ بس یہی ہے رضاءِ الٰہی، سنّتِ رسول، آثارِ صحابہؓ اور یہی ہے امنِ عالم کا علمبردار ''الاسلام''۔

## قرآنِ کریم پر غیر منزّل منَ اللہ ہونے کا شُبہ

نوعِ انسانی پر لامحدُود مُدّت سے ناہموار تقسیمِ رزق اور الگ الگ ناہموار قسمتوں کا باطل نظریۂ غالب چلا آرہا ہے۔ جب کبھی بھی ہموار تقسیمِ رزق کا نظریہ پیش کیا جائے۔ تو ناہموار تقسیمِ رزق کو اللہ تعالیٰ کی تقسیم بتا کر نظریۂ ربوبیّت عامہ کا انکار کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح اپنے مانے ہوئے نظریۂ تقدیر کے مطابق تحریکِ ربوبیّت کے منشور پر مخاطبینِ قرآن کا شُبہ کرنا ناگُزیر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب خود لوگوں کی الگ الگ ناہموار قسمتیں روزِ اوّل سے لکھی ہوئی ہیں۔ تو ہموار ربوبیّت کا منشور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو ہی نہیں سکتا، اِس سوال کا جواب اگلی آیتوں میں پہلے ہی دے دیا گیا ہے:۔

## وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا

اور اگر ہوتم بیچ شک کے اُس چیز سے کہ اُتاری ہے ہم نے

اور ہم نے اپنے بندے پر جو (اپنا ضابطہ) نازل کیا ہے۔ اگر تم اِس کے متعلق شک میں ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی

عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ۪
اوپر بندے اپنے کے پس لے آؤ ایک سورت مانند اس کے
وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
اور پکارو شاہدوں اپنوں کو سوائے اللہ کے
اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○ ۲۳
اگر ہو تم سچے۔

طرف سے ہے یا نہیں، تو پھر اگر تم شک کرنے میں سچے ہو تو تم بھی اِس جیسی ایک سورت (اس جیسا ایک قانون) بنا لاؤ اور اُس کی (ترتیب و تدوین کے لئے) اللہ کے سِوا، اپنے تمام مددگاروں کو بھی بلا لو۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا
پس اگر نہ کرو گے تم اور ہر گز نہ کرو گے تم
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا
پس ڈرو اُس آگ سے جو ایندھن اس کا
النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ
آدمی ہیں اور پتھر تیار کی گئی ہے
لِلۡكٰفِرِيۡنَ ○ ۲۴
واسطے کافروں کے

پس اگر تم ایسا نہ کرسکو اور بگوشِ ہوش سُن لو کہ تم ایسا ہرگز ہرگز نہ کرسکو گے۔ تو پھر (قرآنی منشور پر عمل کر کے) اِس آگ سے بچو، کہ انسان (یعنی مِل جُل کر کام کرنے والے عوام مزدور) بھی اِس کا ایندھن ہیں اور پتھر (یعنی پتھر دل افرادِ عوام کے حقوقِ ربوبیّت کو غصب کر کے اُن کی محنت کا ماحصل وصول کرنے والے) بھی اِس میں جلتے رہتے ہیں۔ یہ آگ نظریۂ ربوبیّت کا انکار کرنے والوں کے لئے (خود ان کی اپنی طرف سے) تیار کی گئی ہے۔

**اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ** ۲/۲۴ اس جُملہ میں اُعِدَّتۡ فعل ماضی مجہول مَالَمۡ یُسَمّٰی فَاعِلُهٗ ہے۔ یعنی اِس کا فاعل مذکور نہیں۔ اب قرآنِ کریم کی روشنی میں اس کا فاعل اللہ تعالیٰ کو ہرگز ہرگز نہیں ٹھہرایا جا سکتا، کیونکہ اِس ضمن میں اُس کا فیصلہ قطعی ہے۔

● اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـئًا وَّ لٰـكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ○ ۱۰/۴۴ = بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرّہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، بلکہ، لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں۔ المختصر ۲/۲۴ میں ناہموار جہنمی معاشرہ کو آگ کہا گیا ہے۔ جو نوعِ انسانی غلط اور ناہموار نظام قائم کر کے خود دہکا لیتی ہے۔ اور اس میں عوام و حُکّام اور مزدور و سرمایہ دار سب پڑے جلتے رہتے ہیں۔

**جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ** اِس سے اگلی آیت میں مومنینِ ربوبیّت کے متعلق آنحضور سلام علیہ کو حکم ہوتا ہے کہ اُنہیں ایسے باغوں کی خوشخبری دیجئے گا، جن

کی سطح میں نہریں بہتی ہوں گی:۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
اور خوشخبری دے اُن لوگوں کو کہ ایمان لائے اور کام کئے
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
اچھے یہ کہ واسطے اُن کے بہشتیں ہیں چلتی ہیں
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا
نیچے اُن کے سے نہریں جب دیئے جاویں گے اس میں سے
مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا لا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ
میووں سے رزق کہیں گے یہ وہ چیز ہے جو
رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ط
دیئے گئے تھے ہم پہلے اس سے اور لائے جاوینگے مشابہ ایک دوسرے کے۔
وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ قلے وَّهُمْ
اور واسطے اُنکے بیچ اُنکے بی بیاں ہیں پاک کی ہوئی اور وہ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥ ٢٥
بیچ اُس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اے رسول سلام علیہ! جو لوگ (ہمارے نازل کردہ ضابطے پر) ایمان لائیں اور اعمالِ صالحہ بجالائیں۔ آپ اُنہیں ایسے باغوں کی خوشخبری دے دیجئے گا۔ جن میں نہریں بہتی ہونگی جب اُنہیں ان کے میووں سے رزق دیا جائے گا (یعنی ایک جیسی با عزت روٹی ملے گی (۸/۴، ۸/۷، ۲۲/۵۰، ۲۴/۲۶) تو وہ کہیں گے کہ یہی رزق ہے جو ہمیں اِس سے پہلے دیا جاتا تھا۔ (یہ ٹھیک ہے کہ رزق تو وہی ہوگا جو ناہموار معاشرہ میں غیر متوازن میسر آتا ہے) لیکن جنتی معاشرہ میں سب کو متشابھاً (یعنی ایک جیسا ہموار ومتوازن) دیا جائے گا اور اُس (جنتی معاشرہ) میں اُن کے سب ساتھی پاکیزہ ہونگے۔ اور وہ پاکیزہ لوگ ہی اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

● واضح رہے کہ "جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" ایک قرآنی اصطلاح ہے، جو عوامی ضروریاتِ زندگی کے ضامن معاشرہ کے لئے بھی آتی ہے اِس کا لفظی مفہوم ہے، ایسے باغات جو خشک سالی اور خزاں کے خطرہ سے اِس طرح محفوظ ہوں کہ نہریں خُود اُن کے اندر بہہ رہی ہوں روایات کا تاثر یہ ہے کہ یہ اگلی زندگی ہی میں مُیسّر آئیں گے لیکن ۵/۱۲ میں بنی اسرائیل کے متعلق بالفاظ ذیل خبر دی گئی ہے کہ اُنہیں یہ جنّٰت اِس دنیا میں بھی عطا فرمائی گئی تھیں، جو اُن سے اُن کی نافرمانیوں کی بدولت چھن گئیں:۔ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج ۵/۱۲ = اگر تم اپنی قولی صلوٰۃ کو عملاً قائم کرتے رہے۔ اور کمزوروں کی پرورش کے لئے مال دیتے رہے (زکوٰۃ) میرے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور اُن کی مدد کرتے رہے۔ یعنی اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے رہے تو میں ضرور تمہاری

بدحالیاں دُور کردوں گا۔اور تمہیں ضرور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کی سطح میں نہریں بہتی ہوں گی۔

● غور فرمائیے گا! یہ دُنیوی جنّت کی خوشخبری دی جارہی ہے۔کیونکہ اُخروی جنت میں، اہلِ جنت کے کفر کرنے، اور جنت کے چھن جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ اُن جنّٰتٍ کے متعلق، جو بنی اسرائیل کو دی گئیں تھیں، ارشاد ہوتا ہے۔فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ۵/۱۲ پھر جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ میں داخلہ کے بعد، تم میں سے جو کوئی کفر کریگا۔وہ متوازن راستے سے بہک جائیگا۔اِس کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بنی اسرائیل کو یہ جنّت اس دنیا میں عطا ہوئیں یا نہ؟......اِس کا جواب فرعون اور اُس کے لشکروں کو غرق کرنے کے تذکرہ میں دیا گیا ہے:۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْيَمِّ .....وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ ۷/۱۳۶-۱۳۷ =ہم نے اُنہیں سمندر میں غرق کردیا۔اور اُن کا وارث اُس قوم کو بنایا جسے کمزور کردیا گیا تھا۔ ۲۶/۵۷ میں آیا ہے: فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ط وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۝ ۲۶/۵۷-۵۹ = اور ہم نے اُنہیں لدے باغوں، بہتے چشموں، بھرے خزانوں اور نفیس محلات سے نکال دیا۔ ایسا ہی ہوا اور اُن چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنادیا۔یہ تھیں وُہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جن میں حضرت موسیٰ نے سب کے لئے رزق کا متشابہاً، یعنی ہموار نظام قائم کیا۔لیکن آپ کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی بدولت چھن گئیں: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ ۵/۱۳ = پھر اُن کے وعدہ توڑ دینے کی بدولت ہم اُن سے بیزار ہوگئے۔نقضِ میثاق کی تفسیر اگلے الفاظ میں کردی گئی ہے:۔ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ج ۵/۱۳ =اور اُنہوں نے اپنے اُس حصہ (متشابہاً یعنی سب کی مثل و مانند) کو بھلا دیا، جس کی وہ نصیحت کئے گئے تھے۔اب حقیقتِ حال نکھر کر عیاں ہوچکی ہے کہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ ...... الخ ایک قرآنی اصطلاح ہے۔یعنی وہ معاشرہ، جو مساوی تقسیمِ رزق کی بنیادوں پر دُنیا میں، خود انسان کے اپنے ہاتھوں سے قائم ہوتا ہے۔اور جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جائے گا۔

## قرآنِ کریم کا اسلوبِ تمثیلات

۲/۱۷-۱۸ اور ۲/۱۹-۲۰ میں منافقوں پر دو مثالیں لائی گئی ہیں، جنگل میں آگ جلانے، اور بارش کڑک اور بجلی میں گھِر جانے والوں کی اور ۲/۲۵ میں جَنّٰتٍ تَجْرِیْ ...... الخ کی اصطلاح ہموار و متوازن معاشرہ کے لئے بطورِ مثال لائی گئی ہے۔تمثیلات کے اِس اسلوب پر، اعتراض کیا جاسکتا ہے۔کہ کلامِ ربّانی میں ایسی مثالوں کی کیا ضرورت؟ اِس کا جواب اگلی آیتِ مجیدہ میں ساتھ ہی دے دیا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْیٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ<br>تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا یہ کہ بیان کرے | بے شک اللہ تعالیٰ نہیں جھجکتا کہ وہ (کسی امر کی وضاحت کے لئے ادنیٰ سے) مچھر، یا اس سے بھی بڑھ کر، |

مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا
مثال کوئی سی مچھر کی یا اُوپر اس کے ہے پس جو
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
لوگ کہ ایمان لائے پس جانتے ہیں کہ وہ سچ ہے
رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ
پروردگار اُن کے کی طرف سے اور جو لوگ کہ کافر ہوئے پس کہتے ہیں
مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ
کیا چاہا ہے اللہ نے ساتھ اُسکے مثال لانا گمراہ کرتا ہے ساتھ اس کے
كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ
بہتوں کو اور راہ دکھاتا ہے ساتھ اسکے بہتوں کو اور نہیں گمراہ کرتا
بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ ٢٦
ساتھ اس کے مگر فاسقوں کو۔

کسی انتہائی حقیر چیز کی مثال بیان کرے، جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ اسلوبِ بیان اُن کے رب کی طرف سے حق ہے۔ (کیونکہ قرآن پیغام ہے بندوں کے نام، جن کی روزمرہ کی گفتگو حقیقت و مجاز اور استعارات وتشبیہات کے علاوہ، تمثیلات سے بھی معمور ہے) لیکن اِس ضابطے کا انکار کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا اسلوبِ بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اِس حقیر مثال کا ارادہ کیا ہے۔ قرآنِ کریم کے اِسی اسلوبِ بیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہ پاتا ہے (یعنی وہ اِس سے خود گمراہ ہوجاتے ہیں) اور بہت سوں کو ہدایت یافتہ پاتا ہے (یعنی وہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں) اور نہیں گمراہ پاتا، مگر فاسقوں کو (یعنی حُدودِ خداوندی سے نکل جانے والوں کو)

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ
اور جو لوگ کہ توڑتے ہیں قول اللہ تعالیٰ کا
بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ
پیچھے مضبوطی اس کی کے اور توڑتے ہیں جو حکم کیا اللہ تعالیٰ نے
بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى
ساتھ اس کے یہ کہ ملایا جاوے اور بگاڑ کرتے ہیں بیچ
الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ٢٧
زمین کے یہ لوگ وُہی ہیں ٹوٹا پانے والے۔

جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیئے گئے پکے وعدے (یعنی قرآنِ کریم کے درسِ اوّل کے میثاقِ ربوبیّت ہی) کو توڑ دیتے ہیں اور (وعدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے مطابق، جو عبادت واستعانت کے) اتصال کا حکم دیا گیا ہے اُنہیں ایک دوسرے سے جُدا کردیتے ہیں۔ (یعنی نماز پڑھتے ہیں اللہ کی، اور مدد مانگتے ہیں غیر اللہ سے) اور (اس طرح) زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔ (یہ عنوان ۱۳/۲۰ تا ۲۵ میں بھی دیکھئے)

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ

اِن الفاظ میں قرآن فہمی کے تحت جن چیزوں کو ایک دوسری سے جُدا کرنے کو فساد کہا گیا ہے، خود قرانِ کریم کی رُو سے اِن میں تین چیزیں سرفہرست ہیں:۔

ا۔ **عبادت واستعانت میں وصل:** اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کے الفاظ میں وعدہ لیا گیا ہے کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی کریں گے اور مدد بھی اُسی سے مانگیں گے۔ یہاں پر یہ امر قابل غور ہے' کہ آیتِ بالا کی خبر کے مطابق' عبادت واستعانت میں جُدائی کرنا موجبِ فساد بتایا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ غیراللہ بزرگوں کو حاجت روا ٹھہرا کر اُن سے مدد مُرادیں مانگنے کے عقیدے میں' یہ چیز بدرجۂ اُتم موجود ہے۔ کہ ہر گروہ اپنے اپنے ٹھہرائے ہوئے حاجت رواؤں کو افضل اور دُوسروں کے ٹھہرائے ہوؤں کو ناقص قرار دیتا ہے۔اور اس طرح اُس دائمی فساد کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے جو فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں صدیوں سے کرۂ ارض پر چھایا ہوا ہے۔قرآنِ کریم نے اپنی اوّلین سورت ہی میں اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کے الفاظ میں، غیراللہ سے مدد مُرادیں مانگنے کی رسی ہی کاٹ کر رکھ دی ہے اور ۲۲/۷۳ میں اعلان کر رکھا ہے کہ لوگو! جن سے تم مُرادیں مانگتے ہو وُہ سب مل کر بھی ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ مکھی جو کچھ اُن سے چھین کر لے جاتی ہے، واپس نہیں لے سکتے۔

۲۔ **محکمات اور متشابہات میں وصل:** ۳/۷ میں بتایا گیا ہے کہ قرآنِ کریم میں آیات محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی، متشابہات چونکہ محکمات کی مثل و مانند ہیں' اِس لئے اِنہیں ایک دوسری سے جُدا کر کے متشابہات کا مفہوم محکمات کے خلاف اخذ کرنا بھی موجبِ فساد ہے۔ اِسکے ضمن میں مسلمانوں کی داخلی فرقہ بندی اِسکے عدم اتصال کی مرہونِ منّت ہے۔

۳۔ **سُورہ فاتحہ اور قرآن میں وصل:**۔ ۱۵/۸۷ میں خبر دی گئی ہے کہ سورہ فاتحہ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ ہے۔یعنی یہ قرآنِ کریم کے سات دُہرائے ہوئے عنوانات ہیں۔ فلہٰذا لازم ہے کہ سُورہ فاتحہ اور قرآنِ عظیم کا باہم اتصال قائم رکھا جائے۔یعنی قرآنِ کریم کے کسی مقام کو بھی سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ سے جُدا کر کے اُس کا مخالف ٹھہرانا بھی موجب فساد ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار ممکن نہیں

طریقۂ فہمِ قرآن اور قرآن کے اسلوبِ بیان کی مندرجہ بالا وضاحت کے بعد ربوبیّتِ عامہ کی طرف رخ کرنے سے پہلے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کرنے والوں کو مخاطب کیا گیا ہے:۔

كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا

کیونکر کفر کرتے ہو ساتھ اللہ کے اور تھے تم مُردے ۔

فَاَحۡيَاكُمۡ ۚ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ

پس جلایا تم کو پھر مُردہ کرے گا تم کو پھر جلا دے گا تم کو

تم اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اِنکار کس طرح کر سکتے ہو جبکہ (تم خود آپ ہی اُس کی ہستی کی ایسی دلیل ہو' جس کا انکار تم کر ہی نہیں سکتے۔ ایک وقت تھا کہ جب) تم موجود نہیں تھے پھر اُس نے (اپنے قانون کے مطابق) تمہیں زندگی

ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۲۸
پھر طرف اُسی کی پھر جاؤ گے ۔

عطا فرمائی ، پھر تمہیں موت دے گا پھر تم (اعمال کی جوابدہی کے لئے) اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

● آیتِ بالا میں درج حقیقت سے منکرینِ خُداوندی کو مطلقاً مجالِ انکار نہیں۔ کیونکہ یقیناً یقیناً وہ پیدائش سے پہلے موجود نہیں تھے۔ پھر وہ پیدا ہوئے، پھر بچپن جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کر کے یقیناً مر جائیں گے۔ اِس طرح آیتِ بالا میں دلیل یہ لائی گئی ہے کہ جس ذاتِ مقدّس کے طبعی قوانین کی زنجیروں میں تم اِس طرح جکڑے ہوئے ہو کہ نکل ہی نہیں سکتے۔ اُس ہستی کے انکار کے کیا معنی؟ یا تو اِن قوانین کی گرفت سے آزاد ہو کر دکھاؤ کہ نہ بچپن جوانی میں تبدیل ہونے پائے۔ نہ جوانی بڑھاپے کی گود میں جائے' اور نہ زندگی موت کی گرفت میں آسکے اور یا بصمیمِ قلب مان لو کہ ایک ورآءُ الوراہستی کا وجود موجود ہے جس کے طبعی قوانین کی گرفت سے کوئی چیز بھی آزاد نہیں، اُسے تم اللہ کہو یا ربّ، ایشور کہو یا پر ماتما، گاڈ کہو یا نیچر وُہ ہے اور ضرور ہے۔

## زمین کی ہر چیز، پُوری نوعِ انسانی کی مساویانہ ضروریات کیلئے پیدا کی گئی ہے

اِس طرح اپنی ہستی کی اِس لاجواب دلیل کے بعد اگلی آیتِ مقدّسہ میں نفسِ مضمون' یعنی ربوبیّتِ عامہ کے بنیادی عنوان کی طرف رُخ کرتے ہوئے متوازن تقسیمِ رزق کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ، اے نوعِ انسانی زمین کی ایک ایک چیز تم سب کی مساویانہ ضروریاتِ زندگی کے لئے پیدا کی گئی ہے:۔

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ لَـكُمۡ مَّا فِى
وُہی ہے جس نے پیدا کیا واسطے تمہارے جو کچھ بیچ
الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى
زمین کے ہے سارا پھر قصد کیا طرف
السَّمَآءِ فَسَوّٰٮهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ‌ؕ
آسمان کے پس درست کیا ان کو سات آسمان
وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۲۹ ع ۳
اور وہ سب چیز کو جاننے والا ہے۔

اے نوعِ انسانی! وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ سارے کا سارا تم سب کے لئے پیدا کیا ہے۔ پھر اُس نے فضا کو درست کرنا چاہا تو، اُس کی طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ۸۴/۱۹' بہت سی بلندیاں بنا کر درست کر دیں۔ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (کہ وہ الگ الگ کس کام کے لئے بنائی گئی ہے)۔

● اس آیت میں دو چیزیں قابلِ غور ہیں۔ پہلی یہ کہ ہم نے سبع سمٰوات کا سات نہیں' بلکہ بہت سی بلندیاں معنٰی لیا ہے

واضح رہے کہ سبعہ اور سبعین کے الفاظ عربی ادب میں مبالغہ کیلئے بھی آتے ہیں۔ جیسے کہ قرآنِ کریم ۹/۸۰ میں سبعین ، بمعنی ستّر کا عدد بھی مبالغہ کیلئے استعمال ہوا ہے:۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۔ دیکھئے! یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ آپ منافقوں کیلئے ستر بار مغفرت مانگیں گے، تو پھر ہم نہیں بخشیں گے اور اکہتر بار مانگیں گے تو بخش دیں گے۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اگر آپ لاکھوں کروڑوں اور اربوں کھربوں ان گنت مرتبہ بھی اُن کیلئے مغفرت طلب کریں گے تو پھر بھی ہم معاف نہیں کریں گے۔ یہ تو ہوا عدد سبعین کا معاملہ۔ اسی طرح سبع سمٰوات کے لفظ کو جب مشاہدات کی کسوٹی پر کس کر دیکھیں، تو ثابت ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم نے سبع کے عدد کو بھی مبالغہ کیلئے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ اگر سماء یعنی فضاء کے صرف سات طبقے تسلیم کئے جائیں تو مشاہدہ معارض ہے۔ جیسے کہ حالیہ آسمانی سفروں نے ثابت کر دیا ہے کہ ہر سماء یعنی (فضا) میں ایک کُرّے کی کششِ ثقل موجود ہے۔ اور اس کے بعد ایک خلا ہے۔ جہاں نہ نچلے کُرّہ کی کشش پائی جاتی ہے، نہ اوپر والے کی۔ اِس طرح ثابت ہوا کہ ہر سماء کے بعد ایک خلاء ہے اور ہر خلاء کے بعد ایک سماء۔ اب چونکہ ہر سماء ایک کُرّے کی کششِ ثقل سے بنتا ہے۔ اور کُرّوں کی تعداد چونکہ سات نہیں بلکہ اَن گنت ہے۔ کیونکہ ہر ستارہ ایک کُرّہ ہے۔ پس ثابت ہوا ہے کہ عربی ادب میں لفظ سبع کے دامن میں اتنی وسعت موجود ہے کہ اپنے اندر اَن گنت فضاؤں اور خلاؤں کو سمیٹ سکتا ہے۔

● دوسری چیز غور طلب یہ ہے کہ اِس آیتِ مجیدہ میں خَلَقَ لَكُمْ کی ضمیر جمع كُمْ کا مرجع اَلنَّاس ہے جس سے کسی فردِ انسانی کو خارج نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ وہ معاشرہ کی خود ساختہ غلط تقسیم کا کوئی اعلیٰ فرد ہو یا ادنیٰ۔ اور ساتھ ہی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا میں، زمین کی پیداوار پر لفظ جَمِيْعًا وارد ہوا ہے۔ اِس طرح الفاظ كُمْ اور جَمِيْعًا کی حاکمیّت نے ثابت کر رکھا ہے کہ آیتِ بالا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے، یعنی اِس کے قانون کی رُو سے زمین کی ہر چیز پر ہر فردِ انسانی کا مساوی پیدائشی حق قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی ہے نظریۂ ربوبیّتِ عامہ، جس کا اعلان قرآنِ کریم کے درسِ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o میں موجود ہے۔

## تقسیمِ رزق کا مسئلہ

● اِس خداوندی فیصلے کے بعد، اب سوال آتا ہے، مساوی تقسیمِ رزق کا۔ یاد رہے کہ جب تک زمین پر نوعِ آدم کی آبادی کم، اور ضرورتیں مختصر تھیں، جب تک وہ پہاڑوں کی

غاروں میں رہتے تھے۔ اُس وقت تک جنگل کے خودرَو پھل اُن کی خوراک تھے۔ پُورا کرۂ ارض اللہ تعالیٰ کا بچھا ہُوا دستر خوان اور بہتے چشمے مشروبات تھے۔ ہر فرد نعماءِ خداوندی سے حسبِ ضرورت، ہموار و متوازن انداز کے ساتھ بہرہ یاب ہوتا تھا۔ لیکن جب آبادی بڑھی بستیاں آباد ہوئیں، ریاستی نظام قائم ہوا۔ اور رزق کے سرچشمے بالا دستوں کے قبضے میں آئے۔ تو توازن قائم نہ رہا۔ جیسے کہ آج آبادی اور ضروریاتِ زندگی بڑھ چکی ہیں۔ زراعتی، صنعتی، اور معدنی پیداوار، یعنی رزق کے سرچشموں پر افرادِ متعلقہ کا قبضہ ہے۔ جس کی بدولت ہر بالا دست ہر زیر دست انسان کو انسان نہیں بلکہ حیوان سمجھتا ہے۔ عوام کو ضروریاتِ زندگی کا ہموار و متوازن حق، قانوناً میسر نہیں۔ متوازن حقِ ربوبیّت کے مسئلہ کو، اگلی آیتِ مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے اِس نوعِ انسانی کی ابتدائی پیدائش، یعنی اُس وقت سے شروع کیا ہے۔ جب حضرتِ انسان کے سوا کائنات کی سب چیزیں ٹھوس مائع گیس پیدا ہو چکی' اور بیکار پڑی تھیں۔ اُس وقت پوری کائنات بزبانِ حال کہہ رہی تھی کہ اِن چیزوں کو استعمال کرنے والا ہنوز پیدا کیا جانے والا ہے۔ اور چونکہ اشیاءِ کائنات صرف اور صرف نوعِ انسانی کے استعمال کی چیزیں ہیں ۲/۲۹' اِسلئے اِن پر بلاتمیز پوری نوع کا مساوی حق ہے۔ اور انسان کو چونکہ سب کے بعد پیدا فرمایا گیا۔ اور زمین میں حاکم ٹھہرایا گیا ہے، اِسلئے اسے خلیفہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ لفظ خلیفہ مادہ خلف سے ہے۔ جس کا معنیٰ پیچھے اور پیچھے آنے والا بھی ہے اور حاکم بھی۔ اخلاف و اسلاف عام مستعمل الفاظ ہیں، اخلاف پیچھے آنے والے اور اسلاف پہلے گزرے ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ
اور جب کہا پروردگار تیرے نے واسطے فرشتوں کے تحقیق میں

جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا
بنانے والا ہوں بیچ زمین کے نائب کہا اُنہوں نے

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا
کیا بناتا ہے بیچ اُس کے اس شخص کو کہ فساد کرے بیچ اِس کے

وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ
اور ڈالے گا لہُو اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ
ساتھ تعریف تیری کے اور پاکی بیان کرتے ہیں واسطے تیرے کہا تحقیق میں

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تیرے پروردگار نے ملائکہ (موجوداتِ عالم میں پیدا کردہ قوتوں) کو کہا میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہُوں۔ اُنھوں نے بزبانِ حال عرض کیا' کیا تو ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو اِس زمین میں فساد اور خونریزی کرے گی؟ (یعنی تو ایسی مخلوق پیدا نہیں کرے گا) اور ہم تیری تسبیح کرتے ہیں (اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے ہوئے) تیری عملاً تحمید و تقدیس کرتے ہیں تیرے پروردگار نے بزبانِ حال ارشاد فرمایا کہ (اس بعد میں آنے والی نوع کے متعلق) جو مَیں جانتا ہوں۔ تم نہیں جانتے۔

## اَعۡلَمُ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ ○ ۳۰

جانتا ہوں جو نہیں جانتے تم۔

**اَتَجۡعَلُ** اِس آیتِ مجیدہ میں اَتَجۡعَلُ استفہام اِنکاری ہے اقرار کے الفاظ سے انکار مقصود ہے یعنی ملائکہ نے بزبانِ حال کہا اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا ۔۔۔۔الخ کیا تو ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے یعنی تو فساد اور خونریزی کرنے والی مخلوق پیدا نہیں کرے گا۔ واضح رہے کہ ملائکہ کا حالی قیاس اِس کے سوا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ بعد میں پیدا کی جانے والی مخلوق بھی ہماری طرح ایک ہی نہج پر چلنے والی بے اختیار و ارادہ ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر کہ جو میں جانتا ہوں تُم نہیں جانتے۔ اُن کے قول کی تردید کر کے واضح کر دیا کہ وُہ بے اختیار و ارادہ نہیں ہوگی۔ وہ اپنے اختیار و ارادہ کے ساتھ میری فرمانبرداری بھی کر سکے گی اور اپنے اختیار و ارادہ کے ساتھ فساد اور خونریزی کی مجاز بھی ہوگی۔

**روایتی مفہوم** روایتی تراجم نے استفہامِ انکاری کو نظر انداز کر کے جو مفہوم پیش کیا ہے کہ ملائکہ نے کہا تُو اُسے پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے اگرچہ بڑا معقول جواب دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ لیکن عالمی مشاہدہ قولِ باری کی بجائے قولِ ملائکہ کی تصدیق کر رہا ہے کہ نوعِ آدم بدستور خونریزیاں کرتی چلی آ رہی ہے۔ نیز اگلی آیت نمبر ۳۱ میں روایتی تراجم کے مطابق اللہ کے ذمہ دھوکہ بازی کا الزام آتا ہے کہ ملائکہ نے جب اُس کا یہ راز فاش کر دیا کہ نوعِ آدم خونریزیاں اور فساد کرے گی تو اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم کو ملائکہ سے الگ کر کے سب چیزوں کے نام بتا دیئے۔ اور اُن سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو اِن کے نام بتاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن سے وہ سوال پوچھا جو اُنہیں بتایا نہیں گیا تھا۔ اور اِس طرح اُنہیں جُھوٹا تو کر دیا۔ لیکن روایتی مفہوم کے مطابق آج تک اُنہی کی پیشگوئی سچی ثابت ہو رہی ہے کہ یہ نوع مسلسل فساد کرتی اور خون بہاتی چلی آ رہی ہے۔

● لیکن قرآن فہمی کے قرآنی اصولوں کے مطابق پیش کردہ مندرجہ بالا مفہوم میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ نہ اُس سے ذاتِ باری پر کوئی آنچ آتی ہے اور نہ مشاہدات اِس کی مخالفت کرتے ہیں یعنی آیتِ بالا کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ملائکہ نے بزبانِ حال کہا، تیری پیدا کردہ مخلوق فسادی اور خونی نہیں ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حالی جواب یہ تھا۔ کہ وہ صاحبِ اختیار و ارادہ ہوگی، اپنے اختیار و ارادہ کے ساتھ فرمانبرداری بھی کرے گی۔ اور فساد اور خونریزی بھی کرے گی۔ اور اِس صحیح مفہوم کے مطابق قولِ ملائکہ کی نہیں، بلکہ قولِ خداوندی کی تصدیق مشاہداتِ عالم کرتے چلے آ رہے ہیں۔

## نوعِ آدم میں ہر چیز کا نام رکھنے کی صلاحیّت رکھ دی گئی ہے

قرآن فہمی کے قرآنی اصولوں کے مطابق اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوعِ آدم میں ہر چیز کی ساخت یا اُس کے کام کے مطابق اُس کا نام رکھنے کی صلاحیّت رکھ دی ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ
اور سکھائے آدم کو نام سارے پھر
عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ
سامنے کیا اُن کو اوپر فرشتوں کے پس کہا
اَنْۢبِئُوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ
بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر ہو تم
صٰدِقِيْنَ ۝ ۳۱
سچّے۔

اور اللہ تعالیٰ نے نوعِ آدم کو تمام ناموں کی (جبلّی) تعلیم دیدی (یعنی اُس کی جبلّت میں رکھ دیا کہ وہ ہر چیز کا نام رکھ لیا کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اِن (ملائکہ) کو (ایک دوسرے ملائکہ کے سامنے پیش کیا) پھر اُن سے یہ کہا کہ اگر تُم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ نوعِ آدم بھی تمہاری سطح کی مخلوق ہے تو ایک دوسرے کے نام بتاؤ۔

~ مولوی احمد علیؒ صاحب لاہوری نے بھی اپنے ترجمہ مطبوعہ انجمن خدّام الدّین لاہور کے صفحہ نمبر ۵ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ ''آدم کو نام فطری طور پر سکھائے نہ کہ بطریقۂ تعلیم وتعلّم۔''

~ یہاں قرآنی اسلوب انقسام مفہوم کو سامنے رکھئے ۔ سورہ انبیاء میں قومِ ابراہیم کے متعلق آیا ہے:۔ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ ۲۱/۵۹ =قوم ابراہیم سلامٌ علیہ نے کہا ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا کس نے کیا ہے۔ اِس کا جواب درج ہے قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى ...... الخ قوم ابراہیم نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کے متعلق سُنا ہے کہ وُہ کہتا تھا میں اُن کے ساتھ ایک تجویز کروں گا دیکھئے! یہاں سائل بھی قومِ ابراہیم ہے اور جواب دینے والی بھی قومِ ابراہیم ہے ۔پس دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۲۔قرآنی اصولِ انقسام مفہوم کے مطابق یہاں صحیح مفہوم یہ ہے کہ قوم ہی کے بعض نے پوچھا اور قوم ہی کے بعض نے جواب دیا۔اِس طرح یہاں ۲/۳۱ میں بھی ملائکہ کے بعض ،بعض کے سامنے پیش تھے ،اور سب کے سب نے بزبان حال کہا:۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا......الخ

● حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کے کام میں اس کا نام پوشیدہ ہوتا ہے۔اور یہ علم صرف نوعِ انسانی کو ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ ہر چیز سے کام لیتا اور اُس کے کام کے مطابق اُس کا نام تجویز کرتا ہے۔چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں ملائکہ کا جواب درج ہے:۔

قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا
کہا اُنہوں نے پاک ہے تُو نہیں علم ہم کو مگر جو
عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ
سکھایا تُو نے ہم کو ۔تحقیق تو ہے جاننے والا
الْحَکِیْمُ ۝۳۲
حکمت والا

ملائکہ نے کہا کہ ہر قسم کی کمیوں اور کمزوریوں سے تُو پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے، جتنا تُو نے ہمیں (جبلّی طور پر) سکھایا ہے۔(اور مطلوبہ صفت ہمارے اندر کیوں موجود نہیں؟ اِسے بھی تُو ہی جانتا ہے کیونکہ) بلاشُبہ تُو صاحب علم وحکمت ہے۔

● اِس کے بعد جب نوعِ آدم ہر چیز کا نام رکھ لینے کی صلاحیّتِ خاصہ کے ساتھ پیدا کردی گئی تو اُس وقت کا حالی نقشہ اللہ تعالیٰ نے بالفاظِ ذیل پیش فرمایا ہے:۔

قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ
کہا اے آدم بتا دے ان کو نام ان کے
فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ
پس جب بتا دیئے ان کو نام ان کے کہا کیا
اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ
نہ کہا تھا میں نے تم کو تحقیق میں جانتا ہوں چھپی چیزیں آسمانوں کی
وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا
اور زمین کی ۔ اور جانتا ہوں جو ظاہر کرتے ہو اور جو
کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ۝۳۳
تھے تم چھپاتے۔

(ارتقائی منازل طے کر کے اس میں مذکورہ صلاحیّت کے بروئے کار آچکنے پر) اللہ تعالیٰ نے نوعِ آدم سے فرمایا کہ اُنہیں اِن کے نام بتا۔ پھر جب اُس نے اُن کے نام بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدگیوں کو جانتاہوں۔ خصوصاً وُہ بھی جانتاہوں، جو تم چھپاتے چلے آرہے ہو۔

**مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ** تَکْتُمُوْن پر کُنْتُمْ فعل ناقص داخل ہو کر ماضی استمراری کا فائدہ دے رہا ہے۔ یعنی اِن الفاظ میں ملائکہ کو بزبانِ حال کہا گیا کہ میں تمہارے ظاہر کے علاوہ، تمہارے اُن جوہروں کو بھی جانتاہوں۔ جنہیں تم مُدت مدید سے چھپائے ہوئے ہو۔ پس بتایا گیا ہے۔ کہ (ملائکہ) یعنی ہر چیز کے اندر اُس کے گُونا گُوں جوہر پوشیدہ ہیں، نوعِ آدم کی پیدائش سے ماقبل کی حالت اُن کی حقیقی تسبیح وتحمید نہیں تھی۔ اُن کی اصل تسبیح اُن کے مضمر جوہروں کا بروئے کار آنا تھا، جسے بروئے کار لانے کی صلاحیّت اُسی نوعِ آدم کو عطا کی گئی

ہے، جس کے لئے اِس زمین کی جُملہ نعمتیں پیدا کی گئی ہیں ۔ ۲/۲۹ ۔ چنانچہ اگلی آیت میں اِسی چیز کا بیّن ثبوت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جُملہ ملائکہ، (ہر کائناتی قوت) کو حکم دیا گیا کہ وُہ نوعِ آدم کے لئے سجدہ ریز ہو جائے تا کہ ہر چیز کے پوشیدہ جوہر عیاں ہوں، اور ہر چیز کی صحیح تسبیح بشکلِ مشہود سامنے آجائے :۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
اور جب کہا ہم نے واسطے فرشتوں کے سجدہ کرو
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى
واسطے آدم کے پس سجدہ کیا مگر شیطان نے نہ مانا
وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۳۴ؐ
اور تکبّر کیا اور تھا کافروں سے ۔

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے ملائکہ (موجوداتِ عالم میں پیدا کردہ قوّتوں) کو کہہ دیا کہ تم سب کے سب نوعِ آدم کے لئے بذریعہ تسخیر (۴۵/۱۳) سجدہ ریز ہو جاؤ۔ پھر ایسا ہوا کہ ابلیس (نافرمان قوّت نفسِ امّارہ) کے سوا سب قوتیں سجدہ ریز ہوگئیں۔ اُس نے انکار و تکبر کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وُہ ہے ہی انکار کرنے والوں سے۔

● اس آیت میں ابلیس (نفسِ امّارہ) کو بھی ملائکہ ہی میں شمار کیا گیا ہے ۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ اُن میں اختیار وارادہ نہیں وُہ اُس ایک نہج پر چلتے چلے جاتے ہیں، جس پر اُنہیں خالقِ کائنات نے پیدا فرمایا ہے ۔ یہی حال نفسِ امّارہ کا ہے ۔ کہ اِس کا کام ہی بُرائی کا حکم کرتے رہنا ہے ۔ اور وہ ہر لحظہ اِسی ایک ہی نہج پر چلتا جارہا ہے ۔ نیز چونکہ نفسِ امّارہ غیر مرئی ہے اِس لئے ابلیس کو جنّ بھی کہا گیا ہے ۔ بمعنی نہ دکھائی دینے والا ۔

## معیشت کا واحد متوازن نظام

● کرۂِ ارض کے جس جس مقام پر انسان پیدا ہُوا ۔ اور ارتقائی منازل کے بعد جب اِس کی تمدّنی زندگی شروع ہُوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ پوری نوعِ آدم کے لئے ایک ہی متوازن نظامِ معیشت متعیّن فرمایا۔ جس میں پُوری انسانیت کا خوراک، لباس، علاج اور مکان کا حق مسلّم ہے ۔ پس ہدایت کردی گئی کہ اے نوعِ آدم ! اپنے ہر گروہ سمیت اِس نظام کی جنت میں خوش فراخ روزی کھاؤ ۔ اور امن وسکون کی زندگی بسر کرو۔ جس کی ایک ہی صورت ہے کہ انکار و تکبر کے شجرِ خبیثہ کے قریب نہ جانا اور ابلیس نفسِ امّارہ سے ہوشیار رہنا۔ کہیں وہ تمہیں انکار واستکبار میں مبتلا کر کے رزق کی غلط تقسیم کے ذریعہ پھُسلا نہ دے ۔ اور تمہاری اجتماعی جنّتی زندگی انفرادی مفاد پرستی کی جہنمی زندگی میں تبدیل نہ ہو جائے ۔

## ملوکیّت کی ابتداء

● مگر ہُوا یہ کہ نفسِ امّارہ نے اجتماعیّت سے پھُسلا کر انفرادی نظام میں مُبتلا کر دیا ۲/۳۶، ۲۰/۱۲۰ اس امر کی وضاحت سورہ اعراف اور طٰہٰ میں بھی کی گئی ہے کہ شیطان کے ورغلانے سے

نوعِ آدم نے اللہ تعالیٰ کے ہدایت کردہ متوازن نظامِ معیشت کو چھوڑ کر ملوکیّت شروع کردی جس میں معاشرہ کا ہر فرد انفرادی مفاد کے پیچھے دیوانہ وار دوڑتا رہتا ہے۔ اِس طرح ابتداءِ ملوکیّت کے ذریعہ نوعِ آدم نے معصیّت کی ابتدا کی' جس کی خبر سورہ طٰہٰ میں دی گئی ہے: وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ۲۰/۱۲۱ = نوعِ آدم نے نظامِ ربوبیّت کو توڑ کر اپنے رب کی نافرمانی کی' اور سب گمراہ ہو گئے...... انفرادی مفاد پرستی اور عوام و خواص کی غلط تمیز کی بدولت پُوری نوع ایک دوسرے کی دشمن ہو گئی۔ اور جنتی معاشرہ جہنمی معاشرہ میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔

● اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء سلام علیہم کے ذریعہ پھر اپنا قانونِ ربوبیّت اور اس کی خوشگواریاں یاد دلائیں' نتیجہ یہ ہُوا کہ عوام و خواص سب تائب ہو کر نظامِ ربوبیّت کی طرف لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ اور انبیاء کے ذریعہ ہمیشہ کیلئے اپنے دائمی قانون کے متعلق وضاحت کر دی کہ تمہاری نسلوں کی طرف بھی انبیاء سلام علیہم کے ذریعہ میری ہدایت آتی رہے گی۔ پھر جو قوم میری ہدایت کی پیروی کرے گی' اُس پر نہ مستقبل کا خوف ہو گا نہ ماضی کا غم۔ یاد رکھو کہ میری طرف سے قیامت تک کیلئے یہی فیصلہ ہے کہ زمین میں تم سب کیلئے بلا تمیز زندگی کے آخری دم تک حق رہائش بھی ہے اور جُملہ ضروریاتِ زندگی بھی تمہارا پیدائشی حق ہے ۲/۳۶ ۷/۲۴۔ چنانچہ اگلی آیتوں میں اِس پُورے بیان کی باندازِ ذیل صراحت کی گئی ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ<br>اور کہا ہم نے اے آدم رہ تُو اور<br>زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا<br>جورو تیری بہشت میں اور کھاؤ تم اس میں سے بافراغت<br>حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ<br>جہاں چاہو اور مت نزدیک جاؤ اس<br>الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۳۵<br>درخت کے پس ہو جاؤ گے ظالموں سے۔ | اور ہم نے (اپنے انبیاء کے ذریعہ) کہا کہ اے نوعِ آدم[۱]! تُو اپنے ہر گروہ[۲] سمیت[۳] (ہمارے متوازن نظام کی) جنت میں امن و سکون کے ساتھ رہ۔ اور تم دونوں (خواص و عوام) اِس میں سے جہاں سے چاہو، بافراغت کھاؤ (انکار و تکبر کے خبیث) درخت کے قریب نہ جانا۔ ورنہ (انفرادیّت اور ذاتی مفاد پرستی میں پڑ کر) دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ |

● [۱] آدم اسم جنس بمعنی نوعِ آدم ہے۔ یہاں ۲/۳۵ میں اُسی طرح آدم بمعنی نوعِ آدم ہے جیسے کہ ۲/۳۴ میں پیچھے گزر چکا ہے۔

● [۲] لفظ زَوج کے متعدّد معنوں میں سے ایک معنی گروہ بھی ہے۔ جیسے کہ ۵۶/۷ میں آیا ہے وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً۔ کہ تم قیامت کو تین گروہ ہو جاؤ گے۔

● ۳۶ وَزَوْجُکَ کی واوٗ معیّت کی ہے یعنی اپنے ہر گروہ سمیت کھاؤ جہاں سے چاہو۔ نیز زَوْجُکَ کے مضاف، مضاف الیہ میں مضاف زوج اپنے مضاف الیہ نوعِ آدم سے اسی طرح الگ نہیں ہے۔ جس طرح مرکب اضافی لَیْلَةَ الصِّیَامِ ۲/۱۸۷ میں مضاف لیل، ماہ صیام کا حصہ ہے۔ اِس سے الگ نہیں ہے۔ نیز جس طرح لیلة واحد سے روزوں کی ہر رات مُراد ہے۔ اسی طرح زَوْجُکَ میں زوج سے تیرا، یعنی نوعِ آدم کا ہر گروہ مُراد ہے۔ چونکہ خدائے عظیم سے مخفی نہیں تھا کہ نوعِ آدم، اختلافِ رنگ، نسل، وطن پیشہ، ذات، گوت اور زبان وغیرہ کی بدولت درجنوں گروہوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ اس لئے نوعِ آدم کے ہر گروہ کے بُنیادی حقوقِ زندگی خوراک، لباس، علاج اور مکان کو اپنے نازل کردہ قانون میں مساویانہ انداز کے ساتھ محفوظ کر رکھا ہے لیکن شیطان (نفسِ امّارہ) نے خواص و عوام دونوں کو اجتماعیّت سے ہٹا کر انفرادیّت کا عامل کر دیا۔ اور نتیجہ یہ ہُوا کہ ذاتی مفاد کے ٹکراؤ کی بدولت سب ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا

پس ڈگایا اُن کو شیطان نے اس سے

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا

پس نکال دیا ان دونوں کو اس چیز سے کہ تھے بیچ اُس کے۔ اور کہا ہم نے

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ

اُترو بعضے تمہارے واسطے بعض کے دشمن ہیں اور واسطے تمہارے

فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى

بیچ زمین کے ٹھکانہ ہے اور فائدہ ایک

حِيْنٍ ۝ ۳۶

وقت تک۔

● پھر ایسا ہوا کہ شیطان (نفسِ امّارہ) نے اُن (خواص و عوام) دونوں کو پھُسلا دیا اور (متوازن معاشرہ کی) جس جنت میں وہ تھے اُس سے نکال دیا۔ پھر ہم نے (انبیاء کی معرفت) کہا کہ تم سب کے سب اِس (جہنمی معاشرہ) سے نکلو۔ (انفرادی مفاد پرستی کی بدولت) تُم سب ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہو، حالانکہ (ہمارے دائمی قانون کی رُو سے) اِس زمین میں تُم سب کے سب کیلئے آخری دم تک رہائش اور ضروریاتِ زندگی کا (بُنیادی، پیدائشی حق) مسلّم ہے۔

## قرآنِ کریم کا پیش کردہ معاشی مسئلہ کا حل

## "لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ"

● ان الفاظ میں پوری نوعِ آدم کا حق قرار دیا گیا ہے مُستقر اور متاع۔ مُستقر کا معنٰی ہے جائے قرار، رہنے کی جگہ مکان اور متاع کا معنٰی ہے ضروریاتِ زندگی اور لَکُمْ کی ضمیر کا مرجع پُوری نوعِ آدم ہے پس یہی ہے قرآنِ کریم کا پیش کردہ معاشی مسئلہ کا حل جس کیلئے پُوری انسانیت مضطرب و بیقرار ہے۔ الفاظِ بالا میں صراحتاً اعلان کر دیا گیا ہے کہ نوعِ آدم کے ایک ایک فرد کا بنیادی حق ہے کہ اُسے مکان، خوراک، لباس

اور علاج، جُملہ ضروریاتِ زندگی متوازن انداز سے ملنی لازم ہیں ۔ ایسے متوازن نظام کے بغیر کُرّۂ ارض پر امن وامان کا قیام ممکن ہی نہیں ابتدائی معاشروں کے متعلق اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ نوعِ آدم جلدی ہی نظامِ ربوبیّت کی طرف لوٹ آئی ۔

فَتَلَقّٰىٓ اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ
پس سیکھ لیں آدم نے پروردگار اپنے سے کچھ باتیں
فَتَابَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ
پس پھر آیا اُوپر اُس کے تحقیق وہی ہے پھر آنے والا
الرَّحِيۡمُ ۝ ۳۷
مہربان۔

پھر ایسا ہوا کہ نوعِ آدم نے اپنے پروردگار کے قانون سے پھر ملاقات کرلی۔ (اس پر دوبارہ عامل ہوگئی) تو اللہ تعالیٰ (اپنی رحمتوں کے ساتھ) اُس پر لوٹ آیا۔ (یعنی پھر خوشگوار جنتی معاشرہ قائم ہوگیا) بے شک وُہ رجوع برحمت کرنے والا ہے۔

● اِس سے اگلی آیت میں تکرار تاکیدی کے طور پر کہا گیا ہے کہ ہم نے پُوری نوعِ آدم کو کہہ دیا تھا کہ اِس جہنمی قانون سے سب کے سب نکل جاؤ:۔

قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا ۚ
کہا ہم نے اُترو اس سے سب ۔
فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ
پس جو آوے گی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پس جو کوئی
تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا
پیروی کرے ہدایت میری کی پس نہیں ڈر اُوپر اُن کے اور نہ
هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ ۳۸
وُہ غم کھاویں گے۔

ہم نے (اپنے انبیاء سلام علیہم کی معرفت) کہہ دیا کہ (اِس جہنمی نظام) میں سے تم سب کے سب نکلو (جس کی بدولت تم ایک دوسرے کے دُشمن ہوگئے ہو ۲/۳۶ کیونکہ ناہموار نظام میں باہمی عداوت، ایک لازمی امر ہے) پھر تمہاری آئندہ نسلوں کے پاس بھی جب میری ہدایت آئے تو جو گروہ اُس کی پیروی کرے گا، نہ اُنہیں آنے والے خطرات کا خوف ہوگا اور نہ وہ اپنے کئے ہوئے اعمال کے لئے غمگین ہوں گے۔

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَآ
اور جو لوگ کافر ہوئے اور جھٹلایا نشانیوں ہماری کو۔
اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا
یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے آگ کے ہیں وہ بیچ اس کے

● اور جو لوگ انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ اہلِ نار ہوں گے۔ (ناہموار معاشرہ اور باہمی عداوت کے جہنم میں جلتے رہیں گے اور جب تک خود نہ نکلیں گے اُس وقت تک) اُس میں ہمیشہ رہنے

خٰلِدُوْنَ ۝ ۳۹ ع　　　والے ہوں گے۔

ہمیشہ رہیں گے۔

**روایتی تفاسیر**

روایات نے اِن آیاتِ کریمات ۲/۳۰-۳۹ کی، جن میں انسانی معاشرے کا معاشی حل دیا گیا ہے لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ کی ایسی چیستانی تفاسیر پیش کی ہیں کہ آیاتِ کریمات بے ربط اور ناموسِ باری داغدار پائی جاتی ہے۔ مثلاً:۔

**۱۔ کیا اللہ تعالیٰ کوئی مجسّم ذات ہے**

● پہلے نمبر پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کے مکالمے کو قالی ٹھہرا کر اللہ تعالیٰ کو مجسم قرار دیا جاتا، اور بات یہاں سے شروع کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں اِس پر اُنہوں نے کہا، کیا تو اُسے پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا لیکن معاذ اللہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ نے یہ بے رَبط جواب دیا کہ جو مَیں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، اِس روایتی مفہوم سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ گویا کہ جواب یہ دیا گیا ہے کہ آدم فسادی اور خُونی نہیں ہوگا۔

**۲۔ جو سبق پڑھایا ہی نہیں اُسکا امتحان لینے کے کیا معنے؟**

● لیکن اس سے آگے جب حضرتِ انسان نے عملی زندگی میں قدم قدم پر یہ ثابت کرنا تھا کہ ملائکہ ہی سچے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس کا یہ ردِعمل بتایا جاتا ہے کہ اُس نے حضرتِ آدم کو ملائکہ سے الگ اشیاءِ کائنات کے نام سکھا دیئے اور جیسے کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے، کہ اِس کے بعد ملائکہ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں تو اُتنا ہی علم ہے جتنا تُو نے سکھایا ہے یعنی انہوں نے دبی زبان میں یہ کہا کہ جو مضمون تُو نے ہمیں نہیں پڑھایا اور آدم کو ہم سے علیٰحدہ پڑھا دیا ہے اُس مضمون کے مقابلے کا امتحان لینے کے کیا معنے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم سے کہا کہ تُو اِنہیں اِن کے نام بتا دے، اُنہوں نے بتا دیئے۔ اور بھلا بتاتے کیوں نہ؟ جبکہ اُنہیں اَزبر کرا دیئے گئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے معاذ اللہ یہ بے رَبط جواب دیا، کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا، کہ مَیں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اُسے بھی جانتا ہوں اور جو چھُپاتے ہو اُسے بھی جانتا ہُوں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ، کیا علّامُ الغیوب ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ملائکہ پر وہ سوال کیا جائے جو اُنہیں پڑھایا ہی نہیں گیا۔ یہ ہے روایتی تفسیر! مزید ملاحظہ ہو کہ:۔

**۳۔ ملائکہ ظاہر کیا کرتے ہیں اور چھُپاتے کیا ہیں**

● اِس سے آگے روایتی تفاسیر نے اِس امر پر روشنی نہیں ڈالی۔ کہ اِن کے بتائے ہُوئے ملائکہ چھُپاتے کیا اور ظاہر کیا کرتے ہیں۔ یعنی اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ کی تفسیر کیا ہے اور یا یہ جُملہ کیا بے رَبط و بے معنی نازل

کر دیا گیا ہے؟

### ۴۔ غیر اللہ کیلئے سجدہ کا مشر کانہ حکم کیوں؟

● اِس سے آگے سجدۂ ملائکہ کے متعلق یہ تاثر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اربوں کھربوں فرشتوں کو کھڑا کر کے حضرت آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اِس پر سوال پڑتا ہے کہ اِس مُشر کانہ اہتمام کی غرض؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کے اِسی فعل سے قیامت تک کے لئے پیروں فقیروں اور اُن کی قبروں کے لئے سجدہ کرنے کے جواز کی سند قرآنِ کریم سے حاصل کی جاتی رہے گی۔ پھر جب فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اُس کے متعلق تصوّر دیا گیا ہے کہ وہ مَلک نہیں جنّ ہے۔ اِس پر سوال پڑتا ہے کہ جب وُہ مَلک ہے ہی نہیں۔ اور سجدہ کا حکم ملائکہ کو ہوا، جنّوں کو نہیں ہوا، تو پھر وہ مُجرم کس طرح ٹھہرا؟

### ۵۔ شجرِ ممنوعہ گندم کا درخت تھا؟ یا انگور یا لہسن کا؟
### ۶۔ کیا اللہ تعالیٰ کے اوّلین نبی پر ہی ابلیس کا غلبہ ہو گیا؟

● اِس سے آگے ہے کہ حضرت آدم کی بیوی خود اُنہی کے پیٹ سے پسلی پھاڑ کر نکالی گئی۔ باپ بیٹی کو میاں بیوی بنایا اور حضرت آدم کو حکم دیا کہ جنت میں سے جہاں سے چاہو۔ بافراغت کھاؤ۔ مگر اِس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ لیکن اللہ کے اوّلین نبی نے وہی کام کیا جس سے **هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** کے اشارہ قریب کے ساتھ منع کیا گیا تھا۔ شجرِ ممنوعہ کے متعلق تفسیر موضح القرآن کے صفحہ نمبر ۱۴۰ پر لکھا ہے کہ یا تو وہ گندم کا درخت تھا، یا انگور کا اور یا لہسن کا۔ پھر ابلیس کو غیب دان مانا گیا ہے کہ جنت میں داخلہ بند ہونے کے باوجود جان لیا کہ حضرت آدم کو ایک درخت سے منع کیا گیا ہے۔ تفسیر حُسینی کے صفحہ نمبر ۸ اور صفحہ نمبر ۱۸۲ پر، نیز تفسیر موضح القرآن کے صفحہ نمبر ۷ اور صفحہ نمبر ۱۴۰ پر لکھا ہے کہ ابلیس حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلوانے کے لئے، سانپ اور مور کی مدد سے جنت کے اندر پہنچ گیا۔ اِس کی عملی صورت یہ بتائی جاتی ہے کہ ابلیس ہوا کی شکل اختیار کر کے سانپ کے اندر داخل ہوا۔ مور نے سانپ کو اٹھا کر جنت میں پہنچا دیا۔ اور ابلیس نے آدم و حوّا کو شجرِ ممنوعہ کھلا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے دعویٰ ''**اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ** ۱۵/۴۲، ۱۷/۶۵ کہ میرے بندوں پر یقیناً یقیناً تیرا غلبہ نہیں ہوگا'' جھوٹا کر دیا۔ معاذ اللہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کے اوّلین نبی ہی پر ابلیس غالب آیا۔ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی دونوں کو زمین پر پھینک دیا۔ جہاں اُن کی اولاد شروع ہوئی اور اجرائے نسل کے لئے بھائیوں کا نکاح بہنوں کے ساتھ۔۔۔۔۔ العیاذُ باللہ!

● الغرض یہ ہیں روایتی تفاسیر جنہیں اصل مفہوم سے دُور کا بھی تعلق نہیں جن آیتوں میں نظامِ ربوبیّت، اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی درستی کے اصول درج ہیں۔ مقامِ آدم اور مقامِ مومن کی وضاحت کی گئی ہے۔ روایات نے اُنہیں چیستان

بنا کر رکھ دیا ہوا ہے۔

## اللہ وملائکہ کے مکالمہ اور قصہ ابلیس وآدم ۲/ ۳۰ تا ۳۹ کا ملخّص

● اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کا مکالمہ حالی ہے قالی نہیں ۴۱/۱۱۔

● کائنات کی ہر قوت یعنی جُملہ ملائکہ بذریعہ تسخیر نوعِ آدم کیلئے سجدہ ریز کر دیئے گئے ہیں یعنی ہر آن سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۲/۳۴، ۴۵/۱۳۔

● نفسِ امّارہ ابلیس ہے، جو ہر لحظہ برائی کا حکم کرتا رہتا ہے ۱۲/۵۳۔

● لیکن انسان کو صاحبِ اختیار وارادہ پیدا کیا گیا ہے اِسے اختیار ہے کہ خواہ نفسِ امّارہ کی پیروی کرے یا احکامِ خداوندی کی ۱۸/۲۹

● واضح رہے کہ موجوداتِ عالم میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر چیز کی قوت کو مسخر کرنا ہے۔ ''مقامِ آدم''۔ ۴۵/۱۳

● اور تسخیر کے ماحصل کی متوازن تقسیم ہے ''مقامِ مومن''۔ ۲/۲۹

## قرآنِ کریم کے اوّلین مخاطب بنی اسرائیل کی مثال

● نظامِ ربوبیّت کی خوشگواریاں ہر قوم اور ہر دَور کیلئے یکساں نتائج کی حامل ہیں۔ چنانچہ اگلی آیاتِ کریمات میں قرآنِ کریم کے اوّلین مخاطب قوم بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور حکومت کے چھِن جانے کا ذکر بالفاظِ ذیل کیا گیا ہے:۔

يٰبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ
اے بیٹو یعقوب کے یاد کرو نعمت میری
الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا
جو انعام کی میں نے اُوپر تمہارے اور پُورا کرو
بِعَهۡدِىۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِيَّاىَ
عہد میرا پُورا کروں گا میں عہد تمہارے کو۔ اور مجھ سے ہی
فَارۡهَبُوۡنِ ۝ ۴۰
پس ڈرو۔

● اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو، جو میں نے تم پر فرمائیں (جب تم نے میرا وعدۂ ربوبیّت وفا کیا، میں نے تمہارا وعدۂ خلافت پُورا کیا۔ لہٰذا تمہاری ذِلّت کی وجہ تمہاری اپنی وعدہ خلافی ہے۔ آج بھی اگر) تم میرا وعدہ پُورا کرو اور مجھ ہی سے ڈرو تو میں تمہارا وعدہ پُورا کروں گا۔

وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا
اور ایمان لاؤ ساتھ اس چیز کے کہ اُتارا میں نے سچّا کرنیوالا ہے

● اور (تمہاری عظمت وارفتہ جو تحریف کتاب اور نافرمانیوں کی بدولت چھن گئی تھی ۵/۱۳، اِس طرح لوٹ سکتی

لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا أَوَّلَ
اُس چیز کو جو ساتھ تمہارے ہے اور مت ہو پہلے
كَافِرٍ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِي ثَمَنًا
کافر ساتھ اس کے اور مت مُول لو بدلے آیتوں میری کے مُول
قَلِيلًا وَّ اِيَّايَ فَاتَّقُونِ ۝ ۴۱
تھوڑا اور مجھ سے پس ڈرو۔

ہے کہ اب) اِس کتاب' قرآنِ کریم پر ایمان لاؤ جو میں نے (اپنے بندے پر ۲/۲۳) نازل کی ہے۔ یہ اُس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو (غیر محرف صورت میں) تمہارے پاس تھی۔ پس اس کتاب قرآنِ کریم کے تم ہی پہلے مُنکر نہ بنو اور میری آیتوں کو بے جا استعمال کر کے دُنیا کا حقیر اجر نہ لو۔ (جسے تم میرے ضابطہ کی مخالفت کر کے سُود، رشوت، چور بازاری وغیرہ کے ذریعے حاصل کرتے ہو۔ اور اِس طرح تمہیں جن باطل قوانین کی مخالفت کرنی پڑے) اُن سے مت ڈرو، بلکہ صرف مجھ سے' یعنی میرے ہی قانون کی مخالفت سے ڈرو۔

## حق میں باطل شامل نہ کرو اور نظامِ ربُوبیّت قائم کرو

اگلی آیتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک جرم یہ بتایا گیا ہے، کہ اُنہوں نے اللہ کی کتاب میں باطل روایات شامل کر کے حق کو چھپا رکھا تھا۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
اور مت ملاؤ سچ کو ساتھ جھوٹ کے
وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ۴۲
اور مت چھپاؤ حق کو اور تم جانتے ہو۔

- اور حق (کتاب الٰہی) کو باطل (روایات) کے ساتھ خلط ملط نہ کرو۔ اور یہ کہ (اِس طرح) تُم حق کو چھُپا رہے ہُو۔ درآنحالیکہ تم جانتے ہو۔ (کہ حق میں باطل شامل کرنے سے باطل بھی حق کا حِصّہ مانا جاتا ہے۔)

## باطل انفرادیّت کا، اور حق اجتماعیّت کا علمبردار ہے

باطل کا کام ہے کہ وہ انفرادی مفاد کی جاذبیّت کے ساتھ عوام کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ حالانکہ یہ امر تجربہ کی کسوٹی پر ثابت ہو چکا ہے کہ انفرادیّت کے حامل قوانین، نہ آج تک نوعِ آدم کا معاشی مسئلہ حل کر سکے ہیں اور نہ امنِ عالم کی ذمّہ داری کا بوجھ اُٹھا سکے ہیں۔ فلہٰذا اگلی آیتِ کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر دائمی ذلّت کے عذاب سے نکلنا چاہتے ہو تو اجتماعی نظامِ ربُوبیّت (الصلوٰۃ) قائم کرو۔ جو نوعِ آدم کے معاشی مسئلہ کا واحد حل ہے، اور امنِ عالم کا واحد ضامن ہے:۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو
وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ۴۳
اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

● اور الصلوٰۃ ، اجتماعی نظامِ ربوبیّت قائم کرو اور کمزوروں کی نشوونما کے ضامن نظام کو چلانے کے لئے مال دو۔ اور قانونِ ربوبیّت (۱/۱) کے سامنے جُھکنے والوں (یعنی آنحضوراور جماعت صحابہؓ) کے ساتھ مل کر تم بھی قانونِ ربوبیّت کے سامنے عملاً جُھک جاؤ۔

● اِس سے اگلی آیت مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک اور جُرم بتایا گیا ہے:۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ
کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو ساتھ بھلائی کے اور بھولے جاتے ہو
اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط
جانوں اپنی کو اور تم پڑھتے ہو کتابٗ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ۴۴
کیا پس نہیں سمجھتے ہو۔

● کیا تم ،لوگوں کو بھلائی (ربوبیّتِ عامہ) کا حکم کرتے ہولیکن اپنے آپ کو اِس حکم سے مستثنیٰ سمجھ کر، بھلا دیتے ہو ۔حالانکہ تم کتاب بھی پڑھتے ہو۔پھر تم (قول وفعل کے اِس خطرناک تضاد پر) کیوں غور (کر کے اُسے دُور) نہیں کرتے۔

## لفظ بِرّ کی قرآنی لُغت

● آیتِ بالا میں برّ کا معنی سیاقِ کلام کے مطابق لکھا گیا ہے ''ربوبیّتِ عامہ''۔اِس لفظ کا عمومی معنی ہے نیکی بھلائی۔ مذہبی حلقوں میں اِس کا مفہوم لیا جاتا ہے۔نماز روزہ وغیرہ۔لیکن قرآنِ حکیم نے اِس لفظ کا جومفہوم نفی اثبات کے حصر کے ساتھ بیان کیا ہے، آیتِ ذیل میں مذکور ہے۔
لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج ....الخ ۲/۱۷۷ برّ یہ نہیں ہے کہ تم صلوٰۃِ موقّت کے لئے مشرق کی طرف مُنہ پھیرتے ہو یا مغرب کی طرف، بلکہ برّ کا عامل وہ شخص ہے جو اللہ پر اور اللہ کے بتائے ہوئے روزِ مکافات پر، اور اللہ کے ملائکہ پر، اور اللہ کی کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور (نمود ونمائش کے لئے نہیں، بلکہ) اللہ کی محبت کے لئے اپنے قریبیوں کو، اور بے سہارا لوگوں کو اور اُن کو جن کا کاروبار ساکن ہو جائے اور مسافروں کو اور محتاجوں کو اور غلاموں اور قرض میں پھنسے ہُوئے لوگوں کی گردنیں آزاد کرانے کے لئے مال دے (اور یہ سب کچھ انفرادی

طور پر نہ ہو ) بلکہ نظامِ ربوبیّت قائم کرے ( تاکہ ایک باقاعدہ نظام کی بدولت کوئی فرد محرومِ ربوبیّت نہ رہے ) دیکھئے یہاں بِرّ کا معنٰی اللہ، قیامت، ملائکہ، کتاب اور انبیآء پر ایمان لانے کے بعد یتیموں مسکینوں مسافروں قرضداروں پر مال خرچ کرنا بتایا گیا ہے اِسی چیز کی وضاحت ذیل کے انتہائی بلیغ الفاظ میں کردی گئی ہے۔

● لَنْ تَنَالُو الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۳/۹۲ = تُم اُس وقت تک بِرّ کو نہیں پاسکتے جب تک کہ تُم اللہ کی راہ میں اُس مال سے خرچ نہ کرو جس سے تُم محبت کرتے ہو۔ نیز اچھی طرح ذہن نشین کرلیجئے گا۔ کہ قرآنِ کریم انفرادی انفاقِ مال یعنی گداگروں کی حوصلہ افزائی کا حامل نہیں، بلکہ اجتماعی نظامِ ربوبیّت کا حکم دیتا ہے تاکہ گِرے ہوؤں کو قدموں پر کھڑا کیا جائے ۔ ۲/۲۶۵ گداگر نہ بنایا جائے۔ فلہٰذا بِرّ کا مذکورہ معنٰی ربوبیّتِ عامہ خود سیاقِ کلام اور قرآنی لُغت کے مُطابق صحیح ہے، نیز دیکھئے سیاقِ کلام بھی اِنہی معنوں کی تائید کرتا ہے:۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا

اور مدد چاہو ساتھ صبر کے اور نماز کے اور تحقیق وہ

لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ ۴۵

البتہ بڑی ہے مگر اوپر عاجزی کرنے والوں کے

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ

وہ لوگ کہ جانتے ہیں یہ کہ وہ ملنے والے ہیں پروردگار اپنے سے

وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۴۶ ع ۵ الرّبع

اور یہ کہ وہ طرف اُس کی پھر جانے والے ہیں۔

● اور ( نظامِ ربوبیّت کی تکمیل کے لئے ) پوری مستقل مزاجی اور صلٰوۃِ مؤقت کے ساتھ اللہ تعالٰی سے مدد مانگا کرو۔ لیکن بِلاشُبہ نظامِ ربوبیّت کا قیام (انفرادی نفع اندوزوں کے لئے ) بہت کٹھن کام ہے، مگر اُن لوگوں کے لئے کچھ مشکل نہیں جو اعمال کی جوابدہی سے ڈرنے والے ہیں، جو یقین رکھتے ہیں کہ بلاشُبہ وہ اپنے ربّ ( کے حضورِ ربوبیّت کی جوابدہی کے لئے ) حاضر ہونے والے، اور بلاشُبہ اُسی کی طرف لوٹائے جانے والے ہیں۔

## ربّ کے حضورؔ حاضری

● آیتِ بالا ۲/۴۶ میں مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ کے الفاظ میں ربّ کی ملاقات سے مُراد، ربوبیّتِ عامہ کی تکمیل یا عدمِ تکمیل کی جوابدہی کیلئے حاضر ہونا ہے، رَب اور اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے الفاظ، ربوبیّت کے متعلق جوابدہی کی نشاندہی کرتے ہیں یعنی یہاں ربوبیّتِ عامہ ہی کی بازپُرس سے ڈرنے والوں کی خبر دی گئی ہے۔

● اگلی آیت میں تکرار تاکیدی کے ساتھ پھر بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ کے قائم کردہ نظامِ ربوبیّت کی خُوبیاں یاد دلائی جارہی ہیں:۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ
اے بنی اسرائیل یاد کرو نعمت میری
الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ
وہ جو انعام کی میں نے اُوپر تمہارے اور تحقیق میں نے
فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾
بزرگی دی تم کو اوپر عالموں کے۔

اے بنی اسرائیل! میری اُس نعمت کو یاد کرو، جو میں نے تُم پر انعام فرمائی، یہ کہ میں نے تمہیں ایک زمانہ کے لوگوں پر فضیلت بخشی۔ (یعنی تمہیں فرعون کے باغوں، چشموں، خزانوں اور نفیس عمارتوں کا مالک بنا دیا ۱۳۷/۷، ۲۶/۵۹ جو سب کچھ تمہاری اپنی بداعمالیوں کی بدولت تم سے چھن گیا)۔

● اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ یاد رکھو، جب دُنیا میں قرآنی نظام قائم ہو جائے تو نہ اُس میں، اور نہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں کسی مُجرم کی رعایت ہو گی:۔

وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ
اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں کفایت کرے گا کوئی جی کسی
نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّ لَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا شَفَاعَۃٌ
جی سے کچھ اور نہ قبول کی جاوے اس سے سفارش
وَّ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡہَا عَدۡلٌ وَّ لَا ہُمۡ
اور نہ لیا جاوے گا اس سے بدلہ اور نہ وہ
یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۸﴾
مدد دیئے جاویں گے

اور اُس وقت سے ڈر جاؤ جب کوئی شخص کسی کے جرم کا معمولی سا بدلہ نہ بن سکے گا۔ اور نہ کسی مُجرم سے کوئی شفاعت قبول کی جاوے گی اور نہ اُس سے فدیہ (رشوت وغیرہ) لی جائے گی اور نہ ہی اُن مُجرموں کی (کوئی بھی) مدد کی جائے گی۔

● قرآنِ کریم نے دُنیوی عدالتوں میں بعض جرائم کا فدیہ مقرر کیا ہے۔ مثلاً قسم کھولنے کا فدیہ دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا یا ایک گردن آزاد کرنا، اور یا تین روزے بتایا ہے۔ ۸۹/۵ بیوی کو ماں کہنے کا جرمانہ ایک گردن آزاد کرنا یا ساٹھ روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا بتایا ہے ۳-۴/۵۸، مومن کے سہواً قتل کا خون بہا ادا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن غصبِ حقوقِ ربوبیّت وہ جُرم ہے کہ اِس کے فدیہ وغیرہ کی دُنیوی عدالتوں میں بھی نفی کر دی گئی ہے اور اُخروی عدالت میں بھی۔

## بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اوران کی نافرمانیوں کی طویل فہرست

●سُورہ قصص میں بتایا گیا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو طرح طرح کے مظالم کے ساتھ کمزور کر دیا ہوا تھا۔ اور ہم نے ارادہ کیا کہ جنہیں کمزور کر دیا ہے اُن پر احسان کریں۔ وَنُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ

اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۲۸/۵ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیات مقدّسات میں قرآنِ کریم کے مخصوص اسلوب بیان کے ساتھ مخاطب تو کیا گیا ہے زمانۂ رسالت کے یہودیوں کو، اور نافرمانیاں اُن کے مختلف زمانوں کے اسلاف کی بیان کی گئی ہیں اور احسان بھی وہ جتائے جارہے ہیں جو اُن کے بزرگوں پر کیے گئے تھے، لہٰذا ذہن نشین کر لیجئے گا کہ اِن آیات میں تُم سے مُراد زمانۂ رسالت کے یہودیوں کے اسلاف ہیں۔ چُنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ
اور جب چھڑایا ہم نے تم کو قوم فرعون کی سے
یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ
پہنچاتے تھے تم کو بُرا عذاب
یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَیَسۡتَحۡیُوۡنَ
ذبح کرتے تھے بیٹوں تمہارے کو اور جیتا رکھتے
نِسَآءَکُمۡ ؕ وَفِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ
بیٹیوں تمہاری کو اور بیچ اس کے آزمائش تھی
رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ ۴۹
پروردگار تمہارے سے بڑی۔

اور اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تُم (تمہارے اسلاف) کو فرعون کے عمّال سے نجات دلائی، وہ تمہیں بُرا عذاب دیتے تھے، تمہاری قوم کے ابناء کو (یعنی اُن مردانہ جوہروں کو جو فرعون کے خلاف آواز اُٹھاتے تھے، خصوصاً موسیٰ سلامُ علیہ پر ایمان لانے والے ۴۰/۲۵) اُنہیں (ذبح یعنی) قوم سے جدا کر کے بے اثر کر دیتے اور تمہارے عورت صفت لوگوں سے درگزر کرتے تھے۔ اور تمہارے لئے اِس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک عظیم آزمائش تھی۔

**ذبح اور قتل مترادف الفاظ ہیں، ابناء سے مُراد قوم کے وُہ لوگ ہیں جو حقوقِ ربُوبیّت کی آواز اُٹھاتے تھے**

● آیتِ بالا سے روایتی تفاسیر نے یہ تاثر دیا ہے کہ فرعون کے نجومیوں نے حضرت موسیٰ سلامُ علیہ کے متعلق بتایا، کہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کا تختہ اُلٹ دے گا، اِس لئے وہ بنی اسرائیل کے جُملہ نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کر دیا کرتا تھا۔ اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ لیکن یہ نظریہ قرآنِ کریم کی رُو سے مطلقاً غلط ہے، کیونکہ پہلے نمبر پر تو قتلِ ابناء اور استحیاءِ نساء کا حکم فرعون نے دعوتِ مُوسیٰ کے بعد دیا تھا۔ قَالُوا اقۡتُلُوۡۤا اَبۡنَآءَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ وَاسۡتَحۡیُوۡا نِسَآءَهُمۡ ۴۰/۲۵ = انہوں نے کہا حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والوں کے ابناء القوم یعنی آگے نکلنے والے قابل جوہروں کو قتل کر دو، اور عورت صفت لوگوں سے درگذر کرو۔ دوسرے یہ کہ اگر حضرت موسیٰ کے قتل کے لئے نوزائیدہ بچوں کو قتل کیا جاتا ہوتا، تو حضرت موسیٰ کا ہم عمر نوجوان کوئی موجود نہ ہوتا۔ لیکن سُورہ یونس میں ہے:۔ فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوۡسٰۤی اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ ۱۰/۸۳ = اور موسیٰ پر اُس کی قوم کے

نوجوانوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ تیسرے یہ کہ اگر اِس آیت میں نوزائیدہ لڑکوں کے قتل کی خبر دی گئی ہو تو لفظِ ابناء کے مقابلے پر بنات بمعنی لڑکیاں آنا چاہیئے تھا نہ کہ نسآء، جو نوزائیدہ بچیوں کو نہیں، بلکہ پُوری جوان عورتوں کو کہتے ہیں۔ پس نجومیوں کی خبر، اور نوزائیدہ بچوں کے قتل کا شاخسانہ محض افسانہ ہے۔

● اب رہا لفظِ ذبح، اِس کا معنٰی ہے شاہ رگ کاٹ کر دل دماغ کا تعلق جُدا کر دینا۔ اِسی طرح فرعون بنی اسرائیل کے مردانہ جوہروں کو قید یا جلاوطن کر کے قوم سے جُدا کر دیتا تھا ۷/۱۴۱ میں یُذَبِّحُوْنَ کی بجائے یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَ کُمْ کے الفاظ آئے ہیں اور قتل کا معنٰی ذلیل وخوار اور بے اثر کرنا بھی ہے۔ ۹/۳۰ میں یہود ونصارٰی کے لئے آیا ہے:۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ = اللہ اُنہیں ذلیل وخوار کرے۔ ۵۱/۱۰ میں آیا ہے:۔ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ = ذلیل وخوار ہوں کٹ حجتیاں کرنے والے۔ فلھٰذا:۔ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآئَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَ کُمْ کا صحیح معنٰی یہی ہے کہ فرعون اپنے نظام کے خلاف آواز اٹھانے والی، انقلابی جماعت سے آگے نکل کر کام کرنے والوں کو یا تو جلاوطن کر کے قوم سے جُدا کر دیتا تھا یا قید کر کے۔ تا آنکہ اِس انقلابی جماعت کی ہجرت کا وقت آ گیا۔ چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں خبر دی گئی ہے:۔

**وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ**
اور جب پھاڑا ہم نے ساتھ تمہارے دریا کو
**فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ**
پس چھٹایا ہم نے تم کو اور ڈبو دیا ہم نے لوگوں
**فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ۵۰**
فرعون کے کو اور تم دیکھتے تھے۔

اور اُس وقت کو یاد کرو کہ (تمہارے اسلاف نے حضرت موسٰی کی رہنمائی میں، تحریکِ حصولِ ربوبیّت کے انجام پر، کہ جب فرعون نے اُن کے مُساوی حقوقِ ربوبیّت تسلیم نہ کئے ہجرت کی، تو اُس نے اُن کا تعاقب کیا۔ اب آگے سمندر اور پیچھے فرعون کے لشکر تھے) ہم نے تمہارے لئے سمندر کو (جذر کی حالت میں) کنارے سے جُدا ہُوا ہُوا پایا تمہیں نجات دی تم گزر گئے (جب فرعون معہ لشکر آیا تو چڑھاوٗ آ گیا) اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ اور (اس پُورے نظارے کو) تم دیکھ رہے تھے۔

**فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ** فرق کا سہ حرفی مادہ ف۔ ر۔ ق بمعنی جُدا کرنا ہے اور پیش لفظ کے عنوان ۳۲ کے مطابق ثلاثی مجرد کے خاصہ وجدان کی رُو سے فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ کا معنی لکھا گیا ہے ''ہم نے سمندر کو کنارے سے جُدا ہُوا ہُوا پایا''۔ اب اِس پر مشاہدہ شاہد ہے کہ سمندر کنارے سے حالت جذر کے سوا جُدا نہیں ہوتا۔ اِس لئے

مندرجہ بالا مفہوم قرآن ومشاہدات ہر دو کے مطابق ہے۔ لیکن روایاتی تفاسیر نے اِن الفاظ کا یہ چیستانی مفہوم بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ سمندر پر عصا مارو، تو اُس میں راستے تیار ہو گئے۔ حضرت موسیٰ معہ بنی اسرائیل گزر گئے۔ پانی بالکل ٹھہرا ہوا تھا۔ جب فرعون کے لشکر سمندر میں اُترے تو پانی رواں ہو گیا اور وُہ غرق ہو گئے۔ حالانکہ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۳۵/۴۳ کے مطابق بہتے پانی کا ساکن ہو جانا سُنتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ کو عین اُس وقت وحی فرمائی کہ بنی اسرائیل کو سمندر پار لے جایئے، جب اُس میں جذر کی حالت تھی۔ دیکھئے ارشاد باری تعالیٰ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۥٓ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ ۲۰/۷۷ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو وحی کی۔ کہ میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو لے جاؤ۔ پھر اُنہیں سمندر میں خشک راستہ بتاؤ۔ اِس طرح جب بنی اسرائیل گزر گئے اور فرعون نے اُنہیں پکڑنے کے لئے، چڑھاؤ کا وقت معلوم کئے بغیر فوجوں کو سمندر کے جذر، یعنی اُتار کے مقام پر ڈال دیا تو چڑھاؤ آ گیا۔ تو وہ لشکروں سمیت غرق ہو گیا۔

## غلطی کہاں لگتی ہے؟

اس سلسلے میں غلطی لگتی ہے ''اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ'' ۲۶/۶۳ کے الفاظ سے جس کا مفہوم لیا جاتا ہے سمندر کو ڈنڈا مار۔ حالانکہ یہ ۲۰/۷۷ کے متبادل الفاظ ہیں۔ جن میں آپ اوپر دیکھ چکے ہیں کہ ''اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا'' کے الفاظ میں، هُمْ ضمیر جمع کا مرجع عبادی بنی اسرائیل کیلئے آیا ہے اور یہاں اِضْرِبْ کا معنی ہے بتا، مار نہیں ہے۔ اور ۲۶/۶۳ کے اِسی عنوانِ واحد میں عبادی کی بجائے عَصَاكَ کے الفاظ آئے ہیں، اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ اب عصا کا معنی ڈنڈا بھی ہے اور جماعت بھی۔ فلہٰذا جب عبادی کا متبادل لفظ عَصَاكَ آیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہاں اِس سے ڈنڈا مُراد نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ کی جماعت بنی اسرائیل مُراد ہے۔ اور صحیح مفہوم یہ ہے کہ:۔ اپنی جماعت کو سمندر (کا خشک راستہ ۲۰/۷۷) بتا۔ ذیل میں الفاظ کا تقابل بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

- وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۥٓ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۲۰/۷۷
- فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۲۶/۶۳
- ہر دو آیاتِ کریمات میں ایک ہی واقعہ بیان ہوا ہے۔ ۲۰/۷۷ سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کو سمندر کا خشک راستہ بتانے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ فَاضْرِبْ لَهُمْ میں ضرب بمعنی بتانا ہی صحیح ہے۔ مارنا صحیح نہیں۔ اور سمندر کی کسی خلیج میں جذر کے وقت ہی راستہ خشک ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے دوسری آیت بھی جو اسی واقعہ کو بیان کرتی ہے۔ اُسی مفہوم جذر کے وقت سمندر کا خشک راستہ بتانے کی حامل ہے۔ نیز الفاظ کا تقابل بھی تائید کرتا ہے کہ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى، باہم واحد ہیں۔

اِضْرِبْ اِضْرِبْ، متقابل ہیں اور ھُم ضمیر برائے بنی اسرائیل کا متقابل ومتبادل عَصَاکَ آیا ہے، جس سے بنی اسرائیل مُراد ہیں، ڈنڈا مُراد نہیں۔ پس سمندر کو ڈنڈا مارنے اور پانی کے پھٹ جانے کے چیستانی تصوّر کی گنجائش نہیں کیونکہ دونوں آیتوں کے متقابل الفاظ بھی موجود ہیں۔ اور ڈنڈے کے ساتھ پانی کے نہ پھٹنے کا مشاہدہ بھی معارض ہے۔...... نیز اس عنوان میں بحر سے دریائے نیل مُراد لینا دُرست نہیں۔ کیونکہ اتنے اہم مرکزی دریا کے متعلق یہ تصوّر صحیح نہیں کہ نہ اِس پر کوئی پل تھا، اور نہ کشتیوں کا انتظام، اس لئے البحر سے مُراد سمندر کا وہ حصہ ہے جو سرزمین مصر کے اندر دُور تک چلا گیا ہے۔ اور سمندر کے مدّ وجذر کے ساتھ اُس میں بھی مدّ وجذر رہوتا تھا۔ آج کل نہر سویز کے ذریعہ اُسے بڑے سمندر کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

## بچھڑے کو معبود ٹھہرالیا

سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کا ایک جُرم یہ بتایا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے چالیس راتوں کیلئے کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ تو اُنہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی:۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً
اور جب وعدہ دیا ہم نے موسیٰ کو چالیس رات کا
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَ
پھر پکڑا تم نے گائے کا بچہ پیچھے اُس کے اور
اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ۵۱
تم ظالم تھے۔

اور وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے موسیٰ کو (طور پر کتاب لکھوانے کے لئے ۱۴۵/۷) چالیس راتوں کا وعدہ دیا۔ تو تم نے اُس کے پیچھے (انسان ہوتے ہوئے ایک حیوان) بچھڑے کو معبود بنالیا یعنی تم بے ٹھکانہ کام کرنے والے ہو۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ
پھر معاف کیا ہم نے تم سے پیچھے اس کے
لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ ۵۲
تو کہ تم شکر کرو۔

پھر ہم نے اُس کے بعد تمہیں معاف کر دیا۔ تا کہ تم اپنی اصلاح کر کے میرے شکر گزار بن جاؤ۔

وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ
اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب
وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝ ۵۳
اور چکوتی یعنی معجزے تا کہ تم راہ پاؤ۔

اور خصوصاً وہ وقت قابلِ ذکر ہے۔ جب ہم نے موسیٰ کو اپنی کتاب (تمہارے جُملہ متنازعہ مسائل کا حل) یعنی حق وباطل میں فرق کرنے والی (کسوٹی) عطا فرمائی، تا کہ اُس سے رہنمائی حاصل کرو۔

● (یہ بچھڑا گائے کا بچہ تھا یا دھات کا ڈھلا ہوا؟ اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ
اور جس وقت کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے اے قوم میری
اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ
تحقیق تم نے ظلم کیا جانوں اپنی کو ساتھ پکڑنے تمہارے کے
الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا
بچھڑے کو پس توبہ کرو طرف پیدا کرنے والے اپنے کے پس مارو
اَنْفُسَکُمْ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ
جانوں اپنی کو یہ بہتر ہے تم کو نزدیک
بَارِئِکُمْ ط فَتَابَ عَلَیْکُمْ ط اِنَّہٗ
پیدا کرنے والے تمہارے کے۔ پس پھر آیا اوپر تمہارے تحقیق
ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ ۵۴
وہ ہے پھر آنے والا مہربان۔

پھر وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! بلاشُبہ تم نے بچھڑے کو معبود ٹھہرا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ پس تم اپنے پیدا کرنے والے کے حضور غلطی کا اعتراف کرو۔اور نفسِ امّارہ کی مخالفت کرو(اپنی اصلاح کرلو) تمہارے پروردگار کے ہاں تمہارے لئے یہی امر بہتر ہے۔ پھر (جب تم نے اعتراف واصلاح کرلی تو) اُس نے تمہیں معاف کردیا۔ بلاشُبہ وہ (۱۶/۱۰۹، اعتراف واصلاح کے بعد) معاف کرنے والا مہربان ہے۔

## قتلِ اَنْفُسَکُمْ کا مفہوم

روایاتی تفاسیر نے اِس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دو۔ چنانچہ تفسیر ماجدی میں ہے کہ تقریباً تین ہزار بنی اسرائیل ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ موضح القرآن میں ستر ہزار لکھے ہیں۔ تفسیر ثنائی نے تاثر دیا ہے کہ ان الفاظ میں غیر مُجرموں کو حکم ہُوا ہے کہ وہ مُجرموں کو قتل کریں۔ لیکن یہاں قتلِ انفس کا معنٰی تصریفِ آیات کی رُو سے ثابت ہے نفسِ امّارہ کی مخالفت۔ یہاں ۲/۵۴ میں بصیغہ امر تُوْبُوْا کے بعد فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ آیا ہے، اور ۱۶/۱۱۹ میں بصیغۂ خبر تَابُوْا کے بعد اَصْلَحُوْا آیا ہے۔ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا لا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ ۱۶/۱۱۹ پس توبہ اور قتلِ انفس متقابل ومتبادل ہیں۔ اور مفہوم ہے نفسِ امّارہ کو ذلیل کرکے اپنی اصلاح کرلینا۔

## اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ

سلسلۂ درس کی اگلی آیت میں بنی اسرائیل کے گروہ کا ایک یہ جُرم بتایا گیا ہے کہ جب وہ کتاب لکھنے کیلئے حضرتِ موسیٰ کے ساتھ طُور پر گئے مطالبہ کیا کہ اللہ دکھا دو:۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ
اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز نہ ایمان لاوینگے ہم واسطے تیرے

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک کہ ہم

حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ
یہاںتک کہ دیکھیں ہم اللہ کو ظاہر پس پکڑا تم کو
الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ۵۵
بجلی نے اور تم دیکھتے تھے۔

اللہ کو ظاہر نہ دیکھ لیں۔ پھر (ایسا ہوا کہ موسیٰ نے اِس کے متعلق ہم سے سوال کر دیا۔ ہم نے پہاڑ پر بجلی گرائی $\frac{۷}{۱۴۳}$) تو تمہارے دیکھتے دیکھتے تمہیں بجلی نے پکڑ لیا (اور تم ایسے بے ہوش ہوگئے کہ گویا موت آگئی ہے)

ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِکُمْ
پھر جلایا ہم نے تم کو پیچھے موت تمہاری کے
لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ○ ۵۶
تو کہ تم شکر کرو۔

پھر ہم نے تمہیں اِس موت (کی سی حالت) کے بعد پھر اُٹھا کھڑا کیا، تاکہ تم اپنی اصلاح کر کے میرے شکر گزار بن جاؤ۔

● اِس آیت کے متعلق بھی روایتی تفاسیر نے یہ غلط تاثر دیا ہے کہ وہ ستر آدمی مر گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں پھر زندہ کر دیا تھا۔ حالانکہ مکافاتِ عمل کی دوسری زندگی سے قبل اِس دُنیا میں موت کے بعد زندہ کرنا قانونِ خداوندی ہی کے خلاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے خلاف کبھی نہیں کرتا $\frac{۳۵}{۴۳}$۔

وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا
اور سایہ بان کیا ہم نے اوپر تمہارے بادلوں کو اور اتارا ہم نے
عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ط
اوپر تمہارے منّ و سلویٰ
کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ط
کھاؤ پاکیزہ اس چیز سے جو دیا ہے ہم نے تم کو
وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ
اور نہ ظلم کیا اُنہوں نے ہم کو و لیکن تھے وہ جانوں اپنی کو
یَظْلِمُوْنَ ○ ۵۷
ظلم کرتے۔

اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے، جب (سینا کے بیابان میں بارشوں کی بہتات تھی، گویا کہ) ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔ اور (بارشوں کی کثرت سے تمہارے کھانے کے لئے) خودرَو درختوں کے میٹھے میوے، اور بٹیر کی قسم کے پرندے بکثرت پیدا کر دیئے۔ اور حکم دیا کہ ہم نے جو تمہیں مفیدِ صحت رزق عطا فرمایا ہے، خوب کھاؤ۔ لیکن (تمہارے اسلاف نے اِس نعمت کی بھی ناشکری کر کے) ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، اپنی ہی جانوں پر ظلم کر لیا تھا۔

**منّ وسلوٰی**

روایتی تفاسیر نے خود تسلیم کیا ہے کہ منّ جنگلی درختوں کی گوند تھی، جسے بنی اسرائیل کھاتے تھے، اور سلوٰی جنگلی پرندے تھے جنہیں پکڑ کر پکا لیتے تھے۔ (ترجمان القرآن آزاد)۔ لیکن ابنِ کثیر نے

لکھا ہے کہ مــنّ گوند کی قسم سے ہے، دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا۔ وہ صبح صادق سے لے کر، سورج نکلنے تک (آسمان سے) اُتر تا رہتا تھا۔ اور سلوٰی کے متعلق روایتی تفاسیر میں یہ تاثر بھی دیا گیا ہے۔ کہ آسمان سے بھُنے ہوئے پرندے نازل ہوتے تھے۔ حالانکہ اَنْـزَلْـنَـا الْـحَدِیْد ۵۷/۲۵ کے قرآنی الفاظ نے انزل کی لُغت پیش کی ہے، کہ اِس کا ایک معنٰی پیدا کرنا بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لوہا برسایا نہیں، بلکہ زمین میں پیدا فرمایا ہے۔

## ہجرتِ بنی اسرائیل کی صحیح پوزیشن عسکری ٹریننگ، ایک بستی کی مخالفت، اسکی فتح، اور اس میں داخلہ کا حکم

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت پر، قرآنی نکتہ نگاہ کے مطابق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ، ایسے حالات میں جبکہ مہاجرین کو صرف مصائب وشدائد ہی کا سامنا کرنا تھا۔ ایک نبی سلامٌ علیہ کے ذریعہ بنی اسرائیل کے بوڑھوں، جن میں انتہائی کمزور بھی ہوسکتے ہیں، عورتوں، جن میں حاملہ اور زچّہ بھی ہوسکتی ہیں، اور نابالغ بچوں کی ہجرت کا تصوّر بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت صرف انقلابی جماعت کے جوانوں اور ادھیڑ عمر کے طاقتوروں سے کروائی گئی۔ نیز ثابت ہوتا ہے کہ جب فرعون معہ لشکر غرق ہوگیا۔ تو پیچھے ملکہٴ فرعون مومنہ موجود تھی ۶۶/۱۱۔ اور دربار فرعون کا رجل مومن بھی موجود تھا ۲۸/۴۰۔ دونوں قوم بنی اسرائیل سے تھے۔ دونوں نے مل کر نظامِ سلطنت سنبھال لیا۔ اور حضرت موسیٰ نے اِس طرف سے مطمئن ہوچکنے کے بعد، اُس انقلابی گروہ کے لئے، جو حضرت یعقوب سلامٌ علیہ کے بارہ بیٹوں کی اولاد، بارہ قبیلوں پر مشتمل تھے، قبیلہ وار بارہ رجمنٹوں کی صورت میں، صحرائے سینا کی سطح مرتفع پر عسکری ٹریننگ کا اہتمام فرمایا اِس صورت میں کہ اُنہیں حقِ ربوبیّت کے مطابق اہلِ خانہ سے ملنے کی چھٹی بھی ملتی تھی۔ پس بنی اسرائیل کی اِس عسکری زندگی کی خوراک تھی منّ وسلوٰی، وہاں اُن سے مِیلوں لمبے مارچ، ڈبل مارچ، سردی گرمی اور دھوپ کے علاوہ بھوک پیاس برداشت کرنے، اور مصنوعی جنگوں کی مشق کرائی جاتی تھی۔ نیز اگلی آیتِ مجیدہ کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں اردگرد کوئی بستی تھی، جس نے اِس عسکری پروگرام کی مخالفت کی اور جنگ کی نوبت آئی۔ حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ نے اُسے فتح کرکے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو اُس بستی میں عاجزانہ انداز سے داخلے اور نظامِ ربوبیّت قائم کرنے کا حکم دیا۔ لیکن بنی اسرائیل نے وہاں بھی قانونِ الٰہیہ کی نافرمانی کی۔ چنانچہ خبر دی گئی ہے:۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ
اور جب کہا ہم نے داخل ہو اِس گاؤں میں
فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا
پس کھاؤ اُس سے جہاں چاہو تم بافراغت

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب ہم نے (حضرت موسیٰ کے ذریعہ) حکم دیا کہ اس (مفتوحہ بستی) میں داخل ہوجاؤ۔ (اور نظامِ ربوبیّت قائم کرکے) اس میں جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ[۱] پیو۔ اور دروازے[۲] میں اللہ کے

وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا
اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہو
حِطَّۃٌ نَّغۡفِرۡ لَکُمۡ خَطٰیٰکُمۡ ؕ
بخشش مانگتے ہیں ہم بخشیں گے ہم واسطے تمہارے خطائیں تمہاری
وَسَنَزِیۡدُ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾
اور البتہ زیادہ دیں گے ہم نیکی کرنے والوں کو۔

پُورے پُورے فرمانبردار ہوکر داخل[۳] ہونا۔ اور (بطور منشور اعلان کرنا) کہنا حِطَّۃٌ[۴]۔ (عوام کے بُوجھ اتارنا ہمارے ذمہ ہے) اِس طرح ہم تمہیں اُن لغزشوں[۵] سے بھی بچائیں گے[۶]۔ جو سربراہانِ نظام کرتے ہیں۔ نیز ہم معاشرہ میں حُسن پیدا کرنے والوں کو ضرور ضرور نعمتوں میں زیادہ کرتے ہیں۔

۱ ''کُلُوۡا مِنۡہَا حَیۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا'' کے الفاظ قرآنِ کریم میں اصطلاحاً نظامِ ربوبیّت کے قیام کیلئے آتے ہیں۔ جس میں ہر فرد بشر کو اُس کے حقوقِ ربوبیّت میسر ہوں۔ ہر فردِ ریاست ڈیوٹی ادا کرے اور جہاں سے چاہے کھائے پیئے۔ اِس کے برعکس ناہموار معاشرہ میں جہاں سے ''چاہو کھاؤ پیو'' کا تصوّر ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پرائے پُوت پہلے تو خود مرمّت کرتے ہیں اور پھر حوالۂ پولیس کر دیتے ہیں۔

۲ وَادۡخُلُوا الۡبَابَ میں الف لام عوض مضاف الیہ ہے۔ اور مضاف الیہ ہے مسجد، اسلامی منشور کا اعلان مسجد میں ہوتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے جمع ہونے کی جگہ، دیوان، عدالت، فریاد گاہ سب کچھ مسجد ہی ہوتی ہے $\frac{۵}{۱۰۶}$۔

۳ سجدہ کا لُغوی معنٰی ہے جھُکنا، اللہ تعالیٰ کا پُورا پُورا فرمانبردار ہونا۔ سربراہِ ریاست، جب دیوانِ عام کے دروازے میں داخل ہوتا ہے، جہاں ہزاروں لوگ اُس کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ اُس وقت کے لئے کہا گیا ہے۔ کہ اُس دروازے میں سُجَّدًا، پُورے فرمانبردار ہوکر داخل ہونا، اپنے آپ کو عوام ہی کا فرد سمجھنا، فخر و تکبر میں نہ آ جانا۔ لیکن تفسیر نعیمی مطبوعہ انجمن خدام الصوفیہ گجرات کے صفحہ نمبر ۲۷۵ پر بحوالہ سابقہ مفسرین لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، شہر کے دروازوں میں سجدہ کی حالت میں داخل ہونا۔ لیکن بنی اسرائیل سُرین (چوتڑوں) کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے یاللعجب! اور حِطَّۃٌ کی بجائے حِنۡطَۃٌ کہا۔

۴ حِطَّۃٌ کا سہ حرفی مادہ ح۔ ط۔ ط ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے ''کسی چیز کا اُوپر سے نیچے اُتارنا (دیکھئے مفردات امام راغب مطبوعہ مکتبہ القاسمیہ لاہور صفحہ ۲۳۰۔ نیز دیکھئے المنجد مترجم مطبوعہ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱ صفحہ نمبر ۲۶۰۔ فلہٰذا ربّانی ریاست کا فریضہ ہے ''لوگوں کے بوجھ اتارنا، جن کے نیچے وہ دبے ہوئے ہوں''۔ اور حِطَّۃٌ کا صحیح مقامی معنی یہی ہے۔

۵؎ خطا کا سہ حرفی مادہ خ. ط. و بمعنی قدم ہے۔اور اصطلاحاً غلط قدم کو خطا یا لغزش کہا جاتا ہے۔

۶؎ غفر کا سہ حرفی مادہ غ. ف. ر بمعنی بچانا ہے اسی مادہ سے مشتق ہے لفظ مِغفر، بمعنی خود، جو جنگ کے وقت سر کو ہر قسم کے خطرہ سے بچانے کے لئے پہنا جاتا ہے۔

المختصر! قرآنِ کریم نے حِطَّةٌ کے ایک ہی لفظ میں ربّانی معاشرہ کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔اور ربّانی حکومت کے منشور کے طَور پر دیوان عام، مسجد میں عوام کے سامنے سربراہِ ریاست کا اوّلین خطاب اور اوّلین اعلان بتایا ہے۔ حِطَّةٌ کہ یہ نظام عوام کے ہر قسم کے بوجھ اُتارنے کا ضامن ہے۔

## بنی اسرائیل کی نافرمانی

لیکن بنی اسرائیل نے ، بجائے اِس کے کہ نظامِ ربوبیّت قائم کرتے ، اپنی روایات یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کے مطابق حِطَّةٌ کا منشور ہی بدل ڈالا۔اور انفرادیّت کی دھاندلیوں میں مبتلا ہوگئے۔چنانچہ خبر دی گئی ہے:۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ
پس بدل ڈالا اُن لوگوں نے جنھوں نے ظلم کیا تھا بات کو سوائے

الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ
اس کے جو کہی گئی تھی واسطے اُن کے پس اُتارا ہم نے اُوپر اُن لوگوں کے

ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا
کہ ظلم کرتے تھے عذاب آسمان سے بسبب اس کے کہ تھے

يَفْسُقُوْنَ ۵۹ ع ۶/۱۳
فسق کرتے۔

لیکن اُن ظالموں نے ہمارے قول کو اُس قول کے ساتھ بدل ڈالا۔ جو اُنہیں نہیں کہا گیا تھا۔ پھر (نتیجہ یہ ہُوا کہ ) ہم نے ظلم کرنے والوں پر آسمان سے ذِلّت نازل فرمائی اِس لئے کہ وہ ہمارے احکام کی نافرمانی کیا کرتے تھے۔

## انزالِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ

آسمان سے وہی کچھ نازل ہوتا ہے، جو نیچے سے اُوپر کو اُٹھتا ہے۔ بخارات کی شکل میں پانی ہی اُوپر کو جاتا ہے۔اور پانی ہی برستا ہے۔ اِسی طرح اُن بنی اسرائیل پر جو غلامی اور ذِلّت کا آسمان سے نازل ہونا بتایا گیا ہے۔اِس کی تفسیر آیتِ مجیدہ کے آخری الفاظ میں کر دی گئی ہے۔''بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ''یہ اس لئے کہ وُہ بدستور نافرمانیاں کرتے چلے آرہے تھے۔یعنی جو کچھ اُوپر بھیجا، وہی کچھ نازل ہوا۔تفسیر موضح القرآن مطبوعہ شیخ برکت علی اینڈ سنز لاہور کے صفحہ نمبر۱۰ پر رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اُن پر آسمان سے وبا نازل ہوئی۔اور ایک پہر میں ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔تفسیر حسینی مطبع محمدی کانپور کے صفحہ نمبر۱۰ پر اِس

کی تفسیر بالفاظِ ذیل درج ہے:۔''آں عذاب آتشے بود کہ از آسمان فرود آمد وہمہ رابسوخت، یاطاعون برایشاں گماشتہ شد، کہ بیک ساعت بست وچہار ہزار کس مُردند وبقولے ہفتاد ہزار۔۔(ترجمہ) اور وہ عذاب ایک آگ تھی جو آسمان سے اُتری اور سب کو جلا دیا یا وہ طاعون تھی، جو اُن پر آئی کہ ایک ساعت میں چوبیس ہزار آدمی مرگئے۔ اور ایک قول کے مطابق ستر ہزار مرگئے۔ اِنہی صفحات پر لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے حِطَّۃٌ کی بجائے حِنْطَۃٌ کہنا شروع کیا کہ ہمیں تو گندم چاہئے۔۔تفسیر حسینی میں لکھا ہے:۔مرایشاں راحق سُبحانہٗ فرمودہ بود، بگوئید حِطَّۃٌ۔ ایشاں گفتند حِطّا سقاتا۔ یعنی گندم سرخ۔(ترجمہ) حق تعالیٰ نے اُنہیں کہا تھا کہو حِطَّۃٌ اُنہوں نے کہا گندم سُرخ۔ تفسیر نعیمی صفحہ ۲۷۲ پر لکھا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ حِطَّۃٌ بیت المقدس کا ایک دروازہ ہے۔ جس میں سے گزرنے کو مغفرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن صاحبِ تفسیر نے اسے خود ہی غلط قرار دیدیا ہے۔

## حقیقت حال

حقیقت حال یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے درسِ اوّل اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہی کو دہراتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بھی اجتماعی نظامِ ربوبیّت ہی کا حکم دیا تھا، جسے اُنہوں نے ہر موقعہ اور ہر مقام پر انفرادیّت میں بدل دیا جس کے بدلے اُن پر غلامی کی ذلت مسلّط کردی گئی۔

## بنی اسرائیل کے عسکری حالات

آیتِ مجیدہ $\frac{۲}{۵۷}$ میں صحرائی غذا کے تحت من وسلوٰی کا ذکر گزر چکا ہے۔ آیتِ ذیل میں اُن کی آبی ضروریات کے متعلق خبر دی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ | اور جب موسیٰ سلامٌ علیہ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی طلب فرمائی تو ہم نے کہا کہ اپنی جماعت کو (صحرا کی بجائے) پتھریلی زمین میں لے جائیں[1]۔ پس وہاں بارہ چشمے جاری تھے[2]۔ بلاشبہ ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ (ہم نے حکم دیا کہ سب مل کر منّ وسلوٰی) کھاؤ اور چشموں کا پانی پیو۔ لیکن، زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرنا۔ |
| اور جب پانی مانگا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے | |
| فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ ط | |
| پس کہا ہم نے مار ساتھ عصا اپنے کے پتھر کو | |
| فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا ط | |
| پس پھٹ نکلے اُس میں سے بارہ چشمے | |
| قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ط | |
| تحقیق جانا ہر آدمی نے گھاٹ اپنا | |
| کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ وَلَا | |
| کھاؤ اور پیو رزق اللہ کے سے ۔ اور مت | |

تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ۝۶۰

پھرو بیچ زمین کے فساد کرتے۔

**تفسیر، اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡحَجَرَ فَانۡفَجَرَتۡ** یہاں ضرب بمعنی چلنا اور جانا ہے اور با حرفِ جار کے ساتھ متعدی بمعنی لے جانا ہو گیا ہے۔ الحجر میں الف لام عوض مضاف ہے۔ یعنی ارضُ الحجر، پتھریلی زمین وسطحِ مرتفع۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ صحراؤں میں چشمے نہیں ہوتے، جہاں زمین پتھریلی ہو، وہاں پتھروں میں سے چشمے جاری ہوئے ہوتے ہیں۔ انسان صرف اُنہیں ڈھونڈتا ہے جاری نہیں کرتا۔ نیز یہاں عصا کا مقامی معنی جماعت ہے ڈنڈا نہیں (عصا بمعنی جماعت کی تفصیلی بحث آیت نمبر ۵۰ کی تفسیر میں گزر چکی ہے)۔ انفَجرَت کا یہ معنی کہ پتھر پر ڈنڈا مارنے سے اُس میں سے چشمے جاری ہو گئے۔ معارضۂ مشاہدات کی رُو سے غلط ہے۔ اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ بحکمِ الٰہی حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ اپنی جماعت بنی اسرائیل کو فوجی ٹریننگ کیلئے پتھریلے علاقے سطحِ مُرتفع پر لے گئے۔ جہاں بارہ چشمے جاری تھے۔ ہر رجمنٹ کی بیک وقت آبی ضروریات کو پُورا کرنے کیلئے۔ ہر ایک کو الگ الگ چشمہ سونپ دیا۔ اِس واقعہ میں یہ سبق موجود ہے کہ اُمت کو جب کبھی ایسے حالات سے واسطہ پڑ جائے تو صحرائی علاقوں کی بجائے پتھریلے خطوں میں پانی کی تلاش کرے۔ یہ نظریہ قیامت تک کے لئے پُوری نوعِ انسانی کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ لیکن اِس کے برعکس تفسیر نعیمی کے صفحہ ۲۰۹ پر الحجر کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

''الحجر' اس میں اختلاف ہے کہ اِس پتھر سے کوئی خاص پتھر مراد ہے یا عام۔۔۔۔۔ بعض[1] علماء فرماتے ہیں کہ یہ وہی پتھر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگا تھا...... حضرت جبریل نے عرض کیا تھا کہ آپ اِس کو تھیلے (توبرے) میں سنبھال کر رکھیں۔ اِس سے معجزات صادر ہونگے۔ بعض[2] نے فرمایا کہ یہ طُور کا پتھر تھا۔ بعض[3] فرماتے ہیں کہ یہ پتھر بھی عصا کی طرح جنتی تھا۔ جس کو آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے اور انبیاء کرام میں منتقل ہوتا ہوا شعیب علیہ السلام تک پہنچا۔ اور اُنہوں نے عصا کے ساتھ یہ پتھر بھی موسیٰ علیہ السلام کو عنایت فرمایا'' ...... بہر حال اِس بعض بعض کی گردان کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے کہ یہ جنتی پتھر تھا یا کوئی عام، پھر بھی یہ نظریہ نوعِ انسانی کے کسی کام نہیں آ سکتا۔ کیونکہ ڈنڈا مارنے سے پتھر سے پانی کبھی جاری نہیں ہوتا۔ (لفظ معجزہ کی بحث اپنے مقام پر آگے آ رہی ہے۔)

**عسکری زندگی کی پابندیوں سے فرار** اگلی آیت میں بنی اسرائیل کی ایک اور نافرمانی اور کٹ حجتی کی خبر دی گئی ہے کہ اُنہیں گھر کی آسائشوں سے الگ رکھنے کی غرض، نوجوانوں کو عسکری پابندیوں کا عادی بنانا تھا ۲/۲۴۹ میں آیا ہے کہ حضرت طالوت لشکر کو لئے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک نہر آ گئی۔ آپ

نے حکم دیا کہ خواہ کتنی زیادہ پیاس ہو، کوئی جوان چلّو بھر سے زائد پانی نہ پیئے۔ اسی طرح سطحِ مرتفع کی زندگی میں بنی اسرائیل پر صرف منّ وسلویٰ کھانے کی پابندی لگائی گئی تھی، جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے کہ انسانی طبیعت، میٹھا کھانے کے بعد نمکین مانگتی ہے۔ اور نمکین کے بعد میٹھا' اِس کے سوا انسانی طبیعت جو بدل بدل کر کھانے طلب کرتی ہے، عسکری نظام، اپنے عساکر کے لئے، اِس لئے خوراک پر پابندی لگاتا ہے کہ فوجوں کو کئی کئی مہینے مورچوں میں گڑ اور چنوں پر گزارا کرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی یہ بھی میسر نہیں آتے۔ لیکن بنی اسرائیل کے متعلق، جو صدیوں سے غلامی کے عادی ہو چکے تھے، خبر دی گئی ہے:۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى
اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز صبر نہ کریں گے ہم اوپر
طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ
کھانے ایک کے پس مانگ تو واسطے ہمارے پروردگار اپنے سے
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ
نکالے واسطے ہمارے اُس چیز سے کہ اُگاتی ہے زمین
بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا
ساگ اُسکے سے اور ککڑی اُسکی سے اور گیہوں اُسکے سے اور مسور اُسکے سے
وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ
اور پیاز اُس کے سے کہا کیا بدلتے ہو وہ چیز جو
هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا
وہ ناقص ہے بدلے اُس چیز کے کہ وہ بہتر ہے ۔ اُترو کسی
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ
شہر میں پس تحقیق واسطے تمہارے ہے جو مانگا تم نے اور
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَ
ماری گئی اوپر اُن کے ذلّت اور فقیری اور
بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ
پھر آئے ساتھ غصّہ کے اللہ سے یہ

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب تم نے کہا کہ اے مُوسیٰ سلامٌ علیہ! ہم ایک کھانے پر ہرگز استقامت نہیں کریں گے۔ پس آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمارے لئے اُن چیزوں کی (گنجائش) نکالے جو زمین اُگاتی ہے سبزیوں سے' اور ککڑیوں، گندم، مسور اور پیاز سے، مُوسیٰ نے فرمایا۔ کیا تُم ادنیٰ چیزوں کے ساتھ بہتر چیزوں کو تبدیل کرتے ہو۔ پس ہم نے کہا کہ فاتحانہ شان کی بجائے غلامانہ حالت کے ساتھ شہر میں جاؤ اور جو تم نے سوال کیا ہے، وہ تمہارے لئے وہاں موجود ہے۔ اِس طرح اُن پر غلامی کی ذِلّت اور محتاجی مسلّط کر دی گئی تھی۔ پس وُہ اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹے۔ یہ اِس لئے ہُوا کہ وُہ ہمارے واضح احکام کا انکار کرتے تھے۔ اور نبیوں کی تعلیم کی ناحق مخالفت کرتے۔ ہماری نافرمانی کرتے اور ہماری حدّوں کو توڑتے رہتے تھے۔

(یہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ تھا، جو عسکری پابندیوں سے گھبرا کر واپس غلامی اور ذِلّت میں لوٹ آیا)

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اس واسطے ہے کہ تھے کفر کرتے ساتھ نشانیوں اللہ تعالیٰ کے

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط

اور مار ڈالتے تھے پیغمبروں کو ناحق

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا

یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور تھے

يَعْتَدُوْنَ ۶۱ ع ۷

حد سے نکلتے

**یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ** روایتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل نبیوں سلامٌ علیہم کو قتل بھی کر دیا کرتے تھے۔لیکن یہاں قتل کا معنی مخالفت کرنا ہے۔قتل چونکہ مخالفت کا نتیجہ ہوتا ہے۔اس لئے یہ لفظ مخالفت کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔اور نبی کی مخالفت اُس کی لائی ہوئی تعلیم کی مخالفت ہوتی ہے۔نیز اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق، کہ مَیں اور میرے رسول سلامٌ علیہ غالب آئیں گے ۵۸/۲۱۔اگر نبیوں کو مقتول مان لیا جائے تو اللہ کا وعدہ غلط ہو جاتا ہے۔نیز مشاہدہ گواہ ہے کہ ایک ایک نبی اپنے مخالفوں پر غالب آیا تھا۔یا تو مخالف' میدانِ جہاد میں مغلوب ہو گئے۔اور یا اگر کسی نبی کو دشمن کے مقابلے کی مادی طاقت میسر نہیں آسکی تو مخالفوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور وہ نبی کی آنکھوں کے سامنے ہلاک کر دیئے گئے۔(اِس عنوان کی تفصیلی بحث آیت نمبر ۹۱ کی تفسیر میں صفحہ نمبر ۸۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔)

**اُخروی عدالت میں سب کے فیصلے اللہ کے ذِمّہ ہیں** اِس سے آگے بنی اسرائیل کے اُس عقیدہ کی تردید کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے کہتے ہیں:- نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۵/۱۸۔اِس لئے اُنہیں اُخروی عذاب نہیں ہوگا۔چنانچہ اُخروی کامیابی کو ایمان و عمل کے ساتھ مقیّد کر کے عام اصول پیش کیا گیا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا

تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور وہ لوگ کہ یہودی ہوئے

وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

اور عیسائی اور بے دین' جو کوئی ایمان لائے ساتھ اللہ

بلاشُبہ جو لوگ (زبانی زبانی) ایمان لائیں، یا وہ یہودی یا نصاریٰ، یا صابی ہوں (اللہ تعالیٰ قیامت کو سب کے فیصلے کر دے گا ۲۲/۱۷۔اُس کا مطلق قانون یہ ہے کہ) جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں، اور اصلاحِ (معاشرہ) کے کام کریں۔

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ
اور دِن پچھلے کے اور کام کرے اچھے پس واسطے اُنکے ہے
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ
ثواب اُنکا نزدیک رب اُنکے کے اور نہیں ڈر
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۶۲
اوپر اُن کے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

اُن کا بدلہ (اگر دنیا میں نہ ملے تو پھر بھی) اُن کے رب کے ہاں محفوظ ہے۔ اُن کے لئے نہ (قیامت کا) خوف ہے اور نہ وہ (اپنے اعمال کے لئے) غمگین ہوں گے۔

● یہ آیتِ مجیدہ، مزید دو مقامات ۵/۶۹ اور ۲۲/۱۷ میں آئی ہے۔ ۵/۶۹ کے الفاظ عین آیت صدر والے ہیں۔ لیکن ۲۲/۱۷ میں ایک پُورے جُملے کا اضافہ ہے:۔" اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" ...... یہاں اُلٹی واوَں میں دیا گیا پہلا پُورا جُملہ مبتدا اور دوسرا پُورا جُملہ اس کی خبر ہے۔ پس ۵/۶۹ اور آیت صدر میں جہاں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... الخ مبتدا کی یہ خبر مذکور نہیں۔ تصریفِ آیات کی رُو سے اِن آیات میں خبر محذوف ہے اور ۲۲/۱۷ میں مذکور ہے۔

## دامنِ طُور میں لیا گیا عہد

آیتِ بالا میں یہود و نصارٰی کے مشترکہ دعوٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۵/۱۸ کی اصولی تردید کے بعد اگلی آیت میں پھر بنی اسرائیل کے اُس میثاق کی خبر دی گئی ہے۔ جو اُن سے وادیِ طُور میں لیا گیا تھا:۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا
اور جب لیا ہم نے قول تمہارا اور اُٹھایا ہم نے
فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
اوپر تمہارے پہاڑ کو پکڑو جو کچھ دیا ہم نے تم کو
بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ
زور سے اور یاد کرو جو کچھ بیچ اس کے ہے تو کہ تم
تَتَّقُوْنَ ۶۳
بچو۔

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے تم سے پکّا عہد لیا۔ اور (تم اِس طرح پہاڑ کی جھکی ہوئی چٹانوں کے نیچے تھے۔ گویا کہ) ہم نے طُور کو تمہارے اُوپر بلند کر دیا[1] تھا (ہم نے حکم دیا کہ) جو کتاب ہم نے تمہیں عطا کی ہے، اُسے قوت کے ساتھ تھام لو۔ اور جو کچھ اِس کے اندر درج ہے، اُسے زندگی کے ہر مقام پر یاد رکھنا (اِس کے خلاف عمل نہ کرنا) تا کہ زندگی کے خطرات سے بچ جاؤ۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ج
پھر پھر گئے تم پیچھے اس کے پس اگر نہ ہوتا

پھر (تم اُس کے بعد) اِس عہدِ واثق سے پھر گئے۔ پھر اگر تم پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتا (یعنی ہمارے رسول موسیٰ

فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
فضل اللہ تعالیٰ کا اوپر تمہارے اور رحمت اس کی
لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ٦٤
البتہ ہو جاتے تم زیان پانے والوں سے

وہ ہارون اور ہمارا نازل کردہ ضابطہ تمہارے درمیان نہ ہوتا) تو تم ضرور گھاٹا کھانے والوں میں سے ہو جاتے۔

**فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ** پہاڑی سیّاحوں سے پوشیدہ نہیں کہ پہاڑوں کی بعض چٹانیں چھت کی مانند آگے کو نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اِس آیت میں ایسی ہی حالت کو رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ کہا گیا ہے۔ لیکن روائتی تفاسیر نے پُورے طُور کو سینکڑوں میل گہری جڑوں سمیت اُٹھا کر بنی اسرائیل کے اُوپر کھڑا کر دیا ہوا ہے۔ تفسیر نعیمی صفحہ ۲۹۵ پر بحوالہ تفسیر کبیر لکھا ہے:۔ جب حضرتِ موسیٰ سلام علیہ نے اُن (بنی اسرائیل) کو کتاب لا کر دی، یہ آزاد لوگ اِس کی پابندیاں اور سخت احکام دیکھ کر گھبرا گئے، تب اُن پر طور پہاڑ اُکھیڑ کر مثل شامیانہ کے کھڑا کر دیا گیا۔ روائت میں آتا ہے حضرتِ جبریل بحکمِ الٰہی، اِس پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُکھیڑ کر اور پَروں پر اُٹھا کر لائے۔ اور قدِ آدم فاصلہ سے بنی اسرائیل کے سر پر کھڑا کر دیا۔ بنی اسرائیل چار فرسخ (کوس) میدان میں پھیلے ہوئے تھے۔ پہاڑ بھی اتنا لمبا چوڑا کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ نہ قرآنی اصولِ ہدائت لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ، ایسے جبری نظریات کا حامل ہے۔ کہ سروں پر پہاڑ اُٹھا کر منوایا جائے۔ اور نہ قرآن فہمی کے قرآنی اصول ایسی تفاسیر کے حامل ہیں۔

**یومِ سبت کی بغاوت** اِس سے اگلی آئت میں دَورِ رسالت کے بنی اسرائیل کیساتھ خطاب قائم رکھتے ہوئے، انہیں اُن کے اسلاف کا وہ گروہ یاد دلایا جا رہا ہے، جس نے یومِ سبت (ہفتہ وار اجتماع) کے حکم سے بغاوت کر کے اپنے آپ کو خود ہی بندروں کے مقام پر پہنچا دیا تھا۔ $\frac{7}{163}$۔ یاد رہے کہ نوعِ آدم کو صاحبِ فہم وفراست پیدا کیا گیا ہے۔ مقامِ آدمیّت یہ ہے کہ اجتماعی نظام کے جُملہ احکام کی تعمیل برضا ورغبت کی جائے اسکے برعکس گلے میں ارباب اقتدار کی رسّی ڈلوا کر اُن کے اشاروں پر ناچتے رہنا بندروں کا کام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا
اور البتہ تحقیق جانتے تھے تم اُن لوگوں کو کہ حد سے نکل گئے
مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
تم میں سے بیچ ہفتے کے پس کہا ہم نے ان کو

اور بالتحقیق تم اُن لوگوں کو جانتے ہو، جنہوں نے تم میں سے اجتماعی نظام کے ہفتہ وار اجتماع میں حاضر ہونے کی نافرمانی کی $\frac{4}{154}$، $\frac{7}{163}$، $\frac{16}{124}$۔ پھر ہم نے اُنہیں (اپنے غیر متبدّل قانون کی زبان سے) کہا (کہ اجتماعی نظام کی

کُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ ۶۵
ہو جاؤ تم بندر ذلیل

مخالفت کی بدولت) بندر ہو جاؤ (یعنی بندروں جیسے ذلیل ہو جاؤ) ۷/۱۶۶، ۵/۶۰ ۔

● آیتِ بالا میں اجتماعی نظام کی بغاوت کی سزا بتائی گئی ہے ایسی بدترین ذِلّت، کہ جس طرح بندر کا کوئی ذاتی مقام نہیں ہوتا اُس کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ اُس کی رسّی بندر والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ اُس کے پیچھے پیچھے بھاگنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ وہ جہاں چاہتا ہے، اُسے کھونٹے کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ اور جہاں چاہتا ہے، نچانا شروع کر دیتا ہے یہی حال بنی اسرائیل کا بتایا گیا ہے، وہ اجتماعی نظام کی حدُود کو توڑ کر بالآخر اِس مقام پر پہنچ گئے، کہ مقتدر اقوام کی رسّی اُن کے گلے میں ہے اور بندر کی طرح اُن کے پیچھے پیچھے چلنے اور بھاگنے کے لئے مجبور ہیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں اُنہیں کھونٹے کے ساتھ باندھ دیتے ہیں۔ اور جہاں چاہتے ہیں نچانا شروع کر دیتے ہیں۔ اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل کے یہ حالات اور اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے اصول محض ظرافتِ طبع کے لئے قِصّہ خوانی کے انداز سے بیان نہیں کئے جا رہے، بلکہ بتانا یہ مقصود ہے کہ اُن کی یہ حالت قسمت و تقدیر کے تراشیدہ نظریہ کے مطابق نہیں ہوئی، بلکہ یہ اُن کی اپنی نافرمانیوں کی سزا ہے۔ اور جو قومیں اِس ذِلّت سے بچنا چاہتی ہیں اُن کے لئے وہ ایک چلتا پھرتا درسِ عبرت ہیں:۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا
پس کیا ہم نے اس قِصّہ کو عبرت واسطے اُن کے جو آگے اُنکے تھے

وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۶۶
اور جو پیچھے اُن کے تھے اور نصیحت واسطے پرہیزگاروں کے۔

پس ہم نے اُن کی مذکورہ حالت کو اُن کے زمانہ کے لوگوں کے لئے، اور اُن کے بعد والوں کے لئے، اور متّقین کے لئے (یعنی جو اِس ذِلّت سے بچنے کے متمنّی ہیں) درسِ عبرت و موعظت قرار دیا ہے۔

## معبود بنائے ہوئے بچھڑے کو ذبح کر دو

پیچھے ۲/۵۱ میں گزر چکا ہے کہ حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے ایک بچھڑے کی پُوجا شروع کر دی، یاد رہے کہ پُوجا خواہ کسی کی ہو، اور خواہ کسی بھی انداز، یا طور طریقے کی حامل ہو۔ اُس میں بنیادی عقیدہ یہ کارفرما ہوتا ہے کہ اُسے حاجت روا اور مشکل کشا مانا جاتا ہے، چنانچہ اِس چیز کا عملی ثبوت منظرِ عام پر لانے کے لئے، تمہارا ٹھہرایا ہُوا حاجت روا اور مشکل کشا، یعنی ناچیز بچھڑا جب اپنے گلے کو چھُری سے نہیں بچا سکتا تو تمہاری دستگیری اور مشکل کشائی کیا کر سکے گا، اِس لئے اُسے ذبح کرنے کا حکم نافذ فرمایا:۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ
اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا (بقرہ) بچھڑے کو ذبح کر ڈالو۔ انہوں نے کہا کیا تو ہم

یَـاْمُرُ کُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً ؕ قَالُوْآ
حکم کرتا ہے تم کو یہ کہ ذبح کرو ایک بیل کہا انہوں نے
اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ
کیا پکڑتا ہے تو ہم کو ٹھٹھا کہا پناہ پکڑتا ہوں ساتھ اللہ کے یہ کہ
اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ ٦٧
نہ ہو جاؤں میں جاہلوں سے ۔

سے تمسخر کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ (اُس کے ذمّہ غلط حکم) لگا کر جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

● اس آئت میں بقرہ کا لفظ غور طلب ہے جس کا معنٰی عامتہ المفسرین نے گائے لے کر یہ تاثّر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی ایک گائے ذبح کر ڈالو۔ کیوں؟ اِس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے ''تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ نوع کِس طرح معبود ہو سکتی ہے جو اپنے آپ کو چھُری سے نہیں بچا سکتی۔ یہ جواب یہاں اِس لئے فِٹ نہیں آتا کہ، کسی ایک گائے کے ذبح کا حکم اخذ کرنے والے، کسی گائے کے بچھڑے کو سامری کا معبود نہیں ٹھہراتے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اُس نے قوم سے زیورات لے کر سونے چاندی کا بچھڑا ابنایا اور اُسے اندر سے خالی رکھا تھا۔ جنابِ جبریل کی گھوڑی کے پاؤں تلے کی مٹی اُس کے اندر ڈالی تو اس کی برکت سے وہ بچھڑے کی سی آواز نکالنے لگ گیا تھا۔ (ان امور کی وضاحت اپنے مقام پر آگے آئے گی)۔ افسوس ہے کہ روائتی تفاسیر میں اتنی سی فراست بھی موجود نہیں، کہ پہلے تو حضرتِ جبریل کو پروں والا فرشتہ ٹھہراتی ہیں۔ اور پھر اُنہیں گھوڑی پر سوار کرتی ہیں کیا کسی پروں والے کو سفر کے لئے چار پائے کی ضرورت ہوتی ہے؟ یاللعجب)۔

● حقیقت یہ ہے کہ، یہ گائے کا نوجوان بچھڑا تھا۔ سامری نے قوم کے زیورات کے ساتھ اُسے سنگھارا ہُوا تھا۔ گئو سالہ پرستی، دُنیا کے مختلف حِصّوں میں آج تک موجود ہے۔ یہاں جس چیز سے دھوکہ لگتا ہے، وہ ہیں العجل اور بقرہ کے الگ الگ الفاظ۔ سمجھا یہ گیا ہے، کہ العجل تو تھا دھات کا ڈھالا ہُوا بچھڑا، سامری نے جس کی پُوجا شروع کروا دی تھی۔ اور یہ اُس العجل سے الگ ہے بقرۃً ، جس کے ذبح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے، ایک مُردے کو زندہ کرنے کے لئے دیا تھا (وضاحت آگے آرہی ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بقرہ وہی العجل ہے جسے بنی اسرائیل نے حاجت روا اور مشکل کشا ٹھہرایا ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے ذبح کر دینے کا حکم دیدیا ہے۔ کہ دیکھ لو تمہارا مشکل کشا تو اپنے آپ کو بھی چھُری سے نہیں بچا سکتا تمہاری مشکلیں کیا آسان کرے گا۔ یاد رہے کہ یہاں بقرۃً کی تنوین بدل الاضافت، عوض مضاف ہے اور تقدیرِ کلام ہے:۔ اَنْ تَـذْبَـحُـوْا عِـجْلَ بَقَرَۃٍ اور یہ وُہی عجل ہے جس کا ذکر ۲/۵۱ میں گزر چکا ہے۔ فلہٰذا اُسی بچھڑے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جسے بنی اسرائیل نے معبُود ٹھہرالیا تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ اگلی آیات کریمات خود فیصلہ کر دیں گی کہ، جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا

گیا تھا، وہ معبود ٹھہرایا ہُوا بچھڑا ہی تھا۔ کوئی عام گائے نہیں تھی اُس کا بے داغ زرد رنگ تھا' اور اِس چیز کے پیشِ نظر کہ وہ اُن کا معبود تھا، اُسے مقدّس مان کر، اُس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ نہ اُسے ہل میں جوتا جاتا تھا نہ کنوئیں میں۔ اب غور فرمائیں کہ جب حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ نے فرمایا کہ واقعۃً اللہ تعالیٰ نے بقرہ کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو قوم نے کہا:۔...... (نوٹ) اِن آئتوں میں ھِیَ اور ھَا مونث کی ضمیریں ماقبل مذکور لفظ بَقَرَۃً کی رعائت سے آ رہی ہیں کیونکہ ضمیر عموماً اسم ظاہر کی آیا کرتی ہے۔ اِس لئے واضح رہے کہ ترجمہ میں حقیقت کے مطابق مذکر الفاظ لائے جا رہے ہیں۔

قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا
کہا اُنہوں نے دعا کرو واسطے ہمارے رب اپنے سے بیان کرے واسطے ہمارے
مَاهِیَ ط قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
کیا ہے وہ بیل ، کہا تحقیق وہ کہتا ہے تحقیق وہ بیل ہے نہیں
فَارِضٌ وَّلَا بِکْرٌ ط عَوَانٌۢ بَیْنَ
بوڑھا اور نہ بچّہ جوان ہے درمیان میں اُس کے
ذٰلِکَ ط فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ٥ ۶۸
پس کرو جو کچھ حکم کئے جاتے ہو۔

قوم نے کہا کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے پوچھیئے کہ وہ کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک وہ کہتا ہے کہ وہ (گائے کا) بچھڑا نہ بوڑھا ہے نہ بچّہ، درمیانہ عمر کا نوجوان ہے پس کرو جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔
بقرہ کا لفظ گائے اور بیل دونوں کے لئے آتا ہے۔ یہاں بتا دیا گیا ہے کہ وہ نوجوان تھا۔ نہ بوڑھا نہ بچہ۔ اِسی کو ۲/۵۱ میں العجل کہا ہے۔

قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ
کہا انہوں نے دُعا کرو واسطے ہمارے رب اپنے سے بیان کرے
لَّنَا مَالَوْنُهَا ط قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا
واسطے ہمارے کیا ہے رنگ اس کا کہا تحقیق وہ کہتا ہے تحقیق وہ
بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ لا فَاقِعٌ لَّوْنُهَا
بیل ہے زرد گہرا ہے رنگ اُس کا ۔
تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ ٥ ۶۹
خوش کرتا ہے دیکھنے والوں کو۔

قوم نے پھر کہا کہ اپنے پروردگار سے پوچھیئے کہ اُس کا رنگ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، بے شک وہ کہتا ہے کہ اُس کا گہرا زرد رنگ ہے۔ دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہے (یعنی اُسے دیکھنے والے، دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں ۔ ایسا خوبصورت کہ دیکھنے سے جی نہ بھرنے پائے)

قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ
کہا انہوں نے دُعا کرتو واسطے ہمارے پروردگار اپنے سے بیان کرے

قوم نے پھر کہا کہ آپ اپنے پروردگار سے پوچھیئے کہ وہ کیسا ہے۔ بلاشُبہ وہ (گائے کا بچھڑا) ہم پر مشتبہ

لَنَا مَا هِيَ لا اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ط
واسطے ہمارے کیا ہے وہ بیل تحقیق وہ بیل مل گیا ہے اوپر ہمارے
وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ○ ۷۰
اور تحقیق ہم اگر چاہا اللہ نے البتہ راہ پانیوالے ہیں۔

ہو گیا ہے۔(آپ پورے پورے نشانات بتایئے) تو اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پانے والے ہو جائیں گے۔

● اِس آئت کے آخری الفاظ میں بچھڑے کے ذبح کرنے کو ہدائت کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔لہٰذا یہ الفاظ بھی اِسی امر کی دلیل ہیں کہ یہ وُہی بچھڑا تھا۔جس کی بدولت وہ گمراہ ہو گئے تھے،کوئی عام گائے نہیں تھی۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ
کہا تحقیق وہ کہتا ہے تحقیق وہ بیل ہے نہ جوتا ہوا کہ
تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ج
پھاڑے زمین کو اور نہ پانی پلاتا کھیتی کو
مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ط قَالُوا الْئٰنَ
تندرست ہے۔نہیں ہے داغ بیچ اس کے کہا انہوں نے اب
جِئْتَ بِالْحَقِّ ط فَذَبَحُوْهَا وَ
لایا تو سچ پس ذبح کیا انہوں نے اس کو اور
مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ ۷۱ ع ۸
نہ نزدیک تھے کہ کریں۔

آپ نے فرمایا،بلاشبہ وہ کہتا ہے کہ بے شک وہ ایک گائے (کا بچھڑا) ہے،جس سے نہ زمین پھاڑنے (یعنی ہل چلانے) کا کام لیا جاتا ہے۔اور نہ کھیتوں کی آبپاشی (یعنی کنوئیں میں جوتنے) کا۔وہ ہر طرح سے صحیح سالم اور بے داغ ہے۔اِس پر قوم نے کہا کہ اب آپ حق پر پہنچ گئے ہیں (یعنی اب آپ نے اُس کے جملہ نشانات ٹھیک ٹھیک بتا دیئے ہیں) پس اُنہوں نے اُسے ذبح کر دیا۔حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔

## یہ پُورے نشانات اُسی سانڈھ دیوتا کے ہیں جسے معبود ٹھہرالیا گیا تھا

بنی اسرائیل نے اپنے دیوتا کے نشانات بتدریج دریافت کیئے۔اور جب حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ نے سب کے سب نشانات بتا دیئے تو اُنہوں نے کہا:۔اَلْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ یہ الفاظ اِس امر کی دلیلِ جلیل ہیں کہ، جس العجل کو بنی اسرائیل نے حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ سے پوشیدہ رکھا ہُوا تھا' یکے بعد دیگرے اُسی کے نشانات پُوچھے گئے۔جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب نشان ٹھیک ٹھیک بتا دیئے گئے تو بنی اسرائیل نے خود اقرار کیا کہ اب آپ نے پُورے پُورے نشانات بتا دیئے ہیں۔غور فرمایئے گا! کہ زیورات سے سنگھارنا' اور اُسے ہل اور کنوئیں وغیرہ کی مشقت سے آزاد رکھنا' یہ سب کچھ خُود ٹھہرائے ہوئے معبود کے نشانات ہیں،کسی عام گائے کے نہیں۔اگر یہاں کوئی عام گائے مُراد ہوتی تو اُس کے نشانات

پُوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

● اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کی خبر دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ اُنہوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔لیکن چونکہ موقعہ کا گواہ کوئی نہیں تھا۔ اِسلئے قاتلوں ہی نے دوسرے بے گناہوں پر قتل کا الزام دھرنا شروع کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت میں کہ جب موقعہ کا کوئی گواہ موجود نہ ہو، تو وقوعہ کا صحیح سراغ لگانے کیلئے حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ کے ذریعہ ایک کامیاب ترکیب کی وضاحت فرمائی ہے۔جس سے قاتل کا سو فیصدی صحیح سُراغ مل جاتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ
اور جب مار ڈالا تم نے ایک جان کو پس اختلاف کیا تم نے

فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ
بیچ اس کے اور اللہ نکالنے والا ہے جو تھے تم

تَكْتُمُوْنَ ۚ ۷۲
چھپاتے۔

اور جب تم نے ایک (نفس،ایک) شخص کو قتل کر دیا، پھر تُم اُس کے بارہ میں ایک دوسرے پر الزام دھرنے لگے اللہ تعالیٰ اس راز کو نکالنے والا تھا، جسے تم چھپائے ہوئے تھے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ
پس کہا ہم نے مارو اس کو ساتھ حصّے ایک ٹکڑے اُس کے کے اسی طرح

يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ
اللہ زندہ کرتا ہے مُردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو نشانیاں

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۷۳
اپنی تو کہ تم سمجھو۔

پس ہم نے موسیٰ سلامٌ علیہ کے ذریعہ کہا کہ واقعۂ قتل کے الگ الگ حصّوں کو موسیٰ کے سامنے بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح چھپے رازوں کو ظاہر کرتا ہے...... (مقتولوں کے قصاص ۲/۱۷۹ کے ذریعہ تمہیں زندہ کرتا ہے) اور تمہیں اپنی آیتیں (احکام) سمجھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔

**اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا**

اِن الفاظ میں ضرب کا معنی مارنا نہیں، بلکہ بیان کرنا ہے اور اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کا معنٰی ہے بیان کرو حضرت موسیٰ کے سامنے واقعہ قتل کے الگ الگ حصّے جو تم الگ الگ جانتے ہو۔ تاکہ قاتل عیاں ہو جائے اور اُس سے قصاص لیا جائے:۔ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ ۲/۱۷۹ = اور عقلمندو! قصاص ہی میں تو تمہاری زندگی ہے۔

**کَذٰلِکَ یُحۡیِ اللّٰہُ الۡمَوۡتٰی** یہاں یہ جُملہ بطور مجاز آیا ہے کیونکہ مُردے صرف قیامت کو زندہ کئے جائیں گے:۔ ثُمَّ اِنَّکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تُبۡعَثُوۡنَ o ۲۳/۱۶۔ یہاں اُس حقیقتِ واقعہ کو زندہ کرنے کی خبر دی گئی ہے، جو موقعہ کے گواہ مُیسّر نہ آنے کی بدولت مُردہ ہو چکی تھی۔ گُم ہو چکی تھی۔

چنانچہ آئت بالا میں بتایا گیا ہے کہ حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے کچھ افراد نے اپنے ہی ایک شخص کو نہایت رازداری کے ساتھ قتل کر دیا، چونکہ اتفاق ایسا ہُوا کہ موقعہ کا گواہ کوئی نہیں تھا۔ اِس لئے قاتلوں کا صحیح سراغ لگانا مشکل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ کے ذریعہ بستی کے جُملہ افراد کو حکم دیا کہ وقوعۂ قتل سے متعلق جو جو حالات الگ الگ افراد، اپنی اپنی معلومات کے مطابق مہیّا کر سکتے ہیں حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ کے سامنے بیان کریں:۔ اِضۡرِبُوۡہُ بِبَعۡضِہَا ۲/۷۳ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ الگ الگ بیانات کی مختلف کڑیوں کو باہم ملانے سے قاتل عیاں ہو گئے، اور حقیقتِ واقعہ بےنقاب ہو گئی:۔ وَاللّٰہُ مُخۡرِجٌ مَّا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ o ۲/۷۲۔

● مختلف افراد کے بیانات کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے بیان دیا کہ وقوعۂ قتل سے چند منٹ پیشتر میں نے زید اور بکر کو جائے وقوعہ کی طرف رازدارانہ انداز کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ دوسرے نے بتایا کہ میں نے وقوعہ کے چند منٹ بعد زید اور بکر کو جائے وقوعہ سے اِس طرح واپس آتے ہوئے دیکھا کہ ان سے خوف آ رہا تھا۔ تیسرے نے کہا کہ مَیں نے کل زید کو خنجر تیز کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ چوتھے نے کہا کہ میں نے کل زید اور بکر کو مقتول کے ساتھ جھگڑتے ہوئے اور یہ دھمکی دیتے ہوئے پایا تھا کہ عنقریب تیرا قِصّہ پاک ہُوا چاہتا ہے۔ تو اِس طرح اِن مختلف بیانات کو جو اگرچہ موقعہ کے گواہوں کے نہیں ہیں، یکجا کرنے سے یہ چیز نکھر کر عیاں ہو جاتی ہے کہ زید اور بکر دونوں قاتل ہیں...... یہ تو ہوئی آیتِ بالا ۲/۷۳ کی وُہ تفسیر، جو قیامت تک کی نوعِ انسانی کی رہنمائی کرتی ہے کہ اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ تمہیں وارداتِ قتل، یا اور مختلف قسم کے وقوعہ جات کے عینی گواہ مُیسّر نہ آئیں تو باقی افراد وقوعہ کے متعلق جو الگ الگ معلومات رکھتے ہوں، قاضی کے سامنے بیان کریں۔ اور وہ اُن بیانوں کی مختلف کڑیوں کو ملا کر مجرم کا سراغ لگا لیا کرے، لیکن روائتی تفاسیر نے اِس آئت کے ساتھ ایک انتہائی عقل دشمن افسانہ چسپاں کر رکھا ہے، حالانکہ آئتِ مجیدہ کے آخری الفاظ ہیں لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ = تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔

**روائتی تفسیر** تفسیر نعیمی، ثنائی، اشرفی، عزیزی، موضح القرآن اور ابن کثیر وغیرہ سب میں اِس آئت کی یہ تفسیر درج ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ اور اِس جرم کو ایک دوسرے کے سر تھونپنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مذبوحہ گائے کے ٹکڑے مقتول کے جسم پر مارو، یہ اِضۡرِبُوۡہُ بِبَعۡضِہَا کا مفہوم لیا گیا ہے۔ اِس طرح

مقتول زندہ ہوگیا۔ اور اُس نے خود بتا دیا کہ میرا قاتل فلاح شخص ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تفسیر آئتِ مجیدہ کے آخری جملہ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ہی کے خلاف ہے۔ کیونکہ کسی قاتل کی تلاش کے لئے گائے ذبح کر کے اس کے ٹکڑوں کو اُٹھا اُٹھا کر مقتول کے جسم پر مارنا عقل کا کام نہیں اور نہ اِسے قاتل کی تلاش کا مجرّب نسخہ بتا کر غیر مسلم اقوام کے سامنے پیش ہی کیا جاسکتا ہے۔

## بنی اسرائیل کے قلوب بالآخر سخت ہوگئے

اگلی آئتِ مجیدہ میں زمانۂ رسالت کے بنی اسرائیل کی طرف خطاب قائم رکھتے ہوئے، اُن کی آخری حالت کی خبر دی گئی ہے:۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

پھر سخت ہو گئے دل تمہارے پیچھے

ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ

اِس کے پس وہ مانند پتھروں کے ہیں یا زیادہ

قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا

سختی میں اور تحقیق بعضے پتھروں میں سے وہ ہے کہ

يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا

پھوٹ نکلتی ہیں اس میں سے نہریں اور تحقیق بعض اُن میں سے وہ ہے کہ

يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ

پھٹ جاتا ہے پس نکلتا ہے اُس میں سے پانی اور تحقیق

مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا

اُن میں سے البتہ وہ ہے کہ گر پڑتا ہے ڈر اللہ کے سے اور نہیں

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۷۴

اللہ بے خبر اُس چیز سے کہ کرتے ہو تم۔

پھر (اِس طرح بار بار کی نافرمانیوں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ) اِس کے بعد تمہارے قلوب (انسانیت کی طرف سے) سخت ہوگئے، گویا کہ وہ پتھر کی مانند ہیں۔ یا اُس سے بھی زیادہ سخت، حالانکہ بعض پتھر ایسا ہے اُس سے نہریں جاری ہوجاتی ہیں۔ اور بعض ایسا ہے۔ کہ وُہ (ہمارے طبعی قوانین کے مطابق) پھٹ جاتا ہے۔ اور اُس سے پانی (کا چشمہ) بہہ نکلتا ہے اور اُن میں سے بعض ایسا ہے کہ (ہمارے طبعی قوانین) کے[1] مطابق اپنی جگہ بدل دیتا ہے[2] (یعنی سختی چھوڑ کر نرم ہوجاتا ہے کہ وہ پیسا جاسکتا اور انسانیت کے کام آتا ہے۔ لیکن تم ہو کہ انسانیت کے غم میں پسیجتے تک نہیں، لیکن یاد رکھو کہ) تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُس سے غافل نہیں (تمہاری ہر نافرمانی کی سزا باقاعدہ مرتّب ہوتی چلی جارہی ہے)۔

## يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ[1-2]

خشیّت کا سہ حرفی مادہ خ۔ش۔ی ہے۔ اِس کا بنیادی معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غیر متبدّل قوانین کی مخالفت کے انجام سے کانپ جانا۔ نوعِ انسانی کیلئے دو قسم کے قوانین ہیں۔ طبعی اور شرعی، شرعی یا تکلیفی قوانین میں، اِسے اختیار وارادہ دیا گیا ہے خواہ وہ فرمان پذیر ہوجائے۔ خواہ نافرمان۔ لیکن طبعی قوانین میں یہ اُسی طرح مجبورِ محض ہے جس طرح باقی کی پُوری کائنات۔ نہ وہ طبعی قوانین کی مخالفت کرسکتی

ہے نہ یہ۔آئت بالا میں پتھروں کے طبعی قوانین بیان ہوئے ہیں کہ بعض پتھر ایسے ہیں کہ اُن کے پیچھے پانی کا عظیم ذخیرہ جمع ہوتا ہے اور اُن کے شگافوں میں سے نہریں اور دریا بہہ نکلتے ہیں ۔اور بعض پتھر ایسے ہیں کہ اُن میں پھٹ جانے کی خاصیّت موجود ہوتی ہے ۔ پھٹ جانے والے پتھروں کے درمیان مخالف رنگ کی دراڑیں سی موجود ہوتی ہیں، جو پھٹ جاتی ہیں اور اُن سے چشمے پھُوٹ پڑتے ہیں۔اور اِسی طرح بعض ایسے ہیں کہ طبعی قوانین کے مطابق بتدریج سختی چھوڑ کر نرمی اختیار کرتے رہتے ہیں ۔یہ ہے اُن کا ھبوط مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ' یعنی اپنی جگہ بدل دینا۔اُوپر سے نیچے کو آجانا۔سختی چھوڑ کر نرمی اختیار کر لینا۔اِس طرح وہ آسانی کے ساتھ پیسے جاسکتے ہیں' اور سیمنٹ وغیرہ کی صورت میں نوعِ انسانی کی خدمت کرتے ہیں ۔اِس طرح قرآنی لُغت کی رُو سے خشیّت کے عمل میں خدمتِ انسانی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

● ھبط کا سہ حرفی مادہ ہے ہ۔ ب ۔ط جس کا بنیادی معنی ہے جگہ بدل کر اُوپر سے نیچے کو آنا۔کسی جگہ سے نکل جانا وغیرہ۔اب رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ جس طرح انسان باقی کائنات سمیت اللہ تعالیٰ کے طبعی قوانین کی اطاعت پر مجبور ہے۔اُسی طرح ،اُس کے اُن شرعی ، تکلیفی قوانین کی ، برضا ورغبت اطاعت کرے ،جن کی اطاعت ومخالفت میں اُسے مختار بنادیا گیا ہے۔

## مومنینِ زمانۂ رسالت سے خطاب

آیاتِ بالا میں قوم بنی اسرائیل کے بزرگوں کی گونا گُوں نافرمانیوں' اور انجام کار پتھروں سے بھی، اِس طرح سخت ہوجانے کی خبر دینے کے بعد کہ اُن سے تو، پھٹ جانے ،نرم ہوجانے اور مقام بدل دینے کی امید ہوسکتی ہے۔لیکن بنی اسرائیل سے کوئی امید باقی نہیں ۔اگلی آئت میں مومنینِ دَورِ رسالت سے کہا جارہا ہے کہ اُن کی اِس کیفیّت کے باوجود کیا تم اِس چیز کا طمع کرتے ہو کہ یہ ایمان لے آئیں:۔

| | |
|---|---|
| اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ<br>کیا پس طمع رکھتے ہو تم یہ کہ ایمان لاویں واسطے تمہارے<br>وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ<br>اور تحقیق تھا ایک فرقہ اُن میں سے سنتا<br>كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا<br>کلام اللہ کا پھر بدل ڈالتے تھے اُس کو پیچھے اُس سے | پھر کیا تم طمع کرتے ہو کہ یہ تمہارے لئے (یعنی تمہاری خاطر سے ضابطۂ خداوندی پر ) ایمان لے آئیں ۔حالانکہ اُن میں ( علماء کا ) ایک گروہ موجود ہے ، جو اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں ، پھر اُسے اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اُس میں تحریف کرتے ہیں ۔ اور وہ جانتے ہیں کہ وہ تحریف کررہے ہیں ۔اور قوم علماء کے پیچھے لگتی ہے۔ |

عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ۷۵
کہ سمجھ لیا تھا اس کو اور وہ جانتے تھے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا
اور جب ملتے ہیں اُن لوگوں سے کہ ایمان لائے کہتے ہیں
اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ
ایمان لائے ہم اور جب اکیلے ہوتے ہیں بعضے اُن کے طرف بعضے کے
قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ
کہتے ہیں کیا کہہ دیتے ہو تم اُن سے جو کھولا اللہ تعالیٰ نے
عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ
اور پر تمہارے تو کہ جھگڑیں تم سے ساتھ اُس کے نزدیک رب تمہارے کے
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ۷۶
کیا پس نہیں سمجھتے۔

اور اُن کی حالت یہ ہے کہ جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اور جب ایک دوسرے کی خلوت گاہوں میں جاتے ہیں، تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں، کہ کیا تم مومنوں سے (اپنی کتاب کے راز کی) ایسی باتیں کہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولے ہیں، تاکہ وہ اُس کے ساتھ تمہارے پروردگار کے حضور میں تم سے جھگڑا کریں۔ تم مومنوں کو (اُن کی تائید کرنے والی) باتیں بتا کر کیوں عقل سے کام نہیں لیتے۔

## اہلِ کتاب کا مومن گروہ

یہ تو ہوئے بنی اسرائیل کے علماءِ سُوء۔ اہلِ کتاب، یہود و نصاریٰ کے علماءِ حسن کے ایک گروہ کی خبر ۳/۱۱۳، ۵/۸۴ اور ۲۸/۵۳ میں دی گئی ہے۔ جو قرآن سنتے ہی مومن ہو گئے تھے:۔ لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ ۳/۱۱۳ = سے وہ سب برابر نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب میں ایک گروہ دین پر قائم ہے۔ وہ رات کی ابتدائی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں پڑھتے اور اُس کے حضور سجدۂ (صلوٰۃ) بجالاتے ہیں۔ یہ علماءِ حسن کا گروہ تھا جس کے متعلق خبر دی گئی ہے:۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۵/۸۳ = اور جب وہ اُس کتاب قرآن کو سُنتے ہیں، جو رسول کی طرف نازل ہوئی ہے۔ تو (اَے رسول سلامٌ علیہ!) آپ دیکھتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ اِس لئے کہ اُنہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اَے ہمارے پروردگار ہم اِس پر ایمان لائے۔ پس تُو ہمیں اِس کے گواہوں میں لکھ لے۔ اِنہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۶/۲۰ = جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے (اُن

میں سے وُہ ہیں جو) قرآن کو اِس طرح پہچانتے ہیں، جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اِنہی کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ هُمۡ بِهٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ وَاِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِیۡنَ ۝ ۲۸/۵۲-۵۳ =جن لوگوں کو اِس سے پہلے کتاب دی گئی ہے۔ وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جس وقت اُن پر یہ کتاب پڑھی جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم اِس پر ایمان لائے۔ یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے ہم تو اِس سے پہلے ہی مُسلم تھے...... اِن کے سوا دَورِ رسالت کے نافرمان بنی اسرائیل کے متعلق اگلی آیت میں ارشاد ہوا ہے:۔

اَوَلَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ مَا
نہیں جانتے یہ کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ
یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ ۝ ۷۷
چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

کیا یہ نافرمان بنی اسرائیل نہیں جانتے (یعنی اُنہیں جان لینا چاہئے) کہ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ اُس چیز کو بھی جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں اور اُسے بھی جانتا ہے جسے وہ ظاہر کرتے ہیں۔ (لہٰذا اُن کے اعمال اور اُن کی مخفی نیتوں کے مطابق اُن کے ہر عمل کا پُورا پُورا بدلہ دیا جائے گا۔)

● آئت ۷۵ میں بنی اسرائیل کے علماء کے متعلق وضاحت کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے کلام کی تحریف کر کے اُس کے مفہوم کو اصل مقام سے بدل دیتے ہیں۔ اگلی آئت میں بنی اسرائیل کے غیر عالموں یعنی جاہلوں کی وضاحت کی گئی ہے جو کتاب کے علم سے تو بالکل کورے ہیں۔ لیکن وہ اپنے ذِہنوں میں صرف وُہ باطل آرزوئیں لئے ہوئے ہیں جو اُنہیں اُن کے علماء نے بندھائی ہوئی ہیں:۔

وَمِنۡهُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ
اور بعضے اُن میں سے ان پڑھے ہیں نہیں جانتے
الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا
کتاب کو مگر آرزوئیں اور نہیں وُہ مگر
یَظُنُّوۡنَ ۝ ۷۸ النصف
گمان کرتے ہیں۔

اور اُن (اہل کتاب) میں سے جو جاہل ہیں وہ کتاب (کے مفہوم) کو نہیں جانتے، سوائے (علماء کی طرف سے روایاتِ باطلہ کی دی ہُوئی) غلط امیدوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف جھُوٹے گمان کرتے ہیں۔

## علماءِ بنی اسرائیل کی طرف سے عوام کو بندھائی ہوئی غلط آرزوئیں

علماءِ بنی اسرائیل نے عوام کو اُخروی نجات کی بڑی بڑی اُمیدیں بندھا رکھی ہیں۔ سورہ مائدہ میں یہود ونصاریٰ دونوں کے متعلق آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:۔

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ۵/۱۸ =ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے محبوب ہیں۔ ۲/۸۰ میں بنی اسرائیل کے متعلق مذکور ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ہماری نجات یقیناً ہوجائے گی۔اگر ہمیں ہمارے گناہوں کے بدلے جہنم داخل کیا بھی گیا تو ہمیں آگ صرف چند دن کے لئے ہی مس کرے گی:۔

وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً ۲/۸۰=بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ ہمیں صرف چند دن کے لئے آگ مس کرے گی اِس کے جواب میں ارشاد ہوا ہے:۔ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ عَہۡدًا فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ عَہۡدَہٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَالَاتَعۡلَمُوۡنَ ۲/۸۰=اے رسول سلامٌ علیہ! آپ اُن سے پوچھئے گا کہ کیا تُم نے اِس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے عہد لے رکھا ہے۔پھر اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا۔یا اُس کے ذمہ وُہ لگاتے ہو، جسے تم جانتے ہی نہیں ......علماء کی طرف سے ایسے ایسے افتریٰ علی اللہ ہر دَور میں صرف عوام کو سبز باغ دکھا کر اُن سے مال حاصل کرنے کیلئے کئے جاتے ہیں:۔ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَالرُّھۡبَانِ لَیَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ۹/۳۴۔

## اُمّی کی لُغوی تحقیق

اُمّی کا معنٰی جاہل بھی ہے، جیسے کہ اوپر علماء بنی اسرائیل کے مقابلے پر اُمّی بنی اسرائیل آیا ہے لیکن اس کا معنٰی مکّہ کے رہنے والے بھی ہے...........اُمّی کا سہ حرفی مادہ ہے:۔ا۔م۔م=اُمّ ماں کو کہتے ہیں۔بچّہ جب باتیں کرنے لگتا ہے تو پہلے اُمّ اُمّ کہتا ہے۔اِس طرح عربی زبان میں ماں کے لئے اُمّ کا لفظ رائج ہوگیا۔اور اس کے بعد ماں کی مختلف کیفیتوں کی مناسبت کے لحاظ سے،عربوں کے ہاں لفظ اُمّ کے کئی معنٰے متعیّن ہوگئے:۔

**ا۔ اصل و بنیاد۔** ماں چونکہ بچے کی اصل وبُنیاد ہے۔اِس لئے کسی چیز کے اصل کے لئے بھی اُمّ کا لفظ استعمال ہونے لگا اور بُنیاد کے لئے بھی۔قرآنِ کریم میں آیا ہے:۔مِنۡہُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ ۳/۷ = اِس قرآن میں سے کچھ آئتیں محکمات ہیں،وُہی اصلِ کتاب ہیں۔

**۲۔ مسکن اور ٹھکانہ۔** ماں کی گود چونکہ بچّے کا مسکن اور ٹھکانہ ہوتا ہے۔اسلئے رہنے کی جگہ کو بھی اُمّ کہتے ہیں۔

**۳۔ جماعت یا گروہ۔** لفظ اُمّ پر تائے تانیث بھی آتی ہے"اُمَّۃٌ" اِس طرح عربی قواعد کے مطابق، چونکہ،جمع مذکّر کے لئے واحد مونّث کا صیغہ بھی استعمال ہوتا ہے۔اِس لئے جماعت یا گروہ کو بھی اُمّت کہتے ہیں۔قرآنِ کریم میں حضرات انبیاء سلامٌ علیہم کے لئے آیا کہ وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی:۔ تِلۡکَ اُمَّۃٌ قَدۡ خَلَتۡ ۲/۱۴۱۔

**۴۔ سردار۔** اُمّ یعنی ماں چونکہ اَولاد کی سردار ہوتی ہے اِس لئے عربوں کے ہاں سرداری اور فضیلت کے لئے بھی اُمّ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔مثلاً قوم کے سردار کو"اُمّ القوم" کہتے ہیں۔اعضاءِ جسمانی میں سر،اور سر میں دماغ افضل ہے اس

لئے دماغ کو ''اُمّ الرّاس'' کہا جاتا ہے۔اسی طرح عربوں کے ہاں کہکشاں کو ''اُمّ النجوم''، ستاروں کی سردار، اور قُرآنِ کریم کو ''اُمُّ الْکِتَابُ''، یعنی کتابوں کی سردار کہا جاتا ہے۔

**۵۔ اَن پڑھ۔** اُمّ کا معنی عربوں کے ہاں ماں کی گود بھی لیا جاتا ہے۔اور اِس طرح بچّہ چونکہ جب ماں کی گود میں ہوتا ہے تو لکھنا پڑھنا مطلقاً نہیں جانتا۔لہٰذا اَن پڑھ کو، اِس لئے اُمّی، یعنی ماں کی گود والا کہتے ہیں کہ پڑھنے لکھنے کی رُو سے وہ بالکل اُسی طرح کورا ہوتا ہے۔جس طرح ماں کی گود میں تھا۔

**۶۔ مرکزی مقام۔** کوئی دایہ یا ملازمہ، بچّے کو گھنٹوں بہلاتی رہے۔کھلاتی پلاتی رہے لیکن بچہ ہمیشہ ماں کی طرف ہی لپکتا ہے۔اِسی طرح جب وہ ماں کی گود سے نکل کر، یعنی شیر خوارگی کے بعد، کھلونوں اور گھروندوں کے ساتھ کھیلنا شروع کرتا ہے تو کھیل میں گھنٹوں مصروف رہنے کے باوجود اُس کا مرجع اور مرکز ماں ہی ہوتی ہے، کھیلتے کھیلتے جھٹ بھاگ آتا، اور ماں کی گود میں آ گھستا ہے۔اِسی طرح ماں کے متعدّد چھوٹے چھوٹے بچّوں کا واحد مرجع و مرکز ماں ہوتی ہے۔اِس لئے اِس نسبت سے کہ، ماں کو اپنے بچّوں کی مرکزیّت حاصل ہے۔اُمّ کا معنی مرکز و مرجع بھی لیا جاتا ہے۔اور اِس طرح مکّہ معظّمہ کو اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۳/۹۶ = جو پُوری انسانیّت کی رہنمائی کے لئے وضع کیا گیا تھا۔وہ اوّلین مبارک گھر مکّہ معظّمہ میں ہے'' کے مطابق چونکہ اللہ تعالیٰ نے، روزِ آفرینش ہی سے اِسے مرکزیّتِ عالم کا شرفِ عظیم عطا فرمایا ہے۔اِس لئے مکّہ کو اُمُّ الْقُرٰی کہا جاتا ہے۔

قرآنِ کریم میں آیا ہے:۔ وَ کَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَھَا ۴۲/۷ = اور اِسی طرح ہم نے آپ کی طرف قرآنِ کریم کو شُستہ عربی زبان میں وحی فرمایا ہے، تاکہ آپ مکہ والوں اور اُس کے اِردگرد والوں کو اُن کے فرائضِ منصبی سے آگاہ کریں۔فلہٰذا قرآنی لُغت کی رُو سے اُمُّ الْقُرٰی مکّہ معظّمہ ہے......اور اُمُّ الْقُرٰی کے مخفف اُمّ کیساتھ یائے نسبتی لگنے سے بنا اُمّی جس کی جمع ہے اُمِیُّون اور اُمِیِّیْن۔اب یائے نسبتی کی رُو سے اُمّی کا معنی اُمّ الْقُرٰی، مکہ کے رہنے والا، اور اُمِیُّون کا معنی مکّہ کے رہنے والے۔یعنی مکہ معظّمہ کے باشندے ہے۔قرآنِ کریم میں آنحضور سلامٌ علیہ کے لئے بھی ''اَلنَّبِیّ الْاُمِّیّ ۷/۱۵۷'' کا لفظ آیا ہے۔بمعنی مکّے والا نبی، آنحضور سلامٌ علیہ کے لئے جہاں جہاں اُمّی کا لفظ آیا ہے۔اُس سے اَن پڑھ یا جاہل مُراد لینا مطلقاً غلط ہے۔کیونکہ سورہ جُمعہ میں آپ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا ۶۲/۲ = وہ اللہ ہی ہے جس نے مکّہ والوں میں ایک رسول سلامٌ علیہ مبعوث فرمایا ہے۔دیکھئے! اِس آئت میں اُمّیّین کا معنی اَن پڑھ لیا ہی نہیں جا سکتا۔کیونکہ جس قوم میں آنحضور مبعوث ہوئے تھے۔وہ

سب کے سب اَن پڑھ نہیں تھے۔

**جھوٹی اُمیدیں بندھانے والے، اپنے ہاتھوں کیساتھ کتاب لِکھ کر اللہ کے ذِمّے لگا دیتے ہیں**

اگلی آئتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کے علماءِ سُوء، یعنی اللہ تعالیٰ کے ذِمّہ لگا کر جھوٹی اُمیدیں دلانے والوں کے متعلق خصوصاً اور ہر دَور کے بہتان تراشوں کے متعلق عموماً ارشاد ہوا ہے:۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ
پس وائے ہے واسطے اُن لوگوں کے کہ لکھتے ہیں کتاب
بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ
ساتھ ہاتھوں اپنے کے پھر کہتے ہیں یہ
عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ
نزدیک اللہ تعالیٰ کے سے ہے تو کہ مول لیویں بدلے اسکے مول تھوڑا
فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ
پس وائے ہے واسطے اُن کے اُس چیز سے کہ لکھتے ہیں ہاتھ اپنے سے
وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ ۷۹
اور وائے ہے اُن کو اُس چیز سے کہ کماتے ہیں۔

تباہی ہے اُن لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں کے ساتھ لکھ لیتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) ہے تا کہ وہ اِس کے بدلے دنیا کا حقیر مال خریدیں۔ پھر دوبارہ تباہی ہے اُن کیلئے۔ اُس چیز کے ذریعہ جسے وہ اللہ کے ذمہ لگا کر اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ اور تباہی ہے اُن کے لئے بدلے اِس کے، جو وہ کرتوت کرتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا
اور کہتے ہیں ہرگز نہ لگے گی ہم کو آگ مگر دن
مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
گنے ہوئے کہہ کیا لیا ہے تم نے نزدیک اللہ کے
عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ
قول پس ہر گز نہ خلاف کرے گا اللہ عہد اپنے کو یا
تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۸۰
کہتے ہو اوپر اللہ کے جو نہیں جانتے ہو تم۔

اور وہ (ان منسوب اِلی اللہ کتابوں میں خود لکھ کر یہ) کہتے ہیں کہ ہمیں آگ چند دن سے زیادہ مس نہیں کرے گی، (یعنی اُتنا ہی وقفہ، جتنے عرصے میں کہ ہمارے سفارشی نہیں پہنچتے) اے رسول سلامٌ علیہ! آپ کہہ دیجئے گا! کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے ایسا وعدہ لے رکھا ہے پھر اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا یا تُم اللہ کے ذمہ وُہ کچھ لگاتے ہو جسے تم جانتے ہی نہیں۔

● اس سے اگلی آئت میں تصدیق کی گئی ہے کہ تم ایسا ہی کرتے ہو۔

بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ بِہٖ
ہاں جو کوئی کمائے برائی اور گھیر لے اُس کو
خَطِیۡٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ
خطا اُس کی پس یہ لوگ رہنے والے آگ کے ہیں وہ
فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ۸۱
بیچ اس کے ہمیش رہنے والے ہیں۔

ہاں، (تم اللہ کے ذِمّہ وہی کچھ لگاتے ہو، جسے تم نہیں جانتے۔ جان لو کہ جُرموں کی سزا گِنے ہوئے دِن نہیں بلکہ) جو لوگ بھی بُرے عمل کریں گے۔ اور (اصلاح کی طرف نہ لوٹیں گے، حتیٰ کہ) اُن کے اعمال اُن کو گھیر لیں ۔(یعنی پُورا معاشرہ غلیظ ہو جائے) ایسے لوگ اصحابِ نار ہیں ۔(وہ جہنمی معاشرہ ہے، وہ یہاں بھی جہنم میں ہیں، اور اُخروی زندگی میں بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے
اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا
یہ لوگ ہیں رہنے والے بہشت کے وہ بیچ اس کے
خٰلِدُوۡنَ ۸۲ ع ۹
ہمیش رہنے والے ہیں۔

اور جو لوگ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائیں گے، اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کریں گے، وہ اہلِ جنت ہونگے۔ (دنیا میں بھی ہموار و متوازن معاشرہ کی خوشگواریوں سے بہرہ یاب) اُخروی زندگی میں بھی ہمیشہ جنت میں رہنے والے ہونگے۔

## خود لکھ کر اللہ کے ذِمّہ لگانا مُوجبِ نار ہے

آیاتِ بالا میں بنی اسرائیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ یہ سب ارشاداتِ خداوندی ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ مرض صرف بنی اسرائیل تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ اِس نے مسلمانوں کو بھی گھیر رکھا ہے۔ اعلانِ خداوندی ہے کہ ہم نے نبی پر قرآن کے سوا اور کوئی چیز نازل نہیں کی۔ ہم نے اپنے رسول کو قرآن کے سوا، کسی اور چیز کی تعلیم دی ہی نہیں:۔ وَمَا عَلَّمۡنٰہُ الشِّعۡرَ وَمَا یَنۡبَغِیۡ لَہٗ ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ وَّ قُرۡاٰنٌ مُّبِیۡنٌ ۙ ۳۶/۶۹ = اور ہم نے رسول کو شعر و شاعری کی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ وہ اُس کے شایانِ شان ہے۔ ہماری تعلیم صرف اور صرف ہمارا نصیحت نامہ یعنی بیان کرنے والا قرآن ہے۔ اب غور فرمایئے گا، کہ اِس آئت میں مَا نافیہ اور اِلَّا اثبات کا ہے۔ پس نفی اثبات کے حصر کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ ہم نے آنحضور کو قرآن کے سوا، اور کسی چیز کی تعلیم نہیں دی۔ یعنی اِس کے سوا کچھ نازل نہیں کیا۔

نیز فرمایا:۔ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۱۲/۳ = ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن نازل کیا ہے۔

اور آنحضور سلامٌ علیہ سے اعلانِ عام کروادیا ہے:۔ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۶/۱۹ = اور اے رسول! اعلان کردیجئے گا کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔ تاکہ میں اِسی کے ساتھ تمہیں تمہارے فرائضِ منصبی سے آگاہ کروں اور جس تک یہ پہنچے، وہ بھی اِسی کے ساتھ اَنْذَارْ کرے۔ اب مُدعی اور مُدعا علیہ دونوں اِس امر پر متفق ہیں کہ وحی کرنے والے نے قرآن وحی فرمایا ہے۔ اور وحی پانے والے نے قرآن ہی وحی پایا ہے۔ لیکن اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتبِ روایات کو هٰذَا مِنْ عِنْدِاللہ قرار دینے میں نہ آئتِ مجیدہ ۳۶/۶۹ کی پرواہ کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفی اثبات کے حصر کے ساتھ اعلان کررکھا ہے کہ اُس نے آنحضور کو قرآن کے سوا کسی چیز کی تعلیم دی ہی نہیں۔ قرآن کے سوا کچھ نازل کیا ہی نہیں۔ اور نہ ۱۲/۳ اور ۶/۱۹ کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ وحی بھیجنے والا اور پانے والا، دونوں قرآن ہی کو وحی قرار دیتے ہیں۔ پس قرآنِ کریم کے مندرجہ بالا غیر مبہم دلائلِ قاطعہ کی رُو سے ثابت ہُوا کہ قرآنِ کریم کے سوا کوئی اور ذخیرہ من عنداللہ ہرگز نہیں۔ نیز غیر منزل من اللہ کی پہچان بتادی گئی ہے کہ، ہروہ ذخیرہ جس میں یہ تاثّر دیا گیا ہو کہ مجرم چند دنوں کے لئے جہنم میں رہیں گے۔ پھر اُن کی سفارش ہوجائے گی۔ اور وہ نکال لئے جائیں گے، وہ منزل من اللہ نہیں ہوسکتا بلکہ اپنے ہاتھوں سے لکھ کر اللہ کے ذمّہ لگایا ہوا ہوتا ہے۔

## میثاقِ بنی اسرائیل

اگلی آئت سے بھی ظاہر ہے کہ ایسے غیر منزل من اللہ اور منسوب الی اللہ ذخائر ہی کی بدولت سفارش وشفاعت، جیسے عمل سے بیگانہ کردینے والے نظریات چل نکلتے ہیں۔ چنانچہ اعلانِ عام کردیا گیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بلاعمل کھوکھلی آرزوئیں نہیں دلائی تھیں بلکہ اُن سے ایمانِ کامل اور معاشرہ کے ہر گوشہ سے متعلقہ، ربوبیّت بدوش عملِ صالح کا وعدہ لے رکھا ہے:۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا

اور جب لیا ہم نے قول بنی اسرائیل کا نہیں

تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

عبادت کروگے تم مگر اللہ تعالیٰ کی اور ساتھ ماں باپ کے احسان کرنا

وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ

اور قرابت والے سے اور یتیموں سے اور فقیروں سے اور

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کہو واسطے لوگوں کے نیک بات اور قائم رکھو نماز کو

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ہم نے بنی اسرائیل سے (اپنے انبیاء موسیٰ اور ہارون سلامٌ علیہما کے ذریعہ) وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی فرمانبرداری نہیں کروگے۔ اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کروگے۔ اور اپنے قریبیوں اور بے سہارا لوگوں، اور اُن لوگوں کے ساتھ بھی جن کا چلتا کاروبار ساکن ہوجائے حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آیا کروگے۔ اور تمام لوگوں کے ساتھ ہمیشہ حُسنِ اخلاق کے ساتھ گفتگو کیا کروگے اور نظامِ ربوبیّت قائم کروگے اور معاشرہ

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا
اور دو زکوٰۃ کو پھر پھر گئے تم مگر تھوڑے
مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ ۸۳
تم میں سے اور تم منہ پھیرنے والے ہو۔

کے کمزوروں کو طاقتور کرنے کیلئے مال دو گے۔ پھر اے بنی اسرائیل! تم چند ایک کے سوا، سب اِس میثاق سے پھر گئے۔ اور (یہ کوئی حادثاتی طور پر نہیں ہُوا، بلکہ مسلسل نافرمانیوں کی بدولت) تم ہو ہی اعراض کرنے والے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ
اور جب لیا ہم نے عہد تمہارا نہ ڈالو گے
دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
لہو اپنے آپس کے اندر اور نہ نکال دو گے کسی آپس اپنے کو
مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ
گھروں اپنے سے پھر اقرار کیا تم نے ۔ اور تم
تَشْهَدُوْنَ ○ ۸۴
شاہد ہو۔

اور (پھر سُن لو) وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے تم سے (اپنے نبیوں کی معرفت) یہ عہد لیا کہ تم باہمی خونریزی نہ کرو گے۔ اور اپنے (کمزور) افراد کو اپنے شہروں سے نہ نکالو گے، پھر تم نے (ان امور کا) اقرار کیا اور تم سب حاضر تھے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
پھر تم وہ لوگ ہو کہ مارڈالتے ہو آپس اپنے کو
وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ
اور نکال دیتے ہو ایک فرقے کو آپ میں سے
دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ
گھروں اُن کے سے مددگاری کرتے ہو تم اوپر اُن کے ساتھ گناہ
وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى
اور تعدّی کے اور اگر آتے ہیں تمہارے پاس بندیوان ہو کر
تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ
بدلا دے چھڑاتے ہو اُن کو اور وہ بات حرام ہے اوپر تمہارے
اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ
نکال دینا ان کا کیا پس ایمان لاتے ہو ساتھ بعضی

پھر تم ہی ہو کہ اپنی قوم کے (کمزور) افراد کو قتل کرتے ہو۔ اور تم اپنے ایک گروہ کو، (پہلے تو) اُن کے شہروں سے نکالتے ہو۔ یعنی اُن پر گناہ و تعدّی کے ساتھ چڑھ دوڑتے ہو۔ اور جب وہ تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر آئیں تو اُن کا فدیہ ادا کرتے ہو۔ (تا کہ عمر بھر تمہارے زیرِ دست رہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ قیدی کا فدیہ ادا کر کے آزاد کرانا، ہماری کتاب کا حکم ہے ۴۴) لیکن اُنہیں گھروں سے نکالنا بھی تو (حکم کتاب ہی کی رُو سے) حرام ہے۔ کیا تم کتاب کے ایک حصّے پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ایک حصّے کا انکار کرتے ہو۔ جو لوگ تم میں سے ایسے دوُرخے عمل کریں گے۔ اُن کی سزا، اِس دُنیا میں بھی رُسوائی ہے (اُن میں

الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا
کتاب کے اور کفر کرتے ہو ساتھ بعضی کے پس کیا ہے
جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا
سزا اس کی کہ کرے یہ کام تم میں سے مگر
خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ
رسوائی بیچ زندگانی دنیا کے اور دن
الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ
قیامت کے پھیرے جاویں گے طرف سخت عذاب کے
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ۸۵
اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر اس چیز سے کہ کرتے ہو تم ۔

قومی یکجہتی کبھی پیدا نہیں ہو گی جو ترقی اور کامیابی کا واحد ذریعہ ہے) اور وہ قیامت کے دن شدید عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور (اے مُجرمو! تمہیں جان لینا چاہئے کہ قیامت کی عدالت عالیہ میں سزا سے نہ بچ سکو گے، وہاں کسی گواہ وغیرہ کی ضرورت نہیں) کیونکہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ اُس سے بے خبر نہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ
یہ لوگ وہ ہیں کہ مول لیا زندگانی
الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ
دنیا کو بدلے آخرت کے پس نہ ہلکا کیا جاوے گا اُن سے
الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ○ ۸۶ ع ۱۰
عذاب اور نہ وہ مدد کئے جاویں گے۔

یہ لوگ وُہ ہیں جو آخرت کی کامیابیوں کے بدلے (چند روزہ) دُنیوی زندگی کا (نام نہاد) فائدہ خریدتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں سے دُنیوی اور اُخروی زندگی کا عذاب کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ اُن کی کوئی مدد ہی کی جائے گی۔

**اللہ اُن کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں**

اللہ تعالیٰ نے اعلانِ عام کر رکھا ہے:۔ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ۲۲/۴۰ = اور اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اُس کی مدد کرے گا، جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔ نیز فرمایا:۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۳/۱۱ = اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں اُس وقت تک اچھا یا برا کوئی تغیّر پیدا نہیں کرتا، جب تک کہ وُہ خود اچھا یا بُرا تغیّر پیدا نہیں کرتی۔ یہ آیاتِ کریمات وَلَاهُمْ یُنْصَرُوْنَ ۲/۸۶ کی تفسیر کرتی ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد درکار ہو تو اُس کے بتائے ہُوئے اصولوں کے مطابق اپنی مدد آپ پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔

**وَلَاهُمْ یُنْصَرُوْنَ**

اِسی طرح ارشادِ خداوندی ہے کہ، اگر تم چاہتے ہو کہ میدانِ جہاد میں تمہاری مدد ہو، اور فتح وکامرانی تمہارے قدم چومے تو:۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ

الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ ؕ ۸/۶۰

= اوراُن کیلئے (یعنی دُشمنوں کے مقابلہ کیلئے) جتنی بھی تم میں استطاعت ہے زیادہ سے زیادہ (فوجی) قوّت تیار کرو۔ خصوصاً (ذرائع رسل اور رسائل) قطار در قطار گھوڑے مہیّا کرو تاکہ تم اِس موجود مادی طاقت کے ساتھ اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو لرزہ براندام رکھو۔ اوراُن دُشمنوں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ اُنہیں جانتا ہے۔ اِس خداوندی فیصلے کے بعد اب اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے اِس حکم کو نظر انداز کر کے اپنی استطاعت کو عیش کوشیوں اور سہل انگاریوں کی نذر کر دے، اور وقت پڑنے پر اللہ تعالیٰ کی مدد کی اُمّید رکھے تو اِس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وُہ چونکہ قرآنِ کریم کے بتائے ہُوئے اصول سے غافل ہے۔ اِسلئے اُس کی مدد نہیں کی جائے گی۔ ہرگز نہیں کی جائے گی، کیونکہ وہ وَلَاھُمْ یُنْصَرُوْنَ میں داخل ہے۔

## حضرتِ موسیٰ وہارون سلامٌ علیہما کے بعد تم نے بہت سے نبیوں سلامٌ علیہم کو جھٹلایا، اور پھر حضرتِ مسیح کو بھی جھٹلایا

بنی اسرائیل کی دَورِ مُوسوی کی نافرمانیوں کے مختصر تذکرہ کے بعد اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا جارہا ہے کہ تم بعد والے انبیاء کو بھی مسلسل جھٹلاتے اور اُنکی مخالفت کرتے رہے تھے:-

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَقَفَّیْنَا
اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پچھاڑی لائے ہم
مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی
پیچھے اس کے پیغمبر اور دیئے ہم نے عیسیٰ
ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
بیٹے مریم کو معجزے ظاہر اور قوّت دی ہم نے اس کو ساتھ روح
الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ
پاک کے یعنی جبریل کے کیا پس جب آیا تمہارے پاس پیغمبر
بِمَا لَا تَهْوٰۤی اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ
ساتھ اُس چیز کے کہ نہیں چاہتے جی تمہارے تکبّر کیا تم نے
فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ ۸۷
پس ایک فرقے کو جھٹلایا تم نے اور ایک فرقے کو مار ڈالتے ہو۔

اور بالتحقیق ہم نے موسیٰ سلامٌ علیہ کو اپنی کتاب دی۔ اور ہم نے اُس کے بعد پے درپے بہت سے رسول سلامٌ علیہم بھیجے۔ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھی اپنی واضح (آئتیں انجیل) عطا فرمائی، یعنی اپنی پاکیزہ تعلیم کیساتھ اُس کی مدد کی۔ کیا پھر جب بھی ہمارا کوئی رسول سلامٌ علیہ، تمہارے پاس، ہمارے اُس ضابطے کیساتھ آیا، جسے تمہارے نفسِ امّارہ پسند نہیں کرتے تم نے تکبّر کیا؟ اُنکے ایک گروہ کے نبیوں کو، جنہیں صحابہ کی طاقتور جماعت میسّر نہ آئی، حقارت کیساتھ جھٹلاتے رہے، اور ایک گروہ کے نبیوں سے، (جن کے ساتھ طاقت ور جماعت شامل ہوجاتی) لڑائی کرتے رہے۔ (یہ تمہارا دائمی دستور رہا ہے)

**فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ** متن کے اِن الفاظ پر غور کرنے سے مخاطب سوال کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سلامٌ علیہم کے دوگروہ بیان فرمائے ہیں۔ ایک وہ جسے بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ایک وہ، جس کے افراد کو قتل کر دیتے تھے۔ تو کیا بنی اسرائیل نے باری ٹھہرا رکھی تھی کہ ایک نبی کو جھٹلایا جائے، اور ایک کو قتل کیا جائے۔ واضح رہے کہ (یہاں قتل بمعنی مخالفت کرنا، اور لڑائی کرنا ہے۔ اِس کی وضاحت آئت نمبر ۶۱ کی تفسیر میں مختصراً گزر چکی ہے۔ اور آئت نمبر ۹۱ میں آگے آرہی ہے) = مخاطب کے سوال کا جواب قرآنِ کریم کے اوراق سے یہ ملتا ہے، کہ انبیاء سلامٌ علیہم کہ دو حالتیں بیان ہُوئی ہیں، پہلی قسم میں مثال کے طور پر حضرت لوط سلامٌ علیہ جیسے بعض انبیاء ہوسکتے ہیں۔ جنہیں صحابہؓ کی طاقتور جماعت مُیسّر نہ آئی۔ ایسے نبیوں سلامٌ علیہم کو بنی اسرائیل حقارت کے ساتھ جھٹلا دیا کرتے تھے۔ اور دوسری قسم کے حضرت مسیح سلامٌ علیہ جیسے انبیاء ہیں، جنہیں حواریوں جیسی طاقت ور جماعت مُیسّر آجاتی، بنی اسرائیل ان کی مخالفت کرتے تھے اور انہیں ختم کرنے کیلیئے لڑائیاں بھی کرتے رہے۔ جیسے کہ ۶۱/۱۴ میں خبر دی گئی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرتِ مسیح کے ساتھ جنگ کی اور شکست کھائی:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۵ ۶۱/۱۴ ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ۔ جیسے کہ مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ سلامٌ علیہ نے اپنے حواریوں (اپنے صحابہ) سے کہا کہ اللہ (کے دین) کے لئے میرا کون مددگار ہے۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں۔ پھر (ایسا ہُوا کہ بنی اسرائیل) کا ایک گروہ مسیح پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کر دیا پھر ہم نے دشمنوں کے مقابلے پر مومنوں کی مدد کی اور وُہ غالب آئے۔ یہ ہیں انبیاء سلامٌ علیہم کے دو گروہ، ایک وہ جنہیں بنی اسرائیل، حقارت کے ساتھ جھٹلاتے رہے۔ اور ایک کے ساتھ لڑائیاں کرتے رہے۔

**نوٹ** آگے بڑھنے سے پہلے اِس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرتِ مسیح سلامٌ علیہ کے متعلق روایات نے جو یہ تاثر دیا ہے کہ بنی اسرائیل نے آپ کو صلیب دینے کے لیے گرفتار کر کے ایک کمرے میں بند کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کی جگہ اُنہی ہی کی شکل کا ایک اور آدمی کمرے میں پہنچا کر آپ کو آسمان کی طرف اُٹھالیا۔ چنانچہ آپ آج تک آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ یہ تاثر بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۴/۱۵۸ سے لیا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کی آئتِ بالا ۶۱/۱۴ کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرتِ مسیح سلامٌ علیہ اور آپ کے حواریوں کا بنی اسرائیل کے ساتھ میدانِ جہاد میں باقاعدہ مقابلہ ہوا۔ جس میں بنی اسرائیل کو

شکست فاش ہوئی، مسیح سلامٌ علیہ و مریمؑ دونوں نے ایک پُر فضا مقام ربوہ (ٹیلا) پر جہاں چشمہ بھی جاری تھا۔ اپنا صدر مقام بنایا ۲۳/۵۰۔ بنی اسرائیل کا مخالف گروہ سو فیصدی ناکام و نامُراد ہُوا۔ تو اِس طرح حضرتِ مسیح کی اِس پُرشکوہ کامیابی کے بعد آپ کے قائم کردہ نظامِ ربوبیّت کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آموجود ہوتا ہے نہ یہ کہ اُلٹے بنی اسرائیل آپ پر غالب آئیں، اور گرفتار کر کے صلیب دینے کے لئے کمرے میں بند بھی کردیں، اور اللہ تعالیٰ اُنہیں آسمان پر اُٹھا کر صلیب سے بچائے اور اُن کے پسماندگان کو غالب گروہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ معاذ اللہ استغفر اللہ!۔

آئتِ مجیدہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۴/۱۵۸ کی تفسیر اپنے مقام پر سُورہ نسآء میں آرہی ہے۔ یہاں پر یہ بتایا جارہا ہے کہ بنی اسرائیل پُشت ہا پُشت سے انبیاء سلام علیہم کی مخالفت کرتے چلے آرہے تھے۔

## انبیاء سلامٌ علیہم کی مسلسل مخالفت کا اثر

اِس طرح انبیاء سلامٌ علیہم کی مخالفت' اور اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانیوں کا جو اثر بنی اسرائیل کے قلوب و اذہان پر ہو چکا تھا، اُس کی خبر خود اُنہی کے الفاظ میں اگلی آئت میں دی گئی ہے:۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸

اور کہا انہوں نے دل ہمارے غلاف میں ہیں بلکہ لعنت کی ان کو اللہ نے بسبب کفر انکے کے پس تھوڑے سے ایمان لاتے ہیں۔

اور (اُن بنی اسرائیل پر جب بھی ضابطۂ ربوبیّت پیش کیا جاتا' تو) وہ کہتے، کہ ہمارے ذہن (اس تبلیغ کو قبول نہیں کرسکتے، یہ باپ دادا کے متوارث نظریات میں) لپٹے ہُوئے ہیں۔ (حقیقت یہی ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کے مسلسل انکار کی بدولت اُن سے بیزار ہو چکا ہے۔ کیونکہ بہت تھوڑا ہے، جو وہ ایمان لاتے ہیں۔

## حضرت مسیح سلامٌ علیہ و انجیل کے بعد آنحضور سلامٌ علیہ اور قرآن کا انکار

بنی اسرائیل کا انکارِ ربوبیّت، اپنے تسلسل کی منزلیں طے کرتا ہُوا دَورِ مسیحی سے گزر کر زمانۂ رسالتِ محمدی سلامٌ علیہ میں داخل ہُوا۔ حضرت مسیح سلامٌ علیہ اور آنحضور سلامٌ علیہ کے درمیانی وقفہ میں، وُہ اس امر کے متمنّی تھے کہ اُن کے پاس ہدائتِ خداوندی آئے' اور وُہ اُس پر عمل پیرا ہو کر' اپنی شکستوں اور ناکامیوں کو فتوحات اور سرفرازیوں میں بدل لیں۔ لیکن اپنے وقت پر جب مکّی سرکار ضیاءِ ربوبیّت سے سرفراز ہو کر اُفقِ نبوّت پر نمودار ہوئے تو سب سے پہلے یہی بنی اسرائیل تھے، جنہوں نے محمد سلامٌ علیہ اور آپ کی کتابِ مقدّس کا انکار کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَ لَمَّا جَآءَ هُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ
اور جب آئی اُن کے پاس کتاب نزدیک اللہ تعالیٰ کے سے
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ لا وَ كَانُوا مِنْ
سچا کرنے والی واسطے اس چیز کے کہ ساتھ اُنکے ہے اور تھے
قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا صلے
پہلے اس سے فتح مانگتے اوپر ان لوگوں کے کہ کافر ہوئے
فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّاعَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ز
پس جب آیا اُن کے پاس جو کچھ پہچانا تھا کافر ہوئے ساتھ اُس کے
فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ ۸۹
پس لعنت ہے اللہ کی اوپر کافروں کے۔

اور جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی آخری کتاب آئی، جو اُس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے، جو اُن کے پاس تھی، تو اُنہوں نے اِس کا بھی انکار کردیا، حالانکہ وہ اِس کے نزول سے پہلے اُن لوگوں پر جنہیں وہ اپنے خیال میں کافر سمجھتے تھے فتح کے طلبگار تھے۔لیکن جب اُن کے پاس وہ (نُسخۂ کامیابی وکامرانی) آیا، جسے وہ پہچانتے تھے (کیونکہ اُن کی کتاب میں اُس رسول اور کتاب کی خبر موجود تھی $\frac{۷}{۱۵۷}$، $\frac{۴۸}{۲۹}$) اُنہوں نے اُس کا انکار کردیا۔ پس انکار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کی بیزاری ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ
بُرا ہے جو کچھ مول لیا ہے ساتھ اُس کے جانوں اُن کی نے یہ کہ
يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ
کفر کریں ساتھ اس چیز کے کہ اتارا اللہ نے سرکشی سے اس پر کہ اتارے
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
خدا فضل اپنے سے اوپر جس کے چاہے
عِبَادِهٖ ج فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ط
بندوں اپنے سے پس پھر آئے ساتھ غصہ کے اوپر غصہ کے
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ ۹۰
اور واسطے کافروں کے عذاب ہے رُسوا کرنے والا۔

بہت بُری چیز ہے جس کے عوض اُنہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا ہے۔ یہ کہ بغاوت کی بنا پر اُس چیز سے انکار کریں جو اللہ نے نازل کی ہے، یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق جس پر چاہا ہے، اپنی کتاب اُس پر کیوں نازل کی ہے۔(اولادِ اسحاق میں سے کسی پر کیوں نازل نہیں کی۔ اِس نسلی تعصّب کی بدولت؛ اِس حالت میں کہ وہ پہلے ہی اللہ کے مغضوب تھے) اللہ کے غضب پر مزید غضب کے سزاوار ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ، انکارِ ربوبیّت کرنے والوں کیلئے (ناہموار معاشرے کا) ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (دنیا میں بھی ذلیل وخوار اور عاقبت میں بھی ناکام ونامراد)۔

## بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم بنی اسحاق علیہ السلام کی کتاب کے سوا کسی کی کتاب پر ایمان نہیں لائیں گے

زمانۂ رسالت محمدی میں آنحضور سلام علیہ کی تبلیغ اور بنی اسرائیل کا جواب باندازِ ذیل درج ہے:۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ
اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُنکے ایمان لاؤ ساتھ اس چیز کے کہ اُتارا ہے
اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ
اللہ نے کہتے ہیں ایمان لائے ہیں ہم ساتھ اُس چیز کے کہ اتاری گئی
عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ
اوپر ہمارے اور کفر کرتے ہیں ساتھ اُس چیز کے کہ سوائے اس کے ہے
وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ
اور وہ سچ ہے سچا کرنے والا اس کو جو ساتھ اُن کے ہے ،کہہ
فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ
پھر کیوں مار ڈالتے تھے پیغمبروں اللہ کے کو پہلے اس سے اگر
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ۹۱
ہو تم ایمان والے۔

اور جب اُنہیں کہا گیا کہ اُس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ۔تو اُنہوں نے کہا کہ ہم اُس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہُوئی ہے۔(یعنی جو بنی اسرائیل و بنی اسحاق سلام علیہ پر نازل ہُوئی ہے) اور جو اُس کے بعد آئی ہے اُس کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ (قرآن) حق ہے۔ سچا کرنے والا ہے اِس نبی کی اُن بشارتوں ۱۵۷/۷، ۶/۶۱ کو، جو اُن کے پاس (توراۃ وانجیل میں) موجود ہیں۔اے رسول سلام علیہ آپ اِن سے پوچھئے گا کہ اگر تم اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہو کہ تم (انبیاءِ بنی اسحاق اور اُن کی کتاب پر ایمان رکھتے ہو) تو بتاؤ کہ اِس سے پہلے انبیاء سلام علیہ کی مخالفت اور اُن سے لڑائی کیوں کیا کرتے تھے۔

## اللہ کے نبی قتل نہیں ہو سکتے تھے

بنی اسرائیل کے ذکر میں جابجا آیا ہے۔ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ = وہ نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔روائتی تفاسیر نے بنی اسرائیل کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کے سینکڑوں اور ہزاروں نبیوں کا قتل (جان سے مار ڈالنا) تسلیم کیا ہے۔سورہ بقر کی تفسیرِ نعیمی کے صفحہ ۲۸۷ پر لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے ''ایک دفعہ ایک دن میں ستر نبیوں کو شہید کیا''۔لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے۔کہ اگر یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی بھیجتا تھا، اور بنی اسرائیل اُسے قتل کر دیتے تھے۔تو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ کیا ہُوا، جو انبیاء سلام علیہم کے متعلق لامِ تاکید اور نون مشدّدہ کے حصر کے ذریعہ بڑے طمطراق کے ساتھ کیا گیا ہے:۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ ۲۱/۵۸ = اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول سلام علیہ ضرور ضرور غالب آئیں گے۔ بلاشبہ اللہ قوت والا اور غالب ہے ......غور فرمائیں، کہ اَنَا وَرُسُلِيْ

میں اللہ اور اُس کے رسول سلامٌ علیہ معطوف علیہ اور معطوف کی ایک ہی سِلک میں منسلک ہیں۔ اَنَا معطوف علیہ اور رُسُلِیْ معطوف ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ مغلوب ہوسکتا ہے تو اُس کے رسول بھی مغلوب ہو سکتے ہیں۔ اور اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ مقتول ہوسکتا ہے تو اُس کے رسول بھی مقتول ہو سکتے ہیں پس چونکہ اللہ تعالیٰ مغلوب ومقتول نہیں ہوسکتا، اِس لئے اُس کے رسول بھی ہرگز ہرگز مغلوب ومقتول نہیں ہو سکتے، ہوسکتا ہے کہ معترض مقتول کو مغلوب ماننے کے لئے تیار نہ ہو۔ اور دلیل یہ لائے کہ اگر کسی جنگ میں فتح مسلمانوں کی ہو۔ لیکن اُن کا سالار یا امیر اُس جنگ میں کام آجائے تو کیا فتح نہ ہوگی؟...... اعتراض بڑا معقول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن انبیاء کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے، قرآنِ کریم میں جو اُن کے غلبہ کا نقشہ پیش کیا ہے۔ وُہ اِس سے یکسر مختلف ہے۔ وہ یہ کہ انبیاء سلامٌ علیہم کی پوری تاریخ غلبۂ انبیاء کی اِن دوصورتوں پر مشتمل ہے۔ کہ یا تو انبیاء سلامٌ علیہم نے رسول مقبول سلامٌ علیہ اور حضرت مسیح سلامٌ علیہ کی طرح دُشمنوں کو میدانِ جہاد میں شکست فاش دے دی اور یا اگر مادی لحاظ سے مخالفین طاقتور ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سلامٌ علیہم کی مخصوص مدد فرما کر اس طرح دشمنوں پر غالب کیا کہ طوفانِ آب وباد بھیج کر انبیاء سلامٌ علیہم کی زندگی ہی میں اُن کے مخالفوں کو ختم کر دیا۔ اور اُن کے متروکہ مال واملاک کا انبیاء سلامٌ علیہ اور ان کی قوم کو وارث بنا دیا۔

## حضرتِ نوح سلامٌ علیہ غالب آئے

قومِ نوح کا کوئی کھاتا پیتا آدمی آپ کے ساتھ شامل نہ ہُوا۔ معاشرے کے ستائے ہُوئے مفلوک الحال افراد ہی نے قانونِ ربوبیّت کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی۔ لیکن قوم کے سرداروں نے کہا:۔

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ ۱۱/۲۷ = اے نوح سلامٌ علیہ! نہیں دیکھتے ہم تجھے مگر اپنے جیسا ایک بشر۔ اور نہیں دیکھتے ہم سوائے اس کے کہ تیری اتّباع صرف اُن لوگوں نے کی ہے جو ہمارے رذیلے لوگ ہیں، جن کی کوئی رائے نہیں۔ اور اپنے مقابلے پر ہم، تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ تُو اور تیرے ساتھی، تم سب جھوٹے ہو۔ چنانچہ اِن حالات میں اللہ تعالیٰ نے مخالفوں کے لئے طوفان کا فیصلہ کر کے حضرتِ نوح سلامٌ علیہ کو کشتی تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ اس پر خبر دی گئی ہے:۔

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۱۱/۳۸ = اور وہ جب بھی اُس (کشتی) کے قریب سے گزرتے تو اُس کا مذاق اُڑاتے۔ اب بتایئے! کہ اِن حالات میں، جبکہ حضرتِ نوح کے ساتھ نہ کوئی بڑا آدمی ہی شامل ہُوا، اور نہ مادی طاقت ہی مُیسّر آئی۔ تو اِس کمزوری کے باوجود کیا وہ نُوح کو قتل کر سکے؟ ہرگز نہیں بلکہ خود وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہُوئے عذاب میں

حضرتِ نوح سلامٌ علیہ کے سامنے غرق ہوکر ختم ہوگئے۔اور اللہ تعالیٰ نے ایسے انتہائی ناسازگار حالات میں بھی اپنا وعدہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَ غْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ سچّا کردکھایا۔

## حضرت لوط علیہ سلامٌ غالب آئے

انبیاء سلامٌ علیہم میں سے سب سے کمزور مادی حالت حضرت لوط سلامٌ علیہ کی تھی۔ یہاں تک، کہ قوم نے آپ سے کہہ دیا تھا کہ آپ کے پاس بالکل کوئی نہ آیا کرے۔چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کے رسول اُن کیلئے عذاب لے کرآئے تواُنہوں نے کہا:۔اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ٥ $\frac{15}{71}$ =کیا ہم نے تجھے لوگوں (کے آنے) سے منع نہیں کر دیا تھا۔آپ کی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ قرآنِ کریم نے آپ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:۔ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ٥ $\frac{11}{80}$ =آپ نے فرمایا، کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے کے لئے قوت ہوتی۔اور یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا۔اب دیکھئے! اِس قدر مادی اور جماعتی کمزوری کے باوجود کیا اللہ کا نبی قتل ہُوا یا غالب؟ آنحضرت کو اُن کے ساتھیوں سمیت باہر نکلوا کر پوری بستی پر پتھراؤ کروادیا گیا:۔وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ $\frac{11}{82}$ =مخالفین ختم ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے لَاَ غْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کے وعدہ کے مطابق حضرتِ لوط سلامٌ علیہ کو غالب کردیا۔

## فرعون مغلوب اور موسیٰ علیہ سلامٌ غالب آئے

فرعون جیسا ظالم وجابر حکمران، جو حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ کی دعوتِ ربوبیّت پر اس حد تک غضب آلود ہوگیا کہ سرِ دربار کہہ دیا ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ $\frac{40}{26}$ =چھوڑو مجھے میں موسیٰ سلامٌ علیہ کو خود قتل کرتا ہوں، پس چاہئے کہ اب وہ (مجھ سے بچنے کیلئے) اپنے رب کو بلائے۔لیکن فرعون، اتنا مغلوب الغضب ہوکر بھی اللہ کے نبی سلامٌ علیہ کو قتل کرنا تو درکنار، اُن کا بال تک بیکا نہ کرسکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ''ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى'' کے دعویدار کو حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ کی آنکھوں کے سامنے، اُس کے لاؤلشکر سمیت غرق کرکے لَاَ غْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کے وعدہ کے مطابق اپنے نبی رسول سلامٌ علیہ کو غالب کردیا۔

## آنحضور علیہ سلامٌ غالب آئے

آنحضور سلامٌ علیہ کے متعلق، قوم کی مخالفانہ تجویز یہ تھی:۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ $\frac{8}{30}$ = اور اے رسول سلامٌ علیہ! وہ وقت قابلِ ذکر ہے۔جب مخالفین نے آپ کے متعلق یہ تجویز کی، کہ یا تو آپ کو عُمر بھر قید کردیں، یا قتل کردیں، یا ملک بدر کردیں۔لیکن ہُوا یہ کہ اُن میں سے بعض خود قیدی بن کر حضورِ رسالت میں حاضر ہوئے۔بعض خود قتل ہوگئے اور بعض خود ملک بدر ہوگئے۔اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ لَاَ غْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کے مطابق آنحضور سلامٌ علیہ کو غالب کردیا۔المختصر! کوئی

ایک نبی بھی ایسا نہیں جس کے مخالفوں کو اُس کی زندگی میں تباہ کر کے اُسے غالب نہ کر دیا گیا ہو۔ پس قرآنِ کریم کے آئینے میں ثابت ہُوا کہ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ والی آیتیں سب متشابہات ہیں، اور کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ محکم آیتِ مجیدہ ہے۔ لہٰذا متشابہات محکم کی مانند ہونے والی ہیں۔ اُن کا ترجمہ اور مفہوم محکم آیتِ مجیدہ کے مطابق لینا چاہئے کہ بنی اسرائیل انبیاء کے ساتھ ناحق لڑائیاں کیا کرتے تھے۔

## قَتَلَ یَقْتُلُ کی لُغوی تحقیق

لفظ قتل کہ سہ حرفی مادہ ق۔ت۔ل ہے۔ اس کا بنیادی معنٰی ہے کسی ہتھیار، پتھر، لاٹھی یا زہر کے ساتھ مار ڈالنا۔ یہ فعل چونکہ مخالفت کی وجہ سے بروئے کار آتا ہے اِس لئے اس کا معنٰی مخالفت کرنا بھی لیا جاتا ہے۔ مخالفت کی ایک صورت جو مخالفین کو جان سے مار ڈالنے کے لئے اختیار کی جاتی ہے۔ وہ ہے لڑائی کرنا لہٰذا مادہ ق۔ت۔ل کے بنیادی معنوں کی مناسبت سے یہ سب معنے درست ہیں۔ اِس کے بعد یہ لفظ قتل مجازی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً غلط اعتقاد کی دلدلوں میں گرفتار لوگ، اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اولاد کے منہ سے چھین کر پیروں کی نذر کر کے اولاد کے لئے حرام قرار دیتے ہیں۔ اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَھُمْ سَفَھًا ۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَارَزَقَھُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۶/۱۴۰ = بلاشبہ ان لوگوں نے بیوقوفی اور لاعلمی کے ساتھ اولاد کو قتل کر دیا، جن کی حالت یہ ہے کہ وہ اُس رزق کو، جو اُنہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اللہ کے ذمہ جھوٹ باندھ کر اولاد کیلئے حرام کر دیتے ہیں (اور پیروں کیلئے حلال ٹھہراتے ہیں)۔ ۶/۱۳۶ تا ۱۳۹

قتل کا ایک معنٰی ذلیل وخوار، اور تباہ و برباد کرنا بھی ہے، جیسے کہ ۸۰/۱۷ میں آیا ہے:۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ = ذلیل وخوار اور تباہ و برباد ہو گیا انسان، اُس نے قرآن کا انکار کیوں کر دیا ہے۔ اب مادہ قتل کے متعدد معنے، قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔ جان سے مار ڈالنا، مخالفت کرنا، لڑائی کرنا، کسی کا حق چھین کر دوسروں کو دے دینا، ذلیل وخوار اور تباہ و برباد کرنا وغیرہ۔ اب لازم ہے کہ ان معنوں میں سے جو معنٰی انبیاء سلامٌ علیہم کے ساتھ بنی اسرائیل کی طرف سے قرآنی مشاہدات کی روشنی میں فِٹ آتا ہے۔ نیز لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کی محکم آیت کی مخالفت بھی نہیں کرتا، آیت زیرِ بحث ۲/۹۱ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰهِ میں وُہی معنٰی مُراد لینا منشاءِ الٰہی کے مطابق ہو سکتا ہے۔ اور وُہ ہے مخالفت کرنا، لڑائی کرنا۔ جیسے کہ بنی اسرائیل انبیاء سلامٌ علیہم کی مخالفت بھی کرتے رہے اور اُن سے بلاوجہ لڑائیاں بھی کرتے رہے۔

## بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کے تذکرے کا اعادہ

آیتِ بالا ۲/۹۱ میں فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ کے بعد اگلی آیات کریمات میں تکرارِ تاکیدی کے طور پر سابقہ خبروں کا اعادہ کرتے ہوئے پھر بنی اسرائیل کو اُن کی نافرنیاں یاد دلائی جا رہی ہیں:۔

وَلَقَدْ جَآئَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ
اور البتہ تحقیق آیا تمہارے پاس موسیٰ ساتھ دلیلوں کے
ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ
پھر پکڑا تم نے بچھڑے کو معبود پیچھے اس کے اور
اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۹۲
ہو تم ظلم کرنے والے

اور البتہ تحقیق تمہارے پاس موسیٰ سلامٌ علیہ (نبی) ہماری روشن دلیلیں لے کر آئے۔ پھر (اُن دلائل کو پسِ پشت پھینک کر) تم نے بچھڑے کو معبود ٹھہرالیا۔ سو (جان لو کہ) تم ظالم ہو۔ (جو انسان ہو کر ایک حیوان کے سامنے جھکنے لگے تھے)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا
اور جب لیا ہم نے عہد تمہارا اور اٹھایا ہم نے
فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
اوپر تمہارے طور، پکڑو جو کچھ دیا ہم نے تم کو
بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ط قَالُوْا سَمِعْنَا وَ
زور سے اور سُنو، کہا انہوں نے سُنا ہم نے اور
عَصَيْنَا ق وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ
نہ مانا ہم نے اور پلائی گئی بیچ دلوں اُن کے کے
الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ط قُلْ بِئْسَمَا
(محبت) بچھڑے کی بسبب کفر اُن کے کے کہہ بُرا ہے جو
يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
حکم کرتا ہے تم کو ساتھ اُس کے ایمان تمہارا اگر ہو تم
مُّؤْمِنِيْنَ ۝۹۳
ایمان والے

اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ہم نے تُم سے (طُور کے دامن میں، اِس طرح کہ گویا، ہم نے طور کو تمہارے اوپر بلند کر دیا ہے، وعدہ لیا کہ جو (ضابطہ) ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے اُسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو (اُسے دن رات کا معمول بنا لو) اور سُنو۔ (لیکن تمہارے بزرگوں نے) کہا کہ ہم نے سُنا اور انکار کر دیا۔ اور بچھڑا اُن کے اِس انکار ہی کی بدولت اُن کے ذِہنوں میں پلا دیا گیا تھا۔ اے رسول سلامٌ علیہ کہہ دیجئے گا کہ اگر تم مومن ہو تو، (تو سمجھ لو کہ) وہ بہت بُرا ہے جس کا تمہیں تمہارے ایمان حکم کرتے ہیں۔

● اگلی آئتِ مجیدہ میں اعادہ کے طور پر بنی اسرائیل کے اُس عقیدہ کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے، جو آئت نمبر ۸۰ میں گذر چکا ہے کہ ''ہمیں آگ صرف چند دن کے لئے مس کرے گی'' چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:۔

| | |
|---|---|
| قُلۡ اِنۡ كَانَتۡ لَكُمُ الدَّارُ<br>کہہ اگر ہے واسطے تمہارے گھر<br>الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَاللّٰهِ خَالِصَةً مِّنۡ دُوۡنِ<br>آخرت کا نزدیک اللہ کے خالص سوائے<br>النَّاسِ فَتَمَنَّوُاالۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ<br>لوگوں کے پس آرزو کرو تم موت کی اگر ہو تم<br>صٰدِقِيۡنَ ○ ۹۴<br>سچے۔ | اے رسول سلامٌ علیہ! کہہ دیجئے گا کہ اگر (تمہارے $\frac{۲}{۸۰}$ کے دعوے کے مطابق) آخرت کے گھر کی کامیابی، تمام نوعِ انسانی سے الگ خالصتاً مخصوص ہوچکی ہے۔تو پھر اگر تم سچے ہو تو، (جہاد کی) موت کی تمنا کرو۔ (جہاد کی موت کے سوا کسی بھی موت کی آرزو کرنا خودکُشی ہے جو حرام ہے) |

● یعنی بتایا گیا ہے کہ غرضِ زندگی دُوسرے گھر کی کامیابی ہے۔اور جب تم اپنے زعم کے مطابق اُس گھر کو سنوار چکے ہو۔تو اُس میں پہنچنے کی تمنّا کیوں نہیں کرتے۔لیکن بنی اسرائیل کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کے مطابق ارشاد ہوتا ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ<br>اور ہرگز نہ آرزو کریں گے اِس کی کبھی بسبب اس کے کہ جو آگے بھیجا<br>اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ○۹۵<br>ہاتھوں اُن کے نے اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو۔ | حقیقت یہ ہے کہ وہ (بنی اسرائیل اُس سرمایہ دارانہ) نظریہ کی بدولت ، جو اُنہوں نے اپنے سامنے رکھا ہوا ہے۔(اُس وقت تک ) کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ (جب تک اِس نظریہ سے علیحدہ نہ ہوجائیں) اور اللہ تعالیٰ بے ٹھکانا کام کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ |

●اس سے آگے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰى<br>اور البتہ پاوے گا تو ان کو بہت حرص والا لوگوں سے اوپر<br>حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۚ يَوَدُّ<br>زندگی کے اور ان لوگوں سے کہ شریک لاتے ہیں آرزو کرتا ہے<br>اَحَدُهُمۡ لَوۡ يُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ<br>ہر ایک اُن کا کاش کہ عمر دیا جاوے ہزار برس کی اور نہیں وہ | اور (اے رسول سلامٌ علیہ!) آپ اِنہیں تمام لوگوں سے بڑھ کر جیتے رہنے کے حریص پائیں گے۔ اور اُن لوگوں کو بھی جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔اُن میں سے ہر شخص چاہتا ہے، کاش کہ وہ ہزار برس کی عمر پائے۔ کیونکہ اللہ دیکھتا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔(اُن کے عمل دُنیوی زندگی کے لئے ہیں۔) |

بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ

چھٹانے والا اس کو عذاب سے یہ کہ عمر دیا جاوے

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ ع

اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ کرتے ہیں۔

**جبریل سے عداوت**

اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بنی اسرائیل کی بغاوت اور نسلی تعصب پر بھی اُس قول سے متعلقہ ایک مخصوص شق کا اعادہ کیا گیا ہے۔ جس کا تذکرہ آیت نمبر ۹۰ میں گزر چکا ہے کہ جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ اِس کتاب قرآن پر ایمان لاؤ، تو وہ اِس نسلی تعصب کی بنا پر کہتے ہیں کہ ہم تو اُس پر ایمان لاتے ہیں جو (بنی اسحاق کے ذریعہ) ہم پر نازل ہُوا ہے۔ چُنانچہ اس سلسلے میں وہ وحی لانے والے ملک مخصوص جبریل سے عداوت رکھتے ہیں کہ اُس نے معاذ اللہ، معاذ اللہ اپنی مرضی سے بنی اسحاق کی بجائے، بنی اسماعیل کے خاندان میں وحی کر دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ

کہہ جو کوئی ہے دشمن واسطے جبریل کے پس تحقیق اُس نے

نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

اُتارا ہے اس کو اوپر دل تیرے کے ساتھ حکم اللہ کے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ

سچا کرنے والا واسطے اُس چیز کے کہ آگے اُس کے ہے اور ہدائت اور

بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۹۷

خوشخبری واسطے ایمان والوں کے

اے رسول سلامٌ علیہ! کہہ دیجئے گا، کہ جو جبریل کا دشمن ہے (اللہ اُس کا دشمن ہے ۲/۹۸۔ کیونکہ جبریل امین ہے ۲۶/۱۹۳) اور بلا شُبہ اُس نے (قرآن کو) اپنی مرضی سے نہیں، بلکہ) اللہ کے حکم کیساتھ آپکے قلبِ اطہر پر نازل کیا ہے۔ جو اُن پیشین گویوں کو سچّا کرنیوالا ہے جو اُس سے پہلے آ چکی ہیں۔ اور یہ (قرآن) ایمان لانے والوں کیلئے (ہر مسئلہ میں) رہنمائی کرنیوالا، اور اِس پر عمل کرنیوالوں کیلئے دنیوی اور اُخروی کامیابیوں اور کامرانیوں کی خوشخبری دینے والا ہے۔

**جبریل سے عداوت، اللہ سے اُسکے ملائکہ سے، اور اسکے رسُولوں سے عداوت ہے**

اِس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ جبریل ملک پر، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا بہتان باندھنا گویا، اللہ، اُس کے جملہ ملائکہ، اور اُس کے جملہ رسُولوں سے عداوت رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ کے ملائکہ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ تاثر دینا کہ وہ اپنی مرضی کرسکتا ہے۔ پورے کارخانۂ ہدائت کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ یعنی احتمال پیدا

ہوتا ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کا پیغام رساں مَلک اپنی مرضی سے موردِ وحی کو تبدیل کر سکتا ہے تو پیغام میں بھی ردّ و بدل کر دینا ممکن ہے۔ اور اُس سے آگے، پھر انبیاء سلام علیہم جو ملائکہ نہیں، بلکہ بشر ہیں، ابلاغِ پیغام میں اُن سے بھی کمی بیشی کے امکان کی گنجائش آ موجود ہوتی ہے۔ لیکن خداوندِ عالم نے اپنی طرف سے نازل کردہ ہدائت کو عوام تک پہنچانے کا جو انتظام فرمایا ہے، وُہ اِن قیاسات سے یکسر منزّہ ہے۔ اُس کے جملہ عمّال امین ہیں۔ پیغامِ خداوندی کو اُس کے رسُولوں تک پہنچانے والے مخصوص ملک جبریل کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۲۶/۱۹۳ = قرآن کو امانت دار پیغامِ رساں (جبریل) اللہ تعالیٰ سے لے کر نازل ہوتا ہے۔ اور جملہ انبیاء کے متعلق جن کی بشریت کا، قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اعلان کیا گیا ہے۔ لیکن اُن کی امانت پر مُہر تصدیق ثبت کر کے خُود انہی سے الگ الگ اعلان کروا دیا گیا ہے:۔ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ :۔ ۲۶/۱۰۷، ۲۶/۱۲۵، ۲۶/۱۴۳، ۲۶/۱۶۲، ۲۶/۱۷۸، بلاشبہ میں تمہارے لئے رسُولِ امین بن کر آیا ہوں۔ لہٰذا پیغام خداوندی کے ابلاغ میں کسی بھی تغیّر و تبدّل کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگلی آئتِ مجیدہ میں جبریل امین کے ساتھ دشمنی رکھنے کو اللہ، ملائکہ اور انبیاء کی دشمنی قرار دیا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ
جو کوئی ہے دشمن واسطے اللہ تعالیٰ کے اور فرشتوں کے اور پیغمبروں کے
رُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ
اور جبریل اور میکائیل کے پس تحقیق اللہ دشمن ہے
عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۹۸
واسطے کافروں کے

جو کوئی اللہ کا، اُس کے ملائکہ کا، اُس کے رسولوں کا، اور خصوصاً جبریل و میکال کا دشمن ہے۔ پس (اُسے جان لینا چاہیئے کہ) بلاشُبہ اللہ تعالیٰ (ان کا یعنی) انکار کرنے والوں کا دشمن ہے (قیامت کی عدالتِ عالیہ میں اُنہیں ضرور سزا دی جائے گی)

## قرآنِ کریم کی صداقت کی دلیل اِسکے اپنے مندرجات ہیں

قرآنِ کریم کی صداقت، خود اِس کے داخلی دلائل ہیں جن کی تصدیق فی الخارج، کائنات میں موجود ہے۔ چنانچہ اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں قرآنِ کریم کی صداقت کا معیار جبریل کا لانا نہیں، بلکہ اِس کے مندرجات کا عقل وبصیرت کے عین مطابق اور نوعِ انسانی کی مشکلات کا صحیح اور دائمی حل ہونا بتایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ج
اور تحقیق اتاریں ہم نے طرف تیری نشانیاں ظاہر

اور اے رسول! بلاشُبہ آپ کی طرف روشن دلیلیں (جن کا انکار ممکن نہیں) خود ہم نے نازل فرمائی ہیں۔ حقیقت یہ

وَمَا یَکۡفُرُ بِھَآ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ ۝ ۹۹

اور نہیں کفر کرتے ساتھ اس کے مگر بدکار۔

ہے کہ ان کا انکار صرف فاسق (یعنی اللہ تعالیٰ کی حدوں کو پھاندنے والے) ہی کرتے ہیں۔

● اگلی آئتِ مجیدہ میں ان فاسقین کی تعریف کی گئی ہے:۔

اَوَ کُلَّمَا عٰھَدُوۡا عَھۡدًا نَّبَذَہٗ فَرِیۡقٌ

آیا جب باندھا انہوں نے عہد پھینک دیتا ہے اُس کو ایک فرقہ

مِّنۡھُمۡ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُھُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ ۱۰۰

اُن میں سے بلکہ اکثر ان کے نہیں ایمان لاتے۔

کیا پھر (ایسا نہیں ہُوا) کہ جب بھی اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی عہد باندھا۔ تو اُن کے ایک گروہ نے اُسے (پسِ پُشت) پھینک دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔

## بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کے طویل تذکرہ کے بعد یہود و نصاریٰ کے مشترکہ حالات

بنی اسرائیل کی گوناگوں نافرمانیوں کے تذکرہ کے بعد اگلی آیاتِ کریمات میں اہلِ کتاب کے عنوان سے یہود و نصاریٰ کے مشترکہ حالات بیان کئے جارہے ہیں کہ جب اُن دونوں کی طرف اللہ کا پیغام آیا تو اپنی کتابوں کو بھی پیٹھ پیچھے پھینک دیا، جن میں اس آخری پیغام اور آخری نبی کی خوشخبری دیدی گئی تھی۔

وَلَمَّا جَآءَھُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ

اور جب آیا اُن کے پاس پیغمبر نزدیک اللہ کے سے

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمۡ نَبَذَ فَرِیۡقٌ مِّنَ

سچا کرنیوالا واسطےاُس کے جو ساتھ اُنکے ہے پھینک دیا ایک جماعت نے ان میں سے

الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ ۙ کِتٰبَ اللّٰہِ وَرَآءَ

جو دیئے گئے ہیں کتاب، کتاب اللہ کی کو پیچھے

ظُھُوۡرِھِمۡ کَاَنَّھُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ ۱۰۱

پیٹھوں اپنی کے گویا کہ وہ نہیں جانتے۔

اور جب اُن کے پاس اللہ کی طرف سے اُس کا (آخری) رسول آیا۔ جو اُس کتاب کی تصدیق کرتا ہے۔ جو اُن کے پاس تھی۔ تو اُن لوگوں نے، جنہیں (اس سے پہلے) کتاب دی گئی ہے، اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا گویا کہ وہ اُسے جانتے ہی نہیں۔

## نُوری علم اور کالا علم۔ ہارُوت مارُوت کے متعلق روایات کی ایک عجیب و غریب حاشیہ آرائی

اِس سے اگلی آئت نمبر ۱۰۲ میں اہلِ کتاب کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ آئتِ بالا کی اِس خبر کے مطابق کہ جس ہدائت کے وُہ منتظر تھے جب وہ بصورتِ قرآنِ کریم اُن کے پاس آئی تو اُس کا انکار کر کے اُس باطل تعلیم پر عمل پیرا رہے۔ جو روایات کے ذریعہ حضرت سلیمان کے ذمہ

لگائی گئی ہے، جیسے کہ نقشِ سلیمانی وغیرہ کے مقدّس القاب کے ساتھ تعویذ نویسی، چلہ کشی اور وِرد و وظائف کو سنّتِ سلیمانی بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ صٓ کی آیاتِ کریمات ۳۱ تا ۳۳، جن میں حضرتِ سلیمان کے جنگی گھوڑوں کا معائنہ کرنے کا ذکر ہے۔ یہ غلط معنٰی لیا گیا ہے کہ آپ عصر کے وقت ورد و وظائف کیا کرتے تھے چنانچہ تفسیر موضح القرآن کے صفحہ ۴۷۸ پر درج ہے:۔ ''اور سلیمان دیکھنے میں اُن (دریائی گھوڑوں) کے مشغول ہوئے، تاوِردا اُن کا فوت ہوا'' یعنی اُن کا وظیفہ قضا ہوگیا۔ اِس لئے تلوار کیساتھ اُن کی گردنوں اور پُٹھوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔ اِس طرح ایک طرف تو وِرد و وظائف اور نقشِ سلیمانی وغیرہ تعویذ نویسی کو انبیاء کی طرف منسوب کر کے نُوری علم کا تصوّر دیا جاتا ہے، اور دوسری طرف شیطانوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے نام نہاد کالا علم۔ اور دونوں کا مساوی اثر بتایا جاتا ہے کہ، خلافِ معمول چیزیں' نوری علم کے عامل (چلّہ کش) بھی دکھا سکتے ہیں اور کالے علم، سحر، جادو کے عامل بھی۔ چنانچہ بقول اُن کے نوری علم تو ہُوا انبیاء کا اور کالا علم کس کا ہے؟ اِس سوال کے جواب میں سلسلۂ درس کی اگلی آئتِ مجیدہ ۱۰۲ میں آمدہ الفاظ ہارُوت مارُوت کے متعلق ایک عجیب و غریب چیستانی قصہ صاحبِ تفسیر نعیمی نے تفسیر سورہ بقر کے صفحہ ۳۹۲ پر ابنِ عباسؓ، حضرتِ علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور مجاہد کی روائت سے یہ درج کیا ہے کہ ہارُوت مارُوت نامی دو فرشتے بابل شہر کے کنوئیں میں اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں' وہ لوگوں کو سحر، جادُو (کالا علم) سکھاتے ہیں۔ تفسیر کے الفاظ نقل مطابق اصل یہ ہیں:۔

تفسیر عزیزی وغیرہ نے بحوالہ ابنِ جریر اور ابنِ ابی حاتم اور حاکم' و دیگر تفاسیر نے حضرتِ ابن عباس و علی مرتضٰی و عبداللہ بن عمر و مجاہد رضی اللہ عنہم اجمعین سے بیان کیا ہے۔ کہ حضرتِ ادریس کے زمانے میں فرشتوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ مولٰی انسان بہت بدکار ہے۔ رب تعالٰی کا ارشاد ہُوا کہ اُس کو غُصّہ اور شہوت دیا گیا ہے۔ اگر یہ چیزیں تم کو ملیں تو تم بھی گناہ کرنے لگو فرشتے بولے کہ مولا کریم' ہم تو گناہ کے پاس بھی نہ جائیں گے۔ خواہ کتنا ہی غُصّہ اور شہوت ہو۔ حکمِ ربّی ہُوا کہ اچھا تم اپنی جماعت میں سے اعلی درجہ کے پرہیز گار' دو فرشتے چھانٹ لو، اُن کو ہم غُصّہ اور شہوت دے دیتے ہیں۔ پھر امتحان ہو جائے گا۔ چنانچہ ہارُوت مارُوت جو کہ بڑے ہی عبادت گزار فرشتے تھے' انتخاب میں آ گئے۔ حق تعالٰی نے اُن کو یہ چیزیں یعنی غصہ اور شہوت دے کر شہر بابل میں اُتار دیا۔ اور فرمایا کہ تم قاضی بن کر لوگوں کا فیصلہ کیا کرو اور روزانہ اسمِ اعظم کے ذریعہ شام کو آسمان پر آجایا کرو۔ یہ دونوں ایک مہینے تک ایسے ہی آتے جاتے رہے ......ایک روز ایک نہایت حسین و جمیل عورت نے جس کا نام ''زہرہ'' تھا۔ حضرت علی کی روائت میں ہے کہ اُس کا نام بدعت تھا۔ زہرہ لقب تھا اپنے خاوند کے خلاف مقدّمہ دائر کیا۔ یہ دونوں اُسے دیکھتے ہی عاشق زار ہو گئے۔ اور اُس

سے بُری خواہش کی ......اُس نے کہا، پہلے تو آپ میرے بُت کو سجدہ کرو۔اور پھر میرے شوہر کو قتل۔ پھر میں تمہاری اور تم میرے۔ انہوں نے اِنکار کیا۔وہ چلی گئی ۔مگر اُن کے دل میں اُس کے عشق کی آگ بھڑک گئی آخر اُسے پیغام بھیجا ............ بولی، کہ یا تو آپ لوگ مجھے اسمِ اعظم سکھادیں۔ یا بُت کو سجدہ کریں یا میرے شوہر کو قتل کریں اور یا شراب پی لیں۔ اُنہوں نے سوچا کہ اسمِ اعظم اسرارِ الٰہی ہے۔ اِس کو ظاہر کرنا بہت ظلم ہے۔ بُت پرستی کرنا شرک ہے اور قتل حق العباد ہے۔ لاؤ شراب پی لیں۔ چنانچہ............ جب شراب پی کر بدمست ہوگئے۔تو اُس نے اِن سے بُت کو سجدہ بھی کرالیا۔اپنے شوہر کو قتل بھی۔ اور اسمِ اعظم بھی پُوچھ لیا۔وہ تو اسمِ اعظم پڑھ کر، صورت بدل کر آسمان پر پہنچ گئی ............اور اُس کی شکل زہرہ ستارے کی طرح ہوگئی۔ جب اِن کا نشہ اُترا تو اسم اعظم بھول چکے تھے۔ اور اپنے کئے پر نادم وشرمندہ تھے............پھر یہ دونوں حضرت ادریس علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوکر شفاعت کے طالب ہوئے ،آپ نے اُن کے حق میں دُعاءِ مغفرت کی ۔حکمِ الٰہی آیا کہ............ یا تو دُنیوی عذاب قبول کریں یا آخرت کا ............اُنہوں نے عرض کیا کہ ہم کو دُنیوی عذاب منظور ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا، کہ اِن دونوں کو زنجیروں میں جکڑ کر بابل کے کنویں میں اوندھا لٹکا دیں۔ اِس کنویں میں آگ بھڑک رہی ہے۔ یہ لٹکے ہوئے ہیں۔اور فرشتے باری باری سے ہروقت اُن کو کوڑے مارتے ہیں۔سخت پیاس سے اِن کی زبانیں باہر لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ قِصّہ سُنن بیہقی ،مسندامام احمد، ودیگر کتب احادیث میں بہ اسناد صحیح مروی ہے‘‘۔

(اِس سے آگے لکھا ہے)

’’اور بعض لوگوں نے ہارُوت مارُوت کو اِس حالت میں دیکھا بھی ہے۔ چنانچہ (یہ) حکائت حاکم نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے اپنی سُنن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روائت کی ہے‘ کہ آپ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد میرے پاس ددمتہ الجندل کی ایک عورت آئی، جو کہ حضور علیہ السلام کو تلاش کرتی تھی۔ میں نے کہا کہ سرکار کی وفات ہوچکی ۔تُو مجھ سے کہہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ وہ بولی کہ میں شوہر کی سختیوں سے تنگ آ گئی۔ میں نے ایک عورت سے اپنی مصیبت بیان کی ۔اُس نے مجھے ایک کُتّے پر سوار کرکے،آن کی آن میں بابل پہنچادیا۔ میں نے وہاں ایک کنوئیں میں ہارُوت مارُوت کو لٹکا ہُوا دیکھا۔اُنہوں نے مجھ سے آنے کا سبب پوچھا۔ میں نے اپنا سارا دُکھ سُنا کر اُن سے جادُو سیکھنے کی خواہش کی۔ تاکہ میرا شوہر میرے قبضہ میں ہوجائے۔ اوّلاً اُنہوں نے بہت سمجھایا کہ یہ کفر ہے، نہ سیکھ، مگر میں نہ مانی، آخر اُنہوں نے مجھے فرمایا کہ اُس تنور میں پیشاب کرکے آ۔ میں نے اُس میں پیشاب کیا تو دیکھا کہ ایک نورانی سوار میرے بدن سے نکلا اور آسمان کی طرف اُڑ کر غائب ہوگیا۔ میں نے اُن سے یہ ماجرا بیان کیا۔اُنہوں نے فرمایا کہ یہ تیرا ایمان تھا‘ جو تجھ سے چِھن چُکا۔اب

جا، تُو جادُو میں خوب ماہر ہوگئی ہے۔ جب سے میں فنِ جادُو میں بہت اُستاد ہوں۔ گیہوں کا دانہ زمین میں داب کر حکم کرتی ہوں تو وہ اُگ آتا ہے۔ اور فوراً اُس میں خوشہ لگ جاتا ہے پھر فوراً خشک ہوجاتا ہے۔ اور میرے کہنے سے فوراً آٹا بن کر روٹی ہوجاتا ہے'' ............الخ (تفسیر نعیمی صفحہ ۳۹۲-۳۹۳)

اس روائتی تفسیر پر تو آپ علیحدگی میں غور فرمائیں۔ جس کی روائت میں حضرتِ علیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، مجاہدؒ اور عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے اسماءِ گرامی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں ہم آپ کو سلسلۂ درس کی طرف متوجّہ کر کے، قرآن و کائنات کے دلائلِ قاطعہ کے ساتھ واضح کرتے ہیں کہ ہارُوت مارُوت کون تھے، جنہیں فرشتے بتا کر اُنہیں تو بازارِ عشق میں رُسوا کیا۔ اور زہرہ عورت کو ستارہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ یعنی انسان کو کرّۂ سماوی بنا دیا ہے۔ لیجئے سیاقِ کلام کا تسلسل پیش خدمت ہے:۔

## اہلِ کتاب نے قرآن کو قابلِ اِعتناء نہ جانا۔ اور حضرتِ سلیمان علیہ السلام کی طرف منسُوب کردہ باطل روایات کی اتباع کرتے رہے

آیتِ بالا نمبر ۱۰۱ میں اہلِ کتاب کے متعلق یہ بتانے کے بعد کہ جب اُن کے پاس قرآنِ کریم آیا، تو وہ اپنی کتاب کو بھی پسِ پُشت ڈال کر اِس پر ایمان نہ لائے۔ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اُن کتابوں کی اتباع کرتے رہے جنہیں شیطانوں نے حضرت سلیمان کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔ یعنی جن وِرد و وظائف اور نقشِ سلیمانی وغیرہ تعویذ گنڈوں کی تعلیم درج ہے۔ آج بھی تعویذوں کے متعلق، یعنی کچھ خانہ دار لکیریں کھینچ کر اور اُن کے خانوں میں بے ترتیب سے ہندسے اور یا بدُوّح، یا حٓ حٓ حٓ حٓ حٓ کی قِسم کے بے ہنگم نقوش درج کر کے کہا جاتا ہے کہ ان میں بڑی تاثیر ہے۔ اِن سے بگڑے ہوئے کام بن جاتے، اور بنے ہوئے بگڑ جاتے ہیں۔ میاں بیوی میں جدائی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اگلی آیتِ مجیدہ میں اہلِ کتاب کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ ہماری نازل کردہ کتاب کو پسِ پُشت پھینک دیا اور:۔

| | |
|---|---|
| وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى<br>اور پیروی کرتے ہیں اُس چیز کی کہ پڑھتے تھے شیطان اوپر<br>مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ<br>وقت سلیمان کے اور نہیں کفر کیا تھا سلیمان نے<br>وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ<br>اور لیکن شیطانوں نے کفر کیا سکھاتے تھے | اور (اہلِ کتاب نے، اللہ کی کتاب کو پسِ پُشت ڈال کر) اتباع کی اُس چیز کی' جسے شیطان (خلوت گزیں ۲/۱۴) عہدِ سلیمانی کی طرف منسُوب کر کے تلاوت کرتے تھے۔ حالانکہ سلیمان سلامٌ علیہ نے یہ کفر نہیں کیا تھا ولیکن (ہاروت ماروت) شیطانوں[1] نے (نقشِ سلیمانی وغیرہ کے نام سے تعویذ گنڈوں کو سلیمان سلامٌ علیہ کے ذمّہ لگا |

الـنَّـاسَ السِّحۡرَ ق وَمَآ اُنۡـزِلَ عَـلَی
لوگوں کو جادو اور پیروی کرتے تھے اس چیز کی کہ اتاری گئی اوپر
الۡمَلَكَيۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ ط
دو فرشتوں کے بیچ شہر بابل کے ہاروت اور ماروت
وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنۡ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوۡلَاۤ
اور نہیں سکھاتے وہ دونوں کسی کو یہاں تک کہ کہتے تھے
اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ فَلَا تَكۡفُرۡ ط
سوائے اس کے نہیں کہ ہم آزمائش ہیں پس مت کافر ہو
فَيَتَعَلَّمُوۡنَ مِنۡهُمَا مَا يُفَرِّقُوۡنَ بِهٖ بَيۡنَ
پس سیکھتے ہیں اُن دونوں سے وہ چیز کہ جدائی ڈالتے ہیں ساتھ اسکے درمیان
الۡمَرۡءِ وَزَوۡجِهٖ ط وَمَا هُمۡ بِضَآرِّيۡنَ بِهٖ
مرد کے اور جورو اس کی کے اور نہیں وہ ضرر پہنچانے والے ساتھ اس کے
مِنۡ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ط وَيَتَعَلَّمُوۡنَ
کسی کو مگر ساتھ حکم اللہ کے اور سیکھتے ہیں
مَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ ط وَلَقَدۡ
وہ چیز کہ ضرر دیتی ہے اُن کو اور نہ نفع دیتی ہے اُن کو اور البتہ تحقیق
عَلِمُوۡا لَمَنِ اشۡتَرٰٮهُ مَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ
جانتے ہیں جو کوئی مول لیوے اس کو نہیں واسطے اس کے بیچ آخرت کے
مِنۡ خَلَاقٍ قف ط وَلَبِئۡسَ مَا شَرَوۡا بِهٖۤ
کچھ حصہ اور البتہ بُرا ہے جو بیچا ہے بدلے اُس کے
اَنۡفُسَهُمۡ ط لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۰۲
جانوں اپنی کو اگر ہوتے جانتے۔

کر) خُود کُفر کیا ہے۔ وہ لوگوں کو سحر (باطل تعلیم) سکھاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ (سلیمان کے ذمہ لگائی گئی، تعویذ گنڈوں وغیرہ کی) تعلیم مذکورہ بالا دوملائکہ (جبریل ومیکال) کے ذریعہ (کسی بھی نبی پر) نازل نہیں ہوئی تھی[۲]۔ وہ دونوں ہارُوت مارُوت بابل میں، کسی کو تعلیم نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اُسے کہتے تھے کہ' بلاشُبہ ہم ایک فتنہ ہیں (یعنی جو کوئی ہماری اطاعت کے بعد ہمارا انکار کرتا ہے ہم اُسے تباہ کردیتے ہیں) پس تو انکار نہ کرنا۔ پھر لوگ اُن سے (تعویذ گنڈوں کی) وہ تعلیم سیکھتے تھے، جس کے ساتھ وہ میاں بیوی میں (فتنہ پیدا کرکے) جدائی کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس باطل تعلیم کیساتھ وہ کسی کو بھی تکلیف پہنچانے والے نہیں۔ (یعنی تعویذ گنڈوں کیساتھ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا) سوائے قانونِ خداوندی کے۔ (یعنی اگر کبھی اتفاق ہی ایسا ہوجائے کہ اِدھر کسی کو تکلیف پہنچانے کیلئے تعویذ لیا، اور اُدھر اُسے کوئی حادثہ پیش آ گیا یعنی اُسے حادثۃً کوئی تکلیف آ گئی) حقیقت یہ ہے کہ لوگ اُن سے وُہ تعلیم سیکھتے تھے جو اُنہیں نہ نقصان دیتی ہے نہ فائدہ۔ اور بلاشُبہ اُنہوں نے ظاہر کردیا ہے (یعنی اُن کے حالات سے واضح ہوچکا ہے کہ جو بھی اس باطل تعلیم کو اختیار کریں گے) آخرت میں اُن کا کوئی حِصّہ نہیں۔ (اُس قوم کا مستقبل تاریک ہوجائے گا) البتہ تحقیق بہت ہی بُرا ہے جس کے عوض وہ اپنی جانیں بیچ رہے ہیں[۳] اے کاش کہ فاسق لوگ اِس حقیقت کو سمجھیں۔

ـہ مرید کہتے کہ مُریدی کے بدلے ہم نے مال جان سب کچھ دیدیا ہوا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ
اور اگر تحقیق وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے البتہ ایک ثواب تھا
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا
نزدیک اللہ کے بہتر اگر ہوتے
يَعْلَمُوْنَ ۠ ۱۰۳ ع ۱۲/۱۲
جانتے۔

اور اگر وہ ایمان لائیں اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچیں تو اُن کے لئے اللہ کے ہاں بہتر بدلہ ہے۔ اے کاش کہ وہ اسے سمجھیں۔

**لَقَدْ عَلِمُوْا بمعنی بیشک اُنہوں نے ظاہر کردیا** سورہ آل عمران اور توبہ کی آیات کریمات ۳/۱۴۲ اور ۹/۱۶ کی روشنی میں بالتصریح ثابت ہے کہ عَلِمَ يَعْلَمُ کا معنی ظاہر کرنا بھی ہے۔

**میاں بیوی میں جُدائی** تعویذوں پر عقیدہ رکھنے والے میاں بیوی کے لئے اتنی سی بات ہی جدائی کیلئے کافی ہوجاتی ہے کہ فریقین میں سے کسی کو یہ پتہ چل جائے کہ فریق ثانی نے اُسے تعویذ ڈالے ہُوئے ہیں۔ یہ صرف توہماتی اثر ہے ورنہ مَا يَضُرُّهُمْ وَمَا لَا يَنْفَعُهُمْ کے الفاظ نے فیصلہ کررکھا ہے کہ سحر وغیرہ تعویذ گنڈے، بالفعل نہ فائدہ دیتے ہیں نہ نقصان، میاں بیوی کی جُدائی اور نفع نقصان وغیرہ کو تعویذوں کا اثر بتانا محض توہماتی چیزیں ہیں جن کا اصل سبب کوئی اور ہوتا ہے۔ اور اُس سبب کو نہ جانتے ہوئے، سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہ تعویذ کا اثر ہے۔

**تعویذ گنڈے عمل سے روک دیتے ہیں** تعویذوں کا توہماتی نقصان سب کے سامنے ہے کہ اگر کسی اچھے بھلے آدمی' کو جس کا تعویذوں پر یقین ہو کہہ دیا جائے کہ تجھے تعویذ کھلا دیئے گئے ہیں تو وہ اپنے آپ کو بیمار سمجھنے لگتا اور وہم کا شکار ہوجاتا ہے۔ اور اب اُس پر کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی۔ دوسری طرف اگر کوئی شخص بیمار ہو تو اُس کا علاج کرنے کی بجائے اگر دم کرکے اور تعویذ گھول گھول کر پلائے جاتے رہیں۔ تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیمار تندرست ہونے کی بجائے، مرض سے کمزور ہُوتا ہوا موت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ٹھیک علاج ہورہا ہے۔ تو گویا تعویذ گنڈوں کا عقیدہ صحیح عمل، یعنی علاج کی راہ میں دیوار بن کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ اور یہی حال زندگی کے باقی گوشوں کا ہے۔ جب تک ترقی کے لئے تعویذ گنڈے استعمال کئے جاتے رہے ناکامی دامن گیر رہی۔ مثلاً جب

تک کھیت میں تعویذ دبائے جاتے تھے فی ایکڑ پیداوار دس بارہ من سے بڑھتی نہیں تھی، اور جب تعویذوں کی دنیا سے نکل کر میدانِ عمل میں قدم رکھا، تو فی ایکڑ پیداوار ایک سوستاسی من تک پہنچ گئی۔

## تین اہم نکات

آئتِ بالا نمبر ۱۰۲ میں تین اہم امور وضاحت طلب ہیں جن میں روائتی تفاسیر نے بلاوجہ ابہام پیدا کرلیا ہے:۔

۱۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ کے الفاظ اَلْمَلَکَیْنِ سے بابل شہر کے ہاروت ماروت شیطان مراد ہیں، یا اُوپر کے مذکور ملائکہ جبریل ومیکال؟

۲۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ میں مَا نافیہ ہے یا موصولہ یعنی اَلْمَلَکَیْن پر کچھ نازل ہُوا تھا یا نہیں؟

۳۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ میں کیا علٰی بمعنی "پر" صحیح ہے جو سو فیصدی تراجم میں لکھا ہے۔ یا "بذریعہ" صحیح ہے جو اس ترجمہ میں لکھا گیا ہے؟

## اَلْمَلَکَیْن سے مُراد جبریل ومیکال ہیں

ہاروت ماروت فرشتے تھے یا شیطان؟ عام تراجم میں وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ ....... الخ کے الفاظ میں ہاروت ماروت کو اَلْمَلَکَیْن کا بدل مان کر یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور جب اِس نظریئے پر یہ سوال پیدا ہُوا، کہ فرشتوں کا کیا کام ہے جادو سکھانے کا؟ تو دو فرشتوں کے زہرہ کے عشق میں گرفتار ہوکر شراب پینے، ناحق قتل کرنے اور بُت کے سامنے سجدہ تک کرنے کا تصوّر پیدا کرلیا گیا ہے۔ اور پھر اِس پر جب یہ سوال پیدا ہُوا کہ فرشتوں میں حسن وعشق کی نسبت کہاں سے آ گئی؟ تو یہ کہا گیا کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کو طعنہ دیا تھا کہ انسان بہت گناہ کرتا ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دو بڑے سے بڑے پرہیز گار فرشتے انتخاب کرلو ہم اُنہیں غُصّہ اور شہوت دے دیتے ہیں۔ پھر دیکھنا کہ وُہ کس طرح گُناہ کرتے ہیں۔ چُنانچہ قُرعہ فال ہاروت ماروت پر پڑا اور وُہ خمر قتل اور شرک جیسے عظیم گناہوں میں ملوّث ہوگئے۔ العیاذُ باللہ

حالانکہ حقیقتِ حال دوپہر کے سُورج کی طرح عیاں ہے کہ ہاروت ماروت بابل شہر کے دو شیطان، خلوت نشین (۲/۱۴) انسان تھے جنہوں نے حضرت سُلیمان کے بعد آپ کے ذِمّہ لگا کر تعویذ گنڈوں، نقشِ سلیمانی وغیرہ کی تعلیم جاری کی تھی۔ آئتِ مجیدہ ''وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا'' میں الشَّيٰطِيْنَ پر الف لام عہدی ذکری ہے، اور شیاطین کا ذکر وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۲/۱۴ میں گذر چکا ہے۔ کہ یہ خلوت نشین گروہ کے دو مشہور افراد تھے۔ بالفاظِ دیگر ہاروت ماروت کی دو الگ خلوت گاہیں تھیں۔ جہاں وُہ حضرتِ سلیمان کے ذِمّہ لگا کر نقشِ سلیمانی (تعویذ گنڈے) فروخت کیا کرتے اور لوگوں کو عمل سے

بیگانہ کرنے والی، وِردووظائف کی باطل تعلیم دیا کرتے تھےلیکن اِس ابہام کودُور کرنا ضروری ہے کہ ہاروت ماروت فرشتے تھے یا شیطان۔اِس کیلئے ذیل کی قواعد کی بحث کوبغور ملاحظہ فرمائیں۔

آیتِ مجیدہ میں اَلشَّیٰطِیۡنَ پرزبراس لئے آئی ہے کہ یہ لٰکِنَّ کا اسم ہے۔اوراِس کے بعد چونکہ ''ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ'' پربھی زبرآئی ہے۔اِسلئے قواعدِ عرب کے مطابق، کہ بدل اور مبدّل منہٗ، اعراب میں باہم متماثل ہوتے ہیں۔ ہارُوت مارُوت اَلشَّیٰطِیۡنَ کابدل بن کرشیطان ثابت ہوتے ہیں لیکن دُوسری طرف اَلْمَلَکَیْنِ مجرُور ہےاورہارُوت مارُوت چونکہ عجمہ ہیں،اُن پر زیرآنہیں سکتی۔اسلئے قواعد کی رُوسے ان پرعجمہ ہونے کی وجہ سے زبرآئی ہے۔لہٰذاانہیں محلاً مجرور مان کر اَلْمَلَکَیْنِ کابدل بھی مانا جاسکتا ہے کہ وُہ فرشتے تھے۔لیکن اب چونکہ قواعد کی رُوسے اس آئت کے دونوں معنے درست ہیں۔لہٰذا یہ آئت متشابہ ہے۔پس اِس امر کا فیصلہ کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہرگزنہیں کرتے محکم آیت نمبر ۱۶/۵۰-۴۹ میں موجود ہے یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ = ملائکہ وُہی کام کرتے ہیں جس کا اُنہیں حکم دیا جاتا ہے۔یعنی ملائکہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے ہی نہیں۔لیکن ہارُوت مارُوت چُونکہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان تھے اِسلئے وہ ملائکہ نہیں بلکہ شیطان ہیں۔پس ھَارُوْتَ وَمَارُوْت ، اَلْمَلَکَیْنِ کابدل ہرگزنہیں۔اِس پرقواعد کی یہ محکم دلیل موجود ہے کہ ھَارُوْتَ وَمَارُوْت،اعراب میں متماثل ہیں اَلشَّیٰطِیۡنَ کے۔اسلئے یہ اَلشَّیٰطِیۡنَ ہی کابدل ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اَلْمَلَکَیْنِ بصیغہ تثنیہ سے کون سے دومَلَکْ مُراد ہیں؟ اِس کا جواب سامنے پڑا ہوا ہے کہ اَلْمَلَکَیْنِ کا الف لام عہدی ذکری ہے۔اوراوپردوملائکہ جبریل ومیکال کا ذکر بالکل قریب موجود ہے۔پس اَلْمَلَکَیْنِ سے جبریل ومیکال مُراد ہیں،ہاروت ماروت شیطانوں کوخواہ مخواہ فرشتے ٹھہرالیا گیا ہے۔

### تفسیر ثنائی

مولوی ثناء اللہ صاحب نے قرطبیؒ،ابن کثیر اور فتح البیان کے حوالہ سے ہاروت ماروت کا بالفاظِ ذیل شیاطین کابدل لکھاہے،اَلْمَلَکَیْنِ کانہیں''امام رازی جیسے محققوں نے (ہاروت ماروت سے متعلقہ) اِن سب قِصوں کوخرافات اوراباطیل سے شمار کیاہے۔جومُترجمین نے اختیار کیاہے۔وہ قرطبیؒ نے پسند کیا ہے۔چنانچہ تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان وغیرہ میں مذکور ہے کہ نواب محمد صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے بھی نقل کیا، بلکہ ترجیح دی ہے کہ ہاروت ماروت شیاطین سے بدل ہے۔'' (بحوالہ ترجمہ تفسیر ثنائی مطبوعہ ادارہ اشاعتِ دین صفحہ نمبر۱۴۲۱ اجمیری دروازہ دہلی صفحہ نمبر۱۹)

### وَمَآاُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ میں مَا نافیہ ہے،موصولہ نہیں ہے

آئت زیر بحث کے الفاظ'' مَآاُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ ''میں مترجمین کے ہاں لفظ مَا کے نافیہ یا موصولہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ترجمہ زیرنظر میں تحفّظِ ناموسِ باری کے لئے، اِسے نافیہ تسلیم کیا گیاہے۔مترجمین کی

اکثریت نے اسے موصولہ قرار دے کر، یہ تاثر دیا ہے کہ ہارُوت مارُوت فرشتوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سحر یعنی جادو نازل ہوا تھا۔اور سحر یا جادُو کی تعریف وہ پیش کی جاتی ہے جسے آپ تفسیر نعیمی کے حوالے میں پڑھ چکے ہیں کہ گندم کا دانہ زمین میں دبانے کے بعد اُس کا فوراً اُگ آنا، اُس میں خوشے کا لگ جانا، پک جانا، خود بخود پِس جانا اور فوراً روٹی تیار ہو جانا سحر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں ایک طرف تو ایک عظیم الشان نعمت ہیں کہ آنِ واحد میں بلا محنت کھانا پک کر تیار ہو جائے۔اور دُوسری طرف اِس بے پایاں انعام کا نزول انبیاء سلامٌ علیہم کی بجائے شیطانوں پر بتایا جاتا ہے۔یعنی انبیاء سلامٌ علیہم اور آپ کے صحابہؓ تو روٹی کے لئے ہل چلانے، بیج بونے، پانی دیتے رہنے اور حفاظت کرتے رہنے کے ساتھ ساتھ فصل کے پکنے کا چھ ماہ تک انتظار کرتے رہیں پھر کاٹیں، گاہیں۔چکّی میں پیسیں اور آگ پر خُود پکا کر روٹی حاصل کریں، مگر شیاطین اور اُن کے ساتھی کچھ نہ کریں اور سب کچھ پالیں۔ چونکہ یہ عجیب و غریب ناانصافی اللہ تعالیٰ کی طرف ہرگز منسوب نہیں کی جاسکتی۔ پس وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ کا مَآ موصولہ نہیں نافیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سحر یا جادُو نامی کوئی چیز ہرگز ہرگز نازل نہیں فرمائی۔ جس کی مشاہداتی دلیل یہ ہے کہ دانوں کو زمین میں دبا کر پسا پسایا آٹا، یا پکّی پکائی روٹی پُورے کُرّۂ ارض پر کہیں بھی میسّر نہیں آتی۔اس لئے ثابت ہُوا کہ سحر یا جادُو نامی کسی چیز کاوُجود تک دُنیا میں موجود نہیں۔

## مَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ میں عَلٰی بمعنی پر غلط اور بذریعہ صحیح ہے

اِس آئتِ مجیدہ میں مترجمین کی اکثریّت نے دوملائکہ پر کچھ نازل ہونا۔اور اقلیّت نے کُچھ نازل نہ ہونا تسلیم کیا ہے۔لیکن قرآنِ کریم کی رُو سے موردِ وحی ملائکہ نہیں، بلکہ انبیاء سلامٌ علیہم ہیں ملائکہ محض ذریعہ ہیں اللہ کے پیغام کو اُس کے انبیاء تک پُہنچانے کا۔اِس لئے آئتِ زیرِ نظر میں عـلٰی بمعنی بذریعہ ہے پر نہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے سحر یعنی باطل کو جبریل و میکال کے ذریعہ کسی بھی نبی پر نازل نہیں کیا۔افسوس ہے کہ مَوردو مہبطِ وحی کے بدل دینے ہی کا ایک نتیجہ یہ ہُوا کہ سحر کا نزُول اللہ تعالیٰ کی طرف سے مان لیا گیا ہے۔حالانکہ قرآنی لُغت ۴۶/۲ کی رُو سے سحر کا معنٰی ہے باطل، اور ظاہر ہے کہ باطل کا نزُول شیطانوں کی طرف سے تو مانا جاسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں مانا جاسکتا۔

## حضورِ رسالت میں یہود کی گُستاخی

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ نمبر ۱۰۴ میں دَورِ رسالت کے یہُودیوں کی ایک مخصوص گُستاخی کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جب وہ حضورِ رسالت میں حاضر ہوتے تو آنحضور سلامٌ علیہ کو اپنی طرف مخاطب کرنے کے لئے رَاعِنَا کہا کرتے۔یعنی ہماری رعائت فرمائیے۔لیکن ۴۶/۴ میں بالفاظِ ذیل خبر دی گئی ہے کہ وہ رَاعِنَا زبان کو لچکا کر کہا کرتے تھے جو بن جاتا ہے رَاعِيۡنَا اور بجائے اس کے کہ اِس کا مفہوم یہ ہو کہ ہماری رعائت فرمائیے، معنٰی بن جاتا ہے ''ہمارا گڈریا'':۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا ۢ بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ط ۴۶ = یہودیوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے کلام کو اُس کے مقام سے بدل دیتے ہیں۔ اور وُہ (رسولِ عربی کو) کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔ تُو ہماری سُن۔ سُنایا نہ جا (یعنی دُوسروں کی نہ سُن) اور دین میں طعن دیتے ہُوئے، اپنی زبانوں کو لچکا کر رَاعِنَا کو رَاعِيْنَا کہتے ہیں (ہمارا گڈریا) اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول سلامٌ علیہ کی شان میں ایسی گستاخیاں گوارا نہیں۔ یہود کے متعلق فرمایا:۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۴۶ اور اگر وُہ بے شک یہ کہیں کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی۔ اِس لئے آپ سُنیئے اور ہماری طرف نظرِ (کرم) فرمایئے۔ تو اُن کے لئے بہتر ہے...... اِس طرح اللہ تعالیٰ نے گستاخ یہودیوں کو تو یہ کہا، مگر مومنوں کو حکم دیا کہ تم ہمارے رسول کے لئے وُہ لفظ استعمال ہی نہ کرنا، جو توہینِ رسالت کے لئے تراشا گیا ہے۔ چُنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا
اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت کہو راعنا
وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَ
اور کہو ہماری طرف غور کریں ، اور سُنو اور
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۱۰۴
واسطے کافروں کے ہے عذاب درد دینے والا۔

ایمان والو! تُم رَاعِنَا مت کہا کرو۔ بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو۔ اور (ہمارے رسول سلامٌ علیہ سے ہمارا کلام) سُنا کرو۔ کیونکہ انکار کرنے والوں کے لئے ہمارے ہاں دردناک عذاب ہے۔

## اہلِ کتاب کے مُنکرینِ ربوبیّت اور مُشرکین کو آنحضور سلامٌ علیہ پر وحی کا نازل ہونا برداشت نہ ہُوا

اس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں وجہ بتائی گئی ہے کہ اہلِ کتاب اور مُشرکین حضورِ رسالت میں اس طرح گستاخیاں کیوں کرتے ہیں۔ اِسلئے کہ اُنہیں بنی اسماعیل میں نزولِ کتاب گوارا ہی نہیں۔

چُنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ
نہیں دوست رکھتے وُہ لوگ جو کافر ہوئے صاحبِ
الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ
کتاب سے اور نہ مشرکوں سے یہ کہ اُتاری جاوے

ایمان والو! نہ اہلِ کتاب کے مُنکرینِ ربوبیّت اِس چیز کو پسند کرتے ہیں، اور نہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے، کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے خَیر (اللہ کی کتاب قُرآنِ کریم) نازل ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے

عَلَيۡكُم مِّنۡ خَيۡرٍ مِّن رَّبِّكُمۡ ۗ وَاللّٰهُ
اوپر تمہارے کچھ بھلائی پروردگار تمہارے سے اور اللہ
يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَن يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ
خاص کرتا ہے ساتھ رحمت اپنی کے جس کو چاہتا ہے اور اللہ
ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝ ١٠٥
صاحب فضل بڑے کا ہے۔

قانون مشیّت کے مطابق جسے چاہتا ہے، اپنی رحمت کے ساتھ (نبوّت کے لئے) مختص کرلیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔

## آخری ہدائت نامہ قرآنِ کریم ہے

آئتِ مجیدہ کے اِن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے کہ نبوّت وہبی ہے کسبی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق نبوّت ہبہ فرماتا تھا۔ اکتساب کے ذریعہ حاصل نہیں کی جاتی تھی یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ فعل مضارع سے یہ تصوّر لینا غلط ہے کہ جناب خاتم النّبیّن سلامٌ علیہ کے بعد بھی نبوّت جاری ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ قانونِ مشیّت کے مطابق نبوت کے لئے مختص کرتا رہتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے جب تک انسانیت دَورِ طفولیّت میں تھی، اللہ تعالیٰ پے درپے نبی بھیجتا رہا۔ اور جب اِنسانیت بالغ ہوگئی، تو اپنی آخری کتاب نازل فرما کر، اور اُس کی حفاظت کا ذمہ لے کر ١٥/٩، آئندہ کے لئے آنحضور کے مُتعلق خاتم النّبیّن ہونے کا اعلان کردیا۔ کہ نبوّت کو قیامت تک کے لئے قرآنِ کریم میں محفوظ کردیا گیا ہے، اور اب نبیوں کا سِلسِلہ منقطع کردیا گیا ہے ٣٣/٤٠، اب نوعِ انسانی قیامت تک کیلئے قرآنِ کریم سے ہدائت حاصل کرتی رہے۔

## اللہ تعالیٰ شیطانوں کی نشانیوں کو منسُوخ کرتا، اور اپنی آئتوں کو محکم کردیتا ہے

سلسلۂ درس کی اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ نمبر ١٠٦، آیۂ نسخ کہلاتی ہے۔ جس سے روائتی تفاسیر نے یہ تصوّر اخذ کیا ہے کہ قرآنِ کریم کی بہت سی آئتیں منسُوخ ہوچکی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں فیصلہ دے دیا ہے کہ وُہ اپنی نہیں، بلکہ شیطان کی نشانیوں کو منسوخ کرتا، اور اپنی آئتوں کو محکم کردیتا ہے:۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝ ٢٢/٥٢ = اور اے رسول سلامٌ علیہ! نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی، مگر اُس کے ساتھ ضرور ایسا ہوا کہ جب وہ ہمارے کلام کی تلاوت کرتا، تو شیطان (نافرمان اِنسان) اُس کے تلاوت کردہ کلام میں کُچھ اپنی طرف سے شامل کردیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اِس چیز کو جو شیطان پیش کرتا منسوخ کردیتا اور اپنی آئتوں کو محکم کردیتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاحبِ علم وحکمت ہے۔

غور فرمائیے گا! کہ اللہ تعالیٰ نے آئت مجیدہ مذکورہ بالا ۲۲/۵۲ میں اپنی مُستقل سُنّت بیان فرمائی ہے کہ جب بھی کسی نبی رسول کی مجلس میں کوئی شیطان اپنی طرف سے کُچھ پیش کرتا تو اُسے منسُوخ کر دیا جاتا۔ اور اپنی آئتوں کو محکم کر دیا جاتا تھا۔ اب آپ سلسلۂ درس کی آئت نمبر ۱۰۴ میں دیکھ چکے ہیں کہ مجلسِ رسول سلامٌ علیہ میں، جہاں کلامِ الٰہی کی تلاوت ہوتی تھی تو حاضرین استفسارِ مسائل کے لئے آنحضور کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ تو یہودیوں نے آپ کو اپنی طرف متوجّہ کرنے کے لئے زبان میں لچک پیدا کر کے جب رَاعِنَا کو رَاعِیْنَا کہا تو اللہ تعالیٰ نے ۲۲/۵۲ کی مستقل سُنّتِ مطہرہ کے مطابق شیطان کی اِس نشانی رَاعِنَا کو منسُوخ کر دیا۔ اور اپنی آئت اُنْظُرنَا کو محکم فرمادیا۔ دیکھئے! ۶/۲۴، ۶/۴۶، ۶/۶۵ کی قسم کی آیاتِ کریمات، جن میں آنحضور کو اللہ تعالیٰ نے بار بار اُنْظُر اُنْظُر اُنْظُر فرمایا ہے۔ اور مومنین کو اِسی کی تاکید فرما کر کہ حضورِ رسالت میں اُنْظُرنَا کہا کرو، اپنی اِن آئتوں کو محکم کر دیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئتِ مجیدہ میں اسی رَاعِنَا کی تنسیخ اور اُنْظُرنَا کی تحکیم کی خبر دی گئی ہے:۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ
جو موقوف کرتے ہیں ہم آئتوں سے یا بھلا دیتے ہیں ہم انکو لاتے ہیں ہم
بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ
بہتر اس سے یا مانند اُس کے ۔ کیا نہ جانا تُو نے یہ کہ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝ ۱۰۶
اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

اور نہیں ہم منسُوخ کرتے کسی (شیطانی) نشانی کو[۱] ۲۲/۵۲، یا اُسے بُھول جانے کا حکم دیتے ہیں تو ہم اُس سے بہتر[۲] اور اس کی مثل لاتے ہیں[۳]۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیمانے قانون مقرر کرنے[۴] والا ہے۔

(نوٹ[۱]) اِس آئت کا مقابلہ مندرجہ بالا آئت ۲۲/۵۲ کے ساتھ کریں اس آئت میں آیا ہے مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اور ۲۲/۵۲ میں آیا ہے فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ پس ثابت وبیّن ہے کہ نَنۡسَخُ کا بدل ہے يَنۡسَخَ اللّٰهُ اور اٰيَةٍ کا بدل آیا ہے: مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ۔ پس اٰيَةٍ سے مُراد یہاں اللہ کی آئت نہیں بلکہ شیطان کی نشانی ہے جیسے یہودی شیطانوں نے خود رَاعِنَا تراش لیا تھا۔ رَاعِنَا، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آئت ہرگز نہیں۔

**اَوْ بمعنٰی[۲] واوَ۔اور** ترجمہ میں اَوْ کا معنٰی واوَ کیا گیا ہے۔ اِس کے لئے دیکھئے لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمۡ تَمَسُّوۡهُنَّ اَوۡ تَفۡرِضُوۡا لَهُنَّ فَرِيۡضَةً میں اَوْ بمعنی اور ہے، یعنی کوئی ہرج نہیں کہ اگر تم مَس سے پہلے بیویوں کو طلاق دو اور تُم نے مہر مقرر نہیں کیا۔ اِس سے آگے دُوسری صورت بیان ہُوئی ہے:۔ وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً = اور اگر تُم اُنہیں مَس سے پہلے طلاق دو اور مہر مقرر کیا ہے ۲/۲۳۶-۲۳۷ یہاں مولوی احمد علی لاہوری، اشرف علی، مولوی ثناء اللہ صاحبان سب نے اَوْ کا

معنٰی اور ہی لکھا ہے۔

**بہتر بھی ۳ اور مثل بھی**

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر شیطانی نشانی منسوخ کر کے اُس جیسی ہی آئت لائی جائے، تو منسوخ کرنے کا کیا فائدہ؟ اِس کا جواب خود آئتِ مجیدہ نمبر ۱۰۴ میں موجود ہے کہ شیطانی نشانی رَاعِنَا کو منسوخ کر کے اُنْظُرْنَا لایا گیا ہے، جو مفہوم کے لحاظ سے اُس کی مثل ہے، یعنی ہماری رعائت فرمایئے، اور ہماری طرف نگاہ فرمایئے دونوں مترادف المفہوم ہیں۔ لیکن اُنْظُرْنَا رَاعِنَا سے بہتر ہے، کیونکہ اِس میں توہینِ رسالت کے لئے لچک پیدا کرنے کی گُنجائش موجود ہی نہیں۔

**اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۴**

آئتِ مجیدہ کا آخری جُملہ ہے اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔ اِس جُملے کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ کائنات یعنی سنّتِ جاریہ، اور اپنی آیاتِ کریمات یعنی اپنے نازل کردہ ضابطے میں ردّو بدل اَور ترمیم و تنسیخ پر قادر ہے۔ جہاں تک اُس کی قدرت کا تعلق ہے، بلاشُبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن قُرآنی لُغت اور تصریفِ آیات کی روشنی میں اِس جُملے کا مذکورہ معنٰی غلط ہے۔ لفظِ قدیر صفت مُشبّہ ہے مادہ قدر سے۔ اور قدر کا معنٰی ہے اندازہ مقرر کرنا، قانون بنانا۔ اور اِس مادہ سے اسم فاعل، قادر کا معنٰی ہے اندازہ مقرر کرنے والا، قانون بنانے والا، اور قدیر صفتِ مُشبّہ کا معنٰی ہے صحیح صحیح اندازے مقرّر کرنے والا، صحیح صحیح قانون بنانے والا۔ پس اِس جُملے کا صحیح معنٰی یہ ہے:۔

بلاشُبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا صحیح اندازہ مقرر کرنے والا، صحیح صحیح قانون بنانے والا ہے۔ اب بتایئے گا! کہ کیا جو ذاتِ مقدّس صحیح صحیح قانون بنانے والی ہے۔ اور اُس کے بنائے ہُوئے قوانینِ جاریہ میں کبھی بھی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی۔ کیا اُس کا نازل کردہ ضابطۂ حیات ایسا ہوسکتا ہے کہ اِس میں اُسے وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ کرنی پڑ جایا کرے؟ ہرگز نہیں۔

آیۂ نسخ ۱۰۶ کا صحیح مفہوم آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے، اگلی آئتِ کریمہ کو بطورِ دلیل قاطعہ پیش کیا ہے۔ کہ جب اُس کے ارض و سماوات کے کائناتی قوانین میں کبھی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہیں پڑی، تو ضابطۂ انسانی کے طور پر نازل کردہ قوانین (آیاتِ قرآنیہ) میں تنسیخ کی ضرُورت کس طرح ہوسکتی ہے۔ دیکھئے ارشادِ ربّانی:۔

| | |
|---|---|
| اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ<br>کیا نہیں جانتا تو یہ کہ اللہ واسطے اُس کے ہے بادشاہی<br>السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ<br>آسمانوں کی اور زمین کی اور نہیں واسطے تمہارے | کیا تُو نہیں جانتا (یعنی تُجھے جاننا چاہیے) کہ بلاشُبہ اللہ ہی کے لئے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی اور (جانے رہو کہ) تمہارے لئے اُس کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔ |

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۱۰۷

سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ مددگار

● دیکھئے! اس آئتِ مجیدہ میں دعوت دی گئی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی حکومتِ جاریہ پر غور کر کے دیکھ لو کہ کیا اُس کے قوانینِ جاریہ میں کہیں ترمیم و تنسیخ موجود ہے؟ اور جب اِس میں اُسے کہیں ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہیں پڑتی تو جان لو کہ اپنے نازل کردہ ضابطے میں بھی اُسے تنسیخ کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے $\frac{۲۲}{۵۲}$ میں اعلانِ عام کر دیا ہے کہ وہ شیطان کی نشانیوں کو منسوخ کرتا، اور اپنی آئتوں کو محکم کر دیتا ہے لیکن:۔

## روائتی تفاسیر کی رُو سے اسلام میں نسخ کی چار صورتیں ہیں

لیکن روائتی تفاسیر نے نسخ کو صرف تسلیم نہیں کیا بلکہ دین میں اسکی چار صُورتیں بتائی ہیں:۔

۱۔ قرآن کی تنسیخ قرآن کے ساتھ ۲۔ حدیث کی تنسیخ حدیث کے ساتھ

۳۔ حدیث کی تنسیخ قرآن کے ساتھ اور ۴۔ قرآن کی تنسیخ حدیث کے ساتھ

دیکھئے تفسیر نعیمی سورہ بقر صفحہ ۴۰۸ پر اسی آیۂ نسخ کی تفسیر میں لکھا ہے:۔ نسخ کی چار صُورتیں ہیں۔ نسخ آئت کا آئت سے۔۔۔ دوسرے، نسخ حدیث کا حدیث سے۔۔۔ تیسرے، نسخ آئت کا حدیث سے۔ (معاذ اللہ استغفر اللہ)۔۔۔ چوتھے، نسخ حدیث کا قرآن سے۔۔۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی پیش کردہ نشانیوں کو منسوخ اور اپنی آئتوں کو محکم کرتا ہے یعنی خود اللہ تعالیٰ بھی اپنی آئتوں کو منسوخ نہیں کرتا۔ لیکن روائتی تفاسیر ہیں، کہ قُرآنِ کریم کو حدیث کیساتھ منسوخ کر رہی ہیں۔

اِس طرح روائتی تفاسیر نے کہیں تو قرآنِ کریم کی پانچ سو آئتوں کو منسوخ کیا ہے، بعض کو خود قرآنِ کریم کے ساتھ۔ اور بعض کو احادیث کے ساتھ۔ پھر خُود ہی علماءِ روایات، اختلاف کر کے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دَور تک اِن کی تعداد کو خُود گھٹاتے چلے آئے ہیں۔ حتّٰی کہ پانچ سَو کی پانچ رہ گئیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے صرف پانچ آئتیں منسوخ بتائی ہیں۔ ناسخ منسوخ کی مدلّل بحث دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۷ میں ملاحظہ فرمائیں...... افسوس ہے کہ روایات کے نظریۂ نسخِ آیاتِ قرآنیہ میں اللہ اور رسول سلامٌ علیہ کے الگ الگ مدارج کا لحاظ بھی نہیں رکھا گیا۔ حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے آئت نازل کرے اور اُس کا رسُول اُسے منسوخ کر دے؟۔ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ کیا قرآن بھر میں کہیں آنحضور کو تنسیخ آیاتِ قرآنیہ کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے؟ اور جب آپ کا یہ منصب ہی نہیں، بلکہ آپ کا منصب تبلیغِ قرآن ہے، تنسیخ قرآن نہیں $\frac{۵}{۶۷}$، اور اتباعِ قرآن ہے، اختلافِ قرآن نہیں $\frac{۶}{۵۰}$ + $\frac{۱۰}{۱۵}$، تو کِس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ حدیث ناسخِ قرآن ہے۔ اور پھر

صاحبِ تفسیرِ نعیمی نے تفسیرِ عزیزی کے حوالہ سے نسخ القرآن بالحدیث کی جو مثال پیش کی ہے۔وہ کسی معمولی عقل کی میزان پر بھی پُوری نہیں اُترتی۔اِسی صفحہ ۴۰۸ پر حدیث کے ساتھ آئتِ قرآنی کے نسخ کی یہ مثال پیش کی گئی ہے کہ:۔

جیسے ماں باپ اور اہلِ قرابت کو وصیّت کرنا قرآن سے ثابت ہے اَلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ. مگر یہ آئت حکم حدیث لَاوَصِيَّةَ لِلْوَارِثِ سے منسوخ ہے......دیکھئے کتنی ضروری آئت کو معاذ اللہ معاذ اللہ، حدیث کے ذریعہ منسوخ ٹھہرایا جارہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے وارثوں کی مختلف حالتوں کے پیشِ نظر، اُن کے لئے وصیّت کا انتہائی ضروری حکم دیا ہے۔مثلاً اگر متوفّی کے دو بیٹے ہیں، ایک تعلیم پا کر برسرِ روزگار ہو چکا ہے اور دُوسرا ابھی دُودھ پیتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اُس بچّے کی تعلیم و تربیّت کا وُہ خرچ، جو بڑا لڑکا حاصل کر چُکا ہے، وصیّت کے ذریعہ الگ کر دیا جائے۔اور باقی مال دونوں بھائیوں میں برابر تقسیم کردیا جائے۔ظاہر ہے کہ اِس کے بغیر، مذکورہ صورت میں دونوں بھائیوں کے درمیان، مال کی مساوی تقسیم چھوٹے بچّے پر انتہائی ظلم ہے۔اِس کا حِصّہ تو اُس کے فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔اِسی طرح غیر شادی شدہ بچّے کو بھی، شادی کا خرچ الگ دیئے بغیر مساوی حِصّہ دینا صحیح نہیں۔اِنہی ناہمواریوں کا حل اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا ہے، کہ مرنے والا اپنی اَولاد، اور ماں باپ کے وقتی حالات کے مطابق اُن کے لئے وصیّت کرجائے۔اور باقی مال مقرّرہ حِصّوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے، جسے معاذ اللہ معاذ اللہ آنحضور سلامٌ علیہ کے ذِمّہ لگا دیا گیا ہے کہ آپ نے اِس آئت کو منسوخ کر دیا تھا۔

## روائتی تفاسیر کی رُو سے نسخِ آیات کی تین قسمیں ہیں

تفسیرِ نعیمی کے صفحہ ۴۰۷ پر درج ہے کہ:۔نسخ کی (چار صورتوں کے علاوہ اِس کی تین قسمیں بھی ہیں، (۱) نسخِ تلاوت، (۲) نسخِ حکم اور (۳) نسخِ تلاوت وحکم۔نسخِ تلاوت یہ ہے کہ آئت کے الفاظ قرآنِ کریم میں نہ رہیں۔اور نماز وغیرہ میں اُس کی تلاوت بھی جائز نہ ہو۔مگر اس کے احکام باقی ہوں، جیسے کہ یہ آئت اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ o یعنی جب بڈھا اور بُڈھی بے حیائی کے مرتکب ہوں تو اُنہیں سنگسار کرو، اللہ سے ڈرانے کے لئے۔یہ آئت تلاوتاً منسوخ ہے مگر اِس کا حکم باقی ہے۔

منسوخ فی الحکم یہ کہ آئت قرآن میں موجود رہے اُس کی تلاوت بھی ہوتی رہے۔مگر اُس کا حکم باقی نہ ہو۔

منسوخ التلاوت والحکم یہ کہ نہ تو آئت کا حکم باقی رہے نہ تلاوت، جیسے ایک آئت تھی عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُوْمَاتٍ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا دُودھ دس گھونٹ پینے سے رضاعت ثابت ہوگی۔مگر اب نہ اس کی تلاوت

رہی ہے اور نہ اِس کا حکم۔ بلکہ ایک گھونٹ سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے......افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتابِ مقدّس کے ساتھ روایات نے عقل و نقل دونوں کی رُو سے انتہائی مخالفانہ سلوک روا کر رکھا ہے:۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۱۵|۹ کی رُو سے قرآنِ کریم میں سے حکم یا تلاوت، کسی بھی چیز کے غائب ہونے کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ہے نقل......اور عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال نسخِ آیات کا عقیدہ لازم ہی مانا جائے، تو جس آئت کا حکم منسوخ ہو اُس کی تلاوت بھی منسوخ ہونی چاہئے اور جس کی تلاوت منسوخ ہو، اُس کا حکم بھی منسوخ ہونا چاہئے۔لیکن یہاں کسی قاعدہ قانون کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔کہیں آئت موجود ہے اور حکم غائب، اور کہیں حُکم موجود ہے اور آئت غائب۔ العیاذُ باللہ

## بنی اسرائیل کی طرح سوال نہ کرو

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی فہرست میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اُن کا معمول تعمیلِ حکم کی بجائے حضرتِ موسیٰ پر سوال در سوال کرتے رہنا بتایا گیا ہے۔اِسلئے آگے بڑھنے سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنحضور سلامٌ علیہ پر بنی اسرائیل جیسے طنزیہ الفاظ کے ساتھ سوال کرنے سے منع کر دیا گیا ہے:۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ
کیا ارادہ کرتے ہو تم یہ کہ سوال کرو پیغمبر اپنے سے
كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ
جیسا سوال کیا گیا تھا موسیٰ پہلے اس سے اور جو کوئی
يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ
بدل ڈالے کفر کو بدلے ایمان کے پس تحقیق گمراہ ہوا
سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝۱۰۸
راہ سیدھی سے۔

کیا تُم ارادہ کرتے ہو کہ اپنے رسول سلامٌ علیہ پر سوال کرو، جس طرح اِس سے پہلے مُوسیٰ پر (بنی اسرائیل کی طرف سے) سوال کئے گئے تھے (تُم ایسا نہ کرنا ۵|۱۰۱) حقیقت یہ ہے کہ (کٹ حجتی کا ایمان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں) جس شخص نے ایمان کو کُفر کے ساتھ بدل دیا۔ وُہ سیدھے راستے سے بہک گیا۔

● اِس آئت میں طنزیہ سوالوں سے منع کرنے کے بعد، اگلی آئت میں بتایا گیا ہے کہ مومنوں سے سوال کرانے میں بھی اہلِ کتاب کا ہاتھ ہے، وہ بعض صحابہؓ کو اس غرض سے سوالوں پر اُکساتے تھے، کہ وُہ باطل مذاہب کی طرف لوٹ آئیں:۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ
دوست رکھتے ہیں بہت اہلِ کتاب میں سے کاش کہ
يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ
پھیر دیں تم کو پیچھے ایمان تمہارے کے

اہلِ کتاب کی اکثریّت، پیچھے اِس کے کہ اُن پر حقیقت عیاں ہو چکی ہے، اپنے حسد کی بدولت یہ چاہتی ہے کہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کُفر کی طرف لوٹا دے۔ پس ایمان والو! اُن سے درگزر کرو اور، اُن کے توہین

كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ
کافر حسد سے پاس جی اپنے کے

مِّنْ بَعْدِمَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا
سے پیچھے اِس کے کہ ظاہر ہُوا واسطے اُن کے حق پس معاف کرو

وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ
اور درگذر کرو یہاں تک کہ لاوے اللہ تعالیٰ حکم اپنا (یعنی جہاد کا)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۱۰۹
تحقیق اللہ اُوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

آمیز رویّہ کو کوئی وُقعت نہ دو۔ ۱۵/۸۵ ، ۳۷/۱۰ ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر لے آئے (یعنی اُس کے مقررّہ قوانین کے مُطابق اُن کے جرائم کی سزا کا وقت آجائے۔ کیونکہ وُہ اپنے مقررّہ قانُونِ مہلت کے خلاف جلدی نہیں کرتا۔ لہٰذا تُم بھی جلدی نہ کرو) بِلاشُبہ وُہ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین بنانے والا ہے۔

## نظامِ ربوبیّت قائم کرو

بنی اسرائیل کی کٹ حُجّتیوں سے صرفِ نظر کی تاکید کے بعد، اگلی آئتِ مجیدہ میں حُکم دیا گیا ہے کہ تُمہارے کرنے کا کام یہ ہے کہ تُم اجتماعی نظامِ ربوبیّت قائم کرو، یعنی معاشرہ کے کمزوروں کو اُن کا حقِ ربوبیّت مہیّا کرو۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ
اور قائم رکھو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ
اور جو کُچھ کہ آگے بھیجو گے واسطے جانوں اپنی کے بھلائی سے

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
پاؤ گے اُس کو نزدیک اللہ تعالیٰ کے تحقیق اللہ ساتھ اُس چیز کے کہ

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۱۱۰
کرتے ہو دیکھنے والا ہے

(اہلِ کتاب تمہیں بہکا کر باطل دین کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔ اُن سے صرفِ نظر کرو) اور الصّلٰوۃ (نظامِ ربوبیّت) قائم کرو۔ یعنی اجتماعی طور پر معاشرہ کے کمزوروں کو فربہی دو۔ اور (اِس کے لئے تم جو کچھ خرچ کروگے وُہ تُمہاری ہی جانوں کے لئے ہوگا) جو کچھ تم اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجو گے۔ اُسے اللہ کے ہاں موجُود پاؤ گے۔ بِلاشُبہ تم جو بھی کام کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُسے دیکھنے والا ہے۔

اَقَامَتِ صَلٰوۃ وَاِيْتَاءِ زَکٰوۃ کی اصطلاح، قرآنِ کریم کی رُو سے ایک ایسا اجتماعی نظام ہے، جو صلٰوۃِ مؤقّت سے شروع ہوتا ہے۔ جسے مسجدی نظام بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر آئت نمبر ۱۱۴ میں مسجد کا نام لے کر اسے مسجد ہی سے متعلق بتایا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر نظامِ ربوبیّت کی ابتداء صلٰوۃِ مؤقّت سے ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی حاضری اور نوعِ انسانی کی خدمت کے مقدّس جذبہ کے ماتحت مومنینؔ روزانہ صبح کی صلٰوۃ مسجد میں اکٹھے ہو کر ادا کرتے ہیں۔ اور حلقۂ مسجد کے جُملہ

افراد کی رُکی ہوئی ضرورتوں میں ایک دوسرے کے ممد و معاون بنتے ہیں۔ تفصیل آئت نمبر۲۱۴ کے ضمن میں آگے آرہی ہے۔

**اہلِ اسلام کے مقابلے پر یہود و نصاریٰ کی الگ الگ کوشش**

سابقہ آیاتِ کریمات میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی طویل فہرست کے بعد اہلِ کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ کے متعلق کہ وُہ اہلِ اسلام کو، اسلام سے بہکانے، اور اُنہیں اپنے مذہب کی طرف لوٹانے کی کوشش کرتے ہُوئے یہ کہتے تھے کہ اہلِ اسلام کو جنّت نہیں ملے گی۔ جنّت یا تو یہود کا حق ہے یا نصاریٰ کا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس چیز کو اُن کی محض خوش فہمی قرار دے کر حقیقتِ حال کا اعلان فرما دیا ہے کہ، دُنیا اور آخرت کی جنّت، نفسانی خواہشات سے الگ رہ کر، اپنی رضا کو احکامِ خداوندی کے تابع کر دینے کا بدلا ہے۔ محض عقیدت مندی کے خیالی محل تعمیر کرنے کا صِلہ جنّت نہیں:۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ
اور کہا انہوں نے ہرگز نہ داخل ہو گا بہشت میں مگر جو
كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ
کوئی ہووے گا یہود یا عیسائی یہ ہیں
اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ
آرزوئیں اُن کی کہہ لاؤ دلیل اپنی اگر
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ۱۱۱
ہو تم سچے۔

اور اہلِ کتاب کہتے ہیں کہ نہیں داخل ہوگا جنّت میں، مگر وُہ، کہ یا وُہ یہودی ہو یا نصرانی ہو(۲/۱۳۵) یہ اُن کی (محض کھوکھلی اور باطل) امیدیں[۱] ہیں۔ اے رسول سلامٌ علیہ! کہہ دیجئے گا کہ اگر تُم اپنے دعوے میں سچّے ہو تو کوئی دلیل لاؤ۔[۲]

**تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ** [۱]

تِلْكَ اسم اشارہ موٴنّث بعید، بمعنی مذکورہ بالا۔ اَمَا فِی اُمنِيّةٌ کی جمع ہے۔ اِس کا سہ حرفی مادہ م۔ن۔ی ہے۔ اور بُنیادی معنٰی ہے کسی چیز کا اندازہ کرنا۔ ظن و تخمینہ۔ خواہش محض۔ باطل آرزو (نیز اس کا معنٰی تلاوت کرنا بھی ہے ۲۲/۵۲)

**هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ** [۲]

هَاتُوْا، مصدر مُهَاتَاةً، بمعنی دینا سے، امر جمع مذکّر ہے (المنجد) یعنی تم اپنی دلیل دو۔ بُرْهَان کا مادہ ہے ب۔ر۔ہ برهٌ جس کا معنٰی ہے روشن ہونا اور برهتهٌ کا معنٰی ہے مضبوط ہونا۔ قرآنِ کریم کیلئے آیا ہے، قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۝ ۴/۱۷۴ = تحقیق تمہارے پاس تُمہارے رب کی طرف سے دلیل قاطعہ قرآنِ عظیم آ گیا ہے، یعنی ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہُوا نُور نازل کیا ہے۔ اِس طرح اہلِ کتاب سے اُن کی کتاب کی دلیل مانگی گئی ہے۔ اب هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ، کے جواب میں نہ وہ

محرّف کتابیں پیش کر سکتے تھے نہ منسوب روایتیں۔ کیونکہ جیسے کہ آئت نمبر۱۱۳ میں آگے آ رہا ہے۔ وہ خُود ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اپنی اپنی کتابوں کی سند سے ہی ایسا کرتے ہیں۔ نیز ایک دُوسرے کو گمراہ ٹھہرانے والے دونوں گروہ عقل کی رُو سے بھی ایک سطح کے ثابت نہیں ہوتے۔ لہٰذا اِس آئت میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصارٰی، مسلمانوں کو بہکانے کے لئے الگ الگ کہتے تھے کہ جنّت صرف یہود و نصارٰی کا حق ہے۔ لیکن:۔

اِس سے اگلی آئت میں فیصلہ دے دیا گیا ہے، کہ جنت بدلہ ہے اطاعتِ خداوندی کا:۔

بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ
بلکہ جو شخص کہ سونپ دے مُنہ اپنا واسطے اللہ کے
وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ
اور وُہ ہو نیکی کرنے والا۔ پس واسطے اُس کے ثواب اُس کا ہے نزدیک
رَبِّهٖ ۖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ
پروردگار اُس کے کے اور نہیں ڈر اوپر اُن کے اور نہ وہ
يَحۡزَنُوۡنَ ۠ ۱۱۲ ع ۱۳
غمگین ہوں گے۔

ہاں (دُنیوی اور اُخروی جنّت اُس گروہ کا حِصّہ ہے) جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کر دیا[۱]، یعنی وُہ (معاشرہ میں) حسن و توازن پیدا کرنے والا ہو۔ پس اُس کے لئے (قیامِ توازن کا) اجر اُس کے پروردگار کے ہاں محفوظ ہے۔ اور اُنہیں جزا سے محروم ہونے کا خوف بھی نہیں ہوگا۔ اور نہ اعمال کے ضائع ہو جانے کے غم میں وُہ غمگین ہوں گے۔

**مَنۡ اَسۡلَمَ[۱] وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ** اَسۡلَمَ کا سہ حرفی مادہ س۔ل۔م سلم ہے۔ اِس کا بُنیادی معنٰی ہے سلامتی میں آ جانا۔ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جانا۔ اِسی مادہ سے سِلۡمٌ سُلَّمٌ، اِسلام اور تسلیم کے الفاظ مُشتق ہیں سِلۡم کا معنٰی ہے صلح وصفائی، ظاہر ہے کہ صلح صفائی امن و سلامتی کا ذریعہ ہے۔ سُلَّمٌ کا معنٰی ہے سیڑھی، یعنی کسی بلندی پر پہنچنے کا قابلِ اعتماد اور امن بدوش ذریعہ۔ اسلام اور تسلیم کا معنٰی ہے مطیع و فرمانبردار ہونا۔ مُسلم کا معنٰی ہے فرمانبردار، مطیع و منقاد۔

وَجۡهٌ کا سہ حرفی مادہ ہے و۔ج۔ہ۔ اِس کا بُنیادی معنٰی ہے سامنے والی چیز۔ چُنانچہ اس لفظ کا معنٰی سامنے، رُوبرو، طرف وغیرہ اِسی بنیاد پر لیا جاتا ہے۔ وجہ النّہار کا معنٰی ہے دن کا سامنے کا حِصّہ یعنی پہلا حِصّہ۔ ہر چیز کے افضل و اشرف حِصّہ کو بھی وجہ کہتے ہیں۔ اِس طرح قوم کا سردار وجہ القوم کے نام سے پُکارا جاتا ہے۔ سامنے والی چیز کی رعائت سے، چہرہ چونکہ ہر وقت سامنے رہتا ہے، اِسلئے اسے بھی وجہ کہتے ہیں۔ اور اِس سے آگے چونکہ پُورا جسم بھی سامنے رہتا ہے۔ اِس لئے جُز کے بعد کُل پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ اور وجہ بمعنی ذات ہُوا، یعنی اپنا آپ۔ چنانچہ اس آئتِ مجیدہ میں مَنۡ اَسۡلَمَ

وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ کا معنٰی لکھا گیا ہے، جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کر دیا۔

## یہود و نصاریٰ خود ایک دوسرے کو گمراہ ٹھہراتے ہیں

اگلی آیتِ مجیدہ میں ھَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ کے جواب میں خود ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ دلیل کیا لائیں گے۔ جو خود ایک دوسرے کو غلط نظریات اور باطل تصوّرات کے حامل قرار دیتے ہیں۔

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ لَيۡسَتِ النَّصٰرٰى
اور کہا یہود نے نہیں نصاریٰ
عَلٰى شَىۡءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى
اُوپر کسی چیز کے اور کہا نصاریٰ نے
لَيۡسَتِ الۡيَهُوۡدُ عَلٰى شَىۡءٍ ۙ وَّهُمۡ
نہیں یہود اُوپر کسی چیز کے اور وُہ
يَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ
پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہا
الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ مِثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ۚ
اُن لوگوں نے جو نہیں جانتے مانند بات اُن کی کے
فَاللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا
پس اللہ حکم کرے گا درمیان اُن کے دن قیامت کے بیچ اُس چیز کے کہ
كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ○ ۱۱۳
تھے بیچ اُس کے اختلاف کرتے۔

(یہ کیا دلیل لائیں گے) جبکہ یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں ہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ (دونوں اپنے اپنے زعم میں) اللہ تعالیٰ ہی کی کتاب پڑھتے ہیں۔ اِسی طرح وہ لوگ جو کتاب کے مسائل کو چُھپاتے ہیں[ا] (یعنی اُن کے علماء، جو عوام میں سند مانے جاتے ہیں، مگر) وُہ بھی اِنہی کے قول کی مثل کہتے ہیں (ایک دوسرے کو لاشَے قرار دینا، دلیل کا بدل نہیں ہوسکتا) پھر اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان قیامت کے دِن اُن مسائل کا فیصلہ کر دے گا، جن میں وُہ آپس میں جھگڑا کرتے چلے آرہے ہیں۔

## عَلِمَ يَعۡلَمُ کا معنٰی ظاہر کرنا بھی ہے

آیاتِ کریمات ۳/۱۴۲ اور ۹/۱۶ میں عَلِمَ يَعۡلَمُ کا معنٰی ثابت ہے ظاہر کرنا۔ اِس طرح يَعۡلَمُوۡنَ کا معنٰی ہے وُہ ظاہر کرتے ہیں، اور لَايَعۡلَمُوۡنَ کا معنٰی ہے وُہ ظاہر نہیں کرتے، چھپاتے ہیں۔ ۹/۱۶ میں آیا ہے:۔ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ ..... دیکھئے یہاں يَعۡلَمَ اللّٰهُ کا معنٰی ہے اللہ نے ابھی ظاہر نہیں کیا۔ اس کے برعکس اگر یہ معنٰی لیا جائے کہ ابھی اللہ نے جانا نہیں، تو علمِ اِلٰہی پر زد پڑتی ہے۔

## ربوبیّت کا مسجدی نظام۔ مسجد مومنوں کا دیوانِ عام ہے

اوپر آیت نمبر ۱۱۰ میں حکم دیا گیا ہے، اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ، جس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ لیکن تصریفِ آیات کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کہ اقامت ِصلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ ہموار اور متوازن معاشرہ کے لئے ایک قُرآنی اصطلاح ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اِس طرح ہمارا مقصد صلوٰۃِ مؤقّت، یعنی نماز کی اہمیّت کو ضائع یا کم کرنا نہیں۔ اگلی آیت نمبر ۱۱۴ کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ ہموار و متوازن معاشرہ کا مرکزی مقام مسجد ہے۔ اور نظامِ ربوبیّت صلوٰۃِ مؤقّت (نماز) ہی سے شُروع ہوتا ہے۔ قُرآنِ کریم کی رُو سے یہ تصوّر ہرگز صحیح نہیں ہے کہ نماز پڑھی اور گھر چلے آئے۔ اور سمجھ لیا کہ ''اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ'' کا حُکم پُورا ہو چکا۔

● یاد رہے کہ صلوٰۃِ مؤقّت (نماز) قُرآنی معاشرہ کی وُہ ماڈل صُورت ہے جِسے اللہ تعالیٰ مسجد سے باہر معاشرہ میں قائم رکھنا چاہتا ہے یعنی جس طرح نماز کی صف میں اعلیٰ و ادنیٰ اور بندہ و صاحب کی کوئی تمیز موجود نہیں ہوتی۔ اِسی طرح وُہ چاہتا ہے کہ معاشرہ میں حقیقی طور پر کوئی اُونچ نیچ باقی نہ رہے، وہ یہ نہیں چاہتا کہ مسجد میں آ کر تو ایاز و محمود ایک صف میں کھڑے ہو جائیں، مگر مسجد سے باہر جا کر پھر محمود محمود ہو اور ایاز ایاز، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جس طرح مسجد میں محمُود محمُود نہیں تھا اور ایاز ایاز نہیں تھا۔ اُسی طرح معاشرہ میں بھی یہ امتیاز ختم ہو کر اسلامی مساوات کی صرف زبانی رٹ نہ لگائی جائے۔ بلکہ پُورا معاشرہ حقیقتاً توازن و مساوات کا پیکرِ محسوس بنا ہُوا ہو۔

● یہ تو ہم ابتداء ہی میں واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآنی معاشرہ کو اُس مقام پر لے جانا چاہتا ہے جہاں ہر چیز بصورتِ محسوس اللہ تعالیٰ کی قرار پائے۔ ایسا نہ ہو کہ مکان کے دروازہ پر تو لکھا ہے:۔ درحقیقت مالکِ ہر شے خدا است، ایں امانت چندروزہ نزدِ ما است.....یعنی فی الحقیقت ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ مکان یا کوٹھی صرف چند روزہ امانت ہے جو میرے پاس ہے۔ اور اُس خداوندی امانت کا کرایہ خود اُسی کی مجبور مخلوق سے سَو دو سَو، چار سَو روپیہ ماہوار وصُول کیا جا رہا ہے۔ العیاذُ باللہ۔

● المختصر مسجدی نظام میں پُوری آبادی، مسجدی حلقوں میں تقسیم ہو کر اپنی اپنی مسجد سے متعلق ہو جاتی ہے۔ ہر شخص کو صبح کی نماز مسجد میں ادا کرنی ہوتی ہے:۔'' اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡهُوۡدًا ۱۷/۷۸ = بلاشُبہ فجر کی نماز کا پڑھنا حاضر کیا گیا ہے...... صلوٰۃ کے باقی وقتوں میں ہر شخص اپنے کاروباری مقام پر ہوتا ہے۔ لیکن فجر کے وقت سب گھر پر ہوتے ہیں۔ اِس روزانہ حاضری کی غرض بتائی گئی ہے:۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۳/۲۰۰ = ایمان والو! خود ثابت قدم رہو، دُوسروں کو ثابت قدم رکھو، اور آپس میں رابطہ قائم کرو، اور قائم رکھو، یعنی

اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

● اِسی طرح باہمی رابطے کیلئے فجر کی صلوٰۃ کو حلقۂ مسجد کے نمازیوں کیلئے مخصوص کیا گیا ہے ۱۷/۷۸ تا کہ حلقہ کے جملہ مومنین ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوں۔ اِس شرکت میں ایک دُوسرے کی مالی بدنی ہر قسم کی مدد ضروری ہے۔ یہی ہے اقامتِ صلوۃ کے ساتھ ایتاءِ زکوٰۃ کا مفہوم۔ اور جس مسجد میں ایسا نظام قائم ہو، قُرآنِ کریم کی اصطلاح میں وُہ مسجد آباد ہے۔ اور جو کوئی اِس نظام کو ختم کر کے انفرادی تصوّرات ''نماز پڑھی اور چلے گئے'' کا نظام قائم کرے وہ مسجد کو برباد کرتا ہے:۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ
اور کون ہے بہت ظالم اُس شخص سے کہ منع کرتا ہے
مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ
مسجدوں اللہ کی سے، کہ ذکر کیا جاوے بیچ اُن کے نام اُس کا
وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا
اور سعی کرتا ہے بیچ خرابی اُس کی کے یہ لوگ نہیں
كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ
لائق تھا واسطے اُن کے یہ کہ داخل ہوں اس میں مگر ڈرتے ہوئے
لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى
واسطے اُن کے بیچ دُنیا کے رسوائی ہے اور واسطے اُن کے بیچ
الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ۱۱۴
آخرت کے عذاب ہے بڑا۔

اور اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے منع کرتا ہے کہ اُن میں اُس کے اسم کا ذکر نہ ہو۔ اور اِس طرح اُن کی خرابی کی کوشش کرتا ہے۔ (چاہیئے یہ کہ اہلِ مسجد میں اتنی قوّت موجود ہو کہ) ایسے لوگ مسجدوں میں داخل نہ ہوں، مگر خوفزدہ ہو کر آئیں۔ ایسے لوگوں کے لئے (ہمارے قانُون میں) دُنیا میں رسوائی، اور آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔

**اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ**

مسجدوں میں اللہ کے اِسم کے ذکر کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ یہ ہے صلوٰۃِ موَقّت ۴/۱۰۳ جو مقررہ اوقات پر فرض ہو جاتی ہے۔ اِس کا ایک حِصّہ کُچھ پڑھنے سے متعلق ہے۔ ۱۷/۱۱۰ میں آنحضور کو حُکم ہُوا ہے کہ نہ صلوٰۃ کو اونچی آواز کے ساتھ ادا کیا کریں نہ مخفی کے ساتھ، بلکہ درمیانی آواز رکھا کریں اور (۲/۱۹-۲۰) میں سُنّتِ رسول سلامٌ علیہ کے طور پر بتایا گیا ہے کہ صلوۃ میں اللہ کے حضور رَبَّنَا رَبَّنَا کے الفاظ میں دعائیں کی جایا کریں۔ نیز اِن آیات ۲/۱۹-۲۰ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور رَبَّنَا رَبَّنَا کے خطاب کے ساتھ قُرآنی دعائیں پڑھا کرتے تھے...... یہاں تک ہے مسجد میں ادا کی جانے والی صلوۃ کا ایک گوشہ۔ اور اِسی کا دُوسرا حِصّہ ہے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کے بعد عین متصل اٰتُوا الزَّكٰوةَ کا حکم۔ اِتّصالِ حکم کے مطابق قَولی صلوٰۃ کے ساتھ عین متصل زکوٰۃ ادا کی جائے گی زکوٰۃ کا مُطلق معنٰی ہے نشوونما پانا۔ بڑھنا۔

پُھولنا۔اِس طرح اٰتُوا الزَّکٰوۃ کا معنٰی ہے نشوونُما دو۔پس صلٰوۃِ موٴقّت کے ساتھ عین متصل مسجد ہی میں معاشرہ کے اُن افراد کے نشوونُما کا سامان کرنا لازم ہے جو نشوونُما سے محرُوم ہوں۔جن کی ضروریاتِ ربوبیّت رُکی ہُوئی ہوں۔اور جیسے کہ اُوپر عرض کیا جاچکا ہے،یہی ہے اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃ کے اِتّصالی حکم کی شکلِ محسوس اور بس۔ایتاءِ زکٰوۃ کا روایتی مفہوم بالکل غلط ہے کہ سال بھر خود عیش کرتے رہو۔سال کے بعد اگر کُچھ بچ رہے تو چالیسواں حصّہ دے دو۔نہ بچے تو فریضۂ زکوٰۃ ختم۔

## اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمۡ اَنۡ یَّدۡخُلُوۡھَآ اِلَّا خَآئِفِیۡنَ

آئتِ مجیدہ کے اِن الفاظ میں لازم کیا گیا ہے کہ مسجدی نظام میں اِتنی قوت ہونی چاہئے کہ اوّل تو تخریب کار عناصر مسجد میں داخل ہی نہ ہونے پائیں۔اور اگر کوئی آئے بھی تو اِس کی مرکزی قوّت کے خوف سے لرزہ براندام اور خائف رہے۔تاکہ وہ کوئی تخریبی اقدام کرنے کی جُرأت ہی نہ کرسکے اور اگر جرأت کر بیٹھے تو اِس نظام میں اتنی طاقت موجود ہو کہ لَھُمۡ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ..... کے الٰہی فیصلے کے مطابق اُسے رُسوا کُن سزا دے سکے۔

## روائتی شانِ نزُول

اس آئت کے شانِ نُزول میں مفسّرینِ کرام عجیب وغریب اضطراب میں گرفتار ہوئے ہیں۔جیسے کہ صاحبِ تفسیر نعیمی نے صفحہ ۴۲۹ پر ”تفسیر روح البیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آئت عیسائی بادشاہ خطیوس کے حق میں اُتری تھی،جس نے بیت المقدس کو تباہ کیا تھا۔تفسیرِ کبیر میں ہے یہ آئت بخت نصر کے حق میں نازل ہُوئی تھی۔جس نے بیت المقدّس کو برباد کیا تھا۔بعض نے کہا ہے کہ یہ آئت مشرکینِ ملّہ کے بارے میں آئی تھی۔جنہوں نے مسلمانوں کو بیت الحرام میں نماز سے روکا تھا۔امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ آئت مدینہ منوّرہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی،کیونکہ وہ تحویلِ قبلہ کے بعد بیت اللہ شریف کے دشمن ہوگئے تھے۔(ملخّص)“......دیکھا آپ نے!کہ شان نزولوں کی کثرتِ تعبیر نے حقیقت کے خواب کو کس طرح پریشان سے پریشان تر کرنے کی کوشش کی ہے۔حالانکہ بات بالکل سیدھی سادھی ہے۔کہ آئت نمبر ۱۱۰ میں اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃ کا حکم عام دیا گیا ہے۔اور اِس آئت میں صلٰوۃ کو مسجد سے متعلق بتایا گیا ہے جس طرح اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃ کا حکم عام ہے۔اُسی طرح یہ خبر بھی عام بصیغہ جمع دی گئی ہے کہ مسجدوں کو ہمیشہ آباد رکھا جانا چاہئے۔جو فرد یا گروہ مسجدوں میں اللہ کے اسم کا ذکر کرنے سے روکے اُس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔اللہ جانے عام خبر کو شانِ نزول کے دائرہ میں محدود ومقیّد کرنے کی کوشش کیوں کی جاتی ہے؟ حالانکہ سیاقِ کلام سے ثابت ہے کہ دُور آئت نمبر ۴۰ سے آئت نمبر ۱۰۰ تک مسلسل ساٹھ آئتوں میں یہود کا ذکر ہے۔اور ۱۰۱ سے ۱۱۳ تک اہلِ کتاب یہود ونصارٰی کا مشترکہ تذکرہ ہے۔اور سیاقِ کلام میں پھر آئت نمبر ۱۴۶ تک یہود ونصارٰی ہی

کا ذکر چل رہا ہے۔ تو اِس سِلسلہ کو توڑ کر خطیوس اور بخت نصر کی طرف سمندِ قیاس کو خواہ مخواہ مہمیز لگانے کی کیا ضرورت تھی۔

المختصر! یہود ونصارٰی کی نافرمانیوں کی فہرست میں جن کے ساتھ آئت نمبر ۱۰۵ میں مشرکینِ مکّہ کو بھی شامل بتایا گیا ہے بیتُ الحرام سے روکنا بھی شاملِ فہرست ہے۔ یہ ہی نہیں بلکہ اِن تینوں گروہوں کی مخالفت، اور آخری چیز مسجد بیت الحرام سے روکنا ہی آنخضور سلامٌ علیہ کی ہجرت کا باعث ہُوا۔ جیسے کہ اگلی آئت میں ہجرت ہی کی خبر دی گئی ہے:۔

وَلِلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ ق
اور واسطے اللہ کے ہے مشرق اور مغرب
فَاَيۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ ط اِنَّ
پس جدھر کو منہ کرو تم پس وہیں ہے منہ اللہ کا تحقیق
اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۱۱۵
اللہ وُسعت دینے والا جاننے والا ہے۔

اور ایمان والو! (اگر مسجدِ حرام میں مخالفینِ ربوبیّت اللہ کے نام کا ذکر اور نظامِ ربوبیّت کے قیام میں حارج ہوں اور تمہارا عرصۂ حیات تنگ کردیں تو کوئی بات نہیں) مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے تم (ہجرت کر کے) جدھر کو بھی رخ کرو گے وہیں اللہ کی ذات موجود ہے[۱]۔ وہ بڑا وسعت دینے والا، جاننے والا ہے۔

[۱] حبشہ کی ہجرت کی بھی اِسی آئتِ مجیدہ سے تائید ہوتی ہے۔

## یہود ونصارٰی کا فقدانِ بصیرت

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں یہود ونصارٰی کے اِس عقیدے کے مطابق کہ وہ حضرتِ عزیر سلامٌ علیہ کو اور یہ حضرت مسیح سلامٌ علیہ کو، اللہ تعالیٰ کا بیٹا ٹھہراتے ہیں۔ اِن کے فقدانِ بصیرت پر تعجب کے ساتھ کہا جارہا ہے:۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا لا سُبۡحٰنَهٗ ط
اور کہا اُنہوں نے کہ پکڑی ہے اللہ نے اولاد پاکی ہے اُس کو
بَلۡ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ط
بلکہ واسطے اُس کے ہے جو کچھ بیچ آسمانوں کے اور زمین کے ہے
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ۱۱۶
سب واسطے اُس کے فرمانبردار ہیں۔

اور (اِنہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ) وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے (عزیر اور مسیح سلامٌ علیہما کو ۹/۳۰) بیٹا پکڑا ہے۔ (حالانکہ بیٹے کی ضرُورت اُسے ہوتی ہے جسے بڑھاپے اور موت کا خطرہ ہو۔ بڑھاپے میں لاٹھی پکڑنے والے کی ضرورت پیش آئے، اور مرجائے، تو وہ اُس کا جانشین بنے) وہ اِن عوارض سے سو فیصدی پاک ومنزّہ ہے بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اُسی کا ہے۔ اور یہ سب کے سب اُس کی اطاعت کرنے والے ہیں۔

● اگلی آئت میں بتایا گیا ہے کہ اُسے اتنی عظیم الشان کائنات بنانے میں کسی مددگار کی ضرورت نہیں پڑی۔

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ

پیدا کرنے والا آسمانوں کا اور زمین کا

وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ

اور جب مقرر کرتا ہے کچھ کام پس سوائے اس کے نہیں کہ کہتا ہے

لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ○ ۱۱۷

واسطے اُس کے ہو پس ہو جاتا ہے۔

وُہ اکیلا ہی آسمانوں اور زمین کو ازسرِنو بنانے والا ہے بلکہ (اُسے اِس کائنات کو ازسرِنو تیار کرنے میں مادہ کی موجودگی کی بھی حاجت نہیں تھی، مادہ اُس کے ارادہ سے پیدا ہوگیا) حقیقت یہ ہے کہ جب وُہ کسی کام کو ازسرِنو شرُوع کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تو زبانِ بے زبانی سے کہتا ہے ہوجا۔ پس وُہ ہوجاتا ہے۔

## کُنۡ فَیَکُوۡنُ......تخلیق بِالارادہ اور تخلیق بِالمادہ

قرآنِ کریم میں کُنۡ فَیَکُوۡنُ کا جملہ تخلیقِ کائنات کی مختلف حالتوں پر استعمال ہُوا ہے، جس وقت کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ تو مادہ کو ارادہ سے پیدا کیا۔ اور پھر ہر چیز کی تخلیق مادہ سے شرُوع کی۔ جس مقام پر ابتدائے کائنات، یعنی تخلیق بالارادہ کا ذِکر ہے وہاں کُنۡ بزبانِ بے زبانی مقصود ہے۔ اور جہاں تخلیق بِالمادہ کا ذکر ہے، وہاں کُنۡ بزبانِ قانونِ مشیّت مذکور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مادی زبان نہیں کہ ہماری طرح کُنۡ کہتا ہو۔

## ہر چیز کُنۡ ہی کیساتھ عالمِ وجُود میں آرہی ہے

اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ○ ١٦/٤٠ = سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اُسے بزبانِ بے زبانی کہتے ہیں ہوجا۔ وُہ ہوجاتی ہے۔

## ہر چیز کی موت وحیات بھی کُنۡ کے ساتھ ہو رہی ہے

هُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ○ ٤٠/٦٨ = وُہ اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے پھر جب وُہ (کسی کی موت یا حیات کا) فیصلہ کرتا ہے۔ تو سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ قانُونِ مشیّت کی زبان میں کہتا ہے ہوجا۔ وُہ اُس کے قانونِ مشیّت کی منزلیں طے کرتا ہُوا آ موجود ہوتا ہے۔

## قیامت بھی کُنۡ کیساتھ برپا کرلی جائیگی

وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ وَیَوۡمَ یَقُوۡلُ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۬ ٦/٧٣ = اور وُہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے اور وُہ قیامت کے دِن کہے گا ہوجا تو قیامت برپا ہوجائے گی۔

## نظریۂ ہمہ اوست

یہ ہے ابتدا و انتہاءِ کائنات کے متعلق فیصلۂ خداوندی۔ مگر دوسری طرف کائنات کی ابتداء پر غور کرنے والوں میں سے ایک وُہ ہیں جو کہتے ہیں، کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا

فرمایا، تو اُس وقت چونکہ اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ اِس لئے ہر چیز کو خُود اپنے آپ میں سے پیدا کیا۔ حتّٰی کہ انسان کو خود اپنی ہی صُورت پر پیدا فرمایا۔ اِسے نظریۂ ویدانت یا ہمہ اوست کہا جاتا ہے۔

## آتما، پر ماتما اور مادہ انادی ہیں

دُوسری قسم کے مفکّر وُہ ہیں جو کہتے ہیں کہ تین چیزیں آتما، پر ماتما اور مادہ ازلی ابدی ہیں۔ اِن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو مادہ پیدا کرنے سے قاصر خیال کیا۔ اور رُوح کا الگ وجود تسلیم کر کے تین چیزوں کو ایک سطح پر لے آئے۔ فرق صرف یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مادہ اور آتما پر، پر ماتما غالب آیا، اور دُنیا بنا ڈالی۔ ورنہ ہیں تینوں ہی ازلی ابدی۔ استغفر اللہ!

## کائنات کا خالق کوئی نہیں

تیسری قسم کے مفکّر کہتے ہیں کہ کائنات خود ازلی ابدی ہے۔ اِس کا خالق کوئی نہیں، اُنکے ہاں مکافاتِ عمل کی صُورت یہ ہے کہ مُجرم وُہ ہے جو پکڑا جائے۔ اگر پکڑا نہ جائے، یا جھوٹی شہادتوں، یا رشوت، سفارش کے ساتھ سزا سے بچ جائے، تو قصّہ ختم۔ اب اُسے کوئی سزا دینے والا نہیں۔

المختصر یہ ہیں ابتداء و انتہاءِ کائنات کے متعلق تین مشہور نظریئے۔ لیکن تخلیق بِالا رادہ اور تخلیق بِالمادہ کے فیصلۂ کُنْ فَیَکُوْنُ کی وضاحت اُوپر گزر چکی ہے کہ اِس کائنات کی خالق ایک وراءالوراء ہستی موجود ہے۔ جس نے مادہ کو ارادہ سے اور کائنات کو مادہ سے پیدا فرمایا ہے۔

## یہود و نصارٰی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہِ راست کلام کیوں نہیں کرتا

سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے:۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا
اور کہا اُن لوگوں نے جو نہیں جانتے کیوں نہیں

یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ
کلام کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس نشانی اِسی طرح

قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّثْلَ قَوْلِھِمْ ؕ
کہا تھا اُن لوگوں نے جو پہلے اُن سے تھے مانند بات اُن کی کے

تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ
یکساں ہوئے دل اُن کے تحقیق بیان کر دیں ہم نے نشانیاں

اور (یہود و نصارٰی کے) وُہ لوگ جو مسائل کو ظاہر نہیں کرتے (یعنی اُن کے علماء) وُہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (رسول سے کلام کرتا ہے) ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ اور یا ہماری طرف کوئی نشانی آ جائے۔ اِن سے پہلوں نے بھی ان کے قول کے مانند کہا تھا۔ اُن کے قلوب باہم ایک جیسے ہو گئے ہیں۔ بلاشُبہ ہم نے یقین کرنے والوں کے لئے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ (ہماری آیتیں کیا واضح

لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ○ ١١٨

واسطے اُس قوم کے کہ یقین لاتے ہیں۔

نشانیاں نہیں؟)

اس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں آنحضور سلامٌ علیہ پر واضح کیا گیا ہے:۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا

تحقیق بھیجا ہم نے تم کو ساتھ حق کے خوشخبری دینے والا

وَّنَذِیۡرًا ۙ وَّ لَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ

اور ڈرانے والا اور تُو نہیں پُوچھا جاوے گا رہنے والوں

الۡجَحِیۡمِ ○ ١١٩

دوزخ کے سے۔

اے رسول سلامٌ علیہ! بلاشُبہ ہم نے آپ کو حق، قرآن دے کر اُس کے عالمین کے لئے بہتر جزا کی خوشخبری دینے والا، اور اِس کے مخالفین کیلئے بُری سزا سے آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔(لوگ اِس کا اِنکار کر کے جہنّم کا ایندھن کیوں بنتے ہیں)۔اہلِ جحیم کے متعلق آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

وَلَا تُسۡئَلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ

اِس آئت کے متعلق تفسیر نعیمی صفحہ ۴۴۴ پر لکھا ہے کہ اِس کی ایک قرأت تَا کی زَبر کے ساتھ ہے وَلَا تَسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ بمعنی اے رسول سلامٌ علیہ آپ اہلِ جحیم کے متعلق سوال نہ کریں ......کیوں؟......اِس کیوں کا جواب اِسی صفحہ پر اِس آئت کے شانِ نزول کے ماتحت تفاسیر رُوح البیان، عزیزی اور مدارک کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ ''ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ کاش میں اپنے والدین کا انجام معلوم کرلوں، تب یہ آئت اُتری اُس کے بعد حضور نے کبھی اپنے والدین کا ذکر نہیں فرمایا''............افسوس ہے کہ سیاقِ کلام میں مسلسل یہود ونصاریٰ کی نافرمانیوں کا ذکر ہے جن کی بدولت اُنہیں جہنمی ٹھہرا کر آنحضور کو تسلی دی گئی ہے کہ، قیامت کے دِن اِن کے جہنّم داخل ہونے کے متعلق آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔لیکن پہلے تو، لَا تُسۡئَلُ فِعل نفی مجہول کو لَا تَسۡئَلۡ فِعل نہی معروف میں بدل دیا گیا ہے۔اور پھر نفسِ مضمون کے خلاف حضور کے والدین کو، اہل جحیم ٹھہرا دیا ہے۔العیاذُ باللہ۔ اِس پر اگرچہ صاحبِ تفسیر نے اختلاف کیا ہے۔مگر ملّا علی قاری سے نقل بھی کر دیا ہے کہ آنحضور کے والدین نہ زندگی میں مومن تھے نہ موت کے وقت (صفحہ ۴۴۴) اور امام اعظم رحمت اللہ علیہ، کا فیصلہ، فقہ اکبر کے حوالے سے لکھا ہے، کہ حضور کے والدین نے کُفر پر وفات پائی۔(صفحہ ۴۴۶)۔مگر جلال الدین سیوطی کا قول درج ہے کہ یہ روائت ضعیف ہے۔

## یہُو دونصارٰی چاہتے تھے کہ آنحضور، اُن کے دین کی اتباع فرمائیں

اِس پر تو آپ علیحدگی میں غور فرماتے رہیں کہ آئتِ بالا میں تصرّف، اور آنحضور سلامٌ علیہ کے والدین کے ایمان میں بلاوجہ اختلاف کیوں کیا گیا ہے؟ ہم آپ پر واضح کرتے ہیں کہ سلسلۂ کلام میں ابھی یہود ونصارٰی کا تذکرہ بدستور چل رہا ہے:۔

وَلَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَهُوۡدُ وَ لَا
اور ہرگز نہ راضی ہوں گے تجھ سے یہود اور
النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ
نصارٰی یہاں تک کہ پیروی کرے تو دین اُن کے کی کہہ تحقیق
هُدَی اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ
ہدائت اللہ کی وہی ہے ہدائت اور اگر پیروی کرے گا تُو
اَهۡوَآءَ هُمۡ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَ کَ مِنَ
خواہشوں اُن کی کی پیچھے اُس چیز کے کہ آئی تیرے پاس
الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ
علم سے نہیں ہے واسطے تیرے اللہ سے کوئی دوست
وَّلَا نَصِیۡرٍ ۝۱۲۰
اور نہ کوئی مددگار۔

اور اے رسول سلامٌ علیہ! یہود ونصارٰی اُس وقت تک آپ پر راضی نہیں ہونگے جب تک کہ آپ اُن کے دین کی اتباع نہ فرمائیں۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدائت ہی اصل ہدائت ہے۔ اور (سُن لیجئے گا کہ ہمارے قانون میں لچک ہرگز موجود نہیں) بے شک اگر آپ بھی اِس کے بعد، کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، اُن کی خواہشوں کی اتباع کریں، تو آپ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار ہے۔ ۱۳/۳۷

## اہلِ کتاب میں مومن بھی موجود ہیں

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ کتاب میں ایک گروہ مُتّبعینِ کتاب کا بھی ہے:۔

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَهٗ
جو لوگ کہ دی ہے ہم نے اُن کو کتاب پڑھتے ہیں اُس کو
حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ
حق پڑھنے اُس کے کا یہ لوگ ایمان لاتے ہیں ساتھ اُس کے

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (اُن میں ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ) وُہ اِس طرح کتاب کی اتباع کرتے ہیں جو اتباع [۱] کرنے کا حق ہے، وُہ اِس کتاب قرآنِ مجید پر ایمان لاتے ہیں۔ ۳/۱۱۳، ۵/۸۳-۸۴، ۶/۲۰،

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
اور جو کوئی کفر کرے ساتھ اُس کے پس یہ لوگ ہیں
الْخٰسِرُوْنَ ۝ ۱۲۱ ع
ٹوٹا پانے والے۔

۲۸/۵۲-۵۳، اور اُن کا جو گروہ اِس کا اِنکار کرتا ہے پس وُہی ہیں گھاٹا پانے والے۔

## تلاوتؔ کا معنٰی اِتّباع کرنا بھی ہے

قُرآنی لُغت کی روشنی میں تلاوت کا ایک معنٰی اتبّاع کرنا، پیچھے پیچھے آنا بھی ہے۔ سُورہ الشّمس میں آیا ہے:۔ ''وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ ۹۱/۱-۲ = شہادت ہے سُورج کی جب وُہ روشن ہوتا ہے اور شہادت ہے چاند کی جب وُہ (تلٰھا) اُس کے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ اُس کی اتبّاع کرتا ہے۔

## بنی اسرائیل سے خطاب کا اعادہ

اِس سے اگلی دو آیتوں میں بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے پھر آیتِ مجیدہ ۲/۴۸ کا اعادہ کیا گیا ہے کہ سفارش وشفاعت کا سہارا چھوڑ کر عملی زندگی اختیار کرو۔ اور یاد رکھو کہ روزِ مکافات کوئی کسی کی سفارش وغیرہ کام نہیں آئے گی:۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ
اے بیٹو یعقوب سلامٌ علیہ کے یاد کرو نعمت میری
الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ
جو انعام کی میں نے اُوپر تمہارے اور یہ کہ بزرگی دی میں نے تم کو
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۲۲
اُوپر عالموں کے
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ
اور ڈرو اُس دن سے کہ نہ کفائت کرے گا کوئی جی
عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ
کسی جی سے کچھ اور نہ قبول کیا جاوے گا اس سے بدلا
وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ
اور نہ فائدہ دے گی اُس کو شفاعت اور نہ وُہ

اے بنی اسرائیل میری اُس (قانُونی) نعمت کو یاد رکھّو، جو میں نے تم پر فرمائی۔ یہ کہ تمہیں (حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ اور اپنے ضابطہ کی اتبّاع کی بدولت ہم عصر اقوام پر فضیلت بخشی، (تمہیں زمین کی حکُومت عطا فرمائی ۷/۱۳۷، ۲۶/۵۷تا۵۹ لیکن جس طرح تمہاری بدعنوانیوں کی بدولت تم سے حکومت چھِن گئی۔ نہ تمہارا یہ زعمِ باطل کام آیا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں ۵/۱۸، اور نہ کوئی ذہنی سفارش وشفاعت ہی تمہاری حکومت باقی رکھ سکی۔ اِسی طرح روزِ مکافات بھی کوئی سفارش اور شفاعت کام نہیں آئے گی۔ اب پھر وُہی ابراہیم وموسیٰ والا ۸۷/۱۹ ضابطۂ حیات نازل ہو چکا ہے۔) اِسلئے اُس وقت سے ڈر جاؤ۔ جب کوئی شخص کسی مُجرمِ ربوبیّت کا معمولی سا بدلہ بھی نہ بن سکے گا اور نہ اُن

یُنۡصَرُوۡنَ﴿۱۲۳﴾
مدد دیئے جائیں گے۔

سے کوئی فدیہ قبول کیا جائیگا اور نہ کوئی شفاعت ہی فائدہ دیگی اور نہ ہی وُہ مدد دیئے جائیں گے۔ (یہ نظام اِس دُنیا میں بھی ہمارے رسول سلامٌ علیہ کے ہاتھوں قائم ہوگا، اور قیامت کے دن بھی اِنہی قوانین کے مطابق فیصلے کئے جائیں گے۔

## شفاعتِ ابراہیم سلامٌ علیہ

بنی اسرائیل کو سب سے بڑا فخر اولادِ اسرائیل ہونے کا ہے لیکن اگلی آیتِ مجیدہ میں توجہ دلائی گئی ہے کہ، ذرا غور سے کام لو، ہمارے ہاں تو اسرائیل کے دادا ابراہیم سلامٌ علیہ کی شفاعت بھی کسی کام نہ آئی تھی۔ جب ہم نے اُسے اقوامِ عالم کی امامت کا منصب عطا فرمایا تو آپ نے اپنی اولاد کے لئے امامت کے لئے سفارش فرمائی ،مگر ہم نے صاف کہہ دیا کہ عالمی امامت کا منصب آپ کی اولاد کے فرمانبرداروں کو پہنچے گا، ظالموں، نافرمانوں کو ہرگز نہیں پُہنچے گا۔ یعنی محض کسی نبی یا بزرگ کی اولاد ہونا، ہمارے ہاں کوئی وجہِ شرف ومجد نہیں ہے:۔

وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ
اور جس وقت آزمایا ابراہیم کو رب اُس کے نے ساتھ کئی باتوں کے
فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ
پس پُورا کیا اُن کو کہا تحقیق میں کرنے والا ہوں تجھ کو واسطے لوگوں کے
اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ
امام کہا اور اولاد میری سے کہا نہیں پُہنچے گا
عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ﴿۱۲۴﴾
عہد میرا ظالموں کو۔

اور (غور کرو کہ) وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ابراہیم سلامٌ علیہ (جیسی مخصوص شخصیت $\frac{۲۶}{۸۹}$) کو اُس کے پروردگار نے اپنے قوانین پر عمل کے ذریعہ نمایاں) ظاہر کیا۔ چونکہ اُس نے اُنہیں پورا کر دیا یعنی بے لوث نظام قائم کر دکھایا۔ اِس لئے اُس کے رب نے فرمایا کہ میں تُجھے نوعِ انسانی کا امام ٹھہراتا ہوں۔ (یعنی آپ کو دُکھیا انسانیّت کے مرکزی مقامِ امنِ عالم کے ضامن بیتُ الحرام کا صدر مقرّر کرتا ہوں، جس طرح لوگوں کے جھگڑے طے کرنے کیلئے ہر ریاست کے اندر داخلی عدالتوں کا قیام ضروری ہے۔ اِسی طرح ریاستوں ریاستوں کے باہمی تنازعے طَے کرنے کیلئے بیت الحرام عالمی عدالت ہے۔ اُس کا امام، صدر اور قاضی آپ کو مقرر کیا جاتا ہے) آپ نے عرض کیا کہ بارِ الٰہا! یہ امامتِ اقوام میری اولاد کو بھی ملتی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عہد ظالموں، نافرمانوں کو ہرگز نہ پُہنچے گا۔

**وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ** ۱۔۲

۱ اِبْتَـلٰـی مادہ ب۔ل۔و سے ہے۔اِس کے دو بنیادی معنے ہیں۔ معلوم کرنا اور ظاہر کرنا۔جب یہ مادہ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو دوسرے معنے ظاہر کرنا ہی مراد ہوتے ہیں، معلوم کرنا نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ عالمُ الغیب ہے، اُسے سب کچھ معلوم ہے۔(بحوالہ مفردات امام راغب مترجم مکتبہ قاسمیہ لاہور صفحہ ۱۲۸)

**لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ ۲/۱۲۳ تا.....ھُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ....**

ان کلماتِ خداوندی کو بیت الحرام کے عالمی امن مرکز میں پُورا کرنے پر حضرتِ ابراہیم کو امامتِ عالم عطا ہوئی، کہ کسی بھی مجرم کی رعائت نہ کی جائے، مجرم کے سزا سے بچ جانے کے یہی چار طریقے ہیں، جو آئتِ مجیدہ لَا تَجْزِیْ ......الخ میں مذکور ہوئے ہیں:۔

۱۔ زید کی جگہ بکر کا پکڑا جانا۔ ۲۔کسی امیروزیر کی شفاعت وسفارش کا پہنچ جانا۔ ۳۔رشوت دے کر چھوٹ جانا ۴۔عزیز واقارب کی مدد کا پہنچ جانا......پس لَا تَـجْـزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ کے امن پرور، یہی کلمات تھے جو حضرتِ ابراہیم سلامُ علیہ نے پُورے کردیئے۔مسجد بیت الحرام میں آپ نے جو نظام قائم کیا اُس میں مُجرم کی غیر مُجرم سے تبدیلی، مُجرم کو سفارش یا رشوت لے کر چھوڑ دینا اور اُس کی مدد وغیرہ ہر چیز، کاغذوں میں نہیں بلکہ عملاً موقوف کردی گئی تھی۔اسی چیز کا صِلہ تھا اقوامِ عالم کی امامت۔اور یہی کلمات، بیت الحرام کی بین الاقوامی عدالت کا منشور قرار پائے کہ، مُجرم خواہ کوئی فرد ہو یا قوم اُس کی جگہ کسی اور فرد یا قوم کو پکڑا نہ جائے۔نہ مُجرم کی سفارش یا رشوت قبول کی جائے۔اور نہ مُجرم کی کسی قسم کی مدد کی جائے۔ اِس منشور کو تسلیم کرکے، ہر قوم خواہ مُسلم ہو یا غیر مُسلم، اِس عالمی ادارے کا ممبر بن سکتی ہے۔اور جو لَا تَـجْـزِیْ ..........الخ کو تسلیم نہ کرے وُہ اُس کا ممبر نہیں بن سکتی۔

**اِسلام میں اِنسان پرستی کی گُنجائش نہیں**

حضرتِ ابراہیم سلامُ علیہ کو جس امامتِ عالمی کا منصب سونپا گیا۔اُس کی وضاحت ہو چکی۔یہاں انسان پرستی مطلوب نہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے خود آنحضور سلامُ علیہ کو ۱۶/۱۲۳ میں اَنِ اتَّبِـعْ مِـلَّـةَ اِبْـرٰھِـیْمَ حَـنِیْفًا کے الفاظ میں، اور امتِ مسلمہ کو فَـاتَّـبِـعُوْا مِلَّةَ اِبْـرٰھِیْمَ حَـنِیْفًا ۳/۹۵ کے الفاظ میں حکم دیا ہے:۔کہ ابراہیم حنیف کی ملّت کی اتباع کرو۔لہٰذا یاد رہے کہ مِلّتِ ابراہیم سے مراد اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ وُہ ضابطۂ حیات ہے جس کی اتباع خُود حضرتِ ابراہیم سلامُ علیہ بھی زندگی بھر فرماتے رہے۔جس طرح آپ کو لِـلـنَّـاسِ اِمَامًا کہا گیا ہے۔اُسی طرح جُملہ انبیاء سلامُ علیہم کو بھی امام بتایا ہے۔ وَجَـعَـلْـنٰـھُمْ اَئِمَّةً یَّھْدُوْنَ بِـاَمْـرِنَا ۲۱/۷۳۔اور ہم نے جُملہ انبیاء کو امام بنایا۔وُہ ہمارے امر، کتاب کے ساتھ عوام کی رہنمائی کرتے تھے۔پس اصل امام

کتاب خداوندی ہے، جیسے کہ قرآنِ کریم کے متعلق فرمایا:۔ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً ۱۱/۱۷ ، ۴۶/۱۲، اب قرآن امام ہے اوراس سے پہلے موسیٰ کی کتاب امام تھی۔

## سیاق وسباقِ کلام اور مسئلۂ امامت

اِس آئتِ مجیدہ سے بعض لوگوں نے ایک ایسی امامت کا تصوّر پیدا کر رکھا ہے جسے نبوّت سے افضل قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ حضرتِ ابراہیم نبی تو پہلے ہی تھے۔ اب اگر امامت نبوّت سے کمتر مانی جائے، تو فرمانبرداری کے صلے میں عطاءِ امامت لاشَے ہو کر رہ جاتی ہے.....لیکن افسوس یہ ہے کہ امامتِ ابراہیم سے جس سِلسلۂ امامت کی سند پکڑی جاتی ہے۔ اُس میں ہونے والے امام کیلئے نبی ہونا ضروری قرار نہیں دیا گیا۔ نیز وُہ امامت اگرچہ مرکزیّت حاصل نہ بھی کر پائے۔ اوراسی طرح پُشتیں گُزر جائیں، تو پھر بھی اسے امامتِ ابراہیمی ہی سے متعلق مانا جاتا ہے۔ لیکن نہائت افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ سیاق وسباقِ آیات کے ساتھ امامت کا وُہ تصوّر فِٹ نہیں بیٹھتا۔ جس کا تعلق نہ بیت اللہ کی مرکزیّت سے ہو نہ عالمی اجتماعیّت سے۔ کیونکہ اگلی آیاتِ کریمات کی رُو سے یہاں جس امامت کا ذکر ہے۔ یہ مُسلم وغیر مُسلم جُملہ اقوامِ عالم کی امامت ہے جس کا تعلق ۳/۹۶ , ۵/۹۷, اور ۲۲/۲۶ کے مطابق صِرف اور صِرف بیت الحرام کے ساتھ ہے۔ جیسے آئتِ ذیل کے مطابق پُوری نوعِ انسانی کا مرکزی مقام ٹھہرایا گیا ہے:۔

● اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ ۳/۹۶ ، بِلاشُبہ نوعِ اِنسانی کیلئے (امنِ عالم کا ضامن) جواوّلین گھر مقرر کیا گیاوُہ مکّہ میں ہے۔ پُوری نَوعِ اِنسانی کے لئے بابرکت اور عالمین کیلئے ہدائت ہے(یعنی چاہیئے کہ اقوامِ عالم کے نام یہیں سے ہدایات جاری ہُوا کریں۔۔۔ نیز اِسی اوّلین گھر کواللہ تعالیٰ کی طرف سے پُوری نَوعِ اِنسانی کو پیروں پر کھڑا کرنے کا ضامن قرار دیا گیاہے:۔

● جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ ۵/۹۷ ،اللہ تعالیٰ نے کعبہ(عالمی مرکز) بیت الحرام کونوعِ انسانی کے قیام (یعنی ہرقوم اور ہر فرد کو پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے مقرر کیا ہے )...... اِسی عالمی مرکز کے متعلق بلاتمیز ارشاد ہُوا ہے:۔

وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ۳/۹۷ ، جوقوم اِس(کے نظام) میں داخل ہوگئی وُہ امن میں آ گئی...... اِسی امن کیلئے ارشاد ہُوا ہے:۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ۲۲/۲۷ ،تمام لوگوں میں حج کا اعلان کردیجئے گا۔ لِیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ ،تاکہ سب لوگ اپنے اپنے فائدوں کے لئے حاضر ہُوا کریں۔

یہ ہے سیاق وسباق، نفسِ مضمون، اور تصریفِ آیات کی رُو سے لِلنَّاسِ اِمَامًا یعنی امامتِ عالم کا قرآنی تصوّر، جسے کہیں تو دو رکعت کی امامت بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اور کہیں اسے صرف قربِ قیامت کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ وُہ امامتِ عالم ہے، جو حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ کو سونپی گئی تو اُسکی شکلِ مشہود سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں یہ بتائی گئی ہے:۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ
اور جب کیا ہم نے کعبہ کو جائے ثواب واسطے لوگوں کے
وَاَمْنًاؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ
اور امن والا اور پکڑو تم مقامِ ابراہیم کو
مُصَلًّىؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ
جائے نماز اور عہد کیا ہم نے طرف ابراہیم کے
وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ
اور اسمٰعیل کے یہ کہ پاک رکھو گھر میرے کو واسطے طواف کرنے والوں کے
وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۱۲۵
اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع وسجود کرنے والوں کے۔

اور خصوصاً وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ہم نے (ابراہیم کو امامتِ عالم سونپ کر اُسکے عمل کے مطابق) اپنے گھر بیت الحرام کو تمام لوگوں کے عالمی اجتماع[۱] کا مقام اور حصولِ امن کا ضامن پایا[۲] اور (مومنوں کو حکم دیا کہ) مقامِ ابراہیم کو جائے صلوٰۃ قرار دو (نماز اس کی طرف رُخ کر کے ادا کیا کرو) اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب (ابراہیم سلامٌ علیہ نے الصَّلٰوۃ نظامِ ربوبیّت قائم کرنے کیلئے اپنے بیٹے کو بیتُ الحرام کے نزدیک مکہ معظّمہ میں آباد کیا ۱۴/۳۷ تو) ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سلامٌ علیہما، دونوں سے وعدہ لیا کہ میرے گھر کو آنے جانے والوں اور (صلوٰۃِ موَقّت کا قیام) رکوع اور سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک رکھنا۔

۲ فعل ثلاثی مجرد کے خاصہ وجدان کی بحث دیباچہ کے عنوان نمبر ۳۲/۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**مَثَابَةً لِّلنَّاسِ[۱] وَاَمْنًا**

مثابۃ ظرفِ مکان کا سہ حرفی مادہ ث۔و۔ب، ثوب ہے۔ جس کا بُنیادی معنٰی ہے جانا اور واپس آجانا۔ کپڑے کو ثوب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اِس کے بُننے میں نال بار بار جاتی اور واپس آجاتی ہے اور مجتمع ہو کر کپڑا تیار ہو جاتا ہے۔ اِس طرح ثوب کا معنٰی جمع ہونا بھی لیا جاتا ہے۔ چنانچہ عربوں کے ہاں لوگوں کو جمع کرنے کیلئے کسی اُونچی جگہ پر کھڑے ہو کر کپڑا گھمایا جاتا ہے۔ اِن دلائل کی رُو سے مَثَابَةً لِّلنَّاسِ کا معنٰی لکھا گیا ہے عالمی اجتماع کا مقام۔ اور اسکے بعد آیا ہے اَمْنًا۔ فلہٰذا یہ مفہوم صحیح ہے کہ ایسے اجتماع کا مقام جس کی غرض امنِ عالم کا قیام ودوام ہو، ۹۵/۳ میں مکّہ معظّمہ کو وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ کہا گیا ہے۔ امن دینے والا شہر۔ امنِ عالم کا علمبردار شہر۔

**حضرتِ ابراہیم کی دُعا، کہ مکّہ معظّمہ امنِ عالم کا ضامن ہو۔**

اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں بیٹے کو مکّہ مُعظّمہ میں آباد کرنے اور اُسے امنِ عالم کا مرکز قرار دینے کے بعد حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کی دُعا بھی مذکور ہے۔ اور حضور سلامٌ علیہ کے ایک بشری تقاضے کا بھی ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ
اور جب کہا ابراہیم نے اے رب میرے کر
هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ
اس شہر کو امن والا اور رزق دے رہنے والوں اِس کے کو
الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ
میوؤں سے جو کوئی ایمان لاوے اُن میں سے ساتھ اللہ کے
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ
اور دِن پچھلے کے کہا اور جو کوئی کفر کرے
فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ
پس فائدہ دوں گا اُس کو تھوڑا پھر بے بس کروں گا اس کو طرف عذاب
النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۲۶
آگ کے اور بُری ہے جگہ پھر جانے کی ۔

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے کہ جب ابراہیم سلامٌ علیہ نے حضورِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار، اِس شہر کو امنِ عالم کا ضامن بنادے اور اِس کے اہل (یعنی اِس مرکز کے ساتھ وابستہ ہونے والوں) میں سے جو اللہ اور روزِ مکافات پر ایمان لائیں، اُنہیں میوؤں کا رزق عطا کرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اپنی اپنی کوشش کے مطابق اُنہیں بھی رزق ملے گا۔ ۵۳/۳۹) اور جو انکار کرنے والے ہیں اُنہیں بھی۔ (مَیں اُنہیں بھی قانونِ مشیّت کے مطابق یعنی اُن کی کوشش کے ثمر کے طور پر) دُنیا کے قلیل عرصہ کے لئے فائدہ دُوں گا۔ پھر روزِ مکافات اُن کی نافرمانیوں کی بدولت آگ کے عذاب میں بے قرار کردوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ نافرمانوں کے پھر کر جانے کی جگہ بہت بُری ہے۔

● اِس سے اگلی آئت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرتِ ابراہیم و اسماعیل سلامٌ علیہما نے بیت الحرام کے مرکزی نظام کے مذکورہ قواعد[۱] وضوابط کو بلند کیا، تو دونوں نے عجز و نیاز کے ساتھ حضورِ خداوندی میں دُعا کی:۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
اور جب اُٹھائی ابراہیم نے بنیاد
الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ
کعبے کی اور اسمٰعیل نے اے رب ہمارے قبول کر ہم سے
اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۲۷
تحقیق تو ہی ہے سُننے والا جاننے والا۔

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب ابراہیم اور اسماعیل سلامٌ علیہما نے ہمارے گھر (کی عالمی مرکزیّت) کے قواعد (وضوابط) کو بلند کیا (چاروں طرف چرچا کیا تو ہمارے حضور دُعا کی) اے ہمارے پروردگار تُو ہم سے یہ ہماری حقیر محنت قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (تُو ہمارے لفظوں کو سُننے کے ساتھ جانتا بھی ہے کہ ہماری غرض ذاتی مفاد نہیں، بلکہ انسانی خدمت ہے۔)

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
اے رب ہمارے اور کر ہم کو مطیع واسطے اپنے
وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص
اور اولاد ہماری سے ایک جماعت فرمانبردار واسطے اپنے
وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ
اور دکھا ہم کو طرح عبادت ہماری کی اور پھر آ اوپر ہمارے تحقیق
اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ۱۲۸
تُو ہی ہے پھر آنے والا مہربان۔

اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار رکھنا۔اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمتِ مُسلمہ پیدا کیجیو (جو خالص تیری ہی فرمانبرداری کرنے والی ہو) اور اے ہمارے پروردگار ہمیں (عالمی مرکز کی اہم ذمّہ داری) کے طور طریقے سمجھادے۔ اور اِس سلسلے میں جہاں بتقاضائے بشریّت ہم سے بُھول چُوک ہوجائے تو ہمیں معاف فرمائیو۔ بے شک تُو معاف کرنے والا مہربان ہے۔

**رفع قواعد** رفع بمعنی بلند کرنا، اور قواعد جمع ہے قاعدہ بمعنی بُنیاد کی۔ اِس آئت سے یہ مُراد لی گئی ہے کہ حضرتِ ابراہیم اور اسماعیل سلامٌ علیہما نے بیت اللہ کی عمارت کو بُنیادوں سے اُٹھا کر تعمیر کیا۔اور اِس کے ضمن میں یہ افسانہ سُنایا جاتا ہے کہ جِس پتّھر پر حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ کھڑے ہوکر تعمیر کرتے تھے۔ وُہ دیواروں کے بلند ہونے کے ساتھ ساتھ بغیر کسی سہارے کے خود بخود اُوپر بلند ہوتا چلا جاتا تھا۔لیکن یاد رہے کہ یہاں کعبہ کی دیواروں کو بلند کرنے کا ذکر نہیں۔اور نہ ہی یہ چیز وجہِ فضیلت ہے کیونکہ آپ کے بعد کعبہ مکرّمہ کئی مرتبہ تعمیر کیا جاچکا ہے۔ جو اِس وقت تعمیر ابراہیم کی نسبت بہترین فنِ تعمیر کا منظر پیش کررہا ہے۔اصل وجہِ فضیلت کعبہ معظّمہ میں داخلی طور پر نظامِ ربوبیّت کا قیام تھا اور خارجی طور پر اِسے عملاً عالمی مرکز بنا کر دکھانا تھا، کہ یہ عملاً قِيٰمًا لِّلنَّاسِ، مَثَابَةً لِّلنَّاسِ اور هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے۔حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ نے یہ کام سرانجام دیا اور اِس کیلئے اقوامِ عالم میں اِس کے قواعد ضوابط کا خوب چرچا کرکے اُنہیں بروئے کار لائے۔ پس قواعد بمعنی مرکزی ممبر شپ کے قواعد وضوابط ہے۔اور رفع بمعنی چرچا کرنا ہے جیسے خود آنحضور کے ذکرِ خیر کے چرچا کے لئے رفع ہی کا لفظ لایا گیا ہے:۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۹۴/۴

## بعثتِ محمدی کیلئے حضراتِ ابراہیم واسماعیل سلامٌ علیہما کی دُعا

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں بعثتِ محمدی کیلئے حضرات ابراہیم اور اسماعیل کی دُعا مذکور ہے:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
اے رب ہمارے اور بھیج بیچ اُن کے پیغمبر اُن میں سے

اے ہمارے پروردگار! تُو اِن مکہ والوں میں (ہماری اولاد یعنی بنی اسماعیل میں سے) اپنا ایک رسول مبعوث

یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ
پڑھے اوپر ان کے آئتیں تیری اور سکھلاوے ان کو
الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَیُزَکِّیۡهِمۡ ؕ
کتاب اور حکمت اور پاک کرے ان کو
اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۱۲۹ۧ ۱۵/۸ ع ۱۵
تحقیق تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

فرمائیو۔ جو اُن پر تیری آئتیں تلاوت کرے۔ اور اُنہیں حکمت والی کتاب ۳۶/۲ کی تعلیم دے۔ اور اُنہیں معاشرہ کی بدحالیوں سے پاک کرے۔ ۹/۳۰۲۔ بیشک تُو غالب حکمت والا ہے۔ (بلاشُبہ وہ اتنی بڑی ذمہ داری کا حامل رسول سلامٌ علیہ بھی، زندگی کے ہر قدم پر حکمت کیساتھ ہی آگے بڑھتا ہُوا غالب آئے گا)

## مِلّتِ ابراہیمی سے اعراض محض بے وقوفی ہے

آیاتِ بالا میں اجتماعی نظامِ ربوبیّت اور امنِ عالم کیلئے بیت الحرام میں عالمی امن کونسل کا قیام، اور اِس کے ساتھ وابستہ ہونا ملّتِ ابراہیمی بتائی گئی ہے۔ اور اِس کے بعد اگلی آیاتِ کریمات میں بتایا گیا ہے کہ مِلّتِ ابراہیم سے مُنہ موڑنے والے، یعنی اجتماعیّت سے اعراض کرکے انفرادیّت اختیار کرنے والے بیوقوف ہیں۔

وَمَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ
اور کون شخص پھر جاتا ہے دینِ ابراہیم کے سے
اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰهُ
مگر جس نے بیوقوف کیا جان اپنی کو اور تحقیق پسند کیا ہم نے اس کو
فِی الدُّنۡیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ
بیچ دنیا کے اور تحقیق وہ بیچ آخرت کے
لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۱۳۰
البتہ صالحوں سے ہے

ابراہیم سلامٌ علیہ کے مذکورہ بالا (امن بدوش) مسلک سے اُس شخص کے سوا کون اعراض کرتا ہے مگر جس نے اپنے آپ کو بیوقوف بنالیا ہو۔ بلاشُبہ ہم نے ابراہیم کو دنیا میں برگزیدہ ٹھہرایا تھا۔ اور بلاشُبہ آخرت میں بھی اُس کا شمار معاشرہ کی اصلاح کرنے والوں میں سے ہوگا......(نیز سُن لو کہ اُس کی برگزیدگی ہماری طرف سے کسی رعائت یا ناجائز جھکاؤ کی بدولت نہیں تھی، بلکہ ابراہیم کی فرمانبرداری کا یہ عالم تھا کہ:۔)

اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ
جب کہا اُس کو پروردگار اُس کے نے کہ مطیع ہو کہا
اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۱۳۱
مطیع ہوا میں واسطے پروردگار عالموں کے

جب اُس کے رب نے اُسے کہا کہ (خالص میرا) فرمانبردار ہو جا تو فرمانبردار ہو گیا اور) کہا میں عالمین کی ربوبیّت کرنے والے کیلئے فرمانبردار ہو گیا ہوں (یعنی میں ربوبیّتِ عالمینی ہی کی بنیادوں پر مرکزی نظام قائم کروں گا)

## حضرتِ ابراہیم ویعقوب سلامٌ علیہما کی وصیّت

اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ کے متعلق موت تک کے وقت کیلئے اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنے رہنے کی خبر دی گئی ہے۔ کہ وہ صرف خود ہی آخری دم تک فرمانبردار نہیں رہے، بلکہ اپنی اولاد کو بھی فرمانبرداری کی وصیّت فرمائی:۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ
اور نصیحت کی ساتھ اس کے ابراہیم نے بیٹوں اپنے کو

وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى
اور یعقوب نے اے بیٹو میرے تحقیق اللہ نے پسند کیا ہے

لَـكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا
واسطے تمہارے دین پس نہ مرو تم مگر

وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ۱۳۲
اور تم مطیع ہو۔

اورابراہیم سلامٌ علیہ (اپنی پوری زندگی میں بھی عموماً نصیحت کرتے رہے، اور خصوصاً آپ نے موت سے پہلے بھی) اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی۔ اور اِسی طرح یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ اے میرے بیٹو! بلاشُبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنا نازل کردہ دین (اسلام) ہی پسند فرمایا ہے۔ پس تم نہ مرنا، مگر اس حالت میں کہ تم خالص اُسی کے فرمانبردار ہو۔ (یعنی جب موت کا کوئی پتہ نہیں کہ کس وقت کوئی حادثہ پیش آجائے، اِسلئے تم زندگی کا ہر لمحہ اور ہر ساعت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہی میں گزارنا۔)

● اِس سے اگلی آیتِ مقدّسہ میں سیاقِ کلام کے مطابق بنی اسرائیل اور اہلِ کتاب کو، اور پھر قرآنِ کریم کے ہر قاری کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ
کیا تھے تم حاضر جس وقت کہ آئی

يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا
یعقوب کو موت جس وقت کہا اُس نے واسطے بیٹوں اپنے کے

تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ
کس چیز کو عبادت کرو گے تم پیچھے میرے کہا اُنہوں نے عبادت کرینگے ہم

اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ
معبود تیرے کو اور معبود باپوں تیرے ابراہیم

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ
اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے کو معبود ایک کو

(اے بنی اسرائیل واہلِ کتاب!) جس وقت یعقوب سلامٌ علیہ پر موت کا وقت آیا، تو کیا تم اُس وقت حاضر تھے؟ (تم ہرگز حاضر نہیں تھے، ہم ہی اُس وقت حاضر وناظر تھے) جب یعقوب سلامٌ علیہ نے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی فرمانبرداری کروگے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تیرے الٰہ کی اور تیرے باپ اسحاق، چچا اسماعیل اور دادا ابراہیم کے الٰہ، اِلٰہِ واحد کی فرمانبرداری کریں گے۔ اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں۔

## وَّنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَo ۱۳۳

اور ہم واسطے اُس کے مطیع ہیں۔

ا وَصِیَّۃٌ۔ وَصّٰی کا سہ حرفی مادہ و۔ص۔ی= وصی ہے جس کا بنیادی معنٰی ہے کوئی نیک بات پیش کرنا۔ کسی واقعہ کے پیش آنے سے پہلے اُس کی روک تھام کے لئے ناصحانہ انداز میں ہدائت دینا۔ قرآنی لُغت کی رُو سے امر اور حکم بھی اس مادہ میں شامل ہے۔ جب یہ مادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستعمل ہو تو اس کا معنٰی ہوتا ہے حکم دینا۔ جیسے کہ ارشاد ہوا ہے:۔ یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ۴/۱۱ = اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ تمہارا ترکہ اُن میں اِس اِس طرح تقسیم کیا جائے۔

سورہ شوریٰ میں یہی مادہ وحی کے متبادل معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوۡحًا وَّالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ۴۲/۱۳ = ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اُسی دین کی شرح فرمائی ہے، جس کی نوح کو وصیّت فرمائی تھی۔ اور وُہی دین جو اے رسول سلامٌ علیہ آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ دیکھئے! اِس آئتِ مجیدہ میں وحی اور وصیّت مترادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی یہاں وَصّٰی بمعنی اَوۡحٰی آیا ہے۔

سلسلۂ درس کی آئتِ زیرِ نظر میں حضرات ابراہیم اور یعقوب سلامٌ علیہما کی جس وصیّت کا ذکر ہے۔ ہم نے اِس کا مفہوم لکھا ہے کہ وہ اپنے اپنے بیٹوں کو زندگی بھر بھی وحدتِ باری کی نصیحت کرتے رہے، اور موت سے پہلے بھی وحدتِ باری اور اللہ تعالیٰ کی خالص فرمانبرداری کی نصیحت فرمائی۔ اِذۡ حَضَرَ یَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ میں بھی اِس مادہ کا استعمال مَوت سے پہلے کی نصیحت کے لئے ہُوا ہے۔ اور ۲/۱۸۰ کے الفاظ کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَکَ خَیۡرَا ۨ صلے الۡوَصِیَّۃُ لِلۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ، میں بھی وَصِیَّۃٌ کا لفظ موت سے پہلے کی نصیحت کے لئے آیا ہے۔ یعنی حکم دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت حاضر ہو۔ تو اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو۔ تو اُس پر، والدین اور اقربا کے حق میں وصیّت کرنا فرض کر دیا گیا ہے۔ یہ تو ہُوا وصیّت کا معنی موت سے پہلے کی نصیحت۔ اور زندگی بھر کے لئے نصیحت کرتے رہنے کے معنوں میں یہ لفظ، سورہ عصر میں آیا ہے۔ جہاں جماعتِ مومنین کی خصوصیّت بتائی گئی ہے۔ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۱۰۳/۳ = اور وہ ایک دوسرے کو زندگی بھر حق پر استقامت کرنے کی نصیحت کرتے رہتے ہیں۔

المختصر! قرآنی لُغت کے مطابق، وصیّت کے تین مشہور معنے یہ ہیں۔

ا۔ مرنے سے قبل والدین اور اقربا کے حق میں اپنے ترکہ کے متعلق وصیت کرنا کہ اِسے وارثوں میں تقسیم کرنے سے پہلے اِس میں سے اِس قدر مال ماں کو یا باپ کو فلاں بھائی کو یا فلاں بہن کو، فلاں بیٹے کو یا فلاں بیٹی کو دے دیا جائے۔ ۲/۱۸۰ (اس

مسئلہ کی پوری تفصیل آیتِ متعلقہ کی تفسیر کے ضمن میں آگے آرہی ہے)

۲۔ زندگی بھر کے لئے، اپنوں اور بیگانوں سب کو اللہ کے دین کی نصیحت کرتے رہنا۔ ۳/۱۰۲ ۔

۳۔ جب یہ مادہ اللہ تعالیٰ کی طرف مستعمل ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے حکم دینا۔ وحی کرنا۔ احکام نازل کرنا ۴۲/۱۳ ۔

● اِس سے اگلی آیتِ کریمہ میں بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے کہ تم حضرت اسرائیل اور اُن کے آباؤ اجداد کی سفارش وشفاعت پر تکیہ کئے ہوئے ہو۔ حالانکہ:۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا
یہ تھی ایک اُمت تحقیق گزر گئی واسطے اُن کے تھا جو کچھ
كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا
کمایا انہوں نے اور واسطے تمہارے جو کچھ کمایا تم نے اور نہ
تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۳۴
پُوچھے جاؤ گے تم اس چیز سے کہ تھے وہ کرتے۔

وُہ ہمارے برگزیدہ بندوں کی ایک جماعت تھی۔ جو گزر گئی ہے، جو اعمال اُنہوں نے کیے، وہ اُن کے کام آئیں گے۔ اور جو عمل تم بجالاؤ گے، وہ تمہارے لئے ہیں۔ (تم سے تمہارے عملوں کی باز پُرس ہوگی) تم سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ وہ کیا عمل بجالائے تھے۔

## اہلِ کتاب کیا چاہتے ہیں؟

اگلی آیتِ مجیدہ میں مومنوں کو مخاطب کر کے تکرارِ تاکیدی کے انداز میں کہا گیا ہے کہ یہود ونصارٰی کو تمہارا ایمان لانا گوارا نہیں۔ وہ تمہیں الگ الگ، اپنے اپنے دین میں واپس لے جانا چاہتے ہیں:۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى
اور کہا اُنہوں نے ہو جاؤ موسائی یا عیسائی
تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ
راہ پاؤ گے تم کہہ بلکہ پیروی کرتے ہیں ہم دینِ ابراہیم حنیف کی
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۱۳۵
اور نہ تھا مشرکوں سے۔
قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا
کہہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور جو کچھ اُتاری گئی طرف ہماری
وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
اور جو کچھ اُتاری گئی طرف ابراہیم کے اور اسماعیل کے

اور (ایمان والو! تمہیں) یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ تو پھر ہدائت پاؤ گے۔ اور نصارٰی کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ تو پھر ہدائت پاؤ گے۔ اے رسول سلامٌ علیہ! آپ اعلان کر دیجئے گا کہ ہدائت (نہ یہودیّت میں ہے نہ نصرانیّت میں ہے) بلکہ ہدائت ملّتِ ابراہیم، یعنی اُس ضابطے میں ہے، جس کی اتّباع خود ابراہیم حنیف کیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مُشرک نہیں تھے۔ (لیکن یہود ونصارٰی عزیر و مسیح سلامٌ علیہما کو اللہ کے بیٹے ٹھہرا کر شرک کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ شرک سے ہدائت میسر نہیں آسکتی) (ایمان والو! یہود ونصارٰی کے جواب میں) کہا کرو، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ اور اُس کتاب قرآن پر

وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ
اور اسحاق کے اور یعقوب کے اور اولاد اس کی کے اور جو کچھ
اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَمَآ اُوۡتِىَ
دی گئی موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو کچھ دی گئی
النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ
پیغمبروں کو پروردگار اپنے سے نہیں جدائی ڈالتے ہم درمیان کسی کے
مِّنۡهُمۡ ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ١٣٦
اُن میں سے اور ہم واسطے اس کے مطیع ہیں۔

ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے۔ اور جو (کتابیں) ابراہیم اوراسماعیل، اوراسحاق، اوریعقوب اوراُنکی اولاد کی طرف نازل ہوئی تھیں۔ اور جو کتابیں اُنکے رب کی طرف سے موسیٰ اورعیسیٰ کودی گئی تھیں۔ اور جو جملہ انبیاء کو دی گئی تھیں۔ (سب نبیوں کی کتابوں پر ایمان لائے) ہم نبیوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے (ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سب نبیوں کو ایک ہی کتاب دی گئی تھی۔ جو اِس وقت قرآنِ کریم کی صورت میں نازل ہُوئی ہے) ہم اُس (ایک ہی کتاب کے نازل کرنے والے) ایک ہی اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

● آئتِ بالا میں صحابہؓ کے ایمان کی تصدیق کے بعد، اگلی آئتِ مجیدہ میں مومنین کو بتایا گیا ہے کہ یہود ونصاریٰ اُس وقت ہی ہدائت پاسکتے ہیں، جب نبیوں اور کتابوں پر اُس طرح ایمان لائیں، جس طرح تم لائے ہو:۔

فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَآ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ
پس اگر ایمان لاویں ساتھ اس چیز کے کہ ایمان لائے ہو ساتھ اُسکے
فَقَدِ اهۡتَدَوْا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا هُمۡ
پس تحقیق راہ پائیں گے اور اگر پھر جاویں پس سوائے اس کے نہیں کہ وہ
فِىۡ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكۡفِيۡكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ
بیچ خلاف کے ہیں پس شتاب کفائت کرے گا تجھ کو اُن سے اللہ اور وہ
السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ؕ ١٣٧
سننے والا جاننے والا ہے۔

ایمان والو! اگراہلِ کتاب اُس طرح ایمان لائیں، جس طرح تم لائے ہو، تو پھر یقیناً ہدائت پاسکتے ہیں۔ اوراگررُوگردانی کریں توجان لو کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ (اے رسول سلامٌ علیہ! آپ بوقتِ ضرورت ہجرت کرجائیں) پھرآپ کواُن سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ، وہ سُننے والا جاننے والا ہے۔

## تم اپنے آپ کو باطل پیشواؤں کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہو، حالانکہ رنگ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہم نشین پر ہم نشین کا، شاگرد پر اُستاد کا، اورمرید پر پیر کا رنگ ضرور چڑھ جاتا ہے۔ لیکن اِس فطری چیز کو نگاہ کا کرشمہ ٹھہرانا رہبانیّت کا قدیمی عقیدہ ہے کہ، پیر ایک نگاہ میں مرید کواپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ اِسی ضمن میں کالا، سبز، جوگیا یا سفید کوئی سا رنگ

مختلف خانقاہوں کی طرف سے لباس کے لئے مختص کرلیا جاتا ہے۔ چنانچہ عیسائی پیشوائیت نے لباس کے لئے سفید رنگ کا انتخاب کررکھا ہے۔ اور مریدوں کو تثلیث کے رنگ میں رنگنے کے لئے بپتسمہ کے نام سے رنگدار پانی کے چھینٹے دیتے ہیں۔ اپنے رنگ میں رنگ سکنے اور رنگ دینے کا عقیدہ تصوّف کی جان ہے۔ لیکن اگلی آئتِ مقدّسہ میں اس عقیدے کا بطلان کردیا گیا ہے:۔

صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ
رنگ دیا ہے ہم کو اللہ نے اور کون ہے بہتر خدا سے
صِبۡغَةً ۫ وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ ۝ ۱۳۸
رنگ میں اور ہم اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

(ایمان والو! اِن کے الگ الگ خانقاہی رنگوں، اور اپنے رنگ میں رنگنے کا ڈھونگ فریب محض ہے، اِن سے کہہ دو کہ) رنگ صِرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اور (بتاؤ تو سہی کہ) رنگ کے لحاظ سے اللہ سے بڑھ کر کون اچھا رنگ چڑھانے والا ہے۔ (اور کہہ دو کہ نگاہوں کیساتھ رنگ نہیں چڑھا کرتے۔ بلکہ فرمانبرداری اور اطاعت کیساتھ رنگ چڑھتے ہیں۔) اِسلئے ہم اُس احسن رنگ والے ہی کی خالص فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔

- اس سے آگے پھر ارشاد فرمایا:۔

قُلۡ اَتُحَآجُّوۡنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ
کہہ کیا جھگڑتے ہو تم ہم سے بیچ اللہ کے اور وہ ہے
رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ ۚ وَلَنَآ اَعۡمَالُنَا وَ
پروردگار ہمارا اور پروردگار تمہارا، اور واسطے ہمارے ہیں عمل ہمارے اور
لَـكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ۚ وَنَحۡنُ لَهٗ
واسطے تمہارے ہیں عمل تمہارے ۔ اور ہم واسطے اُس کے
مُخۡلِصُوۡنَ ۝ۙ ۱۳۹
اخلاص کرنے والے ہیں۔

اے رسول سلامٌ علیہ! ان سے کہہ دیجئے گا کہ کیا تم ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ (نہ وہ ذاتی طور پر کسی کا سگا ہے نہ سوتیلا تم کہتے ہو کہ تم اُسکے پیارے ہو) حقیقت یہ ہے کہ، وہ ہمارا بھی اور تمہارا بھی ایک جیسا رب ہے۔ (اُسکے ہاں عمل کی قیمت ہے، بے عملی کی نہیں، نتیجہ اعمال ہی کا مرتب ہوتا ہے) حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں۔ اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ (تم اللہ کا بیٹا ٹھہرا کر عزیر و مسیح کو اُسکی الوہیّت میں شریک کرتے ہو) لیکن ہم خالصۃً اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

**یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل سلامٌ علیہما سب یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ وہ سب نصرانی تھے**

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں یہود و نصاریٰ کی بے عقلی کی انتہا بتائی گئی ہے:۔

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ
کیا کہتے ہو تم تحقیق ابراہیم اور اسماعیل
وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا
اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد اُس کی تھے
هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ
یہود یا نصارٰی کہہ کیا تم بہت جانتے ہو
اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ
یا اللہ اور کون ہے بہت ظالم اس شخص سے کہ چھپاتا ہے
شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ
گواہی جو پاس اُس کے ہے اللہ کی طرف سے اور نہیں اللہ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ ۱۴۰
بے خبر اس چیز سے کہ کرتے ہو تم۔

(اے یہود و نصارٰی) کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب سلامٌ علیہم، اور اُن کی اولاد سب یہودی اور نصرانی تھے (تمہیں اِتنی بھی سمجھ نہیں کہ حضراتِ ابراہیم واسماعیل وغیرہ کس طرح یہودی یا نصرانی ہو سکتے ہیں جبکہ وہ موسیٰ وعیسیٰ سلامٌ علیہما سے پہلے گزر چکے تھے) اے رسول سلامٌ علیہ! اِن سے کہہ دیجئے گا کہ کیا حقیقت کو تم خوب جانتے ہو یا اللہ، اور اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہے، کہ اُس کے پاس اللہ کی شہادت موجود ہو اور وہ اُسے چھپالے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُس سے بے خبر نہیں۔

● اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں پھر اُن کے زعمِ باطل کا بطلان کیا گیا ہے کہ جن بزرگوں پر تم تکیہ کئے ہوئے ہو وہ گزر چکے ہیں وہ تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ حضراتِ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب سلامٌ علیہم اور ان کی اولاد ایک مقدس جماعت تھی۔ جو گزر گئی ہے:۔

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا
یہ ایک امت تھی کہ تحقیق گزر گئی واسطے اُن کے ہے جو کچھ
كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ
کمایا اُنہوں نے۔ اور واسطے تمہارے ہے جو کمایا تم نے اور نہ پوچھے جاؤ گے تم
عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝ ۱۴۱ ع ۱۶/۱۲
اُس چیز سے کہ تھے وُہ کرتے۔

(دوبارہ سُن لو کہ جن کی شفاعت اور کفارہ وغیرہ پر تم آسرا کئے ہُوئے ہو) وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی ہے۔ جو اعمال انہوں نے کئے تھے۔ وہ صرف اُنہی کے لئے ہیں (اُن میں سے تمہیں مطلقاً کوئی حصّہ نہیں ملے گا) اور جو اعمال تم کرتے ہو، وہ صرف تمہارے لئے ہیں۔ (تم سے تمہارے ہی اعمال کی باز پُرس ہوگی) تم سے اُن کے متعلق ہرگز نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے۔

## ربطِ کلام۔ تحویلِ قبلہ نہیں ہجرت

اس سے اگلی آئتِ مجیدہ:۔ ● سَيَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ.................الخ کے ربط کے لئے سیاقِ کلام پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ:۔

● تحریکِ ربوبیّت کے اوّلین مُنکر ومخالف یہودی تھے۔جنہیں کہا گیا: ● وَلَاتَکُوۡنُوۡا اَوَّلَ کَافِرٍۢ بِهٖ ۲/۴۱۔

● نیز اس انکار ومخالفت میں نصاریٰ کو بھی اِن کے ساتھ شامل بتایا گیا ہے ● نَبَذَ فَرِیۡقٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ ۙۗ کِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ ۲/۱۰۱۔

● پھر آئت نمبر ۱۰۵ میں مُشرکینِ مکہ کو بھی اُن کا ہمنوا کہا گیا ہے:۔ ● مَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ وَلَا الۡمُشۡرِکِیۡنَ اَنۡ یُّنَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ ۲/۱۰۵۔

● گویا خبر دی گئی ہے کہ زمانۂ رسالت کے تین بڑے گروہ آنخضور کے مخالف تھے جو ایمان والوں کو واپس اپنے دین میں لے جانا چاہتے تھے:۔ ● وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۲/۱۰۹۔

● آئت نمبر ۱۱۵ میں کہا گیا ہے کہ جب مخالفت نا قابل برداشت ہوجائے تو اِس حقیقت کے مطابق کہ مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ کا ہے، محفوظ مقام پر ہجرت کر جایئے ● وَلِلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ ۗ فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ ۲/۱۱۵۔

● آئت نمبر ۱۲۰ میں صاف کہہ دیا گیا ہے۔کہ اے رسول سلامٌ علیہ! یہود ونصاریٰ اُس وقت تک راضی نہیں ہوں گے، جب تک کہ آپ اُن کے دین کی اتباع نہ کریں:۔ ● وَلَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ۲/۱۲۰۔

● اور آئت نمبر ۱۳۷ میں فَاِنَّمَا هُمۡ فِیۡ شِقَاقٍ کے الفاظ کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔کہ مخالفینِ ربوبیّت انتہائی شقاوت میں ہیں۔اِن کے اندر آپ کی مخالفت کا لاوا پک رہا ہے۔

● ایسا وقت، وہ وقت ہوتا ہے جب ہجرت کر جانا لازم ہوجاتا ہے۔چنانچہ جب ۸/۳۰ کے مطابق آنخضور کے لئے عمر قید، قتل اور جلاوطنی کے منصوبے تیار ہوگئے۔اور مومنوں کیلئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، تو آنخضور اور صحابہؓ بیت الحرام مکّہ معظّمہ کے دائمی مرکز سے، مدینہ منوّرہ کے عارضی مرکز کی طرف ہجرت فرما گئے، چنانچہ جیسے کہ آپ دیکھیں گے کہ اِس عنوان کی ایک ایک آئت ہجرت کی تائید کرتی ہے، آئتِ مجیدہ سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ ہجرت ہی سے متعلق ہے۔لیکن روایات نے اِس کے ساتھ، تحویلِ قبلہ کا ایک ایسا قصہ چسپاں کر رکھا ہے، جس سے ناموسِ رسالت بُری طرح داغدار ہوتی ہے۔چنانچہ تقریباً تمام مفسّرین نے اِس آئت کو مسئلۂ تحویلِ قبلہ کا موضوع قرار دیا ہے۔بخاری شریف کتاب الایمان میں آیا ہے:۔

''حضرتِ براء سے روائت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے۔اور سب سے پہلے میرے ننھال جو انصار

تھے، کے پاس اُترے۔ وہاں آ کر آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی مگر آپ کو یہ بات پسند تھی۔ کہ آپ کا قبلہ بیت الحرام ہو۔ چُنانچہ ایسا ہوگیا۔ تو آپ نے کچھ لوگوں سمیت سب سے پہلے نمازِ عصر قبلہ رُخ پڑھی''۔...... تفسیر نعیمی پارہ دوم کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے:۔

''معراج کے بعد جب تک کہ (آنحضور کا) مکّہ مکرّمہ میں قیام رہا۔ بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز ہوتی رہی، مگر کعبہ معظّمہ کو سامنے لے کر، یعنی (آپ) بیت المقدس کی طرف اِس طرح منہ کرتے کہ کعبہ معظّمہ بھی سامنے آ جاتا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر، چونکہ اِس طرح دو قبلوں کا اجتماع ناممکن تھا۔ لہٰذا بیت المقدس کی طرف نماز ہوتی رہی۔ مگر حضور کو شوق یہ تھا کہ کعبہ ہمارا قبلہ ہو۔ چنانچہ ہجرت سے ایک سال ساڑھے پانچ ماہ کے بعد...... آپ نمازِ ظہر پڑھا رہے تھے۔ دو رکعتیں بیت المقدّس کی طرف ہو چکی تھیں کہ عین نماز کی حالت میں جبریل علیہ السلام یہ آئت لائے **قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ** ......الخ، فوراً آپ معہ صحابہ کرام جانب کعبہ پھر گئے''...... المختصر اس روایتی قصے پر غور فرمائیں، کہ آنحضور سلامٌ علیہ اپنی پُوری مکّی زندگی اور سترہ ماہ تک مدنی زندگی میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن خواہش یہ تھی کہ آپ کا قبلہ بیت الحرام ہو۔ اسی طرح روائتی تفاسیر نے آئتِ مجیدہ **سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ** کے متعلق یہ تصوّر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش کو شرفِ قبولیّت بخشنے سے پہلے مطلع کر دیا کہ قبلہ کی تبدیلی کے بعد بیوقوف لوگ مسلمانوں کو طعنے دیں گے، کہ اُنہیں اُس قبلے سے، جس پر یہ تھے، کس نے پھیر دیا ہے۔ لیکن سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ کیا آنحضور سلامٌ علیہ کا بیت المقدس کو قبلہ تسلیم کرنا ممکن بھی ہے یا نہیں؟

## دعوتِ غور و فکر

کہا جاتا ہے کہ بیت المقدس یہود و نصارٰی کا قبلہ تھا۔ جس کی طرف حضور کئی سال نماز ادا کرتے رہے۔ یہ تو ہم آگے چل کر ثابت کریں گے، کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ عالمی قبلہ تھا، یا یہود و نصارٰی کا خود تراشا ہُوا قومی مرکز تھا۔ یہاں یہ امر زیرِ غور ہے کہ رسولِ عربی سلامٌ علیہ نے بلا حکم خداوندی یہود و نصارٰی کے قبلہ کو اپنا قبلہ متعیّن کِس طرح کر لیا، جبکہ آپ کا اقرار ذیل قرآنِ کریم میں تکرار کے ساتھ قیامت تک کے لئے موجود و محفوظ ہے:۔

**اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤى اِلَیَّ** ۶/۵۰، ۱۰/۱۵ = یہ ایک یقینی امر ہے کہ میں اُسی چیز کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے...... آنحضور کے اِس دعوے کے مطابق ہمارا فرض ہے کہ وحی الٰہی قرآنِ کریم کو ایک ایک لفظ کر کے دیکھیں، پُوری چھان بین کریں، کہ کیا کسی آئتِ مجیدہ میں آنحضور کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ فی الحال بیت المقدس کو قبلہ بنالیں۔ پھر اسے بدل دیا جائے گا۔ یا قرآنِ کریم سے کہیں اتنا بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیت المقدس کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی نبی کا قبلہ قرار

دیا گیا ہو؟۔ یاد رہے کہ یہ دونوں چیزیں قرآنِ کریم میں بائے بِسۡمِ اللّٰہ سے سین والنّاس تک کہیں بھی نہیں ملتی۔ پس آنخضور کے اعلانِ مبارک ۶/۵۰ اور ۱/۱۵ کے مطابق ثابت ہُوا کہ آپ نے کبھی بھی بیت المقدس کی طرف نماز نہیں پڑھی تھی۔ اور تحویلِ قبلہ کے پُورے کے پُورے قصّے کو حقیقت کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں۔

بنا بریں، لامحالہ ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ عالمی مرکز کی بغاوت کر کے بیت المقدس کو اپنا الگ قومی مرکز خود بنا لیا ہُوا ہے۔ اور یہ امر کبھی بھی ممکن نہیں کہ آنخضور سلامٌ علیہ نے یہودیوں کے خود ساختہ قبلہ کو ایک دِن کے لئے بھی اپنا قبلہ قرار دے لیا ہو۔

## اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قبلہ صرف اور صرف بَیت الحرام ہے

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۚ ۳/۹۶ = بلاشُبہ پہلا گھر جو لوگوں کیلئے مقرر کیا گیا وہ مکّہ میں ہے۔ بابرکت اور ساری دُنیا کے لئے ہدائت ہے۔ اِس آئتِ مقدّسہ سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم سلامٌ علیہ سے آنخضور سلامٌ علیہ تک صرف اور صرف ایک ہی مرکز مقرر کیا گیا ہے جو مکہ معظّمہ میں ہے۔

## اِس مرکزِ قبلے کو توڑا کِس نے؟

قرآنِ کریم کے اِن دلائل قاطعہ کے خلاف، جیسے کہ تفسیر نعیمی پارہ دوم کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے کہ حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ اب اگر ایک سیکنڈ کے لئے اِسے صحیح مان بھی لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بیت الحرام کو اوّلین مرکز مقرر کرنے والے نے قرآن بھر میں اِس کے بدلنے کی خبر نہیں دی ۔ تو معاذ اللہ حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ نے اِس بغاوت کی جسارت فرمائی تھی؟...... پھر یہ چیز بھی غور طلب ہے کہ بیت المقدس کے متعلق تو بتایا جاتا ہے کہ اِس کی تعمیر، حضرتِ سلیمان سلامٌ علیہ نے حضرتِ موسیٰ کی وفات سے برسوں بعد فرمائی تھی تو بیت المقدس عالمِ وجود میں آنے سے پہلے ہی حضرتِ موسیٰ کا قبلہ کِس طرح مقرر ہو گیا۔ جب اِن تمام سوالوں کا جواب نفی ہی میں ملتا ہے تو ثابت ہوا کہ نہ حضرتِ موسیٰ نے ملّتِ ابراہیم کے خلاف بیتُ الحرام کی مرکزیت کو توڑا تھا۔ اور نہ اُن کی زندگی میں بیت المقدس یہودیوں کا قبلہ مقرر ہُوا تھا۔ اور نہ نبیِ اکرم نے ایک دِن کے لئے بھی اُس کی طرف نماز پڑھی تھی۔

## لفظِ قبلہ کی لغوی تحقیق

لفظ قبلہ سہ حرفی مادہ ق۔ ب۔ ل = قبل ہے...... اس کا بنیادی معنٰی ہے آمنے سامنے ہونا۔ جیسے کہ وَاجۡعَلُوۡا بُیُوۡتَکُمۡ قِبۡلَۃً ۱۰/۸۷ کا معنٰی ہے، اپنے گھروں کو آمنے سامنے بناؤ۔ ۱۵/۴۷ میں

ہے کہ متقی جنت میں بھائیوں کی طرح آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہونگے۔ اِخوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ. پس قبلہ کا معنٰی ہے وہ چیز، جو ہر وقت سامنے رہے۔ اِس طرح بیت الحرام چونکہ ہر آن سامنے رکھنے کی چیز ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ اِسے ہر آن ذہنی اور عملی طور پر سامنے رکھنا مقصود ہے۔ نیز چونکہ اِسے مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ۲/۱۱۵ ،مَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۳/۹۷ اور قِيَـامًا لِّلنَّاسِ ۵/۹۷ کے مطابق عالمی مرکزیّت کا شرفِ عظیم حاصل ہے۔ اِس لئے بیت الحرام اہلِ اسلام کے ہر فرد کا مطمعِ نظر، اور نصب العین ہے، اور عملی طور پر ہر وقت اپنے سامنے رکھنے کی چیز ہے، بس یہی ہے قبلہ کا صحیح مفہوم۔ نیز چونکہ صلوٰۃِ مؤقّت کی ادائیگی کے لئے اجتماعیّت کے پیشِ نظر، ایک جہت کا تعیّن لازم ہے۔ اِس لئے صلوٰۃ اسی کی طرف مُنہ کر کے ادا کی جاتی ہے۔

## قبلہ کا اصل مقام

قبلہ کا اصل مقام صِرف جہتِ صلوٰۃ نہیں، بلکہ اہلِ اسلام کا مرکز اور پوری نوعِ انسانی کے لئے امنِ عالم کا ضامن ہونا ہے۔ چونکہ حضور سلامٌ علیہ کی مکّی زندگی میں' بیت الحرام میں مشرکین کا زور تھا۔ وہ اِس کے اندر تالیاں سیٹیاں بجا بجا کر صلوٰۃ ادا کیا کرتے تھے ۸/۳۵۔ اِس کی تولیّت انہی کے پاس تھی۔ اس لئے بیت الحرام میں مرکزی نظام قائم نہ ہوسکا۔ بلکہ مخالفت اِس حد تک شِدّت اختیار کرگئی کہ ۸/۳۰ کے مطابق آنحضور کے لئے قید، قتل اور جلاوطنی کے منصوبے تیار ہوگئے تو ۲/۱۱۵ کے حکم کے مطابق، آنحضور سلامٌ علیہ مع صحابہؓ ہجرت فرما گئے۔ اِس پر خبر دی گئی ہے کہ مخالف بیوقوف نہیں جانتے کہ مسلمان خواہ کہیں بھی ہوں، اِن کا مرکز بیت الحرام ہی ہے۔ نیز وُہ اِسے ضرور ضرور حاصل کرنے والے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کس چیز نے اِن کے قبلہ بیت الحرام سے پھیر دیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ نبی اکرم سلامٌ علیہ نے نماز کا رُخ بدل دیا تھا۔ بلکہ جیسے کہ آیتِ مجیدہ کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے، کہ بیوقوفوں کے طنز کے جواب میں حکم ہُوا ہے، اے رسول سلامٌ علیہ! آپ کہہ دیجئے گا کہ مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہ جدھر کو چاہے ہماری رہنمائی فرمائے۔ اِس سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے کہ مخالفوں کا طنز و طعن حضور سلامٌ علیہ کی نقل مکانی پر تھا، نماز کی جہت پر نہیں تھا۔ جہتِ صلوٰۃ تو نہ کبھی بدلی ہی تھی۔ اور نہ اس پر مخالفین کوئی پابندی لگا ہی سکتے تھے کہ اِس طرف نماز نہ پڑھو۔ اور اِسی نقل مکانی کے بعد آنحضور بیت الحرام کی واپسی کے لئے سر اُٹھا کر خاموش دُعائیں فرمایا کرتے تھے۔ ربطِ آیاتِ مقدسات میں دیکھئے، کس طرح آنحضور سلامٌ علیہ کی، فتح مکہ کی تمنّا اور بے قراری کا تذکرہ واضح کر رہا ہے۔ کہ یہ آیاتِ کریمات تحویلِ قبلہ سے نہیں، بلکہ ہجرت سے متعلق ہیں:۔

| | |
|---|---|
| سَيَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ | بیوقوف (لوگ جو نہیں جانتے کہ بیت الحرام کی |
| شتاب ہے کہ کہیں گے بیوقوف لوگوں میں سے | مرکزیّت دائمی ہے، آپ کی ہجرت پر) بلاشبہ یہ کہتے ہیں[1] |

مَا وَلّٰهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِیۡ کَانُوۡا عَلَیۡهَا ؕ
کس چیز نے پھیر دیا ان کو قبلے ان کے سے جو تھے وہ اوپر اُس کے
قُلۡ لِّلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ ؕ یَهۡدِیۡ
کہہ واسطے اللہ کے ہے مشرق اور مغرب راہ دکھاتا ہے
مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۱۴۲۵
جس کو چاہتا ہے طرف راہ سیدھی کے۔

کہ مسلمانوں کو اس قبلہ مکّہ معظّمہ سے، جہاں یہ تھے، (دوسرے مرکز مدینہ کی طرف) کس نے موڑ دیا ہے۔ اے رسول سلامٌ علیہ! کہہ دیجئے گا کہ مشرق و مغرب (ساری دنیا) اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جو کوئی چاہتا ہے، اُسے صراطِ مستقیم کی رہنمائی کر دیتا ہے۔

لے مضارع پر سَ داخل ہوتو، یا مستقبل قریب کا فائدہ دیتا ہے۔ اور یا حال کے معنوں میں زور پیدا کر دیتا ہے۔ اِس لئے سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ کا معنی لکھا گیا ہے بلاشبہ بے وقوف کہتے ہیں۔ دلیل کے لئے دیکھئے دیباچہ کا عنوان نمبر ۳۱/۵

## ہجرت کرنا سُنّتِ انبیاء ہے

ہجرت کیا ہے؟ قرآنِ کریم کی رُو سے ہجرت کامیابی کی کلید ہے، جیسے کہ حضراتِ موسیٰ و ہارون سلام علیہما نے فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۲۰/۴۷ کے الفاظ میں فرعون سے ہجرت کی اجازت مانگی تو وہ، فوراً ہجرت کے صحیح نتیجے پر پہنچ گیا۔ اور کابینہ سے کہا کہ یہ دونوں سیاستدان جو خُود ارضِ مصر سے نکلنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی سیاست کے ساتھ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دینے کا ارادہ رکھتے ہیں ۲۰/۶۳۔ اسی طرح سلسلۂ درس کی اگلی آئتِ مجیدہ میں آنحضور کی ہجرت مقدّسہ کے متعلق، کہا جارہا ہے کہ ہم نے، تم سے ہجرت کروا کر، دراصل تمہیں بیت الحرام کا وارث اور اِس عالمی مرکز کا متوّلی ٹھہرا دیا ہے۔ کہ تم اقوامِ عالم کے نگران بن جاؤ۔ کہ کوئی قوم، کسی قوم پر ظلم زیادتی نہ کرنے پائے۔ اور تمہارا نگران ہمارے ضابطے کے ساتھ ہمارا رسول ہو۔ نہ تم خود اس کی حدّوں سے نکلو اور نہ کسی کو اس کی حدّیں پھاندنے دو:۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا
اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو اُمت بیچ کی
لِّتَکُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوۡنَ
یعنے بہتر تو کہ ہو تم گواہ اُوپر لوگوں کے اور ہووے
الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَهِیۡدًا ؕ وَمَا جَعَلۡنَا
پیغمبر اوپر تمہارے گواہ اور نہیں کیا تھا ہم نے

اور اسی طرح ہم نے صراطِ مستقیم (ہجرت) کی رہنمائی کر کے تمہیں وسطی، یعنی بین الاقوامی، مرکزی اُمت قرار دیا ہے، تا کہ تم امامتِ اُمم کے منصبِ جلیلہ کے مطابق، لوگوں کے نگران بن جاؤ (اقوامِ عالم کا کنٹرول تمہارے ہاتھ میں ہو۔ کوئی قوم کسی قوم پر ظلم نہ کرنے پائے) اور تمہارا نگران ہمارا رسول سلامٌ علیہ ہو، (جس پر وہ ضابطہ نازل کیا

الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ
قبلہ جو تھا تو اوپر اُس کے مگر تو کہ جانیں ہم اُس شخص کو کہ
يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى
پیروی کرتا ہے رسول کی اس شخص سے جو پھر جاتا ہے اوپر
عَقِبَيْهِ ط وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى
دونوں ایڑیوں اپنی کے اور یہ ہے البتہ بڑی بات مگر اوپر
الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ
ان لوگوں کے کہ راہ دکھائی اللہ نے اور نہیں ہے اللہ
لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
کہ ضائع کرے ایمان تمہارا تحقیق اللہ ساتھ لوگوں کے
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۱۴۳
البتہ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

گیا ہے، جو پُوری نوعِ انسانی کا قیامت تک کیلئے نگران ہے) اور اے رسول سلامٌ علیہ! ہم نے اِس عارضی مرکز کو جس پر آپ اب ہیں۔ اِسلئے مقرر کیا ہے، کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ (ایمان کے دعویداروں میں سے) کون گھر بار چھوڑ کر، ہمارے رسول سلامٌ علیہ کی پیروی (میں ہجرت) کرتا ہے۔ اور کون (مال اور جائیدادوں کی محبّت میں اُلجھ کر) باطل دین کی طرف پھر جاتا ہے...... بیشک (سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کرنا)[۲] بہت بڑی بات ہے۔ مگر اُن کیلئے کچھ بھی نہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدائت پر پایا ہے۔ اور (ایمان والو! مدینہ منوّرہ کا عارضی مرکز، مکّہ معظّمہ کے دائمی مرکز سے ہٹانے کیلئے نہیں بنایا گیا) کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے جو تمہارے ایمان ضائع کر دے۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر بخشش کرنیوالا مہربان ہے۔

● دیکھا آپ نے! دائمی مرکز بیت الحرام کی مرکزیّت کو ذہنی طور پر چھوڑ دینے کو کس طرح ضیاعِ ایمان کا موجب ٹھہرایا گیا ہے؟

**ضروری نوٹ** آیتِ بالا میں وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط، جملہ معترضہ ہے۔ جس میں ہجرت کے نتیجے کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر چہ بظاہر تم بیت الحرام سے نکل آئے ہو۔ لیکن دراصل نتیجہ یہ ہوگا کہ مخالفین کو اس مرکز سے نکلنا پڑے گا۔ اور اسکی تولیّت تمہیں میسّر آئے گی۔ اِس طرح جملۂ معترضہ کو الگ کر کے تقدیر کلام یہ ہے:۔ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ط قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝...... وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ ...... الخ بیوقوف لوگ بلاشُبہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اُس قبلہ مکّہ معظّمہ سے، جہاں یہ تھے، کس نے ہٹا دیا ہے، اے رسول سلامٌ علیہ کہہ دیجئے گا کہ مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جو چاہتا ہے اللہ اسکی رہنمائی کرتا ہے...... اور اِس عارضی مرکز کو جس پر آپ اب ہیں، ہم نے اِسلئے مقرّر کیا ہے کہ ہم ظاہر کر دیں،

کون ( گھر بار چھوڑ کر ) رسول سلامٌ علیہ کی پیروی کرتا ہے اور کون مال کی محبت میں پھنس کر باطل مذہب کی طرف لَوٹ جاتا ہے۔

**وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً** اِس جُملہ میں لَکَبِیْرَۃً چونکہ منصوب ہے اِس لئے کَانَتْ کی خبر ہے۔ کَانَتْ فعل ناقص، اپنے اسم ضمیر ھِیَ مُستتر اور اپنی خبر سے مِل کر، جُملہ اسمیہ ہوکر اِنْ کی خبر ہے۔ اور محلاً مرفوع ہے لام مفتوح اِنْ مخففہ کی وجہ سے داخل ہوئی ہے۔ اِنْ مخففہ کا اسم منصوب اَلْھِجْرَۃَ محذوف ہے۔ اور تقدیر کلام ہے:۔ "اِنَّ الْھِجْرَۃَ كَانَتْ (ھِیَ) لَكَبِيْرَةً"

● اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ کو سامنے لانے سے پہلے، پھر سمجھ لیجئے گا، کہ آئتِ مجیدہ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ تحویل قبلہ سے متعلق نہیں، بلکہ ہجرت سے متعلق ہے۔ چُنانچہ اگلی آئت میں اِسی نظریئے کی تائید ہو رہی ہے۔ کہ آنحضور سلامٌ علیہ نے مخالفینِ ربوبیّت سے تنگ آ کر ہجرت تو فرمائی۔ لیکن خیال ہر وقت اُسی طرف لگا رہتا تھا۔ کہ کب مکّہ فتح ہو، اور دائمی مرکز کی تولیّت کفّار سے نکل کر مسلمانوں کی طرف منتقل ہو:۔

**قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى**
تحقیق دیکھتے ہیں ہم پھرنا مُنہ تیرے کا بیچ
**السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۖ**
آسمان کے پس البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو اس قبلہ کی طرف کہ پسند کرے تو اُسکو
**فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ**
پس پھیر منہ اپنے کو طرف مسجد
**الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا**
حرام کے اور جہاں کہیں کہ ہو تم پس پھیر لو
**وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا**
منہ اپنے کو طرف اُس کے اور تحقیق وہ لوگ کہ دیئے گئے ہیں
**الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ**
کتاب البتہ جانتے ہیں یہ کہ وہ حق ہے پرودگار اُن کے سے
**وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۴۴**
اور نہیں اللہ بے خبر اس چیز سے کہ کرتے ہیں وہ۔

ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار اُٹھنا دیکھتے ہیں۔ پس ہم ضرور ضرور اُس مرکز قبلہ کی تولیّت آپ کو عطا فرمائیں گے۔ جس پر آپ ہمارے حکم ۲/۱۲۵ کے مطابق راضی ہو چکے ہیں۔ پس آپ اپنی توجہ مسجدِ حرام کی بازیابی کی طرف پھیرلیں۔ اور ایمان والو! تم بھی جہاں کہیں ہو اپنی توجہ مسجدِ حرام کی بازیابی کی طرف پھیر لو۔ اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ بیت الحرام ہی اُن کے رب کی طرف سے (مقرر کردہ) سچا دائمی مرکز ہے۔ (جسے کبھی کسی زمانے میں بھی نہیں بدلا گیا ۳/۹۶) لیکن (اس کے خلاف) جو وُہ عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے بے خبر نہیں ہے۔

## سب نے الگ الگ قومی قبلے قومی مرکز بنالئے ہوئے ہیں

اِس سے اگلی آئت میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصارٰی وغیرہ سب نے عالمی مرکز کے خلاف اپنے الگ قومی مرکز بنالئے ہوئے ہیں۔ نہ وہ آپ کے مرکز کی اتبّاع کرنے والے ہیں۔اور نہ آپ اُن کے مرکز کی اتبّاع کرنے والے ہیں۔ نیز وہ آپس میں ایک دوسرے کے مرکزوں کی اتبّاع کرنے والے بھی نہیں:۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اور اگر لاوے تو اُن لوگوں کو کہ دیئے گئے ہیں کتاب
بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ
ساتھ ساری نشانیوں کے نہیں پیروی کریں گے قبلہ تیرے کی اور نہیں تُو
بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ
پیروی کرنے والا قبلے اُنکے کی اور نہیں بعض اُنکے پیروی کرنے والے قبلہ
بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ
بعضے کی اور اگر پیروی کرے گا تُو خواہشوں اُن کے کی
بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا
پیچھے اس چیز کے کہ آئی تیرے پاس علم سے تحقیق تو اس وقت
لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ۱۴۵
ظالموں سے ہے

اے رسول سلامٌ علیہ! اگر آپ اپنے قبلہ (بیت الحرام کی دائمی عالمی مرکزیّت کے) تمام نشان بھی اِن پر واضح کردیں۔ تو پھر بھی یہ آپ کے عالمی قبلہ کی پَیروی نہیں کریں گے۔اور نہ آپ ہی کبھی بھی اُن کے (کسی) قومی قبلہ کی اتبّاع کرنے والے ہیں۔ بلکہ وہ تو خود ایک دوسرے کے قبلوں (قومی مرکزوں) کی اتبّاع کرنے والے بھی نہیں، اور اگر آپ نے (قرآنِ حکیم کا یقینی) علم آچکنے کے بعد، اُن کی خواہشات کی پَیروی کی (یعنی عالمی مرکز کی بجائے آپ نے بھی کوئی قومی مرکز بنالیا) تو بلاشُبہ آپ بھی اُس وقت بے ٹھکانہ کام کرنے والوں میں سے ہوجائیں گے۔

## پھر غور فرمائیں کہ یہاں کسی ایک قبلہ کا ذکر نہیں، بلکہ بہت سے الگ الگ قبلوں کا ذکر ہے

دیکھیئے! اِس آئتِ مجیدہ میں یہود و نصارٰی، بلکہ اور بھی بہت سی قوموں کے الگ الگ قبلوں کی خبر دی گئی ہے۔ جس سے بالصراحت ثابت ہوتا ہے۔کہ یہاں سب کے الگ الگ قبلوں، قومی مرکزوں کا ذکر ہورہا ہے۔ نماز کی الگ الگ سمتوں کے متعلق نہیں بتایا جارہا۔اور مذکورہ بالا پُورا مضمون، آنحضور کے عارضی مرکز کے قیام اور دائمی عالمی مرکز کی وضاحت اور بازیابی کی خوشخبری سے متعلق ہے۔ ورنہ کیا کوئی بتاسکتا ہے کہ اگر بقول بعضے، یہاں نماز کی جہت کا ذکر ہے تو نماز کی جہت کے لئے اہلِ کتاب نے بیت المقدس کے ساتھ اور کون کون سے اور کتنے قبلے بنار کھے ہیں؟ اور اس طرح جب حقیقت یہ ہے، کہ آیاتِ مقدسات ہجرت کے متعلق ہیں، تحویلِ قبلہ سے نہیں، تو دوپہر

کے سورج کی طرح ثابت ہُوا کہ آنحضور سلامٌ علیہ نے کبھی بھی بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے کوئی ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ اور تحویلِ قبلہ کے روائتی قصّے کا قرآنِ کریم کے ساتھ کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہیں۔ لہٰذا آنحضور نے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰاهِیْمَ مُصَلًّی ۲/۱۲۵ کے حکم کے مطابق شروع ہی سے بیت الحرام کو جہتِ صلوٰۃ قرار دیا تھا، اور بس۔

## اہلِ کتاب اِس قبلہ کو خوب پہچانتے ہیں

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں، قبلہ بیت الحرام کے متعلق فیصلہ دیدیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا قبلہ بھی، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عالمی مرکز کے طور پر مقرر کیا گیا تھا، یہی تھا۔ وُہ اِس قبلہ کو اِس طرح پہچانتے ہیں، جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ
جو لوگ کہ دی ہم نے ان کو کتاب پہچانتے ہیں اُس کو
كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ
جیسا کہ پہچانتے ہیں بیٹوں اپنوں کو اور تحقیق
فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ
ایک فرقہ اُن میں سے البتہ چھپاتے ہیں حق کو اور وہ
یَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۴۶
جانتے ہیں۔

وہ لوگ جنہیں (قرآن سے پہلے) الکتاب دی گئی تھی، وہ اِس قرآنِ کریم کو (اور اِس رسول سلامٌ علیہ کو) اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں ۶/۲۰، لیکن اُن میں ایک گروہ (علماءِ سُو کا) ہے۔ جو حقیقت کو چھپاتے ہیں۔ اور (نادانی کی وجہ سے نہیں چھپاتے، بلکہ) وہ جانتے ہیں۔ (کہ قرآنِ کریم اور آنحضور سلامٌ علیہ کی تشریف آوری کی خبر، توراۃ اور انجیل جملہ کتب سماوی میں موجود ہے)

- سورہ اعراف میں ہے یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۷/۱۵۷ = اہلِ کتاب اِس رسول سلامٌ علیہ کو اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہُوا پاتے ہیں...... نیز سُورہ فتح میں آنحضور سلامٌ علیہ معہ صحابہ کرامؓ کے متعلق درج ہے:۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ قف ۴۸/۲۹ = محمد سلامٌ علیہ اور آپ کے صحابہؓ کا تذکرہ توراۃ میں بھی درج ہے اور انجیل میں بھی درج ہے۔ نیز آئتِ صدر کا تکرار بعینہٖ نقل مطابق اصل ۶/۲۰ میں بھی آیا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ م ۶/۲۰.

- اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں، اِس مشاہداتی حقیقت کے مطابق کہ منکرین و مخالفین کے جھٹلانے اور شک کرنے سے ذہن پر جو اثر ہوتا ہے۔ اُس کے پیشِ نظر آنحضور سلامٌ علیہ کو کہا جا رہا ہے:۔

اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ
حق ہے پروردگار تیرے کی طرف سے پس مت ہو
الۡمُمۡتَرِیۡنَ ؏ ۱۴۷ ع ۱
شک لانے والوں سے۔

اے رسول سلامٌ علیہ! حق قرآنِ کریم، حقیقتاً آپ کے رب کی طرف سے (نازل ہُوا) ہے۔ (مخالفوں کے جھٹلانے اور شور مچانے پر) آپ کہیں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

## ہر گروہ نے ایک سمت مقرر کر رکھی ہے

سیاقِ کلام کے مطابق، کہ اُوپر یہود و نصاریٰ اور دیگر جملہ فرقوں کے الگ الگ قومی مرکزوں قبلوں کا ذکر آچکا ہے۔ اگلی آئت میں تکرار تاکیدی کے طور پر کہا جارہا ہے کہ ہر گروہ کے لئے ایک مرکز ہے۔ اور ہر گروہ اپنے اپنے ہی قبلے کی طرف مڑنے والا ہے۔ لیکن اُن کے الگ الگ مراکز چونکہ قومی مرکز ہیں۔ اس لئے اُن میں انسانی بھلائی مفقود ہے۔ اِس کے برعکس، عالمی مرکز کا تصوّر چونکہ نوعِ انسانی کی بھلائی کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اِس لئے ایمان والوں کو حکم ہُوا ہے کہ تُم بھلائی میں آگے بڑھتے چلے جاؤ:۔

وَلِکُلٍّ وِّجۡهَةٌ هُوَ مُوَلِّيۡهَا
اور واسطے ہر کسی کے ایک طرف ہے وہ منہ پھیرتا ہے اُدھر
فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا
پس دوڑو بھلائیوں کو جہاں کہیں کہ ہو تم
يَاۡتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
لے آئے گا تم کو اللہ سب کو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اُوپر
كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۱۴۸
ہر چیز کے قادر ہے۔

اور ایمان والو! (سُن لو کہ) ہر قوم کی ایک الگ سمت ہے، جس کی طرف وہ مُڑنے والی ہے۔ تم بھلائیوں میں سبقت لے جاؤ۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اکٹھا کرکے (عالمی مرکز پر) لے آئے گا۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے، پیمانے اور قانون مقرر کرنے والا ہے۔ (وہ ہر کام اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی کرتا ہے)۔

● آنحضور سلامٌ علیہ معہ صحابہؓ، فتح مکّہ کے لئے بیتاب تھے۔ لیکن باوجود اِس کے کہ آئت نمبر ۱۴۴ میں آنحضور سلامٌ علیہ کو خوشخبری دیدی گئی ہے، فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا ، کہ ہم ضرور ضرور آپ کو بیت الحرام کی تولیّت عطا فرمائیں گے، جس پر آپ ہمارے حکم ۲/۱۴۵ کے مطابق راضی ہو چکے ہیں۔ لیکن اِس آئت نمبر ۱۴۸ کے آخری الفاظ میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ اگر کسی معجزاتی طریقے سے فتح چاہو، تو ہرگز نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم نے جو قانون مقرّر کر رکھے ہیں، ہم اُن کی مخالفت ہرگز نہیں کرتے۔ جُملہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ کے مفہوم میں، کیا کچھ پوشیدہ ہے؟۔ ابھی جنگ بدر اور اُحد میں اُن سے نبرد آزما ہونا ہے۔ جب تک دشمنوں کی طاقت ختم نہ ہوگی، کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ سیدھے ہاتھوں بیت الحرام کی چابیاں

تمہارے حوالے کر دیں گے؟

## ہر جہت سے مسجدِ حرام کی بازیابی پر نگاہ رکھو

اِس سے اگلی آیات کریمات میں آنحضور سلامٌ علیہ اور صحابہ کرام ؓ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ (بیت الحرام کے متعلق نماز کی جہت کے علاوہ اِس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ) آپ جہاں سے بھی نکلیں یعنی آپ جو بھی قدم اُٹھائیں، اپنی توجہ ہر آن مسجد حرام کی طرف رکھیں۔ جس کی ابتدائی کڑی اُسے غیروں کے قبضہ سے آزاد کرانا، اور آخری کڑی، اُسے امنِ عالم کا ضامن، عالمی مرکز قرار دینا ہے ۲/۱۲۵، ۳/۹۷، ۵/۹۷ ۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ
اور جہاں سے نکلے تُو پس پھیر لے مُنہ اپنے کو
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ
طرف مسجد حرام کے اور تحقیق وہ
لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
البتہ حق ہے پروردگار تیرے کی طرف سے اور نہیں اللہ غافل
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۴۹
اس چیز سے کہ کرتے ہو تم۔

اے رسول سلامٌ علیہ! آپ جو بھی قدم اُٹھائیں، اپنی توجہ مسجدِ حرام (سے متعلقہ مسائل) کی طرف پھیر لیا کریں۔ اور بلاشبہ وہ عالمی مرکز آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور ایمان والو! تم جو بھی کام کرتے ہو اللہ اُس سے غافل نہیں۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ
اور جہاں سے نکلے تُو پس پھیر منہ اپنے کو
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ
طرف مسجد حرام کے اور جہاں کہیں
مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا
ہو تم پس پھیر لو منہ اپنے کو طرف اُس کے تو کہ نہ
يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا
ہو واسطے لوگوں کے اوپر تمہارے حجت (یعنی جھگڑا) مگر
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ
جنہوں نے ظلم کیا اُن میں سے پس مت ڈرو اُن سے

اور اے رسول سلامٌ علیہ! آپ جو بھی قدم اٹھائیں[۱] اپنی توجہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں۔ اور ایمان والو! تم بھی جہاں کہیں ہو، اپنی توجہ اُسی کی طرف پھیرے رہو۔ تاکہ (تمہاری مسلسل جدّ وجہد کی بدولت) تُم پر لوگوں کا غلبہ نہ رہے (یعنی وُہ تُمہاری فوجی تیاری ۸/۶۰ کی بدولت تم سے ڈرتے رہیں) معہ اُن کے جنہوں نے اُن میں سے تُم پر ظُلم کیا۔ پس تُم اُن سے نہ ڈرو۔ میری مُخالفت سے ڈرو۔ تاکہ میں تم پر اپنی نعمت (اسلامی سلطنت جو مدینہ منورہ میں قائم ہو چکی ہے۔ مگر فتح مکّہ اور بیت الحرام کی بازیابی کے بغیر ادھوری ہے) پُوری کر دوں۔ اور تاکہ

وَاخۡشَوۡنِیۡ ق وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ

اور ڈرو مجھ سے اور تو کہ پوری کروں میں نعمت اپنی اوپر تمہارے

وَلَعَلَّکُمۡ تَھۡتَدُوۡنَ ۱۵۰

اور تو کہ تم راہ پاؤ۔

اُسی طرح تم کامیاب ہوجاؤ (یعنی تمہاری کامیابی اُسی طرح بشکلِ مشہودنمایاں ہوجائے):۔

کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ

جیسا بھیجا ہم نے بیچ تمہارے پیغمبر تم میں سے

یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیۡکُمۡ وَ

پڑھتا ہے اوپر تمہارے آئتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور

یُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَ

سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت اور

یُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ۱۵۱

سکھا تا ہے تم کو جو کچھ نہیں تھے تم جانتے ۔

جس طرح کہ ہم نے تمہارے درمیان تمہیں میں سے اپنا رسول سلامٌ علیہ (بصُورتِ موجود) بھیجاہے۔ جوتم پر ہماری آئتیں پڑھتاہے اور تمہیں معاشی بدحالی سے پاک کرتا ہے (۹/۱۰۳) اور تمہیں پُرحکمت کتاب کی تعلیم دیتاہے۔ یعنی تمہیں وُہ کچھ سکھاتا ہے جوتم جانتے نہیں تھے۔

مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡھَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ

آیاتِ بالا میں ''مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ'' کے الفاظ محاورۃً استعمال ہُوئے ہیں۔ مِنۡ حَیۡثُ کی عمومیّت اور ''فَوَلِّ وَجۡھَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ'' کے مطابق اِس کا لفظی معنی یہ بنتاہے کہ ''اے رسول سلامٌ علیہ! آپ جہاں سے بھی نکلیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیرلیا کریں''۔ یعنی آپ جہاں سے بھی نکلیں، منہ بیت الحرام کی طرف ہو۔ اب سمجھنا یہ ہے کہ کیا اِس آئت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ، آپ کمرے سے نکلیں، باورچی خانے سے نکلیں، صحن سے نکلیں، غسل خانے سے نکلیں، بیت الخلا سے نکلیں، جہاں سے بھی نکلیں، آپ کا منہ بیت الحرام کی طرف پھر جانا چاہئے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ یہ تصوّر سو فیصدی نہیں بلکہ کئی سو فیصدی ناممکن العمل ہے۔ پس ظاہر ہے کہ یہاں ''مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ'' بطور محاورہ آیا ہے۔ اور اِس آئت میں حکم یہ دیا گیا ہے کہ، آپ جو بھی قدم اٹھائیں، اور آپ کے سامنے جو بھی پروگرام ہو، آپ کی غرض وغائت مرکزی نظامِ ربوبیّت کا قیام، بیت الحرام کی بازیابی اور اُس کی عالمی مرکزیّت کو بروئے کار لانا ہو۔ اور ہر قدم اِسی منزلِ مقصود کی طرف اٹھتا چلا جائے۔ اور یہی حکم حضور سلامٌ علیہ کے علاوہ صحابہ کرامؓ کو بھی دیا گیا تھا۔

## نِعمت بمعنیٰ آزاد حکومت

سیاقِ کلام کے مطابق وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ کے الفاظ میں نعمت سے مراد آزاد اسلامی مملکت ہے، جو عوام ہوں یا صحابہؓ رسول سلامٌ علیہ، خود انسانی کوششوں ہی سے قائم ہوتی ہے۔ نعمت کا معنٰی آزاد حکومت آئتِ ذیل میں پیچھے گُزر چکا ہے۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ ۲/۴۷ ۔اے بنی اسرائیل ۔میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا فرمائی ۔اور نعمت کی تعریف اِس سے اگلے الفاظ میں کردی ہے وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ = اور بے شک میں نے تمہیں آزاد حکومت عطا کر کے، ہم عصر اقوام پر فضیلت بخشی تھی۔ اِسی نعمت کی تکمیل کا یہاں مشروط وعدہ کیا جارہا ہے کہ یہ اُس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ تمہیں تمہارا مرکز، بیت الحرام واپس نہ ملے۔ اور وہ اِسی طرح مل سکتا ہے کہ رسول سلامٌ علیہ اور مومنین کی توجہ ہر لحظہ مسجدِ حرام کی بازیابی پر مرکوز ہو، چنانچہ اگلی آئتِ مجیدہ میں ارشاد ہوا ہے:۔

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ
پس یاد کرو مجھ کو یاد کروں گا میں تم کو اور شکر کرو واسطے میرے
وَلَا تَکْفُرُوْنِ ۱۵۲ ع ۱۸/۲
اور مت کُفر کرو۔

پس ایمان والو! تم مجھے (یعنی میرے نازل کردہ ضابطۂ حیات[۳] کو) یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ یعنی میرے احکام کی فرمانبرداری کرو۔ (میں اُس کا ثمر عطا کروں گا) ...... فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ کے الفاظ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ ۲/۴۰ کے لفظاً متبادل اور معناً مترادف ہیں، یعنی جس طرح بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ اُسی طرح صحابہؓ کرام کو کہا گیا ہے کہ تم میرے قانون کو یاد رکھو۔ یعنی اِس پر عمل کرو۔ مَیں تمہیں بھرپور بدلہ عطا کروں گا۔

## فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ[۳] وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ
## اللہ کی یاد، اُس کے ضابطے کی اتباع ہے

اللہ کے ذکر کا جہاں تک محض زبان سے تعلق ہے، قرآنِ کریم نے اُسے صرف اور صرف صلوٰۃِ مؤقّت (نماز) تک محدود رکھا ہے۔ جیسے کہ ۲/۲۳۹ میں ذکر کا لفظ صلوٰۃ کا متبادل آیا ہے:۔ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی کے بعد ارشاد ہوا ہے، کہ اگر تم سفر میں ہو، اور تمہیں کوئی خطرہ لاحق ہوجائے تو پیادہ پا یا سواری پر جس حالت میں تم ہو، نماز ادا کرلیا کرو۔ اور جب امن کی حالت ہو تو ارشاد ہُوا ہے:۔ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَمَا عَلَّمَکُمْ ۲/۲۳۹ پھر تم اللہ کا ذکر (صلوٰۃ ادا) کیا کرو، اُس طرح، جس طرح کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے...... اِس طرح اذکارِ صلوٰۃ کے سِوا زبانی اللہ، اللہ۔ اللہ، اللہ کے وِرد وظائف کا قرآنِ کریم

کے ساتھ مطلقاً کوئی تعلق نہیں۔آیتِ زیرِ نظر میں فَاذْكُرُونِيٓ سے ہرگز ہرگز یہ مُراد نہیں کہ تسبیح لے کر، اور ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاؤ اور اللہ، اللہ۔اللہ، اللہ کرتے رہو۔ بلکہ اگلے الفاظ میں وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ کہہ کر ذکر کی تعریف کر دی ہے۔ کہ میرا ذکر اور میری یاد یہ ہے کہ میرا شکر کرو، کفر نہ کرنا۔اب مصیبت یہ ہے کہ شکر کا معنٰی بھی زبانی زبانی شکر کرنا ہی لیا گیا ہے، کہ یہ کہہ دیا جائے حَمْدُ اللّٰهِ وَشُكْرًا لِلّٰهِ۔حالانکہ شکر کا معنٰی ہے، ایسی انتھک کوشش کرنا، کہ اُس کا بھر پور نتیجہ بصُورتِ مشہود اُبھر کر سامنے آجائے، جیسے کہ قرآنی لُغت نے خود فیصلہ دیدیا ہے، وَإِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ۱۴/۷ ۔وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب تمہارے پروردگار نے اعلان کر دیا۔کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا۔

اب بتائیے! کیا کھیت سے فصل، اللہ تعالیٰ کا زبانی زبانی شکر ادا کرنے سے مُیسّر آتی ہے، یا یہ نعمت اُس کے قوانینِ مشیّت کے مطابق ہل چلانے، بیج بونے، پانی دینے، کھادیں ڈالنے، اور کاٹنے گاہنے کے بعد عطا کی جاتی ہے؟ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت، کیا زبانی زبانی شُكْرًا لِلّٰهِ شُكْرًا لِلّٰهِ کہنے سے مُیسّر آتی ہے؟ یا اُس کے حصول سے متعلقہ قوانین پر عمل کرنے سے ہی ملتی ہے؟......فلہٰذا جب حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت اُس کے ضابطہ پر عمل کرنے ہی کا ثمر ہے۔تو یہ چیز کُھل کر عیاں ہو چکی، کہ شکر کا معنٰی، کائنات کے ہر مقام اور ہر گوشے میں قوانینِ خداوندی کی اتباع کرنا ہے، خواہ وہ اُس کے ضابطۂ طبیعات سے متعلق ہوں جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتابِ کائنات میں محفوظ کر رکھا ہے۔اور خواہ وہ اُس کی نزُولی ہدایات کا حِصّہ ہوں، جو اُس کی نازل کردہ کتابِ مقدّس قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔

## صلوٰۃ واستقامت، کامیابی کا زینہ ہے

اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے واضح کیا گیا ہے کہ نظامِ ربوبیّت (۱۴/۹۰ تا ۱۶) اور بیت الحرام کی عالمی مرکزیت ۲/۱۲۵ ، ۳/۹۷ ، ۵/۹۷ کا قیام اِس قدر مشکل گھاٹی ہے کہ، اس میں بُھوک پیاس کے علاوہ، فصلوں، پھلوں اور مالوں کا نقصان برداشت کرنے کے۔ساتھ ساتھ جانیں بھی قربان کرنا پڑتی ہیں۔اِس لئے اجتماعیّت اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔اجتماعیّت کے لئے صلوٰۃ موَقت کے اجتماعات میں بدوام حاضر رہنے اور اجتماعی فیصلوں پر صبر و استقامت کے ساتھ جانیں تک قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہُوئے مجھ ہی سے مدد مانگا کرو۔میں استقامت کرنے والوں کے ساتھ ہوں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو مدد چاہو ساتھ صبر کے
وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳
اور نماز کے تحقیق اللہ ساتھ صبر کرنے والوں کے ہے۔

ایمان والو! استقامت اور اجتماعیّت (صلوٰۃِ موقّت) کے ساتھ مدد طلب کیا کرو۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ مستقل مزاج رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

**نوٹ** اِس آئتِ مجیدہ میں اِسۡتَعِیۡنُوۡا بصیغہ امر وارد ہُوا ہے، جو صلوٰۃِ موقّت سے متعلق ہے۔ اور جیسے کہ اِس کی وضاحت اپنے مقام پر آ گے آ رہی ہے، صلوٰۃِ موقّت میں، صرف قرآنی دُعائیں ہی پڑھنے کا حکم ہے فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ۷۳/۲۰ اور چونکہ قرآن بھر میں، اِسۡتَعِیۡنُوۡا کے امر کی تعمیل کے لئے قرآنی الفاظ، اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ، صرف اور صرف سُورۃ فاتحہ میں آئے ہیں۔ اِس لئے اِس آئتِ مجیدہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃ موقّت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت اِسۡتَعِیۡنُوۡا کے امرِ خداوندی کے مطابق فرض ہے۔

● اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں کہا گیا ہے کہ اِس راہ پر جو افراد کام آ جائیں اُنہیں مُردے نہ کہنا، بلکہ وُہی تو قوموں کو زندہ کرنے والے ہیں:-

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ
اور مت کہو واسطے اُن لوگوں کے کہ مارے جاتے ہیں بیچ راہ
اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّلٰکِنۡ لَّا
اللہ کے کہ مُردے ہیں بلکہ زندہ ہیں اور لیکن نہیں
تَشۡعُرُوۡنَ ۝ ۱۵۴
تم سمجھتے۔

اور جو اللہ کی راہ میں (یعنی نظامِ ربوبیّت کے مخالفوں سے لڑتے ہوئے) مارے جائیں، اُنہیں مُردے نہ کہنا، بلکہ وہ (مُردہ قوموں کو) زندہ (کرنے والے) ہیں۔ ولیکن تمہیں شعور نہیں۔ (کہ قوموں کی زندگی کا راز افراد کی قربانیوں ہی میں مُضمر ہے)

**مقتولین فی سبیل اللہ کی تعریف** اِس نازک مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ۴/۷۵ کے ان الفاظ پر غور فرمائیں:- وَمَا لَکُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡیَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا ۚ = ایمان والو! تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قتال نہ کرو گے، جبکہ کچھ مرد، عورتیں اور بچّے کمزور کر دیئے گئے ہوں۔ اور وہ پکار پکار کر کہہ رہے ہوں کہ اَے ہمارے پروردگار، ہمیں اِن ظالموں کی بستی سے نکال لے...... اِس آئت کی رُو سے مستضعفین کی مدد کے لئے لڑنا قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اور اِس راہ میں جو مارے جائیں وہ مقتولین فی سبیل اللہ ہیں۔ اب مستضعفین کی تعریف سُورہ قصص میں ملاحظہ فرمائیں۔ فرعون کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:- جَعَلَ اَهۡلَهَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ ۲۸/۴ اُس نے عوام کے گروہ بنا رکھے تھے۔ ایک گروہ کو حقِّ ربوبیّت سے محروم کر کے کمزور کر دیا تھا، پس ثابت ہُوا کہ قرآنِ کریم کی رُو سے مستضعفین وہ ہیں، جنہیں محرومِ ربوبیّت کر کے کمزور کر دیا گیا ہو۔ لہٰذا اُن کا حقِّ ربوبیّت دلانے کے لئے، غاصبینِ ربوبیّت کے ساتھ لڑنے کو ۴/۷۵ میں قتال فی سبیل اللہ کہا گیا ہے۔ پس مقتولین فی سبیل اللہ وہ ہیں، جو غاصبین حقوقِ ربوبیّت کے ساتھ

جنگ کرتے ہوئے قتل ہو جائیں۔

سلسلۂ درس کی آئتِ بالا نمبر ۱۵۴ میں مقتولین فی سبیل اللہ کے اِس احترام کی بدولت کہ وہ قوم کو زندہ کرنے والے، اور مِلّت کا سرمایۂ افتخار ہیں، اُنہیں طبعی موت مرنے والوں کی مانند مُردے کہنے سے احتراماً روک دیا گیا ہے۔لیکن اِس آئت سے روایات نے یہ تصوّر دیا ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ، فی الحقیقت زندہ ہیں۔ جیسے کہ ۳/۱۶۹ میں اُنہی کے متعلق کہا گیا ہے:- بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۔اِس کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے، بلکہ وُہ زندہ ہیں۔ اُنہیں رزق دیا جاتا ہے۔يُرْزَقُوْنَ فعل مضارع ہے۔ جو حال اور استقبال دونوں کے لئے آتا ہے۔لیکن ۲۲/۵۸ میں اس پر لامِ تاکید اور نُونِ مشدّدہ لاکر فیصلہ کردیا گیا ہے کہ یہ مستقبل کے لئے ہے۔اور مقتولین فی سبیل اللہ کو زمانۂ حال میں رزق نہیں دیا جاتا۔ بلکہ زمانہ مستقبل میں جب وہ قیامت کو اُٹھائے جائیں گے رزق دیا جائے گا:-وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ۔اور جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں، پھر وہ قتل کئے جائیں یا مر جائیں، اُنہیں اللہ تعالیٰ اچھا رزق دے گا۔

آئتِ مجیدہ ۳/۱۶۹ ،جس میں ۲۲/۵۸ کے فیصلے کے مطابق يُرْزَقُوْنَ بصیغہ حال نہیں، بلکہ بصیغہ استقبال آیا ہے۔پُوری آئتِ مجیدہ یہ ہے:- وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ اور اِس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے= اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں اُن کے متعلق گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مُردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔وہ اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں..........رزق دیئے جاتے ہیں کے متعلق تو سطور بالا میں ۲۲/۵۸ کی رُو سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ يُرْزَقُوْنَ فعل مضارع حال نہیں۔ بلکہ استقبال کا فائدہ دیتا ہے۔کیونکہ مقتولین فی سبیل اللہ کے لئے لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ کے الفاظ میں مضارع پر لامِ تاکید اور نون مشدّدہ لاکر اسے حال کے دائرے سے خارج کردیا ہے۔ اب رہا اس تاکید کا سوال، کہ آئتِ زیرِ نظر ۱۵۴ میں مقتولین فی سبیل اللہ کے لئے کہا گیا ہے کہ اُنہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وُہ زندہ ہیں۔اور ۳/۱۶۹ میں حکم دیا گیا ہے کہ اُن کے متعلق مُردہ ہونے کا گُمان بھی نہ کرنا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ہم نے اَحْيَآءٌ صفتِ مشبّہ کو اُسی طرح اسم فاعل کے معنوں میں لیا ہے۔ زندہ کرنے والے، جس طرح انبیاء صفتِ مشبّہ کا معنیٰ بصورتِ اسم فاعل صحیح ہے خبر پانے والے ۔اب غور طلب یہ امر ہے کہ اگر اَحْيَآءٌ کا معنیٰ ''زندہ ہیں'' لیا جائے ،تو مقتولین فی سبیل اللہ اور طبعی موت مرنے والوں کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم ہو جاتی ہے کہ وُہ زندے اور یہ مُردے ہیں۔لیکن اہل روایات کے ہاں طبعی موت مرنے والوں کو بھی زندہ مانا گیا ہے۔ جیسے کہ قبرستان میں جا کر کہا جاتا ہے السَّلامُ علیکم یا اہل القبورِ۔اِس پر سوال آتا ہے کہ اس طرح پھر مقتول فی سبیل اللہ کے لئے:-

بَلْ اَحْيَآءٌ کی تخصیص کیا ہوئی؟ اگر اِس کا یہ جواب دیا جائے کہ شہید کی رُوح زندہ ہے تو پھر بھی بات نہیں بنتی، کیونکہ رُوح سب کی زندہ مانی جاتی ہے۔ اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ شہید[1] اپنی باطنی زندگی میں زندہ ہیں، تو غیر شہید جنہیں السّلام علیکم کہا جاتا ہے، وہ بھی باطنی زندگی میں زندہ ثابت ہوتے ہیں۔ شہیدوں کیلئے بَلْ اَحْيَآءٌ کی تخصیص پھر بھی قائم نہیں رہتی۔ جس کا قائم رکھنا لازم ہے تا کہ بَلْ اَحْيَآءٌ کے الفاظ کی حاکمیت ضائع نہ ہونے پائے۔ واضح رہے کہ قُرآنِ کریم کی رُو سے:-

جسم سے الگ روح کوئی چیز نہیں۔ زندگی عناصر کے اجزاءِ ترکیبی کا نتیجہ ہے، اور اُن کا بے کار ہو جانا مَوت ہے۔ نیز عنوان نمبر ۴ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآنِ کریم میں حقیقت اور مجاز دونوں انداز سے الفاظ کا استعمال موجود ہے۔ پس یہاں باندازِ مجاز کہا گیا ہے کہ مقتولین فی سبیل اللہ، خود تو قتل ہو جاتے، مرجاتے، فوت ہو جاتے ہیں۔ لیکن قوم کو زندہ کر جاتے ہیں۔ پس یہ ہے بَلْ اَحْيَآءٌ کی تخصیص، جو قیامت تک قائم رہے گی۔ اور آیتِ صدر میں مقتولین فی سبیل اللہ کو اُن کے علومرتبہ کی بدولت، کہ وہ قوموں کو زندہ کرنے والے مِلّت کا سرمایۂ صدافتخار ہیں مُردہ کہنے اور گمان کرنے سے احتراماً روک دیا گیا ہے۔

- سلسلۂ درس کی اگلی تین آیتوں میں واضح کیا گیا ہے کہ:-

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

اور البتہ آزمائیں گے ہم تم کو ساتھ ایک چیز کے ڈر سے

وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ

اور بھوک سے اور کمی مالوں سے

وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ

اور جان کے سے اور پھلوں کے سے اور خوشخبری دے

الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۱۵۵

صبر کرنے والوں کو

اور ضرور ضرور ہم تمہاری استقامت کو دشمن کے خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان کے ساتھ ظاہر کریں گے اور اے رسول سلامٌ علیہ! آپ مستقل مزاج رہنے والوں کو خوشخبری دے دیں (کہ وُہی تو کامیاب ہونے والے اور مُردہ قوموں کو زندہ کرنے والے ہیں)

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا

وہ لوگ کہ جب پہنچتی ہے اُن کو مصیبت کہتے ہیں

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ ۝ ۱۵۶

تحقیق ہم واسطے اللہ کے ہیں اور تحقیق ہم طرف اُسکے پھر جانے والے ہیں

یہ وُہ لوگ ہیں کہ جب اُن پر مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اور اسی کی طرف لَوٹ جانے والے ہیں۔ (یعنی وُہ مصائب سے گھبرا کر کوشش نہیں چھوڑ دیتے)۔

---

[1] قرآن مجید میں مقتول فی سبیل اللہ کیلئے شہید کا لفظ ہرگز نہیں آیا۔ ہم نے اس کیلئے شہید کا لفظ معروف عام کے طور پر عوام کی آسانی کیلئے استعمال کیا ہے۔

اُولٰٓئِکَ عَلَیۡھِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ

یہ لوگ اوپر اُن کے ہے درُود

رَّبِّھِمۡ وَرَحۡمَۃٌ قف وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ

پروردگار اُن کے سے اور رحمت اور یہ لوگ وُہی ہیں

الۡمُھۡتَدُوۡنَ۝۱۵۷

راہ پانے والے۔

یہی وُہ لوگ ہیں، جن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے عام رحمتیں (امن واتحاد) اور مخصوص رحمت (تمکّن فی الارض[۱] عطا کیا جاتا ہے) اور یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔

[۱] صلوٰۃ ورحمت مترادف المفہوم ہیں لہٰذا آئتِ مجیدہ کے الفاظ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَرَحۡمَۃٌ میں واوٗ خصوص بر عموم کے طور پر آئی ہے۔خوف کا امن میں بدل جانا، باہمی اتحاد اور یک جہتی وغیرہ عام رحمتیں ہیں اور آزاد حکومت کا قیام، جو کوشش ہی کے ساتھ میسّر آتا ہے، یعنی خلافتِ ارضی اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔

## صفاومروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں

سیاقِ کلام کے مطابق آئت نمبر۱۴۴ میں بیت الحرام کی واپسی کی مشروط خوشخبری دی گئی ہے۔ کہ تم جو بھی قدم اٹھاؤ، اس مہم کو نگاہوں کے سامنے رکھو۔ اِس طرح مسلسل جدّ وجہد کے ساتھ تمہیں بیت الحرام کی تولیّت عطا کی جائے گی۔ اور آیاتِ بالا میں عام قانون کے انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ مستقل مزاج رہنے والے اور مصائب کی شِدّت کے باوجود سُست گام نہ ہونے والے ہی کامیاب وکامران ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگلی آئت میں بتایا گیا ہے کہ اِسی طرح سعیِ مسلسل کے ساتھ، جب فتح وکامرانی کے بعد بیت الحرام کی عالمی مرکزیّت قائم ہوجائے تو، امنِ عالم کے اِس مرکزی مقام بیت الحرام میں سالانہ اجتماع کے دَوران اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنے جانے میں کوئی حرج نہیں:۔

اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَۃَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ج

تحقیق صفا اور مروہ نشانیوں اللہ کی سے ہیں

فَمَنۡ حَجَّ الۡبَیۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

پس جو کوئی حج کرے گھر کا یا عمرہ کرے پس نہیں گناہ اوپر

عَلَیۡہِ اَنۡ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا ط وَمَنۡ تَطَوَّعَ

اُس کے یہ کہ طواف کرے بیچ اِن دونوں کے اور جو کوئی خوشی سے

خَیۡرًا لا فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیۡمٌ۝۱۵۸

بھلائی کرے پس تحقیق اللہ قدردان ہے جاننے والا۔

بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ پھر جو شخص (سالانہ اجلاس کیلئے) بیت الحرام کی حاضری کا ارادہ کرے یا دَورانِ سال ہنگامی اجلاس میں حاضر ہو تو کوئی ہرج نہیں کہ وہ (صفا اور مروہ) دونوں میں آیا جایا کرے[۱]۔ اور جو کوئی اپنی خوشی کے ساتھ بھلائی یعنی اصلاح کے کاموں میں حِصّہ لے تو اللہ تعالیٰ قدردانی کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ (یعنی اُس کے ہاں قدر اُن کی ہے جو اُس کی رضا کے لئے بھلائی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون رضاءِ الٰہی کا طلبگار ہے اور کون نام نمود کا)۔

**اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا** طَــوَّف کا سہ حرفی مادہ = ط۔و۔ف، ہے جس کا بنیادی معنٰی ہے نگرانی کرنا حفاظت کرنا ہے، الطّائف چوکیدار کو کہتے ہیں۔ چوکیدار چونکہ رات بھر اپنے حلقۂ حفاظت میں بار بار آتا جاتا رہتا ہے۔ اِسلئے اس کے معنے آنے جانے کے ہیں۔ جیسے کہ سُورہ نور میں ملازموں کو طَوّٰفُوْن (۲۴/۵۸) آنے جانے والے کہا گیا ہے مالک کے گرد دائرہ باندھ کر چکّر لگانے والے نہیں کہا گیا۔ اِس لفظ سے بَیت الحرام کے گرد چکّر کاٹنا مُراد لینا صحیح نہیں۔ جبکہ صفا مروہ کے گرد چکّر نہیں کاٹے جاتے۔ بلکہ وہاں آیا اور جایا جاتا ہے۔

**شَعَائِرِ اللّٰهِ** شعائر کا سہ حرفی مادہ = ش۔ع۔ر = شعر ہے۔ اِس کا بُنیادی معنٰی ہے بال (۱۶/۸۰) اب بال چونکہ ایک باریک چیز ہے۔ اِس طرح باریک بینی، دانائی اور معاملہ فہمی کیلئے اِسی مادہ سے لفظ شعور مشتق ہے۔ بیوقوفوں کیلئے آیا ہے وَلٰـكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (۲/۱۲) پھر شعور کا لفظ پہچان کے لئے بھی آیا ہے۔ اور جس چیز پر کوئی نشان ہو یا جس نشان سے کوئی چیز پہچانی جائے اُسے شعیرہ کہتے ہیں۔ اور شعیرہ کی جمع ہے شعائر۔ پس صفا مروہ کو بیت الحرام کے نشان بتایا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ لوگ کئی مصنوعی مکّے اور نقلی بیت اللہ بنالیا کریں گے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے' کہ چاچڑ وانگ مدینہ دِسّے کوٹ مٹھن بیتُ اللہ۔ پس اصلی اور نقلی بیت اللہ کے امتیاز کے لئے صفا مروہ جیسی دو پہاڑیوں کو شعائرُ اللہ، اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ نشانیاں بتایا گیا ہے۔ (مادہ ش۔ع۔ر کی مزید بحث الشعراء کے ضمن میں اپنے مقام پر آ گے آئے گی۔ انشاء اللہ)۔

**حج کی غرض، ربوبیّتِ عامہ ہے، اِسے چھپانے والے محرومِ ربوبیّت اور محرومِ امامتِ اُمم رہیں گے**

سلسلۂ درس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں سیاقِ کلام کے مطابق بتایا گیا ہے کہ 'بیت اللہ کے اجتماع کی اصل غرض ربوبیّتِ عالمینی کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا ہے۔ اِسے چند رسموں کے پردوں میں چُھپا دینا، اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی موجب بیزاری ہے۔ اور اقوامِ عالم بھی اُن سے بیزار رہوں گی:۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّـذِیْـنَ یَـكْـتُـمُـوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ | بلاشُبہ جو لوگ اُن دلائل و ہدائت کو، جو ہم نے نازل فرمائی ہیں۔ (چند رسموں کے پیچھے) چھپا لیتے ہیں، پیچھے اُس کے کہ ہم نے اُنہیں اپنی کتاب میں بالوضاحت بیان کر دیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے بیزار ہے اور (اُن کی بدمعاملگی کی بدولت) بیزار ہونے والے بھی اُن سے بیزار ہونگے۔ (لعن کا معنٰی بیزاری ہے)۔ |
| تحقیق جو لوگ کہ چھپاتے ہیں جو کچھ کہ اتارا ہم نے | |
| الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ | |
| دلیلوں سے اور ہدائت سے پیچھے اُس کے کہ بیان کیا ہم نے اس کو | |
| لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ | |
| واسطے لوگوں کے کتاب میں ، یہی لوگ ہیں کہ لعنت کرتا ہے | |

اللّٰـهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ۝ ۱۵۹
اللہ اور لعنت کرتے ہیں اُن کو لعنت کرنے والے۔

● اِس کے بعد اِس بیزاری سے بچنے کا ایک ہی طریقہ بتایا گیا ہے:۔

اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا
مگر جنہوں نے توبہ کی اور نیکی کی
وَبَيَّـنُوۡا فَاُولٰٓـئِكَ اَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ ۚ
اور بیان کیا پس یہ لوگ ہیں کہ پھر آتا ہوں میں اوپر اُن کے
وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۝ ۱۶۰
اور میں ہوں پھر آنے والا مہربان۔

اللہ تعالیٰ اور اقوامِ عالم کی بیزاری سے صرف اور صرف وہ لوگ بچ سکیں گے جو اقرارِ جرم کریں، اور اپنی اِصلاح کریں (یعنی ربوبیّتِ عامہ کے درسِ اوّل ۱/۱ کو اپنا شعار بنائیں) اور (اسلام کی بنیادی تعلیم ربوبیّت کی) وضاحت کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں، کہ ہم اُنکی طرف رحمت کے ساتھ لوٹ آئیں گے۔ کیونکہ ہم لوٹ آنے والے مہربان ہیں۔

● اور اس کے برعکس مُنکرین کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ
تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے اور مر گئے اور وہ
كُفَّارٌ اُولٰٓـئِكَ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ
کافر رہے یہ لوگ اوپر اُن کے ہے لعنت خدا کی
وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ۝ۙ ۱۶۱
اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی ۔

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ
ہمیشہ رہیں گے بیچ اس کے نہیں ہلکا کیا جاوے گا اُن سے
الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ۝ ۱۶۲
عذاب اور نہ وہ ڈھیل دیئے جاویں گے۔

بلاشُبہ جو لوگ (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطے کو چھپا کر اُس کا عملاً) انکار کرتے، اور عملی انکار ہی کی حالت میں مرجاتے ہیں، اُن سے اللہ تعالیٰ بھی بیزار ہوتا ہے (یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم رہتے ہیں) اُن سے اللہ کے ملائکہ بھی بیزار ہوتے ہیں۔ (یعنی تنزیلی ضابطے کو چھپانے اور اُسکے خلاف عمل کرنے پر اُن کی ضمیریں اُن پر لعنت کرتی ہیں۔ اُن سے پُوری کی پُوری اقوامِ عالم بھی بیزار ہوتی ہیں۔ (یعنی اُنکی بدمعاملگی اقوامِ عالم میں زبان زدِ عوام ہوتی ہے) جب تک وہ اپنی حالت خود نہ بدلیں ۱۳/۱۱ اُس وقت تک وہ اِس عذاب میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ اُن سے عذاب کم نہیں کیا جاتا۔ اور نہ اُنہیں مُہلت دی جاتی ہے۔

## اللہ، ملائکہ اور النّاس کی بیزاری

اِس آیت کی تفسیر لکھنے کیلئے غرقِ ندامت ہو کر قلم اٹھایا جا رہا ہے۔ بیت الحرام کو اللہ تعالیٰ نے ۲/۱۲۵ میں مَثَابَةً لِّلنَّاسِ، ۳/۹۶ میں بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ

کہہ کر، پُوری نوعِ انسانی کے لئے اوّلین بیت الامن قرار دیا ہے ۳/۹۷ میں بھی اِسے مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا کے الفاظ میں بلاتمیز سب لوگوں کے لئے جو اِس کے نظام میں داخل ہو جائیں ضامنِ امن بتایا ہے۔ ۵/۹۷ میں بھی جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ کے الفاظ میں اِسے پُوری نوعِ انسانی کو اُن کے قدموں پر کھڑے کرنے کا ضامن ٹھہرایا ہے۔ لیکن حج کو، جو اقوامِ عالم کی سالانہ امن کانفرنس ہے چند رسموں کا مجموعہ ٹھہرا کر بیت الحرام کی مذکورہ عالمی مرکزیّت، اور اِس کی (اصل قرآنی شان کو حج کی چند رسموں کے پردوں میں چھپا دیا گیا ہے۔ اور سمجھے بیٹھے ہیں کہ حج، اور بیت الحرام سے متعلقہ مذکورہ آیاتِ کریمات ۲/۱۲۵، ۳/۹۶، ۳/۹۷، ۵/۹۷ اور ۲۲/۲۸ کا مقصد پُورا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ امنِ عالم کی ضامن قوم آج خود ہر آن دشمنوں کے خوف وہراس میں گرفتار ہے۔ ہر گری ہُوئی قوم کو قدموں پر کھڑا کرنے والے، آج خود قدموں پر کھڑا ہونے کے لئے دُوسروں کی امداد کے منتظر رہنے پر مجبور ہیں۔ جس قوم کو بیت الحرام کے ذریعہ اقوامِ عالم کی امامت کا منصبِ جلیلہ عطا کیا گیا تھا، اور جس قوم کو اقوامِ عالم کے جھگڑوں کا مُنصف، قاضی اور جج مقرر کیا تھا۔ آج وہ اپنے جھگڑے دوسری اقوام سے طے کرانے کے لئے مجبور ہے۔ کیوں؟ اِس لئے کہ اِس سے اللہ بیزار ہے۔ (ہمارے اِن الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کرنا غلط ہے کہ جن قوموں کی طرف ہمیں رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اُن پر اللہ راضی ہے، ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ اُن پر راضی ہوتا ہے، جو تسخیر کائنات کے بعد اُس کا استعمال تعمیرِ انسانیت کے لئے کریں۔ تخریبِ انسانیت کے لئے نہ کریں۔ مغربی اقوام تسخیر کائنات کی بدولت مادی نعمتوں سے سرفراز ہونے کے باوجود، انکارِ ربوبیّتِ عامہ کی بدولت خود قسم قسم کے مصائب وآلام میں گرفتار ہیں۔ اِس عنوان کی مزید وضاحت اپنے مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ!

## ملائکہ کی بیزاری

اِس آئت کی رُو سے دوسرے نمبر پر ہے ملائکہ کی بیزاری۔ ملائکہ کیا ہیں؟ یہاں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ قوتیں مراد ہیں، جو ارض وسماوات یعنی کائنات بھر میں پھیلی ہُوئی ہیں۔ ہر فرد وبشر کے اندر بھی موجود ہیں، اور باہر بھی۔ جب کوئی شخص اُس ضابطہ کے مطابق عمل بجالاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے خود بذریعہ تنزیل نازل فرمایا ہے، تو اُس پر اِس کے داخلی ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ یعنی اِس کے ذِہن میں امن واطمینان کی فراوانی ہوتی' اور کامیابی وکامرانی کے مُژدے سُنائے جا رہے ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ ۴۱/۳۰ = بے شک جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ پھر وہ اِس پر استقامت (کر کے ربوبیّتِ عامہ کے کام کرتے) ہیں۔ اُن پر (نظم وضبط، عزم واستقلال اور ذِہنی اِطمینان وسکون کے

عظیم الشان ) ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ جو (بزبانِ حال کہتے ہیں ) کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ۔ اور اُس جنّت (متوازن معاشرہ ) کی خوشخبری لو، جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے۔

اِس کے برخلاف جو لوگ ربوبیّتِ عامہ کے تنزیلی ضابطے کو چُھپاتے ۲/۱۵۹، اور انفرادی مفاد پرستی کے حامل غیر تنزیلی قوانین پر عمل کر کے عوام کے حقُوقِ ربوبیّت غصب کرتے ہیں، اُن سے مذکورہ بالا سب ملائکہ بیزار ہو جاتے ہیں۔ اِس کی صُورتِ محسُوس یہ ہے کہ اُن کے داخلی مَلک یعنی اُن کی ضمیریں اُن پر لعنت کرتی ہیں۔

## اَلنَّاس، اقوامِ عالم کی بیزاری

تیسرے نمبر پر اس آیت کی رُو سے وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ کی بیزاری کی خبر دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ جو قومیں بَین الاقوامی تجارت میں نمونہ کے مطابق مال سپلائی نہیں کرتیں۔ اقوامِ عالم اُن سے بیزار ہو جاتی ہیں۔ جن کے سپلائی کردہ مال کا وزن اُوپر لکھے ہوئے وزن سے کم ہو۔ ناپ اُن کے لکھے ہوئے ناپ کے مطابق نہ ہو، اقوامِ عالم اُن سے بیزار ہو کر تجارتی تعلقات منقطع کر لیتی ہیں۔ اِس گوشے میں بھی ہم دُوسری قوموں کی اقتدا میں، اِس مقام پر بمشکل پہنچ پائے ہیں کہ تجارت کا مال وزن میں زیادہ، ناپ میں بڑھتی اور کوالٹی میں سیمپل کے عین مطابق ہو۔ المختصر! الناس یعنی اقوامِ عالم اُن لوگوں سے بیزار ہو جاتی ہیں، جو حُسنِ معاملہ سے یا تو بے خبر ہوں، اور یا جان بُوجھ کر اعلیٰ اقدار کی پامالی کو اپنا شعار ٹھہرا لیں۔

اَلنَّاس کے لفظ میں، بیگانوں کے علاوہ اپنے بھی شامل ہیں۔ چُنانچہ معاشرہ کے داخلی اُمور میں، رشوت لئے بغیر فرضِ منصبی ادا نہ کرنا۔ اشیاءِ خُوردنی میں ملاوٹ، کم تولنا، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع طلبی، جُملہ افعال اَلنَّاس کی بیزاری کا موجب ہیں۔ رشوت دے کر کام کرانے والا، راشی سے۔ خریدار ملاوٹ کرنے والے دُکاندار سے، اور پُورا معاشرہ ذخیرہ اندوز اور منافع خور سے بیزار رہتا، اور اُس پر لعنتیں بھیجتا ہے۔ یہ ہے لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ کا مفہوم۔ اِس سے آگے، ایسے لوگوں کی ایک عجیب وغریب اعتقادی غلطی کی وضاحت کی گئی ہے۔

## وُہ اِلٰہ واحد کیساتھ اَور اِلٰہ ٹھہرا لیتے ہیں

اگلی آیاتِ کریمات میں ایسے لوگوں کی پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اِلٰہ ٹھہرا لیتے ہیں۔ اور اُن کے بتائے ہُوئے نظریات وعقائد کو قلُوب واذہان پر سوار کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اِلٰہ صرف ایک ہے، جس کی ہستی کے بیّن ثبوت کائنات بھر میں بکھرے پڑے ہیں:۔

وَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

اور معبود تمہارا معبود ایک ہے نہیں کوئی معبود مگر

حقیقت یہ ہے کہ تمہارا اِلٰہ، اِلٰہِ واحد ہے۔ اُس صاحبِ رحمتِ عامہ اور بخششِ خاصہ (۱/۱) کے سِوا کوئی اور اِلٰہ

هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ ۱۶۳ ع ۱۹ / ۳
وہ ہے بخشش کرنے والا مہربان

موجود ہی نہیں۔

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
تحقیق بیچ پیدائش آسمانوں کے اور زمین کے
وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ
اور آنے جانے رات کے اور دن کے اور کشتیوں کے جو
تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ
چلتی ہیں بیچ دریا کے ساتھ اس چیز کے کہ نفع دیتی ہے لوگوں کو اور جو کچھ کہ
اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ
اُتارا اللہ نے آسمان سے پانی پس جلایا ساتھ اُس کے
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ
زمین کو پیچھے موت اس کی کے اور بکھیرے بیچ اس کے ہر
دَآبَّةٍ ص وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ
جانور سے اور پھیرنے ہواؤں کے اور بادلوں کے
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ
جو حکم کے باندھے ہیں درمیان آسمان کے اور زمین کے البتہ نشانیاں ہیں
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ ۱۶۴
واسطے اس قوم کے کہ عقل مند ہیں۔

بلاشبہ (اللہ کی پہچان کے لئے) آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے میں، اور سمندروں میں جہازوں کے چلنے میں، کہ وہ لوگوں کو فائدہ پُہنچاتے ہیں، اور اللہ جو آسمان سے پانی برساتا ہے، اور جو زمین کے مُردہ (بے کار) ہوجانے کے بعد اُس پانی کے ساتھ اُسے زندہ کردیتا ہے، اور جو اُس نے زمین میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے ہیں۔ اور ہواؤں کے رُخ بدل بدل کر چلانے میں، اور آسمان اور زمین کے درمیان بادلوں کو انسانیّت کی خدمت کے لئے متعیّن کردینے میں عقل مندوں کے لئے، اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

(نوٹ) اِس سے اگلی آیاتِ کریمات میں، پیشوائیت کے ہر گوشۂ پیری مُریدی کے طویل تذکرے میں اِس مکتبِ فکر کی کھلی وضاحت آرہی ہے۔ سیاقِ کلام کے مطابق، کہ پیچھے یہود و نصارٰی کا ذکر موجود ہے۔ اگرچہ قلعی اُن کی کھولی گئی ہے۔ لیکن یہ آیات آج ہماری حالت پر بھی منطبق ہورہی ہیں۔ قرآنِ کریم کسی خاص زمانے کے لئے نہیں۔ یہ ہر زمانہ کی خرابیوں کو اُجاگر کرتا چلا جاتا ہے۔ خواہ وُہ کسی بھی قوم میں ہوں۔ اگلی آئت میں لفظ انداد، نِد کی جمع ہے۔ جس کا معنٰی ہے وُہ لوگ جنہیں صفاتِ الٰہی میں شریک ٹھہرالیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ
اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہے کہ پکڑتا ہے سوائے
اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ
اللہ کے شریک ۔ محبّت کرتے ہیں اُن سے جیسا محبت خدا کی
وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ
اور جو لوگ کہ ایمان لائے ہیں زیادہ ہیں محبت میں واسطے اللہ کے
وَلَوۡ يَرَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اِذۡ يَرَوۡنَ
اور کاش کہ جانیں وُہ لوگ کہ ظالم ہیں جب دیکھیں گے
الۡعَذَابَ ۙ اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ۙ وَّ اَنَّ
عذاب یہ کہ قوّت واسطے اللہ کے ہے ساری اور یہ کہ
اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعَذَابِ ۝ ۱۶۵
اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

(۲/۱۶۴) کی مذکورہ بالا صفاتِ خداوندی کی ظاہر اور واضح نشانیوں کے باوجود) لوگوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مخصوصہ میں اُسکے ساتھ اَوروں کو بھی شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ اور اُن سے اِس طرح محبّت کرتے ہیں (گویا کہ اُنہیں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر وناظر، حامی وناصر، دستگیر ومشکل کشا ٹھہرا کر، اپنے اذہان میں اُن کی بھی اُسی طرح پرستش کرتے، اور اُن سے بھی اُسی طرح محبت کرتے ہیں) جس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی جاتی ہے (یعنی اُن کے پیش کردہ نظریات وعقائد کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ عقائد ونظریات پر فوقیت دیتے ہیں) اور اُنکے برعکس، جو لوگ صحیح طور پر ایمان لاتے ہیں، وُہ اللہ تعالیٰ کی محبّت میں بہت ہی سخت ہیں۔ (وُہ صفاتِ خداوندی میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں ٹھہراتے) اور کاش کہ ظالم لوگ (یعنی صفاتِ خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنے والے) غور کریں کہ جب وُہ عذاب کو دیکھیں گے اور پھر جان لیں گے کہ پُوری کی پُوری طاقت صِرف اور صِرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ (ہم نے غیر اللہ کو غلط طور پر صاحبِ قوّت ٹھہرالیا تھا۔ اور وہ جان لیں گے کہ) بلاشُبہ اللہ تعالیٰ عذاب کرنے کی رُو سے بہت ہی سخت ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے نِدّ ٹھہرا کر، جن کیساتھ بڑی بڑی اُمّیدیں وابستہ کیجاتی ہیں، وُہ قیامت کو کسی کام نہیں آئینگے

اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے والوں، اور شریک ٹھہرائے گیوُں کی، قیامت کی باہمی بیزاری کا نقشہ کھینچا گیا ہے:۔

اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِيۡنَ اتُّبِعُوۡا مِنَ الَّذِيۡنَ
جس وقت بیزار ہو گئے وہ لوگ کہ پیشوا تھے اُن لوگوں سے کہ

خصوصاً وُہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب قیامت کے دِن وُہ لوگ جن کی اتباع کی جاتی ہے، اُن لوگوں سے بیزار

اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ
پیروی کرتے تھے اُنکی اور دیکھیں گے عذاب کو اور کٹ جاویں گے اُنکے
الْاَسْبَابُ ۝ ۱۶۶
علاقے۔

ہوجائیں گے، جو اتباع کرتے ہیں۔ اور اُس وقت وہ (دونوں گروہ) عذاب کو دیکھ لیں گے، اور (عذاب سے بچنے کے جو ذرائع اُنہوں نے قلوب واذہان میں بٹھار کھے ہیں وُہ) سب اسباب مُنقطع ہوجائیں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً
اور کہیں گے وہ لوگ کہ پیروی کرتے تھے کاش کہ ہووا سطے ہمارے
فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ط
پھر جانا طرف دُنیا کے پس بیزاری کریں ہم اُن سے جیسا کہ بیزار ہوئے وہ ہم سے
كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ
اسی طرح دکھلاوے گا اُن کو اللہ تعالیٰ عمل اُن کے
حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ط وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ
افسوس اُوپر اُن کے اور نہیں وُہ نکلنے والے
مِنَ النَّارِ ۝ ۱۶۷ ع
آگ سے۔

اور غیراللہ کی اتّباع کرنے والے کہیں گے، کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ دنیا میں لوٹ کر جانا ہو۔ تو ہم اِسی طرح اِن سے بیزار ہوجائیں، جس طرح آج یہ ہم سے بیزار ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِسی طرح اُنہیں (دُنیا میں بھی) اُن کے اعمال کو ضائع ہوتے دکھاتا ہے۔ اِن پر اَن گنت حسرتیں ہیں۔ کہ وہ اِس آگ سے نکلنے والے ہیں ہی نہیں۔

## اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی تعریف آیتِ بالا کے الفاظ میں

آئت نمبر ۱۶۵ میں جنہیں اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہا ہے، اُوپر آئت نمبر ۱۶۶ میں اُنہی کو الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا کے الفاظ میں متبوعین بتایا ہے اور اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ٹھہرانے والوں کو الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا کے الفاظ میں تابعین ظاہر کیا ہے۔ پس اِس آئت کی رُو سے ثابت ہے، کہ جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ واجب الاتّباع ٹھہرا لیا جائے، اور اُن کے ارشادات کو بلا سند کتاب اللہ حجت مانا جائے، وہ متبوعین اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہیں۔ اور اُنہیں اِس مقام پر فائز تسلیم کرنے والے یعنی اُن کے تابعین، مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے مصداق غَیر اللہ کو اللہ کے نِد ٹھہرانے والے ہیں۔

## يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ

سیاقِ کلام کے مطابق کہ اُوپر پیشوائیت کا ذکر چلا آرہا ہے۔ مفہوم صاف ہے کہ، کروڑوں روپوں کے خرچ سے متوفّی بزرگوں کے لئے شبانہ روز روضے، مزار اور آستانے تیار ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن قوم کے کروڑوں افراد کرایہ داری کی زندگی بسر کرنے پر مجبُور

پائے جاتے ہیں۔متوفّی بزرگوں کی چُونے اور سیمنٹ کی قبروں پر زربفت کے غلاف چڑھتے رہتے ہیں۔اورغُرباء کی بہو بیٹیاں، جوقوم ہی کی چشم وچراغ اورعزّت وناموس ہیں،سردی گرمی کے مناسب لباس سے محرُوم پائی جاتی ہیں۔اربوں روپیہ ہرسال عُرسوں اور بھنڈاروں پرخرچ ہوجاتا ہے۔لیکن قوم بدستوراقوامِ عالم کی پس ماندہ قوم بنی چلی جاتی ہے۔اِس طرح شبانہ روزبصورتِ ضیاعِ اعمال حَسَرَاتٍ عَلَيۡهِمۡ کےالفاظ میں اِن پرانَ گنت حسرتیں برستی رہتی ہیں۔

## اللہ کے حلال کوحرام نہ ٹھہراؤ

اگلی آیتِ مجیدہ میں سیاقِ کلام کی رُوسے اللہ کے نِدّ ٹھہرانے،اور يُحِبُّونَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ کے مطابق،اُنہیں اللہ تعالیٰ کے مقام پرفائز کرنے والوں کے متعلق خبردی گئی ہے' کہ وُہ اپنے ٹھہرائے ہوئے انداد،شریکوں کے حکم سے اللہ کے حلال کوحرام بھی قرار دیتے ہیں۔مثلاً درگاہ شریف سے تعویذ حاصل کرنے والوں کوحکم ہوتا ہے کہ کوئی پھل،کوئی سبزی یا کوئی دال چھوڑ دو۔ورنہ تعویذ اثرنہیں کرے گا۔وُہ کہتا ہے کہ امرود،بینگن یا مسورکی دال اپنے اوپرحرام کرتاہُوں۔لیکن خداوندِ عالم کاارشادہے:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوۡا مِمَّا فِى الۡاَرۡضِ
اے لوگو کھاؤ اس چیز سے کہ بیچ زمین کے ہے
حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ
حلال پاکیزہ اور مت پیروی کرو قدموں
الشَّيۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۞ ۱۶۸
شیطان کی تحقیق وُہ واسطے تمہارے دُشمن ہے ظاہر۔

لوگو!زمین کی پیداوارؔ سے ہرچیز جوحلال اورموافق مزاج ہو کھاؤ۔اور (کسی چیز کوحرام ٹھہراکر) شیطان کی پیروی نہ کرنا۔ بلاشُبہ وُہ تمہارا (چھُپا دشمن نہیں بلکہ) ظاہردشمن ہے۔(طیّب کا معنٰی ہے،جسم کوفربہی دینے والا یعنی موافق مزاج)

ؔ اِس آیت میں كُلُوۡا کے بعداِس کامفعول نَبَاتاً محذوف ہے۔اورتقدیرِکلام ہے كُلُوۡا نَبَاتًا مِمَّا يُزۡرَعُ فِى الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَيِّبًا۔حُکم عام مخصوص البعض ہے۔زمین کی پیداوارمیں سے بھنگ پوست وغیرہ کو ۵/۹ میں حرام قراردیدیا گیا ہے۔اِن کا استعمال ۲/۱۷۳، ۵/۳، اور ۱۶/۱۱۵ کے مطابق بحالت اِضطراب جائز ہے۔بشرطیکہ اِن کا عادی نہ ہوجائے۔

تعویذ گنڈوں کے متعلق آیتِ مجیدہ ۲/۱۰۲ میں وضاحت گزرچکی ہے کہ یہ کاروبار ہاروت ماروت شیطانوں نے حضرتِ سلیمان سلامٌ علیہ کے ذِمّہ لگاکرشروع کیا تھا۔اور ۲/۱۴ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ کے الفاظ میں،خوداللہ تعالیٰ نے،خلوت نشینوں کوشیطان قراردیا ہے۔اوراِنہی کی متعلق اگلی آیتِ مجیدہ میں بتایا جارہا ہے کہ' وُہ بُرائی اور بےحیائی کاحُکم کرتے ہیں۔اوراللہ کے ذِمّہ وُہ کچھ لگانے کاحُکم دیتے ہیں' جوتم جانتے ہی نہیں:۔

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ
سوائے اسکے نہیں کہ حکم کرتا ہے تم کو ساتھ برائی کے اور بے حیائی کے
وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
اور یہ کہ کہو تم اُوپر اللہ کے جو کچھ کہ نہیں
تَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۶۹
جانتے تم۔

وُہ (شیطان، اللہ کے حکم سے باہر جانے والا، تمہارا ظاہر دشمن) تُمہیں بُرائی اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے۔ (عورتوں اور مردوں کو مخلوط صُورت میں عُرسوں اور بھنڈاروں پر حاضر ہونے کا حکم دیتا ہے) اور تمہیں حکم کرتا ہے کہ تم اللہ کے ذِمّہ وہ کچھ لگاؤ جو تم جانتے نہیں۔ (یعنی وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی اللہ کے حلال کو حرام کرنے پر اعتراض کرے تو تم کہا کرو کہ اِن بزرگوں کے حکم سے حلال چیزوں کو حرام کرنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہوا ہے۔ ۶/۱۴۰)

## قرآنِ کریم کے مقابلے پر آبائی متوارث طور طریقوں کی اتّباع کرنا ضرُوری جانتے ہیں

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ طور طریقے جو یقیناً مُنَزِّلٌ مِنَ اللّٰہ نہیں ہیں۔ اگر اِن اَنْدَادًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہ کی پیروی کرنے والوں کو کہا جائے کہ اِنہیں چھوڑ کر اُس چیز یعنی قُرآنِ کریم کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ تو وُہ کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی چیز کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ
اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُن کے پیروی کرو اُس چیز کی کہ اُتارا
اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ
اللہ نے کہتے ہیں، بلکہ پیروی کرینگے ہم اُس چیز کی کہ پایا ہم نے اُوپر اُسکے
اٰبَآءَنَا ط اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ
باپوں اپنوں کو کیا اگرچہ ہوں باپ اُن کے نہ سمجھتے
شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ ۱۷۰
کچھ اور نہ راہ پاتے تھے۔

اور جب اُنہیں کہا جائے کہ اُس چیز کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُنہی کے طور طریقوں کی پیروی کریں گے، جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، اور اگرچہ اُن کے باپ دادے ذرا بھی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ پائی ہو۔

● بات بڑی موٹی سی ہے، کہ غیر اللہ کو اللہ کے حکم میں شریک ٹھہرا کر، اُنہیں، اللہ کے حلال کو حرام ٹھہرانے تک کے اختیارات کا مالک جاننے والے آباؤاجداد کے متعلق کِس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ، ۲/۱۶۴ میں مذکور اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیوں کو، جو ہر آن اُن کے گردوپیش موجود تھیں، نظرانداز کرنے والے، کسی معمولی عقل کے بھی مالک ہوسکتے تھے۔

## یہ ڈھور ڈنگروں کی طرح آواز پر لگے ہوئے ہیں

اگلی آئتِ مجیدہ میں اِن کی پیری مُریدی کے چکّر میں پھنسے ہوئے، لوگوں کے مُتعلق، جو قرآنِ کریم کے مقابلے پر آبائی متوارث طور طریقوں کی اتباع پر اڑے ہوئے ہوں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ڈھور ڈنگروں کی طرح اپنے پیشواؤں کی آواز پر لگے ہوئے ہیں۔ یعنی جس طرح صُبح کو چرواہا مویشیوں کو چراگاہ میں لے جاکر، ایک قسم کی بولی بولتا ہے اور وُہ سب بکھر جاتے ہیں۔ اور جب شام ہوتی ہے تو ایک قسم کی آواز دیتا ہے، اور وہ سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اِنہیں اپنی کوئی عقل نہیں ہوتی:۔

وَمَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کَمَثَلِ الَّذِیۡ
اور مثال اُن لوگوں کی کہ کافر ہوئے مانند مثال اُس شخص کے کہ
یَنۡعِقُ بِمَا لَا یَسۡمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ
چلاتا ہے ساتھ اُس چیز کے کہ نہیں سُنتا مگر بُلانا اور پُکارنا
صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ۱۷۱
بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں پس وہ نہیں سمجھتے۔

اور اِن لوگوں کی مثال، جو (باپ دادا کے طور طریقوں کو ترجیح دے کر مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہ (قرآنِ کریم کا) انکار کرتے ہیں، اُن میں سے پیشوا کی حالت اُس چرواہے کی سی ہے، جو پُکارتا ہے اُسے (یعنی اپنے مویشیوں کو) جو سوائے دُعا اور نِدا (یعنی نزدیک سے دعوت، اور دُور سے بُلاوے کی آواز) کے کچھ نہیں سُنتے بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ اس لئے وُہ عقل نہیں کرتے۔

● دیکھیئے! اِس آئتِ مجیدہ میں کِس وضاحت کے ساتھ پیشوا کی مثال چرواہے کے ساتھ، اور مُریدوں کی مثال ڈھور ڈنگروں کے ساتھ دے کر واضح کیا گیا ہے کہ، جس طرح چرواہے کے مویشی اُس کی دُعا اور نِدا پر لگے ہوئے ہوتے ہیں، چرواہے کے سِوا کسی دُوسرے کی آواز نہیں سنتے۔ اُسی طرح مُرید، اپنے پیر کی دُعا اور نِدا پر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ پیر کے سِوا کسی کی نہیں سُنتے، بہرے، گونگے اور اندھے ہو رہتے ہیں۔

دُعا کا معنٰی ہے نزدیک سے پُکارنا۔ $\frac{2}{186}$ میں آیا ہے اِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ۔ مَیں قریب ہوں دُعا کرنے والے کی دُعا قبول کرتا ہُوں، اور نِدا کا معنٰی ہے دُور سے آواز دینا۔ چنانچہ صبح کے وقت چرواہا قریب سے آواز دیتا ہے اور وُہ بکھر جاتے ہیں، اور شام کو دُور سے پُکارتا ہے، نِدا کرتا ہے اور وُہ سب اکٹھے ہو کر اُس کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح پیشوا جب مُریدوں کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں تو، قریب سے دعوت دیتے ہیں کہ عُرس شریف پر مرد عورتیں سب حاضر ہونا۔ اور جب گھر بیٹھے پیغام، چِٹھّی یا اشتہار دیتے ہیں تو دُور سے نِدا کرتے ہیں۔ اور سب مُرید اکٹھے ہو جاتے ہیں اور جب عُرس ختم ہو جاتا ہے تو پھر چرواہے کی طرح اجازت مِلتی ہے تو بکھر جاتے ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام نہ کرنیکے حکم کا دوسرا حِصّہ، جو بہیمۃ الانعام سے متعلق ہے

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں مومنوں کے نام حکم جاری کیا گیا ہے:۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو کھاؤ پاکیزہ سے
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
اُس چیز کو کہ دیا ہم نے تم کو اور شکر کرو واسطے اللہ کے اگر ہو تم
اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ۱۷۲
اُسی کو عبادت کرتے۔

ایمان والو! اگر تم (اللہ کے ندّ ٹھہرانے والوں کے برخلاف) خالص اللہ ہی کے فرمانبردار ہو تو (بھیمۃ الانعام) جو ہم نے تمہیں عطا فرمائے ہیں۔ اُن میں سے ہر موافق مزاج جانور کا گوشت کھایا کرو (کسی ٹھہرائے ہوئے شریک کے کہنے پر، کسی حلال کو حرام نہ کر دینا) اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے[۱] رہنا۔ (یعنی حصولِ نعماء کے لئے اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق بھرپور کوشش کرتے رہنا۔ تعویذ گنڈوں سے کوئی کام کبھی بھی سرانجام نہیں ہوگا)۔

**نوٹ** اِس آئت میں کُلُوْا کے بعد بھیمۃ الانعام محذوف ہے، جو ۵/۱ میں مذکور ہے۔ اور تقدیرِ کلام ہے۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ (اَیْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ) مَا رَزَقْنٰكُمْ.... واضح رہے کہ اگر اس آئت میں ۵/۱ والے مفہوم بھیمۃ الانعام کو، جو یہاں محذوف ہے، ظاہر نہ کیا جائے تو اِس سے آگے، اِنَّمَا کے حصر کیساتھ جن چار چیزوں کی حرمت بیان ہُوئی ہے، اُنکے سِوا اور کوئی چیز حرام ثابت نہیں ہوتی۔ (حِلّت وحُرمت کی پُوری وضاحت ۵/۱ کی تفسیر میں آئیگی۔ انشاء اللہ)

[۱] شکر کا معنٰی ہے زیادہ سے زیادہ محنت اور بھرپُور کوشش کرنا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، دیباچہ کا عنوان ۲۵/۲ ' اور تفسیر آئتِ مجیدہ ۲/۱۵۲ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ واضح رہے کہ پیرومُرید کے تذکرہ میں، اگر عنوانِ بالا نہ لایا جاتا تو یقیناً اِس میں کمی رہ جاتی لیکن خدائے علّام الغیوب خُوب جانتا ہے کہ اُس کے ٹھہرائے ہُوئے حلال جانوروں کے گوشت بھی، پیروں کے حُکم سے حرام ٹھہرا دیئے جاتے ہیں۔ پیر صاحب تعویذ دیتے وقت حکم دیتے ہیں گائے کا گوشت چھوڑ دو۔ ورنہ تعویذ بے اثر ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ مومنوں کو حکم دے دیا گیا ہے کہ اگر ہمارے فرمانبردار ہو تو ہمارے ٹھہرائے ہوئے حلال جانوروں کا موافق مزاج گوشت کھایا کرو۔ اور اگلی آئت میں بتا دیا ہے کہ وہ حرام نہیں بلکہ اُن کی یہ چیزیں، اور یہ حالتیں حرام ہیں:۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ
سوائے اِس کے نہیں کہ حرام کیا اُوپر تمہارے مُردار اور لہو
وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ
اور گوشت سُؤر کا اور جو کچھ پکارا جاوے اُوپر اُس کے واسطے غیر اللہ کے
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ
پس جو کوئی بے بس ہو نہ حد سے نکل جانیوالا اور نہ زیادتی کرنیوالا پس نہیں گناہ

سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ تمہارے لئے حلال جانوروں (بھیمۃ الانعام ۵/۱) کا مُردہ، خُون، غدُود کا گوشت، اور وُہ جانور یا گوشت جو غیر اللہ کی طرف منسُوب کیا جائے حرام کیا گیا ہے۔ ہاں جو کوئی بُھوک سے بے قرار ہو جائے تو جان بچانے کے لئے کھالے، نہ اللہ تعالیٰ کا باغی ہو کر اور نہ اُن کا عادی بن کر۔ ایسے لوگوں پر کوئی گناہ

عَلَیۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۞ ۱۷۳ | نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اُوپر اُس کے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

**نوٹ** بہیمۃ الانعام کی تفصیلی بحث ۵/۱ کی تفسیر میں آگے آئے گی۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئے گا۔ کہ قرآنِ کریم نے چارپایوں کوالانعام ۵/۱ ،اورالجوارح ۵/۴ یعنی شکاراورشکاری کی دوقسموں میں تقسیم کیا ہے۔الانعام چارہ خور ہیں اورالجوارح گوشت خور...... اِس سے آگے الانعام کی پھر دوقسمیں بیان ہوئی ہیں ایک بہیمہ اوردوسری غیر بہیمہ۔ بہیمہ وہ ہیں جن کے دومعدے ہیں۔اوروُہ جُگالی کرتے ہیں۔اور غیر بہیمہ وُہ ہیں جن کا ایک معدہ ہےاورجُگالی نہیں کرتے۔

**لَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ** لَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ کا معنی لکھا گیا ہے غدُود کا گوشت۔حالانکہ عام مترجمین نے اس کا معنی سُوّر کا گوشت لیا ہے، پہلے نمبر پر سُوّر کا گوشت معنٰی لینا اسلئے غلط ہے کہ آئتِ مجیدہ میں اِنَّمَا کے حصر کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مُردہ، خُون، لحمِ خنزیر اور غیر اللہ کی طرف منسوب حرام ہیں۔اِس طرح حصر کوقائم رکھتے ہوئے جانوروں میں سے صرف سُوّر ہی حرام ٹھہرتا ہے۔اور باقی سب جانور کُتّا، بِلّا، بجُّو، بندر، ریچھ وغیرہ حلال ٹھہرتے ،اورقرآنِ کریم میں نقیض پیدا ہوتی ہے۔کہ ایک طرف ۵/۱ میں صِرف بہیمۃ الانعام حلال ٹھہرائے ہیں اوردُوسری طرف صِرف سُوّر کو حرام قرار دیا ہے۔گویا چارپایوں میں سے صرف سُوّر حرام ہے۔

دوسرے نمبر پر سورہ مائدہ کی آئت نمبر۱،۳ اِس کی مخالفت کرتی ہیں،جن میں چارپایوں کی حِلّت وحُرمت کا فیصلہ دیا گیا ہے:۔ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَهِیۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ ۵/۱ =تمہارے لئے بہیمہ قسم کے چارپائے سوائے اُن کی اُن چیزوں اورحالتوں کے جوتم پر پڑھی جائیں،حلال کئے گئے ہیں۔یہاں اِلَّا مَا یُتۡلٰی کے الفاظ میں استثنیٰ کی خبردی گئی ہے،آگے ۵/۳ میں اُس کی تلاوت بالفاظ ذیل موجود ہے:۔ ● حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَةُ وَالدَّمُ وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِیۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالۡمُنۡخَنِقَةُ وَالۡمَوۡقُوۡذَةُ وَالۡمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیۡحَةُ وَمَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ ۟ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ۵/۳ =تمہارے لئے بہیمۃ الانعام میں سے حرام کیا گیا ہے ہر قسم کا مردہ[۱] ،ہرقسم کا خون[۲] ،اور لحم الخنزیر[۳] ،اوروہ بہیمۃ الانعام جوغیراللہ کی طرف منسوب کیا جائے[۴] اور جو گلا گھُٹ کر مرجائے[۵]۔اور جولاٹھی مارنے سے مرجائے[۶] ،اور جو گر کر مرجائے[۷]،اور جوسینگ لگنے سے مرجائے[۸]۔اور جسے درندہ کھالے[۹] سوائے اِس کے کہ تم اُسے ذبح کرلو۔اور جوکسی استھان (خانقاہ) پر[۱۰] ذبح ہو،اور یہ کہ تم اُس کے گوشت کو قُرعہ کے تیروں سے[۱۱] تقسیم کرو۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ اِلَّا مَا یُتْلٰی ۵/۱ کے مطابق، اِن گیارہ شقوں میں، حلال جانوروں ہی کے حرام ہونے کی حالتوں، یا اُنہی کی بعض چیزوں کی حُرمت کی خبر دی گئی ہے۔ کیونکہ جو جانور سرے سے ہیں ہی حرام، اُن کے متعلق اتنی لمبی فہرست بیان کرنا بے کار محض ہے، کہ حرام جانور مر جائے تو حرام، حرام جانور کا خُون حرام، حرام جانور کا لحمِ خنزیر حرام، حرام جانور غیراللہ کی طرف منسوب ہو تو حرام، گلا گھُٹا حرام، لاٹھی سے مرا حرام، سینگ لگا حرام علیٰ ہذا القیاس۔ اب چونکہ ایسا عبث فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ثابت ہُوا کہ یہ پُوری فہرست حلال جانوروں، بھیمۃ الانعام ہی سے متعلق ہے، اور لحم الخنزیر بھی اُسی طرح حلال جانوروں کا حِصّہ ہے جس طرح خُون۔ مثلاً حلال جانور بلا ذبح مر جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ذبح کر لیا جائے تو دو چیزوں کے سوا حلال ہو جاتا ہے۔ یعنی ذبح کے وقت جو خُون نکلا وُہ بھی حرام ہے۔ اور اس سے آگے، گوشت میں جو لحمِ خنزیر ہے، یعنی چھیچھڑے وغیرہ غدُود کا گوشت وہ بھی حرام ہے، خنزیر کا معنیٰ سُؤر بھی ہے اور غدُود بھی۔ لیکن حلال جانوروں سے متعلقہ حُرمت کی فہرست میں غدُود کا گوشت ہی شمار ہو سکتا ہے۔ جیسے حلال میں سے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ سُؤر کا گوشت جو غیر بھیمۃ الانعام ہونے کی بدولت پہلے ہی حرام ہے اِس فہرست میں شمار ہو ہی نہیں سکتا۔ پس چونکہ ۵/۳ میں لحم الخنزیر کا معنیٰ غدود کا گوشت ثابت ہے۔ اِس لئے آئت زیر بحث ۲/۱۷۳ میں بھی غدُود کا گوشت ہی مُراد ہے۔

## اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام ٹھہرانے کا سبب صِرف مَا اَنۡزَلَ اللّٰہُ کو چُھپانا ہے

سلسلۂ درس کی آئت نمبر ۱۶۸ میں پیروں کے حکم سے زمین کی پیداوار میں سے بعض کو حرام ٹھہرا دینے کا ذکر آیا ہے اور آئت نمبر ۱۷۲ میں حلال جانوروں میں سے بعض کے گوشت کو حرام کر دینے کی خبر دی گئی ہے۔ اور آئت نمبر ۱۷۳ میں ضمناً، حلال جانوروں کی اُن حالتوں کا ذکر آیا ہے جن میں وہ حرام ہو جاتے ہیں، اور اُن کی اُن چیزوں کی وضاحت کی گئی ہے، جو حرام ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں بتایا گیا ہے کہ حِلّت و حُرمت تک کے مسائل میں تصرّف کی جرأت اِس چیز کا نتیجہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو چُھپا لیا جاتا ہے۔ اور اُنہیں چُھپا کر دُنیا کا مال حاصل کیا جاتا ہے، چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ<br>تحقیق جو لوگ کہ چھپاتے ہیں جو کچھ کہ اُتارا اللہ نے<br>الۡکِتٰبِ وَیَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ<br>کتاب سے اور مُول لیتے ہیں بدلے اُس کے مُول تھوڑا | بے شک، جو لوگ اُس چیز کو چُھپا لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہے۔ اور وُہ اِس کے بدلے دنیا کا حقیر مال حاصل کرتے ہیں۔ یہی وُہ لوگ ہیں جو نہیں کھاتے، مگر اپنے پیٹوں میں آگ کے انگارے |

اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا
یہ لوگ نہیں کھاتے بیچ پیٹوں اپنے کے مگر
النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا
آگ اور نہ بات کرے گا اُن سے اللہ دِن قیامت کے اور نہ
یُزَکِّیْہِمْ ج وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌo ۱۷۴
پاک کرے گا اُن کو اور واسطے اُن کے عذاب ہے درد دینے والا۔

بھرتے ہیں۔اور(اللہ تعالیٰ اُن سے اِس قدر ناراض ہے کہ ) قیامت کے دِن اُن سے کلام تک نہیں کرے گا۔اور نہ اُنہیں، (جو دُنیا میں پاک بنے بیٹھے ہیں) پاکیزہ ٹھہرائے گا۔حقیقت یہ ہے کہ (اللہ کے قانون میں ) اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

## کتاب کو چُھپانے کے مُختلف طریقے

اِس آئتِ مجیدہ میں، دُنیا کے حقیر مال کے لئے اللہ کی کتاب کے احکام کو چُھپانا اللہ تعالیٰ کی اُس انتہائی ناراضگی کا مُوجب ٹھہرایا گیا ہے، کہ وُہ ایسے لوگوں سے قیامت کو کلام تک نہیں کرے گا۔اب اللہ کی کتاب کو چُھپانے کا اوّلین طریقہ تو وُہ ہے، جو قرآنِ کریم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ مُجمل اور غیر مفصّل ہے۔ کُتبِ روایات کا محتاج ہے۔اِس طرح یہ چُھپ گیا اور روائتیں سامنے آ گئی ہیں۔دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ اِس کے ظاہری معنوں سے الگ باطنی معنوں کا تصوّر دے دیا جائے کہ کتاب کے نازل کرنے والے کا اصل مطلب اُن میں پوشیدہ ہے۔اور تیسرا طریقہ یہ عقیدہ ہے، کہ اِس کی تلاوت سے اِنسان کے سب گُناہ بخشے جاتے ہیں۔اِس طرح کتاب کی غرض ختم ہو جاتی ہے کہ لوگ سمجھیں اور عمل کریں۔ بلکہ گُناہ بخشانے کے لئے محض تلاوت پر زور پڑ جاتا ہے۔قرآنِ کریم کے ساتھ یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔العیاذُ باللہ۔اِس سے آگے ارشاد ہوا ہے:۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ
یہ لوگ ہیں جنھوں نے مُول لیا گمراہی کو
بِالْھُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ج فَمَآ
بدلے ہدائت کے اور عذاب کو بدلے بخشش کے پس کیا
اَصْبَرَھُمْ عَلَی النَّارِo ۱۷۵
صبر کرتے ہیں وہ اُوپر آگ کے۔

یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے ہدائت کے بدلے گمراہی، اور مغفرت کے بدلے عذاب خریدا ہے۔پھر کِس قدر تعجب انگیز ہے یہ چیز کہ، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں آگ پر استقامت کئے ہوئے پایا ہے۔(یعنی کمائے کوئی اور عیش کوئی اُڑائے۔یہ لوگ اتنی شدید آگ پر مطمئن ہو چکے ہیں)

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ
یہ اِس واسطے ہے کہ اللہ نے اُتارا کتاب کو

یہ سب کچھ اِس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچّی کتاب نازل کر دی ہے۔مگر بِلا شُبہ جو لوگ کتاب میں

بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِی
ساتھ حق کے اور تحقیق جنھوں نے اختلاف کیا بیچ
الۡکِتٰبِ لَفِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ۱۷٦ ع ۲۱/۵
کتاب کے البتہ بیچ خلاف دُور کے ہیں۔

اختلاف پیدا کرتے ہیں۔وہ (ایسی ہی) دُور کی شقاوت میں چلے جاتے ہیں۔

● اِس آئتِ مجیدہ میں اُسی حسرت آمیز لہجہ میں افسوس کا اظہار کیا گیا ہے،جس کا ذکر حَسَرٰتٍ عَلَیۡهِمۡ کے الفاظ ۲/۱٦۷ میں اُوپر گُزر چکا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ بچارے مُریدوں کا اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی بال بچوں کے مُنہ سے چھین کر،مرفّہ الحال پیروں کی نذر کرتے چلے جانا، ہے بھی انتہائی حسرت انگیز۔جیسے کہ سُورہ انعام میں اِنہی لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے:۔

● وَکَذٰلِکَ زَیَّنَ لِکَثِیۡرٍ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ قَتۡلَ اَوۡلَادِهِمۡ شُرَکَآؤُهُمۡ ٦/۱۳۷=اور اِسی طرح بہت سے شریک ٹھہرانے والوں کے لئے اُن کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے اُن کی اولاد کا قتل کرنا مزیّن کر دیا ہے۔اور اِس قتلِ اولاد کی وضاحت اگلی آئتِ مجیدہ میں کی گئی ہے:۔ ● قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ قَتَلُوۡٓا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًاۢ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّحَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَی اللّٰهِ ٦/۱٤۰= بے شک وہ لوگ خسارہ میں رہتے ہیں۔جو بلا سندِ علمِ الٰہی،بیوقوفی کے ساتھ اولاد کو قتل کرتے ہیں۔یعنی جو کچھ اُنہیں اللہ دیتا ہے،اُسے اللہ کے ذمہ لگا کر اولاد کے لئے حرام کر دیتے ہیں۔کس قدر حسرت بدوش ہیں اِن لوگوں کے حالات، کہ پیشواؤں کے حکم سے قتلِ اولاد تک گوارا کرتے چلے جاتے ہیں۔اور اِس چیز کو اِفۡتِرَآءً عَلَی اللّٰهِ ذِمّہ لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے، کہ اُس نے اِنہیں بچوں کے پیٹ کاٹ کر پیروں کے لئے سامانِ تعیش مہیّا کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔واضح رہے کہ ٦/۱۳۷ کے مطابق، یہ سب کچھ اُن کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے اُن کے ذِہنوں میں بٹھا رکھا ہوتا ہے۔

## وجہِ فضیلت فرائضِ منصبی کی ادائیگی ہے لمبی لمبی ریاضتیں اور چلّہ کشیاں نہیں

مریدوں کے اذہان پر مشائخ کی عظمت کا سِکّہ کئی کئی سُو منکوں کی لمبی لمبی تسبیوں، اور اپنے اپنے پیر خانے کی طرف مُنہ کر کے لمبے لمبے وِرد و ظائف کے ذریعہ بٹھایا جاتا ہے۔لیکن قرآنِ کریم نے اگلی آئتِ مجیدہ میں، حقیقت کا اظہار بالفاظِ ذیل کیا ہے:۔

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ
نہیں بھلائی یہ کہ پھیرو تم مُنہ اپنے کو طرف

یہ کوئی بھلائی نہیں کہ تم مشرق کی طرف منہ کرتے ہو، یا مغرب کی طرف۔ بھلائی اُن لوگوں کے لئے ہے جو اللہ

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ
مشرق کے اور مغرب کے اور لیکن بھلائی اس کو ہے جو
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
ایمان لایا ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے اور فرشتوں کے
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى
اور کتاب کے اور پیغمبروں کے اور دیا مال اُوپر
حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
محبت اُس کی کے قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور
الْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ
فقیروں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو
وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى
اور بیچ چھٹانے گردن کے اور قائم کیا نماز کو اور دیا
الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا
زکوٰۃ کو اور پُورا کرنے والے ساتھ عہد اپنے کے جب
عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ
عہد کریں اور صبر کرنے والے بیچ فقر کے اور
الضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
بیماری کے اور وقت لڑائی کے یہ لوگ ہیں جنہوں نے
صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ ۱۷۷
سچ بولا اور یہ لوگ وہی ہیں پرہیز گار۔

پر، روزِ آخرت پر، اُس کے ملائکہ پر، اُس کی کتاب پر، اور اُس کے نبیوں پر ایمان لائیں۔ اور اللہ کی محبت میں اپنے قریبیوں، یتیموں (یعنی بے سہارا لوگوں)، مسکینوں، (یعنی جن کا چلتا کاروبار کسی وجہ سے ساکن ہو جائے) اور مسافروں اور محتاجوں (یعنی جن کی آمدنی اُن کے خرچ سے کم ہو)، اور مقروضوں کی گردنیں آزاد کرانے میں مال خرچ کریں۔ اور (اجتماعیّت کے قیام کے لئے) نظامِ صلوٰۃ قائم کریں اور معاشرہ کے کمزوروں کو نشو ونما دیں۔ اور جب بھی کوئی وعدہ کریں تو اُسے پورا کریں۔ اور وُہ تکلیف وضرر کے وقت میں مستقل مزاج رہنے والے ہوں۔ خصوصاً اُس (اہم) وقت میں کہ جب دشمن سے جنگ ہو رہی ہو، یہی ہیں وہ لوگ جو (عملاً اپنے ایمان کو) سچّا کر دکھاتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہر قسم کے خطرات سے بچنے والے ہیں۔

غور فرمایئے گا کہ آیتِ بالا میں امورِ ذیل کی وضاحت کی گئی ہے:۔

● یہ کوئی بھلائی نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرف رخ موڑتے ہو یا مغرب کی طرف۔ لیکن (جب ہم نے صلوٰۃ کے لئے مقامِ ابراہیم بیت الحرام کو قبلہ مقرر کر دیا ہے ۲/۱۲۵ تو سمت کے اختلاف کا کیا معنٰی؟ الگ الگ سمتیں مقرر کرنا، گویا الگ الگ قبلے

ٹھہرانا ہے۔ بگوشِ ہوش سُن لو کہ بھلائی ہے عقائد کی درستی اور فرائضِ منصبی کی بجا آوری میں، اِس لئے بھلائی اُنہیں مُیسّر آئے گی، جو عقائد کی رُو سے:۔

- اللہ پر ایمان لائیں (کہ دُنیا کی سب نعمتیں دینے والا اللہ تعالیٰ ہے ۱/۲)
- اور روزِ مکافات پر ایمان لائیں (کہ اِن نعمتوں کے بے جا تصرّف کی جوابدہی کے لئے اُس کے حضور ضرور ضرور حاضر ہونا ہے۔ ۱/۳)
- اور ملائکہ پر ایمان لائیں، کہ وہ سب الگ الگ وُہی کام کرتے ہیں جو اُنہیں حکم دیا گیا ہے ۱۶/۵۰۔ نیز وہ انسان کے لئے سجدہ ریز ہیں۔ ۲/۳۴
- اور میری نازل کردہ اکلوتی کتاب پر ایمان لائیں (کہ یہ مفصّل ہے ۶/۱۱۴، مُبین ہے۔ ۱۵/۱ و ۲۷/۱' تِبۡیَانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ ہے ۱۶/۸۹، محفوظ ہے ۴۱/۴۱-۴۲، مکمل ہے ۶/۱۱۵' کافی ہے ۲۹/۵۱، یہی کتاب سب نبیوں کو ملی تھی ۲۶/۱۹۶ وغیرہ وغیرہ)۔
- اور میرے جُملہ انبیاء پر ایمان لائیں (کہ وُہ ایک ہی ضابطہِ حیات لے کر آئے تھے ۲/۲۱۳' سب کی طرف یہی ربوبیّت بدوش ضابطۂ حیات نازل ہوا تھا ۲۶/۱۹۶' سب سچّے اور اللہ تعالیٰ کے سو فیصدی فرمانبردار تھے، اُن پر کبھی بھی اللہ تعالیٰ ناراض نہیں ہوا تھا ۱/ے، اِس طرح عقائد کی درستی کے بعد، فرائضِ منصبی کی ادائیگی کا نمبر ہے کہ):۔
- اللہ کی محبّت میں، اُس کی خوشنودی کے لئے قریبیوں کو مال دیں، (یعنی پہلے نمبر پر اُن کے مال میں اُن کے نادار قریبیوں کا حق ہے)۔
- اور یتیموں کو مال دیں (یعنی جو لوگ معاشرہ میں بے سہارا ہو جائیں اُن کے لئے سہارے مہیّا کریں)
- اور مسکینوں کو مال دیں (یعنی جو لوگ معاشرہ میں کاروباری لحاظ سے ساکن ہو جائیں۔ اُن کی رُکی ہوئی گاڑی کو متحرّک کر دیا کریں)۔
- اور مسافروں کو مال دیں (یعنی اگر کوئی مسافر حادثاتی طور پر بے خرچ ہو جائے، تو اُس کی سو روپے کی گھڑی بیس روپیہ میں ہتھیانے کی بجائے اُسے اُس کے گھر پُہنچانے کا انتظام کریں۔
- اور مُحتاجوں کو مال دیں (یعنی جن کی آمدنی اُن کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو، اُن کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی بجائے اُن کی آمدنی میں اضافے کی صُورت پیدا کریں۔)
- اور قرض داروں کی گردنیں آزاد کرائیں (یعنی معاشرہ میں کوئی مقروض نہ ہو، کہ اُس کی کمائی قرضخواہ لے جائے اور اُس کے بال بچّے ضروریاتِ زندگی سے محروم رہ جائیں)۔

- خصوصاً صلوٰۃِ مؤقّت کا اجتماعی نظام قائم کریں، یعنی ہر کمزور کو سامانِ نشو ونما پہنچنے کا معقول انتظام کریں۔
- (اور اُن کا امتیازی نشان یہ ہو کہ) جب بھی کوئی وعدہ کریں تو اُسے پورا کریں۔
- اور مصائب ومُشکلات کا مقابلہ ثابت قدمی کے ساتھ کیا کریں خصوصاً جنگ[۱] کے زمانہ میں خوف وہراس کو پاس تک نہ پھٹکنے دیں۔
- یہی وُہ لوگ ہیں، جو عمل کے ساتھ اپنے ایمان کو سچّا کر دکھاتے، یعنی دعوٰیِ ایمان میں یہی لوگ سچے ہیں۔ اور یہی لوگ معاشرہ کے داخلی اور خارجی جُملہ خطرات سے بچنے والے ہیں۔

۱۔ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ کے الفاظ میں حِیْنَ الْبَاْسِ پر واوٌخصوص بر عموم لا کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ آیتِ مجیدہ کے آخری الفاظ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ، ایسے لوگ جنگ تک کے مخصوص خطرات سے بھی محفوظ رہنے والے ہیں۔ جنگ کے زمانہ ہی کے لئے رمضان کے مہینے میں بُھوک پیاس کی سالانہ ٹریننگ کا حکم دیا گیا ہے جو ۲/۱۸۳ تا ۱۸۷ میں آگے آ رہا ہے۔

اب آئتِ بالا کی رُو سے بتایئے گا، کہ پیشوائیت، جس کا اپنے مُریدوں کے ساتھ بھی یہ سلوک ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کا ہزاروں اور لاکھوں کا بینک بیلنس موجود ہوتا ہے۔ مگر مقروض مُرید کو اِن دعویدارانِ اتّقا کی طرف سے صرف خلاصیٔ قرضدارانِ اسلام کی دُعا کے ساتھ مطمئن کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ آئتِ بالا میں مُتّقیوں کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ وُہ قریبیوں، بے سہارا لوگوں، جن کے کاروبار ساکن ہو جائیں، مسافروں محتاجوں اور مقروضوں کی مدد مال کے ساتھ کرتے ہیں، نہ تعویذ گنڈوں کے ساتھ، اور نہ زبانی زبانی دُعاؤں کے ساتھ۔

**یہ ہے قُرآنی معاشرہ کا ابتدائی خاکہ، قاتل سے قصاص لینا فرض ہے**

آئتِ بالا میں پیشوائیت کی تردید کے ساتھ ساتھ، قُرآنی معاشرہ کا ابتدائی خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ جو صلوٰۃِ مؤقّت کے مرکزی نُکتہ سے شروع ہوتا اور مذکورہ بالا خطوط پر متشکّل ہوتا ہُوا پُورے معاشرے پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ انسانیت کا کوئی گوشہ بھی حقوقِ ربوبیّت سے محروم نہیں رہتا۔ جیسے کہ دیباچہ میں پوری صراحت کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے، کہ محولہ بالا خاکہ قُرآنی معاشرہ کا عبوری دَور ہوتا ہے، جس میں ابھی ذاتی ملکیّت کا تصوّر باقی ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآنی معاشرہ کو اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۹/۱۱۱ کے اُس مقام پر لے جانا چاہتا ہے، جہاں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہو جاتی ہے۔ اور ایمان والوں کو اس کے عوض ہموار معاشرہ جنّت میسّر آتی ہے، ذاتی املاک کے خاتمہ سے ہر قسم کے جرائم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دھوکا فریب، چوری چکاری، ڈکیتی اور جیب تراشی کا وجود، ذاتی

املاک کے خاتمے سے خود بخود نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ قتل و غارتگری عنقا ہو جاتے ہیں۔ اِس کے برعکس جب تک ذاتی ملکیّت کا تصوّر باقی ہو، جرائم کے مواقع باقی رہتے ہیں۔ چوریاں اور ڈکیتیاں بھی ہوتی ہیں، قتل بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب تک قتل کا وجود باقی ہو قاتل سے قصاص لینا فرض قرار دیا گیا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو لکھا گیا ہے اُوپر تمہارے
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ
برابری کرنا بیچ مارے گیوں کے ۔ آزاد بدلے آزاد کے
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ
اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے ۔
فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ
پس جو کوئی معاف کیا جاوے واسطے اُس کے خُون بھائی اُس کے سے کچھ
فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ
پس پیروی کرنا ہے ساتھ اچھی طرح کے اور ادا کرنا ہے طرف اُس کے
بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ
ساتھ نیکی کے یہ آسانی ہے
رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ
پروردگار تمہارے کی طرف سے اور رحمت پس جو کوئی زیادتی کرے پیچھے
ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ؁ ۱۷۸
اُس کے پس واسطے اُس کے عذاب ہے دَرد دینے والا

ایمان والو! قاتلوں کا پیچھا کرنا تم پر فرض کر دیا گیا ہے (یعنی قاتل کو تلاش کر کے جان کا بدلہ جان، اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۵/۴۵ فرض ہے، اِس ضمن میں اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جائیگا) اگر قاتل آزاد قوم کا فرد ہے تو وہ آزاد ہی سزا پائے گا اور اگر قاتل ذمّی ہو، تو وہ ذمّی ہی سزا کا مُستوجب ہوگا۔ نیز اگر قاتلہ عورت ہو تو وہ عورت ہی سزا یاب ہوگی۔ (قتلِ بالعمد ہو تو جان کا بدلہ جان ہی ہوگا ۴/۹۳۔ اور اگر سہواً قتل ہو گیا ہو تو مقررہ خُون بہا دلایا جائے گا) پھر جو قاتل، اپنے بھائی مقتول کے وارث، (یا دم توڑنے سے پہلے خُود مقتول کی طرف سے قصاص) یا مقررّہ خُون بہا میں سے کچھ معاف کر دیا جائے (تو کوئی ہرج نہیں) پھر مقتول کے وارث پر بھی لازم ہے کہ زرِخون بہا کا مطالبہ عام دستور کے مطابق کرے۔ اور قاتل پر بھی فرض ہے کہ واجب الادا رقم احسن طریقے کے ساتھ ادا کر دے۔ یہ قتل بلا عمد کے سلسلے میں تخفیف (کا قانون) تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک رحمت ہے۔ پھر فریقین میں سے جو کوئی فیصلہ ہو چکنے کے بعد نافرمانی کریگا یعنی اگر قاتل خُون بہا ادا نہ کرے، اور وارث خُون بہا لے کر پھر بھی ارادۂ قتل کرے تو ہمارے قانون میں اُن کیلئے دردناک عذاب ہے۔ (یعنی وہ سخت سزا کے مستوجب ہونگے)۔

(نوٹ) خُون بہا کا قانون قتلِ سہو کے لئے ہے، قتلِ بالعمد کے لئے نہیں۔ (پوری تفصیل آگے چل کر ۴/۹۳ میں آئے گی انشاءاللہ)

ل قصاص کا سہ حرفی مادہ ق۔ص۔ص =قصص ہے۔ اِس کا بنیادی معنٰی ہے تعاقب کرنا پیچھا کرنا۔ اِس طرح اِس آیت کی رُو سے معاشرہ کا فرض قرار دیا گیا ہے کہ قاتل کا پیچھا کیا جائے۔ صحیح قاتل کو تلاش کر کے قرارِ واقعی سزا دی جائے۔ بالفاظِ دیگر، صرف اِتنے میں اِس حکم کی تعمیل نہیں ہو جاتی، کہ پولیس نے کسی شخص کو قاتل کی حیثیّت سے گرفتار کر کے عدلیہ کے حوالے کر دیا۔ عدالت میں وُہ قاتل ثابت نہیں ہُوا، وُہ بری ہو کر گھر آ گیا، اور سمجھ لیا گیا کہ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ کا حکم ختم ہو گیا ہے۔ اب ہر طرف خاموشی چھا جائے، گویا کہ قتل ہُوا ہی نہیں تھا۔ واضح رہے کہ قصاص کا معنٰی ہی یہ ہے کہ جب تک صحیح قاتل تلاش ہو کر سزایاب نہ ہو جائے اُس وقت تک قصاص، یعنی قاتل کا تعاقب جاری رہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا ہے:۔ ● وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا ۳۳/۱۷ = یعنی جو شخص ظلم کے ساتھ قتل کیا جائے، ہم نے اُس کے وُرثا کے لئے قاتل کے خلاف نظامِ معاشرہ کو پشت پناہ اور حمائتی مقرر کر دیا ہے۔ کیوں؟ اِس لئے کہ:- اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ۳۳/۱۷ = بلاشبہ، مقتول ہماری طرف سے منصور مدد کیا گیا ٹھہرایا گیا ہے اور مقتول کی مدد اس کے سوا نہیں ہے کہ قاتل کی تلاش کر کے اُسے سزا دی جائے۔

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ۔ اِن الفاظ کا یہ مفہوم غلط ہے کہ اگر کسی آزاد کو کوئی عبد قتل کر دے تو آزاد مقتول کے بدلے کسی غیر قاتل آزاد کو تختۂ دار پر چڑھا دیا جائے، اور اگر کوئی آزاد کسی عبد کو قتل کر دے تو عبد مقتول کے بدلے کسی بے گناہ عبد کو سُولی دے دیا جائے۔ بلکہ بِالْحُرِّ کا الف لام بھی عہدی ذکری ہے۔ اور بِالْعَبْدِ کا الف لام بھی عہدی ذکری ہے۔ فی الحقیقت یہاں بین الاقوامی قانون بتایا گیا ہے کہ قاتل کی حیثیت سے آزاد ہو یا ذمّی، دونوں ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حُرّ کسی ذمّی کو قتل کر دے تو اُس کا حُر ہونا، جرمِ قتل میں کوئی رعائت نہیں دلا سکتا۔ اور اِسی طرح اگر کوئی ذمّی کسی آزاد کو قتل کر دے، تو اُس کے ذمّی ہونے سے، اُسے بھی کوئی رعائت میسّر نہیں آ سکتی۔ اسلامی معاشرہ میں اگر کسی آزاد کو ذمّی کے قتل میں کوئی رعائت دی جائے گی، تو مخالف معاشروں میں وُہی سلوک ذمّی مسلمانوں کیساتھ کیا جائے گا۔ الختصر! قُرآنِ کریم نے آزاد اور ذمّی میں فرق کئے بغیر قصاص لینے کی اہمیّت کو سلسلۂ دَرس کی اگلی آیتِ مجیدہ میں باندازِ ذیل بیان کیا ہے:-

| | |
|---|---|
| وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي<br>اور واسطے تمہارے بیچ برابری کے زندگی ہے اے<br>الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ۱۷۹<br>عقل والو تو کہ تم بچو۔ | اور عقلمندو! تمہارے لئے قاتل کی مستقل تلاش اور اُسے قرارِ واقعی سزا دینے ہی میں زندگی ہے تا کہ تم (آئے دِن کے قتل کی وارداتوں سے) بچ جاؤ۔ |

اللہ تعالیٰ کے ہاں اِنسانی زندگی کی بڑی قدروقیمت ہے۔ارشاد ہُوا ہے:-● وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ۱۷/۷۰۔ اور بلاشُبہ ہم نے بنی آدم کو واجبُ التکریم ٹھہرایا ہے۔مُولی گاجر کی طرح کاٹ پھینکنا اِس کی انتہائی توہین، اور بھیڑ بکری کی طرح ذبح کردینا اللہ تعالیٰ کی انتہائی نافرمائی ہے۔پھر ایک قتل سے سینکڑوں قتلوں کی بنیاد پڑتی ہے:- ● مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط ۵/۳۲=جس شخص نے ایک انسانی جان کو قتل کیا،تو گویا (یُوں سمجھو کہ) اُس نے پُوری نوعِ انسانی کو قتل کر دیا۔اِس آیت میں اِس چیز کی خبر دی گئی ہے کہ اگر قتل کا اِنفرادی بدلہ لینا شروع ہو جائے،تو ایک قتل کے عوض،قاتل اور مقتول دونوں کے خاندانوں اور دونوں قبیلوں کے ہزاروں افراد شمشیر بکف نکل آتے ہیں،اور مزید سینکڑوں قتل ہونے کے باوجود اوّلین قاتل پھر بھی ممکن ہے کہ زندہ بچ رہے۔فلہٰذا اِس چیز کو قانونی شق قرار دیدیا گیا ہے کہ قاتل سے بدلہ معاشرہ لے،اور اُس وقت تک قاتل کا تعاقب جاری رہے جب تک وُہ گرفتار ہو کر سزا نہ پا لے۔اِس طرح مقتول کے وُرثاء کے جذبات ٹھنڈے ہو جائیں گے اور قتل کی وباء آگے نہ بڑھنے پائے گی۔

## مرنے والے پر وصیّت کرنا فرض ہے

اُوپر چونکہ مقتول کا ذکر آیا ہے۔اِس لئے ساتھ ہی اگلی آئتِ مجیدہ میں مرنے والے کے آخری فرضِ منصبی کی وضاحت بھی کر دی ہے:-

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ
لکھا گیا اوپر تمہارے جس وقت حاضر ہو ایک تمہارے کو
الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَاۨ صلے ج الْوَصِيَّةُ
موت اور چھوڑ جاوے مال وصیّت کرنا
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ج
واسطے ماں باپ کے اور قرابت والوں کے ساتھ اچھی طرح کے
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ ۱۸۰
حق ہُوا اُوپر پرہیزگاروں کے۔

ایمان والو! تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تُم میں سے کسی پر موت کا وقت آ جائے۔تو (اگر ابھی قُرآنی معاشرہ اپنی انتہائی منزل ۹/۱۱۱ کے مقام پر نہیں پہنچا، اور ابھی ذاتی ملکیّت کا تصوّر باقی ہے تو) اگر وہ کوئی مال چھوڑ رہا ہو،تو اپنے والدین اور اقرباء کے حق میں اُن کے وقتی حالات کے مطابق وصیّت کر جائے۔ یہ چیز خطرات سے بچنے والوں کے لئے فرض ہے۔

وصیّت کا حکم والدین اور اقرباء کے لئے ہے اور ۴/۱۱-۱۲ میں متوفّی کے ترکہ کے حقدار بھی والدین اور اقرباء ہی کو قرار دیا گیا ہے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ۴/۱۱-۱۲ میں مالِ متروکہ کے حقداروں کے حِصّے مقرّر کر دیئے گئے ہیں تو پھر وصیّت کا کیا مطلب؟ اِس کا جواب بڑا عام اور مشاہداتی ہے،کہ اقرباء اور والدین،یعنی اولاد،بہن بھائی اور ماں باپ،جن کے ۴/۱۱-۱۲

میں الگ الگ حصّے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اُن میں ہر بیٹے کا حِصّہ باہم برابر ہے۔ لیکن ایسے دو بیٹوں کے درمیان مساوی تقسیم ہرگز ہرگز مبنی بر انصاف نہیں، جن میں ایک بی۔اے کر کے صاحبِ روزگار ہو چکا ہو۔ اور دوسرا ابھی پرائمری کا طالب علم ہو۔ پس مؤخّر الذکر کے وقتی حالات کے مطابق لازم آتا ہے کہ وصیّت میں اُس کے لئے بی۔اے تک کی تعلیم اور حصولِ ملازمت کا خرچ اُس کے مقررّہ حِصّہ سے الگ محفوظ کر دیا جائے۔ یہی حکم ہے والدین یا بہن بھائیوں کے وقتی حالات کے مطابق وصیّت کر جانے کا۔ مثلاً ایک بھائی مقروض اور دوسرا آسُودہ حال ہے تو مقروض کے لئے کسی رقم کا وصیّت میں مختص کر دینا وصیّت کی اصل غرض و غائت ہے۔ اِس طرح متوفی اپنے سرمایہ دار بھائی کے مقابلے پر مقروض بھائی، یا مالدار بیٹے کے مقابلے پر محتاج بیٹے، اور محتاج والدین کے حق میں مناسب وصیّت کر سکتا ہے۔

## وصیّت کا بدلنا گُناہ ہے۔ اگر وصیّت کرنیوالا کسی طرف جُھک گیا ہو، تو وصیّت کی اصلاح کرلی جائے

تقاضائے حالات کے مطابق متوفّی کو جو حقِ وصیّت دیا گیا ہے۔ اِس پر اِس خطرہ کے پیشِ نظر، کہ اگر کوئی فریق وصیّت کو بدل ڈالے اور یا خود صاحبِ وصیّت کسی طرف کو ناجائز طور پر جُھک گیا ہو۔ تو ارشاد ہوتا ہے:-

فَمَنۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ
پس جو کوئی بدل ڈالے اُسکو پیچھے اسکے کہ سُنا اُسکو پس سوائے اسکے نہیں کہ
اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
گُناہ اِس کا اُوپر اُن لوگوں کے ہے جو بدل ڈالتے ہیں اس کو تحقیق اللہ
سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ؕ ۱۸۱
سُننے والا جاننے والا ہے۔

پھر جو کوئی اِس وصیّت کو سُننے کے بعد بدل ڈالے پھر سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ اِس کا گُناہ بدلنے والوں ہی پر ہے۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ
پس جو کوئی ڈرے وصیّت کرنے والے سے کجی کو یا
اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَآ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ؕ
گُناہ کو پس اصلاح کر دے درمیان اُن کے پس نہیں گناہ اوپر اُس کے
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۱۸۲ ع ۲۲/۶
تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

پھر جو کوئی وصیّت کرنے والے کے متعلق (ناجائز) طرفداری یا گُناہ کا خوف کرے، تو وہ فریقین کے درمیان اصلاح کرا دے۔ پھر اُس پر کوئی گُناہ نہیں۔ بلاشُبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

● وصیّت کے متعلق ۱۰۶/۵ میں حُکم دیا گیا ہے کہ اسکے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں۔ لیکن آئتِ بالا میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے وصیّت لکھی نہیں گئی، تو اگر گواہ اُسے بدل دیں، تو وُہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گنہگار ہیں۔ نیز اگر وُہ باہمی مُتفقہ منصوبے کی بدولت دُنیا میں قانون کی زَد سے بچ جائیں تو قیامت کی عدالت میں ضرور سزایاب ہوں گے۔ دُوسرے نمبر پر اگر وصیّت کرنیوالے نے کسی فریق کا حق دبا کر کسی فریق کو ناجائز فائدہ پہنچا دیا ہو تو مرکزی نظام پر فرض کیا گیا ہے کہ جس فریق کا حق دبا لیا گیا ہے۔ اُسکی دادرَسی کیلئے، پس ماندگان کے وقتی حالات کے مطابق وصیّت کی اصلاح کر کے، فریقین میں مصالحت کرا دے۔

## مومن مرد عورتیں سب مُجاہد ہیں، سال میں ایک ماہ بُھوک پیاس برداشت کرنے کی مشق کیا کریں

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ کا ربط آئت نمبر ۱۷۷ کے ساتھ ہے۔ جس میں ہر تکلیف و مُصیبت میں عموماً، اور ایامِ جنگ میں خصوصاً، ثبات و استقلال کو نیکی بھلائی، اور کامیابی کی شقّیں بتایا گیا ہے۔ اب چونکہ ایّامِ جنگ میں مجاہدین کے لئے خصوصاً، اور عامۃ النّاس کے لئے عموماً، ایسے ہنگامی حالات کا پیدا ہونا لازم ہے کہ کسی وقت سامانِ خورد و نوش میں کمی واقع ہو جائے، یا رسل و رسائل میں بے قاعدگی کی بدولت، کُچھ عرصہ بُھوک پیاس برداشت کرنی پڑ جائے۔ اِس لئے ایسے حالات کے مُقابلہ کے لئے ٹریننگ کے طور پر حُکم دیا جا رہا ہے کہ سال میں ایک مہینہ روزے رکھ کر بھوک پیاس برداشت کرنے کی مشق کیا کریں۔ نیز روزہ، ربوبیّتِ عامہ کے لئے بھی ممدّ و معاون بنتا ہے کیونکہ روزہ دار کو، عملاً پتہ چلتا ہے کہ، معاشرہ کے جن افراد کو ناہموار معاشرہ کی غلط بخشیوں کی بدولت کئی کئی وقت کھانا میسر نہیں آتا، اُن پر کیا گزرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

| آیت | ترجمہ |
|---|---|
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ<br>اَے لوگو جو ایمان لائے ہو لکھا گیا اُوپر تمہارے<br>الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ<br>روزہ جیسا کہ لکھا گیا تھا اُوپر اُن لوگوں کے جو<br>قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ۱۸۳<br>پہلے تُم سے تھے تو کہ تُم پرہیز گاری کرو۔ | ایمان والو! تُم پر روزہ رکھنا اُسی طرح فرض کیا گیا ہے، جس طرح تُم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ تم (بُھوک پیاس کے عادی ہونے کی بدولت وقت پڑنے پر ان کے مضر اثرات سے) بچ جاؤ۔ |
| اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ط فَمَنْ كَانَ<br>روزے دِن گنتی کے پس جو کوئی ہو | روزے گنتی کے دِنوں کے ہیں۔ پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو (روزے نہ رکھے اور تندرُست ہو کر |

مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ
تم میں سے بیمار یا اُوپر سفر کے پس گنتی ہے
اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ
دِنوں اور سے اور اُوپر اُن لوگوں کے کہ طاقت رکھتے ہیں اس کی
فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ فَمَنۡ تَطَوَّعَ
بدلا ہے کھانا ایک فقیر کا پس جو کوئی کرے زیادہ
خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا
نیکی پس وُہ بہتر ہے واسطے اُس کے اور یہ کہ روزہ رکھو تم
خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ ١٨٤
بہتر ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم جانتے۔

یا سفر سے واپس آ کر چھوٹے ہُوئے روزوں کی) گنتی بعد کے دنوں میں روزے رکھ کر پُوری کرلیا کرے۔اور جو لوگ سفر اور بیماری کے بعد روزہ کی طاقت پالیں۔تو پھر اگر روزہ نہ رکھیں تو فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں پھر جو کوئی بخوشی خاطر بھلائی کرے (یعنی ایک آدمی سے زیادہ کا کھانا فدیہ دیدے) تو اُس کے لئے اچھا ہے۔لیکن اگر تُم روزہ ہی رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ (کیونکہ روزے کی اصل غرض بُھوک پیاس برداشت کرنے کا عادی بنانا)

**وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ** اِس جُملے کا معنٰی عام تراجم میں یہ لکھا ہے:-''اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں اُن پر فی روزہ ایک مسکین کا کھانا ہے''۔لیکن اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اِس آئت میں یہ حُکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں، وُہ تو فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دے دیا کریں اور جن میں روزے کی طاقت نہ ہو وُہ روزے رکھا کریں۔جو کسی بھی صُورت میں مبنی بر انصاف نہیں۔اِس سلسلے میں غلطی یہ لگی ہے کہ يُطِيۡقُوۡنَهٗ باب افعال سے ہے ثلاثی مجرد سے نہیں۔اِس لئے اس کا یہ معنٰی کہ جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو، وُہ فدیہ دے دیا کرے، غلط ہے۔اِس کے برعکس دُوسرے نمبر پر جن مترجمین نے اِسے باب افعال تسلیم کیا ہے۔ اُنھوں نے اِس باب کے خاصہ سلبِ ماخذ کو اختیار کر کے یہ معنٰی لیا ہے، کہ جن لوگوں میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، وُہ فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دے دیا کریں۔اِس ترجمے سے یہاں تک تو بات بن گئی ہے۔لیکن اس سے اگلے حکم وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ کے ساتھ فِٹ نہیں بیٹھتی۔کیونکہ جن بچاروں میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں، اُنہیں فدیہ کی رعائت دینے کے بعد، پھر یہ حکم دینا کہ تم روزے ہی رکھو تو بہتر ہے، معقولیّت پر مبنی نہیں۔اور تیسرے نمبر پر اِس خامی کو دُور کرنے کے لئے بعض مترجمین نے يُطِيۡقُوۡنَهٗ کا یہ معنٰی لکھا ہے کہ جو لوگ روزے کو بہ مُشقّت نباہ سکتے ہوں، وُہ فدیہ دے دیا کریں۔لیکن پہلے نمبر پر تو یہ معنٰی يُطَوَّقُوۡنَ کا ہوسکتا ہے، يُطِيۡقُوۡنَ کا نہیں۔اور دُوسرے نمبر پر یہ ترجمہ نفس مضمون ہی کے خلاف ہے۔

کیونکہ مشقت کا عادی بنانے ہی کے لئے تو روزوں کی مشق کرائی جاتی ہے۔ مُشقت کی رعائت روزے کا مطلب ہی فوت کر دیتی ہے۔ نیز یہ امر ممکن ہی نہیں کہ روزہ مطلقاً تکلیف نہ دے اور روزے کا دِن، بالکل اُسی دِن کی طرح بِلا تکلیف گُزر جائے، جس طرح بلا روزہ کا سارا دِن کھاتے پیتے گُزارا جاتا ہے۔ اِس لئے یہ مفہوم بھی غلط ہے۔

پس عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ کا وُہ مفہوم، جس پر مذکورہ بالا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا، باب افعال کے خاصہ وجدان کے مطابق ہی لیا جانا صحیح ہے، جو اُوپر درج کیا گیا ہے کہ بیمار جب صحت یاب ہوکر، اور مُسافر سفر سے واپس آکر روزہ رکھنے کی کھوئی ہُوئی طاقت پالے تو رمضان کے بعد، چُھوٹے ہُوئے روزوں کی گنتی پوری کرلیا کرے۔ اور اگر روزہ نہ رکھّے، تو فی روزہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ کے طور پر ادا کرے۔ لیکن واضح رہے کہ، بہتر صُورت، جس کی سفارش کی گئی ہے، وُہ ہے، وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ = اَور یہ کہ اگر روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ باقی رہے وُہ لوگ جو روزہ رکھنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے اور اُن کی طاقت کے لَوٹ آنے کی اُمید بھی نہیں، یعنی بوڑھے اور دائم المریض، وُہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے حُکمِ عام کی رُو سے پہلے ہی مُستثنیٰ ہیں۔

## روزے پُورے رمضان کے ہیں

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کی وضاحت کی گئی ہے کہ وُہ گنتی کے تیس یا انتّیس دِن ہیں، پورے رمضان کے:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ

مہینہ رمضان کا وُہ جو اُتارا گیا ہے بیچ اس کے

الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى

قرآنِ مجید ہدایت واسطے لوگوں کے اور دلیلیں ہدایت کی سے

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

اور معجزے پس جو کوئی حاضر ہو تم میں سے اِس مہینے میں

فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى

پس چاہیے کہ روزہ رکھے اُس کو ۔ اور جو کوئی ہو بیمار ، یا اوپر

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ

سفر کے پس گنتی ہے دنوں اور سے ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ

وُہ گنتی کے دِن رمضان کا مہینہ ہے۔ جس میں قُرآن نازل کیا گیا ہے۔ جو تمام نوعِ اِنسانی کیلئے ہدائت اور ہدائت کے واضح دلائل، اور حق وباطل میں فرق کرنے والا ہے، پھر تم میں جو کوئی اِس مہینے میں حاضر ہو وُہ اُس پُورے مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی تم میں سے بیمار یا مُسافر ہو تو وُہ (مذکورہ بالا طریقے کے مطابق) بعد کے دِنوں میں گنتی پُوری کرلیا کرے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے، تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ (اِس حُکم کی غرض یہ ہے) تا کہ تم گنتی پوری کرلیا کرو۔ اور اُسکے حُکم کی اِس طرح تعمیل کرکے، کہ جس طرح اُس نے تُمہاری رہنمائی کی ہے،

بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؕ
ساتھ تمہارے آسانی کو اور نہیں ارادہ کرتا ساتھ تمہارے دُشواری کو
وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى
اور تو کہ پُورا کرو گنتی کو ۔ اور تو کہ بڑائی کرو اللہ کی اُوپر
مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ١٨٥
اُس کے کہ ہدائت کیا تُم کو اور تو کہ تم شکر کرو۔

اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا عملاً اظہار کیا کرو۔ اور تا کہ تُم (بھوک پیاس کے عادی ہونے کی بدولت، ناسازگار وقتوں میں بھی) بھرپُور محنت کرسکو۔

● اِس آئت میں فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ کے بعد آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے، تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اِس سے عیاں ہے کہ بیمار و مُسافر کے لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانی کر دی ہے کہ تمہیں تکلیف بھی نہ ہو اور روزوں کی گنتی بھی پُوری ہو جائے۔

**وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ......الخ کے الفاظ منسُوخ نہیں ہوئے**

قُرآن محل کراچی کی مطبوعہ مترجم بخاری شریف جلد دوم کے صفحہ نمبر ۲۳۷ پر لکھّا ہے کہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ...... الخ کے الفاظ آیتِ بالا میں آمدہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ سے منسوخ ہیں۔ لیکن جیسے کہ دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۷ ناسخ منسوخ میں بالوضاحت ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآنِ حکیم کا کوئی ایک لفظ بھی منسوخ نہیں۔ کُتبِ روایات نے ناسخ و منسوخ کا شاخسانہ ازخود کھڑا کر کے آیاتِ کریمات کو منسوخ ٹھہرانا شروع کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آئتِ مجیدہ ۲/۱۸۳ میں روزوں کی فرضیّت کا حکم ہے، ۲/۱۸۴ میں بتایا گیا ہے کہ یہ چند گنتی کے دِن ہیں اور ساتھ ہی اِستثنیٰ بیان کر دی کہ بیمار اور مُسافر روزہ نہ رکھّے۔ اِس سے آگے ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ...... الخ کہ جب یہ صحت یاب ہو کر اور سفر سے واپس آکر، روزے کی کھوئی ہوئی طاقت پانے کے بعد اگر روزہ نہ رکھّیں تو فی روزہ ایک مسکین کو کھانا فدیہ دیں۔ اگر فدیہ میں زیادتی کریں تو اچھّا ہے۔ لیکن روزہ رکھّیں تو بہتر ہے۔ اِس کے بعد آیتِ بالا ۲/۱۸۵ میں وضاحت کی گئی ہے کہ وُہ گنتی کے دِن رمضان کا مہینہ ہے اور اِس پورے مہینے کے متعلق فرمایا ہے:- فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، جو کوئی اِس مہینے میں حاضر ہو اِس پُورے مہینے کے روزے رکھے...... اِس طرح بتائیے کہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ منسُوخ کس طرح ہوگئی؟

یہاں روایات کو غلطی اِس طرح لگی کہ پہلے تو وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ کے حکم کو سیاقِ کلام کے خلاف حکمِ عام قرار دیدیا ہے۔ اور پھر اس سے مفہوم یہ لے لیا گیا ہے کہ پہلے پہل مالداروں کو اجازت تھی کہ وہ روزے نہ رکھیں اور فی روزہ

ایک مسکین کا کھانا دے دیا کریں۔لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ یہ معلوم ہُوا کہ مالدار تو فدیہ دے کر روزے کی مُشقت سے بچ گئے اور مارے گئے وُہ غریب جو فدیہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم واپس لے کر تصحیح فرما دی۔ العیاذُ باللہ...... اِس کے لئے علاوہ اِس اعتراض کو دُور کرنے کے لئے روایات کی طرف سے جتنے بھی مفہوم پیش کئے گئے ہیں۔ اُن پر سَیر حاصل بحث اُوپر گزر چکی ہے اور حقیقت نکھر کر عیاں ہو چکی ہے کہ آئتِ مجیدہ $\frac{۲}{۱۸۴}$ کے الفاظ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ......الخ بیمار و مسافر سے متعلق ہیں اور یہ ہرگز ہرگز منسوخ نہیں۔

## روزہ رکھنا، بُھوک پیاس کے برداشت کرنے کی مشق ہے، یہ کوئی پوجا پاٹھ نہیں

مذاہبِ عالم میں چونکہ روزوں کو محض پوجا پاٹھ ٹھہرا دیا گیا ہے۔ اور اِس کی اصل غرض مفقود ہو چکی ہے۔ اِس لئے جبکہ روزوں کے کچھ مسائل اُوپر گزر چکے ہیں اور کچھ ابھی باقی ہیں تو عین درمیان میں اِس غلط فہمی کو دُور کر دیا گیا ہے کہ روزے رکھوانے کی غرض کوئی پُوجا پاٹھ نہیں۔ بلکہ دراصل یہ بھوک پیاس کو برداشت کرنے کی ایک سالانہ ٹریننگ ہے۔

نظریۂ تصوّف اور ویدانت میں چونکہ یہ مانا گیا ہے کہ بھوک پیاس کی ریاضت اور تپسیّا کے ساتھ جسم کو تکلیف دینے سے اللہ تعالیٰ، ایشور پرماتما خوش ہوتا، اور اُس کا قُرب حاصل ہوتا ہے۔ اِس نظریہ کے بطلان کیلئے باندازِ خصوص ارشاد ہُوا ہے:۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ
اور جب سوال کریں تجھ کو بندے میرے مجھ سے پس تحقیق میں
قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا
نزدیک ہوں جواب دیتا ہوں پکارنے کا پکارنے والے کو جب
دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ
پکارتا ہے مجھ کو پس چاہیئے کہ قبول کریں حکم میرے کو اور ایمان لاویں ساتھ میرے
لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ ۱۸۶
تو کہ وہ بھلائی پاویں۔

اے رسول! جب آپ سے لوگ میرے متعلق سوال کریں (کہ کیا روزوں کی بُھوک پیاس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، تو آپ کہہ دیجئے گا کہ اُس نے کہا ہے) میں از خود قریب ہوں (رگِ جان سے بھی قریب $\frac{۵۰}{۱۶}$) جو کوئی مجھے پکارتا ہے، تو مَیں (اپنے قانونِ مشیّت کی زبان میں) اُسے جواب دیتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ وہ میرے قوانین کو قبول کریں۔ اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ حقیقت کو سمجھ سکیں۔

## ترکِ لذّات کوئی عبادت نہیں

آیتِ بالا میں بُھوک پیاس کو ذریعۂ تقرّب نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ اللہ کے جُملہ قوانین کو اپنے اُوپر حاوی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اِسی چیز کو وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ $\frac{۹۶}{۱۹}$ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، پُورے کے پُورے احکام کے سامنے جُھک جا اور نزدیک ہو۔ یعنی وہ تو پہلے ہی نزدیک ہے۔

تجھے اُس کی فرمانبرداری کے ذریعہ اُسکے قریب ہونا ہے۔ پس روزے رکھ کر یہ سمجھ لینا کہ روزوں کی غرض پُوری ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش ہوگیا ہے اور مجھے قُربِ خداوندی مُیسّر آ چکا ہے۔ یہ فلسفہِ وِیدانت تو ہوسکتا ہے، جس میں جسم کو تکلیف دینا اور ترکِ لذّاتِ نعماءِ خداوندی کو عبادت قرار دیا گیا ہے، قرآنی تعلیم ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن ٗ ربوبیّتِ عامہ کا علمبردار ہے:۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ٢/٢٩ = اے نوعِ انسانی اللہ ہی تو ہے جس نے زمین میں جتنی بھی نعمتیں پیدا کی ہیں، سب کی سب تمہارے ہی لئے پیدا کی ہیں۔ پس روزوں کے احکام کے عین درمیان میں ٗ اِنہیں پُوجا پاٹھ کے درجے سے خارج کر کے، عقل مندوں کیلئے وضاحت کر دی گئی ہے کہ اِن کی غرض ایّامِ جنگ کیلئے بھوک پیاس برداشت کرنے کا عادی ہونا ہے۔ اِس سے اگلی آئت میں روزوں سے متعلقہ زمانۂ جہالت کے طور طریقوں کی مذمّت فرمائی گئی ہے:۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ
حلال کی گئی واسطے تمہارے رات روزے کی رغبت کرنا
اِلٰى نِسَآئِكُمْ ط هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ
طرف بی بیوں اپنی کے وہ پردہ ہیں واسطے تمہارے اور تم
لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ
پردہ ہو واسطے اُن کے جانا اللہ تعالیٰ نے یہ کہ تم تھے
تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ
خیانت کرتے جانوں اپنی کو پس پھر آیا اوپر تمہارے اور
عَفَا عَنْكُمْ ج فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا
معاف کیا تم سے پس اب ملا کرو اُن سے اور ڈھونڈو
مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ص وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
جو لکھ دیا ہے اللہ نے واسطے تمہارے اور کھاؤ اور پیو
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ
یہاں تک کہ ظاہر ہووے واسطے تمہارے تاگا سفید
الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ص ثُمَّ اَتِمُّوا
تاگے کالے سے فجر سے پھر پُورا کرو

تمہارے لئے روزوں کی راتیں تمہاری بیویوں کے ساتھ بے حجابی کے لئے حلال کی گئی ہیں۔ وہ تمہارا پردہ ہیں اور تم اُن کا پردہ ہو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم (قبل نزولِ قرآن، ایک دوسرے سے جُدا رہ کر) ایک دُوسرے کے جنسی حقوق کی خیانت کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ تمہاری طرف رجوع برحمت ہُوا اور تمہیں قبل ایمان کی خطائیں معاف فرمائیں۔ پس اب تم (قرآنِ کریم پر ایمان لانے کے بعد) اپنی بیویوں سے مِلا کرو۔ اور جو کچھ تمہارے لئے تمہارے پروردگار نے فرض کیا ہے (اولاد) طلب کیا کرو اور روزوں کی راتوں میں رات کی سیاہ دھاری سے فجر کی سفید دھاری کے نمودار ہونے تک کھاتے پیتے رہا کرو[1]۔ اور پھر روزے کو رات تک پُورا کیا کرو[2]۔ نیز (جنسی ملاپ کے متعلق سُن لو کہ) جب تم میاں بیوی کبھی مسجد میں شب باش ہو رہے ہو تو جنسی رغبت نہ کرنا۔ مذکورہ بالا سب اللہ تعالیٰ کی حدّیں ہیں، پس اِن کے قریب تک نہ جانا۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اِسی طرح

الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ ج وَلَا تُبَاشِرُوۡهُنَّ
روزے کو رات تک اور مت ملو اُن سے
وَاَنۡتُمۡ عٰکِفُوۡنَ لا فِی الۡمَسٰجِدِ ط تِلۡکَ
اِس حالت میں کہ، جب ہوتم ٹھہرے ہوئے بیچ مسجدوں کے یہ ہیں
حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ
حدیں اللہ کی پس نہ نزدیک جاؤ اُن کے اسی طرح بیان کرتا ہے
اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ ۝ ۱۸۷
اللہ تعالیٰ نشانیاں اپنی واسطے لوگوں کے تو کہ وہ بچیں۔

لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وُہ (ایام جنگ کے خطرناک اوقات سمیت ہر قسم کے خطرات سے) بچ جائیں۔

**لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۱۸۳/۲ لَعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ ۱۸۷/۲**

روزوں کے حُکم کی ابتدا میں بھی ان کی غرض اتّقا بتائی گئی ہے، اور اِسی غرض کے اظہار پر اِس عنوان کو ختم کیا گیا ہے۔ عام طور پر تَتَّقُوۡن اور یَتَّقُوۡن کا مفہوم، روزہ دار کا، متّقی بن جانا لیا جاتا ہے اور متّقی کا مفہوم زبان زدِ عوام ہے، نماز روزے کا پابند ہونا۔ حالانکہ پیچھے ۱۷۷/۲ میں قرآنی معاشرہ کا خاکہ پیش کر کے اخیر پر وَالصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیۡنَ الۡبَاۡسِ کے جُملہ میں حِیۡنَ الۡبَاۡس پر واؤ خصوص بر عموم لا کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ مُتَّقُوۡن وہ ہیں، جو جنگ تک کے خطرہ سے محفوظ ہوں۔ یعنی اُنکے ہاں جنگی خطرات سے محفوظ رہنے کا سو فیصدی معقول انتظام ہر آن موجود ہوتا ہے۔ پس صیام کی سالانہ ٹریننگ، چونکہ ہے ہی ایّامِ جنگ کیلئے بُھوک پیاس کے عادی ہونے کی مشق، اِسلئے روزوں کے احکام و مسائل کی ابتدا و انتہا میں جو لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ اور لَعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ آیا ہے۔ اُس کا معنیٰ جنگی خطرات سمیت ہر خطرے سے محفوظ رہنا ہے۔ قرآنِ کریم نے اِس کی انتہائی صُورت یہ بیان کی ہے کہ:- ایمان والو! دُشمنوں کے مقابلہ کیلئے مقدُور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی طاقت تیّار رکھو۔ اور تمہارے ہاں ذرائع رسل و رسائل کی وُہ بُہتات ہو، جس سے تمہارے اور اللہ کے دُشمن لرزہ براندام رہیں ۶۰/۸۔

**کالا دھاگا اور سفید دھاگا**

لے سلسلہٗ درس کی آئتِ بالا میں آمدہ الفاظ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الۡخَیۡطُ الۡاَبۡیَضُ مِنَ الۡخَیۡطِ الۡاَسۡوَدِ کے متعلق روایات نے یہ تاثر دیا ہے کہ جب یہ الفاظ نازل ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے معاذ اللہ ان الفاظ سے یہ وہ پھٹنا مُراد لینے کی بجائے سحری کا وقت پہنچاننے کیلئے دو دھاگے رکھ لئے، ایک کالا اور ایک سفید۔ جب تک اُن میں تمیز نہ ہوتی، اُس وقت تک کھاتے پیتے رہا کرتے تھے۔ اِسلئے اللہ تعالیٰ نے

اُنہیں پوری طرح سمجھانے کیلئے، اُن کی اِس حرکت کے بعد مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ نازل کئے۔افسوس ہے کہ صحابہ کرام کے متعلق بتایا یہ گیا ہے کہ اُنہیں خود اپنی زبان کے الفاظ کے حقیقی اور مجازی استعمال تک کی خبر بھی نہیں تھی۔ (دیکھئے بخاری شریف قرآن محل کراچی جلد دوم صفحہ نمبر ۷۲۵) نیز اِس روائت میں یہ تصوّر دیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کا نزول آئت آئت کر کے بھی نہیں ہُوا تھا۔ بلکہ یہ لفظ لفظ کر کے نازل ہُوا تھا۔جیسے مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ۔لیکن روائتی تصوّر کے مطابق، قرآنِ کریم خود تو نازل ہوا ہے لفظ لفظ کر کے اور لوگوں کو چیلنج کرتا ہے، کہیں ایک سُورت کے لانے کا اور کہیں پُوری دس سُورتوں کا ۲/۲۳ + ۱۱/۱۳۔

**اعتکاف** آئتِ بالا ۲/۱۸۷ کے الفاظ "وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ" سے یہ نظریہ قائم کرنا کہ یہاں رمضان کے مہینے میں مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کا حکم یا جواز ہے۔تو اِس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر میاں بیوی دونوں کو مسجد میں اعتکاف کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہاں رمضان کی راتوں میں اختلاطِ باہمی سے پرہیز کریں، اور آئتِ مجیدہ کے مذکورہ الفاظ کا تقاضا پُورا ہو سکے......حقیقت یہ ہے کہ اِن الفاظ میں احترامِ مسجد کیلئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کبھی زندگی میں ایسا موقع آجائے کہ کسی سفر میں، یا کبھی ہنگامی حالات کی بدولت تمہیں میاں بیوی کو مسجد میں رات گزارنی پڑ جائے تو مسجد کا احترام ملحوظ رکھنا۔قرآن میں لفظ آیا ہے عٰکف[۱] جسے روایات نے تحریف لفظی کر کے بلاوجہ اعتکاف بنالیا ہے۔

**روزے کا ایک اہم فلسفہ** رمضان شریف کے روزوں میں حلال کھانے حلال پینے اور حلال بیوی سے پرہیز کی مشق کا حُکم دینے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئتِ مجیدہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ یاد رکھو، جب ہم نے مہینہ بھر کے مخصوص وقفہ کے لئے بُھوک پیاس کی شِدّت کے باوجود حلال چیزوں سے رُک رہنے کی مشق کا حُکم دے رکھا ہے، تو سمجھ لو کہ وُہ ناجائز مال جو تم پر سدا سدا کے لئے حرام کیا جا چُکا ہے۔وُہ تمہارے لئے ایک سیکنڈ کے لئے بھی کبھی حلال نہیں ہو سکتا۔چنانچہ حکم دیا گیا ہے:-

| | |
|---|---|
| وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ<br>اور مت کھاؤ مال اپنے درمیان اپنے<br>بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ<br>ساتھ باطل کے اور مت کھینچ لے جاؤ اُن کو طرف حاکموں کے<br>لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ<br>تو کہ کھاؤ ایک ٹکڑا مال لوگوں کے سے | اور تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں (رشوت، ملاوٹ، دھوکا، فریب) کے ساتھ نہ کھاؤ اور نہ حُکّام کو (رشوت کا) مال دیا کرو، تاکہ تم اُن کی مدد سے گُناہ کے ساتھ لوگوں کا مال کھا جاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اگر اِس طرح تمہارا مال کھایا جائے تو تم برداشت کرو گے؟) |

[۱] آئتِ مجیدہ میں عاکفون آیا ہے معتکفون نہیں آیا۔عاکف کا معنٰی ہے مقیم (دیکھئے المنجد مطبوعہ دارالاشاعت کراچی صفحہ ۶۷۳ کالم ۳)

بِالۡاِثۡمِ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۠ ۱۸۸ ع ۲۳/۷
ساتھ گناہ کے اور تم جانتے ہو۔

**ہلال تاریخیں بتاتے ہیں** روزے چونکہ رمضان کے فرض کئے گئے ہیں، جو ایک قمری مہینہ ہے اِس لئے اگلی آئتِ مجیدہ میں اِس وضاحت کے لئے کہ رویتِ ہلال سے رمضان شروع اور رویتِ ہلال ہی پر ختم ہو جائے گا، نیز چونکہ لوگ چاندوں میں سے بعض کو سعد اور بعض کو نحس خیال کرتے ہیں، اِس لئے اِس کے ضمن میں لوگوں کا سوال مع جواب درجِ قرآن کر دیا گیا ہے:-

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَهِلَّةِ ؕ قُلۡ هِیَ
پوچھتے ہیں تجھ کو چاندوں سے کہہ وہ
مَوَاقِیۡتُ لِلنَّاسِ وَالۡحَجِّ ؕ وَلَیۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ
وقت ہیں واسطے لوگوں کے اور حج کے اور نہیں بھلائی بیچ اس کے کہ
تَاۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ ظُهُوۡرِهَا وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ
آؤ تم گھروں میں پیٹھ اُن کی سے و لیکن بھلائی
مَنِ اتَّقٰی ۚ وَاۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ اَبۡوَابِهَا ۠
واسطے اُس شخص کے ہے کہ پرہیزگاری کرے اور آؤ گھروں میں دروازوں اُن کے سے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۱۸۹
اور ڈرو اللہ سے تو کہ تم فلاح پاؤ۔

اے رسول سلامٌ علیہ! لوگ آپ سے ہلالوں کے (سعد و نحس کے) متعلق سوال کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے گا، کہ ہلال (سب ایک سے ہیں۔ وہ سب کے سب) لوگوں کو تاریخیں بتانے کیلئے ہیں۔ اور حج کی تاریخوں کی وضاحت[۱] کیلئے ہیں) اور ایمان والو! یہ کوئی بھلائی نہیں کہ (اگر تمہیں حج پر روانہ ہو چکنے کے بعد کسی ضروری کام کیلئے واپس آنا پڑے تو) تم پچھواڑوں سے گھروں میں آؤ۔ بلکہ بھلائی یہ ہے کہ تم قانونِ خداوندی کی مخالفت سے بچتے رہو۔ پس گھروں میں دروازوں کی طرف سے آیا کرو۔ اور (پھر سُن لو) اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

[۱] ہلال کہتے ہیں نئے چاند کو۔ پس ایامِ حج، جن کی گنتی ۲/۱۹۶ میں عشرۂ کاملہ، یعنی دس دِن بتائی گئی ہے، یہ عشرۂ مبارکہ ذی الحج کے ہلال ہیں، جو رویت سے شروع ہو کر دس ذی الحج پر ختم ہو جاتے ہیں۔

**توہمات سے پرہیز کا حکم** سفر پر روانہ ہونے کیلئے الگ الگ مُلکوں کے الگ الگ توہمات ہیں۔ ہمارے ہاں یہ وہم چل رہا ہے کہ سفر پر روانہ ہوں تو اگر کوئی پیچھے سے بُلا لے، یا آگے سے بلّی نکل جائے تو، اِن چیزوں کو نحس شمار کرتے اور سفر مُلتوی کر دیتے ہیں۔ آئتِ بالا میں' جو حکم دروازوں کے راستے گھر میں داخل ہونے کا' حج کے ذکر میں دیا گیا ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربوں کے ہاں یہ وہم موجود تھا کہ جب حج پر روانہ ہو جائیں۔ تو اگر کوئی

چیز گھر بھول گئی ہو۔ تو اُسے لینے، یا کسی اور ضروری کام کیلئے گھر واپس جانا پڑ جائے تو دروازے کی بجائے پچھواڑے سے جایا کرتے تھے۔ خداوند عالم نے اِس عجیب وغریب توہم سے منع کر دیا ہے۔ پس اِس ایک ہی حُکم میں ہر مُلک کے جُدا جُدا توہمات کی نفی موجود ہے۔ نیز اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب جب جہاد کیلئے نکلتے تھے تو پھر بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اِن توہمات سے پرہیز رکھو، ایسا نہ ہو کہ دُشمن تمہارے سر پر چڑھا آ رہا ہو، اور تم سعد و نحس شگُونوں کے چکّر میں پڑے ہُوئے ہو۔ بلکہ جو لوگ تمہارے ساتھ جنگ چھیڑ دیں اور اُس وقت تمہارے لئے جنگ کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ رہے تو تم بھی اُن سے لڑو ۲۲/۳۹۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ
اور لڑو بیچ راہ اللہ کے اُن لوگوں سے جو
یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ
لڑتے ہیں تم سے اور مت زیادتی کرو تحقیق اللہ
لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَo ۱۹۰
نہیں دوست رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔

جو لوگ (تم پر ظلم کرنے کے لئے طاغوت کی راہ میں) تُم سے لڑیں، تم اُن سے (بچاؤ کرنے کے لئے) اللہ کی راہ میں لڑو۔ اور تُم ظلم زیادتی نہ کرنا۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

## دشمن قوم سے پُوری طرح ہوشیار رہو

نیز فرمایا کہ جو قوم تم سے لڑائی چھیڑ دے۔ تم اُس سے پُوری طرح ہوشیار رہو۔ اور اُنہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ اور جس مقام سے اُنہوں نے تمہیں نکالا ہو، تم اُنہیں وہاں سے نکال کر دم لو:۔

وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ
اور مار ڈالو تم اُن کو جہاں پاؤ اُن کو
وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ
اور نکال دو اُن کو جہاں سے نکال دیا تم کو
وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ
اور کفر سخت تر ہے قتل سے اور مت لڑو اُن سے
عِنْدَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ
نزدیک مسجد حرام کے یہاں تک کہ لڑیں تم سے

اور جنگ چھیڑنے والوں کو جہاں پاؤ، اُن سے لڑو۔ اور جس مقام سے اُنہوں نے تمہیں نکالا ہے اُنہیں وہاں سے نکال کر دم لو۔ کسی کو بے گھر کرنا قتل سے بڑا جُرم ہے۔ لیکن مسجدِ حرام کے پاس، اُس وقت تک اُن سے لڑائی نہ کرنا، جب تک کہ وہ تُمہارے ساتھ اِس کے پاس لڑنا نہ شروع کریں۔ پھر اگر وہ مسجدِ حرام (عالمی امن مرکز کا احترام ضائع کرکے) تم سے وُہاں لڑنا شروع کر دیں، تو تم

فِيهِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ط
پیچ اس کے پس اگر لڑیں تم سے پس مارو اُن کو
كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ۱۹۱
اسی طرح ہے سزا کافروں کی

بھی وُہیں دفاع کرو۔کافروں کی یہی سزا ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ ۱۹۲
پس اگر باز رہیں پس تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

پھر اگر وُہ (مسجدِ حرام کے قریب لڑائی سے) باز آ جائیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بچانے والا مہربان ہے۔(پھر تم بھی اُن سے وہاں نہ لڑنا)۔

اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ جنگ چھیڑنے والی قوم کے ساتھ مسجدِ حرام کی حُرمت کے لئے، اُن سے اِس کے پاس جنگ نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ جنگ چھیڑنے والوں کے اِرادے کیا کچھ نہیں ہوتے۔ اِس لئے جنگ کو اُس وقت تک جاری رکھو کہ دشمن کی طاقت ختم ہو جائے، اور وُہ فتنہ انگیزیوں کے قابل نہ رہے:-

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ
اور لڑو اُن سے یہاں تک کہ نہ رہے کفر
وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا
اور ہووے دین واسطے اللہ کے پس اگر باز رہیں پس نہیں
عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۞ ۱۹۳
زیادتی کرنا مگر اوپر ظالموں کے

اور جارح قوم کے ساتھ اُس وقت تک لڑتے رہو کہ (اُسکی طاقت ختم ہو جائے۔اور) آئندہ کیلئے جنگ کا خطرہ باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جائے (یعنی دین کے معاملہ میں کسی پر کوئی جبر و اکراہ نہ کر سکے ۲/۲۵۶) پھر اگر وُہ دین میں اکراہ سے باز آ جائیں تو پھر تمہیں جبر و اکراہ کرنے والوں کے سوا کسی سے جنگ کی اجازت نہیں۔

## جنگ میں وقفہ پیدا کرنے سے صُلح کے امکانات آسان ہو جاتے ہیں

پچھلی آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ مسجدِ حرام، جسے امنِ عالم کا مرکز ٹھہرایا گیا ہے۔ اِس کی حُرمت کے پیشِ نظر اُس کے قریب جنگ نہیں کی جانی چاہیئے۔ کسی جاری جنگ کو بند کرنے کی یہ مخصوص حکمتِ عملی ہے۔ کیونکہ جنگ اگر کسی وجہ سے رُک جائے تو فریقین کو خالی الذہن ہو کر غور و فکر کا موقعہ ملتا اور صُلح ممکن ہو جاتی ہے۔ یہ تو ہُوئی مسجدِ حرام، یعنی عالمی امن کے مرکزی مقام کی حُرمت، خداوندِ عالم نے سال کے بارہ مہینوں میں سے چار ماہ کے لئے جنگ کو لازماً بند کرنے کا حکم دے کر، سالانہ عالمی امن اجتماع کی حُرمت کی بھی وضاحت کر رکھی ہے کہ، جنگ خواہ زمین کے کسی بھی حِصّے میں ہو رہی ہو حُرمت کے مہینے آنے پر فوراً بند کر دی جائے ۹/۳۶۔ یہ وقفہ بھی صُلح کے امکان کا معاون ہے کہ جنگ کی گرما گرمی سے

نکل کر صلح کے لئے غور کیا جا سکے۔ لیکن اگلی آئت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر دشمن حُرمت کے مہینوں میں بھی جنگ بند نہ کرے، یا تم پر حُرمت ہی کے مہینوں میں حملہ کر دے تو تم کو بھی اِنہی مہینوں میں دفاعی جنگ کی اجازت ہے:-

اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ
مہینہ حُرمت والا بدلے مہینے حُرمت والے کے ہے
وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى
اور حُرمتوں کا بدلا ہے پس جو کوئی زیادتی کرے
عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا
اوپر تمہارے پس زیادتی کرو تم اوپر اُس کے مانند اُس کے کہ
اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
زیادتی کی اُوپر تمہارے اور ڈرو اللہ سے
وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝ ۱۹۴
اور جانو کہ تحقیق اللہ ساتھ پرہیز گاروں کے ہے۔

حُرمت کے مذکورہ بالا مہینے (رمضان) کا بدلہ یہی حرمت والا مہینہ ہے۔ اور (باقی) تین حُرمت والے مہینوں کا بدلہ بھی وُہی مہینے ہیں۔ پھر جو کوئی تم پر (حُرمت کے اِن چار مہینوں میں ۹/۳۶) جنگ کی زیادتی کرے، تو تم بھی اُسی طرح جنگ کی زیادتی کرو جس طرح تم پر کی جائے۔ اور اللہ کے قانون کی مخالفت سے بچتے رہو اور جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کی مخالفت سے بچنے والوں کے ساتھ ہے۔

(نوٹ) حُرمت کے مہینوں کی بحث آئت نمبر ۱۹۷ میں آگے آ رہی ہے۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لیجئے گا کہ اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ میں الف لام عہدی ذِکری ہے اور ماقبل مذکور ہے شَهۡرُ رَمَضَانَ ۲/۱۸۵۔ اِسلئے ثابت ہوا کہ رمضان شریف بھی حُرمت والا مہینہ ہے اور یہ چار حُرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔

## جنگی ضروریات کیلئے مال خرچ کرتے رہو

سُورۂ انفال آئت نمبر ۶۰ میں ارشاد ہُوا ہے کہ دُشمن کے مُقابلے کیلئے مقدُور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی طاقت تیار کرو تاکہ تمہارا دشمن، تمہاری طاقت کے تصوّر ہی سے لرزہ براندام رہے۔ اِس حُکم کی مکلّف پُوری اُمّت ہے۔ چنانچہ اگلی آئت میں ارشاد ہوا ہے:-

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا
اور خرچ کرو بیچ راہ اللہ کے اور مت ڈالو
بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۖۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۚ
ہاتھوں اپنے کو طرف ہلاکت کے اور نیکی کرو

اور اللہ کی راہ میں (جنگی ضروریات کے لئے زیادہ سے زیادہ) مال خرچ کرتے چلے جاؤ اور جنگی تیاری میں کمی کر کے اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈال دینا۔ اور اس کمی[1] کو پُورا کرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کمیاں پُوری کرنے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ۱۹۵ || والوں کو پسند کرتا ہے۔
تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو

لے اَحْسِنُوْا کا معنٰی لکھا گیا ہے کمی پوری کرو۔ مادہ ح۔س۔ن = حسن کا بنیادی معنٰی ہے توازن قائم رکھنا۔ اور توازن اُسی وقت بگڑتا ہے جب کسی ایک طرف کا پلڑا جھک جائے اور دوسری طرف کمی واقع ہو جائے۔ قرآنِ کریم نے انفاقِ مال کے دو گوشے بیان کئے ہیں:-

۱۔ معاشرہ کو متوازن رکھنے کے لئے۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ۲/۲۱۹ = لوگ آپ سے پوچھیں گے کہ وہ کس حد تک مال خرچ کرتے چلے جائیں۔ آپ کہہ دیجئے گا، ضرورت سے زائد سب کچھ دے دو۔ تاکہ یہ مال معاشرہ کے اُس پلڑے میں ڈال کر معاشرہ کو متوازن کر دیا جائے جس میں کمی واقع ہو چکی ہے۔

۲۔ دُشمن کے مقابلے کے لئے: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ۸/۶۰ = اور دُشمنوں کے مقابلے کے لئے زیادہ سے زیادہ فوجی قوّت تیار کرتے رہو...... اِس طرح قرآنِ مجید نہ فوجی تیاریوں میں کمی رکھنے کی اجازت دیتا ہے نہ عوام کے حقوقِ ربوبیّت میں۔ چنانچہ سلسلۂ درس کی آیتِ بالا میں فوجی طاقت میں کمی کرنے کو ہلاکت اور تباہی کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ اِس سے اگلی آیت میں سیاقِ کلام کے مطابق، حج اور عمرہ کا تعارف عالمی جنگوں کے خاتمہ کے لئے، عالمی امن مرکز کی سالانہ کانفرنس کے طور پر کرایا گیا ہے۔

(نوٹ) اگلی آیتوں میں حج کا مضمون ہے۔ اِسلئے آگے بڑھنے سے پہلے ذیل کے حقائق بغور ملاحظہ فرمائیں:-

## جنگوں کے خاتمہ کیلئے حج کی عالمی امن کانفرنس

حضرتِ انسان نے جب سے شعور کی آنکھ کھولی ہے۔ یہ انفرادی طور پر بھی باہم دست و گریبان ہے۔ اور قومی اور مُلکی سطح پر بھی ایک قوم دُوسری قوم سے اور ایک مُلک دوسرے مُلک سے برسرِ پیکار ہے۔ انفرادی جھگڑوں کے لئے ہر ملک میں داخلی عدالتیں قائم کی جاتی ہیں۔ اور مُلکوں مُلکوں کے تنازعے فی زمانہ نام نہاد سلامتی کونسل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن نتیجہ یہ ہے کہ امنِ عالم مفقود، اور ہر طرف توپیں آگ اُگلتی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسجدِ حرام کو امنِ عالم کا مرکز بتایا ہے ۲/۱۲۵، ۳/۹۷۔ اِسے پوری نوعِ انسانی کو قدموں پر کھڑا کرنے کا ضامن ٹھہرایا ہے ۵/۹۷، اور پُوری نوعِ انسانی کے بار بار آنے جانے اور فائدہ اُٹھانے کا مقام ٹھہرایا ہے ۲/۱۲۵، ۲۲/۲۸۔ چنانچہ اِسے پُوری نوعِ انسانی کے امن کا اوّلین واحد مرکز بتایا ہے ۳/۹۶۔ اور پُوری نوعِ انسانی کو مذکورہ بالا فائدے اُٹھانے کے لئے، اِس کی سالانہ حج کانفرنس میں حاضری کی دعوت دے کر ۲۲/۲۷،

قوموں قوموں اور مُلکوں مُلکوں کے جھگڑے تنازعے توپوں اور ٹینکوں کے ذریعہ نہیں، بلکہ مرکز کے فیصلے کے مطابق، بلا جنگ وجدال طے کرنے کا حکم دے رکھا ہے، حج سالانہ امن کانفرنس ہے۔اور عمرہ وُہ اجتماع ہے، جو کسی ممبر قوم کی درخواست پر دَورانِ سال، کسی بھی وقت ہنگامی طور پر بُلایا جائے۔اور حج کے ساتھ تمتّع بالعمرہ یہ ہے کہ کوئی فرد یا قوم مقرّرہ پروگرام کے علاوہ کوئی ہنگامی مسئلہ پیش کرکے زیرِ غور لانا چاہے۔یہی ہے بیت الحرام کی عالمی مرکزی حیثیّت، جسے قرآنِ کریم نے اُجاگر کر رکھا ہے۔

حج کی سالانہ عالمی کانفرنس کے لئے، جس میں اقوامِ عالم کی امامت، اُمتِ مُسلمہ کو مسجدِ حرام کی تولیّت کے ذریعہ عطا کی گئی ہے، رمضان سے ذی الحج تک کے چار مہینوں کیلئے پُورے کرّۂ ارض کی جنگوں کو بند کرنے کا حکم $\frac{9}{5}$، اِسلئے دیا گیا ہے کہ ہر چہار طرف کے راستے، ہر چہار طرف سے آنے والوں کے لئے پُر امن اور صاف ہو جائیں۔نیز حج کے سالانہ امن اجتماع میں شامل ہونے والوں کو حُکم دیا گیا ہے کہ بلا ہدی (بلا تحفہ) یعنی خالی ہاتھ کوئی نہ آئے۔ہدی کی پھر دو قسمیں ہیں۔نقد وجنس اور خوراک کے جانور۔دُوسری قسم کے لئے قرآنِ کریم میں مخصوص لفظ قلائد لایا گیا ہے یعنی پٹے والے جانور۔ہدی کی ہدائت اِسلئے کی گئی ہے کہ مہمانوں کے خرچ کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔اور ہدی کا مرکز میں پہنچانا اِس قدر لازم قرار دیا ہے کہ اگر عازمینِ حج میں سے کوئی فرد یا گروہ فیصلۂ حج کے بعد کسی وجہ سے رُک جائے یا روک لیا جائے تو ہدی نہیں رُک سکتی اُسے مرکز ہی میں پہنچانا ہوگا۔چنانچہ سلسلۂ درس کی اگلی آئتِ مجیدہ اِسی عنوان سے شرُوع ہوئی ہے:-

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ

اور پُورا کرو حج کو اور عمرہ کو واسطے اللہ کے پس اگر

اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا

گھیرے جاؤ تم پس جو کچھ مُیسّر ہو قربانی سے اور مت

تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ

منڈواؤ سروں اپنوں کو یہاں تک کہ پہنچے قربانی

مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ

جگہ حلال ہونے اپنے کی پس جو کوئی ہو تم میں سے بیمار یا اس کو

اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ

اِیذا ہو سر اُس کے سے پس بدلا ہے روزوں سے یا

اور حج اور عمرہ کو (ذاتی اغراض سے الگ رہ کر امنِ عالم کے قیام کیلئے) خالص اللہ ہی کے لئے پورا کیا کرو۔پھر اگر تم کسی وجہ سے روک لئے جاؤ، تو ھدی جو تم میسّر کر چکے ہو، (مرکز میں پہنچا دو) اور اُس وقت تک سر نہ منڈانا (حجامت نہ بنوانا) جب تک کہ ہدی اپنے مقام پر (یعنی بیت الحرام نہ پہنچ جائے) پھر جو کوئی تم سے بیمار ہو، یا اُس کے سر میں کوئی تکلیف ہو، (اور وہ حجامت بنوانے کے لئے مجبُور ہو جائے) تو اس کا فدیہ ایک روزہ ہے، یا صدقہ اور یا مرکز میں کوئی بدنی خدمت پیش کرے۔پھر جب تم امن میں ہو، تو تم میں سے جو فرد یا گروہ حج کے ساتھ، عمرہ کا فائدہ بھی اُٹھائے

صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ج فَاِذَآ اَمِنْتُمْ وقف فَمَنْ
خیرات سے یا ذبح سے پس جب امن میں ہو تم پس جو کوئی
تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ
فائدہ اُٹھاوے عمرہ سے ساتھ حج کے پس جو کچھ میسر ہو
مِنَ الْهَدْيِ ج فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
قربانی سے پس جو کوئی نہ پاوے پس روزے
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا
تین دن کے بیچ حج کے اور سات روزے جب
رَجَعْتُمْ ط تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط ذٰلِكَ
پھر جاؤ تم یہ دس ہوئے پورے یہ
لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ
واسطے اُس شخص کے ہے کہ نہ ہوں اہل اُس کے رہنے والے مسجد
الْحَرَامِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
حرام کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو تحقیق
اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ع ۱۹۶ ع ۲۴ ۸ ۸
اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

(یعنی کوئی ہنگامی مسئلہ بحث و تمحیث کے لئے پیش کرے) تو کچھ ہدیہ دے۔ پھر جو کوئی ہدیہ نہ پائے تو ایامِ حج میں تین دن کے روزے رکھے، اور واپس آ کر سات روزے گھر میں رکھے۔ یہ حج کے پُورے دس دن ہیں۔ یہ احکام اُن لوگوں کیلئے ہیں، جن کے اہل وعیال مسجدِ حرام، مکّہ معظمہ کے رہنے والے نہیں (یعنی باہر سے آنے والوں کیلئے)۔ اور اللہ تعالیٰ کے حج وعمرہ سے متعلقہ احکام کی مخالفت سے بچتے رہو۔ اور جان لو کہ (اگر تم نے اقوامِ عالم کی امامت کے مقدّس فریضہ کو انجام نہ دیا تو تم سے یہ منصب چھین کر سخت عذاب میں مُبتلا کر دے گا۔ کیونکہ) اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

[1] بال کٹوانا اور حجامت بنوانا فراغت کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ اب چونکہ مکہ معظّمہ پہنچتے ہی اوّلین فرض ھدی کا مرکز میں پہنچانا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اِس اوّلین فریضہ کی انجام دہی کے بعد ہے، وہ اوّلین فراغت، جو عازمینِ حج کو سفر کے خاتمہ پر مُیسّر آتی ہے۔ اِس لئے ارشاد ہُوا ہے کہ مکّہ پہنچنے پر ھدی یعنی تحائف کو اپنے مقام پر پہنچانے سے پہلے حجامت وغیرہ کے فراغت کے کاموں میں نہ لگ جانا۔

## حج کے مہینے جانے پہچانے ہیں

سلسلۂ دَرس کی اگلی آئتِ مجیدہ میں حج سے متعلقہ مزید ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ حج کے مہینے تمہیں معلوم ہیں:۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ج فَمَنْ
حج کے مہینے ہیں معلوم پس جو کوئی

حج کے مہینے (تمہیں) معلوم ہیں[1] پس جو کوئی اِن مہینوں میں اپنے آپ پر حج فرض کر لے تو (جان لو کہ) حج

فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا
مقرر کرے بیچ اُس کے حج پس نہ رغبت کرنا (طرف عورتوں کے) اور نہ
فُسُوقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا
گناہ کرنا اور نہ جھگڑنا بیچ حج کے اور جو
تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَ
کرو گے تم بھلائی سے جانتا ہے اُس کو اللہ اور
تَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ
خرچ راہ لیا کرو پس تحقیق بہتر فائدہ خرچ کا بچنا ہے سوال گناہ سے،
وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۝ ۱۹۷
اور ڈرو مجھ سے اے صاحبو عقل کے۔

میں نہ جنسی مَیلان کی اجازت ہے۔نہ احکامِ حج کی حُدود شکنی اورلڑائی جھگڑے کی۔اور حج میں تم نوعِ انسانی کی بھلائی کے لئے جو کچھ بھی کرو گے، اللہ اُسے جانتا ہے۔اور حج کے لئے زادِ سفر لے کر آنا۔ بلاشُبہ قوانین خداوندی کی مخالفت سے بچتے رہنا بہتر زادِ راہ ہے اور اے عقلمندو! (عالمی امن اجتماع کے سربراہو!) بین الاقوامی مسائل پر غور کرتے وقت میرے احکام کی مخالفت سے بچتے رہنا۔

لہ آئتِ بالا میں تصدیق کی گئی ہے کہ حج کے مہینے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سابقہ اُمّتوں پر مقرّر کئے گئے تھے، اُن میں کوئی ردّو بدل نہیں ہُوا، وہ بالکل وُہی ہیں.......... نیز اَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ کے الفاظ میں بتایا ہے کہ یہ کم از کم تین ہیں۔اب چونکہ ۹/۳۶ میں حرمت کے مہینوں کی تعداد بتائی گئی ہے چار، جو ۹/۵ کے مطابق مُسلسل ہیں کٹویں نہیں۔اور ان میں جنگ کرنا حرام ہے۔اِن چار مہینوں میں سے آئتِ بالا کے الفاظ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ کے مطابق تین مہینے حُرمت والے تو ہُوئے حج کے۔اور چوتھا حُرمت والا مہینہ آپ آئت نمبر ۱۹۴ میں اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ کے الفاظ پر الف لام عہدی ذکری، اور ماقبل مذکور شَهْرُ رَمَضَانَ کی صُورت میں دیکھ چکے ہیں رمضان کا مہینہ۔پس تین مہینے حج کے اور چوتھا مہینہ رمضان کا، پُورے چار، از رمضان تا ذی الحج ثابت ہوئے، جو مسلسل آتے ہیں کٹویں نہیں۔کُتبِ روایات نے مُحرّم اور رجّب کو حُرمت کے مہینوں میں داخل کر کے اِنہیں فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ ۹/۵ کا مخالف بنا دیا ہے۔آئت کہتی ہے کہ یہ چاروں مُسلسل گُزر جاتے ہیں۔لیکن اِدھر روائت کے بتائے ہوئے محرّم اور رجّب کے درمیان، صفر تا جمادی الثانی مزید پانچ مہینے حائل ہیں۔حالانکہ اِس پر قرآنِ کریم نے نہائت سخت تنبیہ کی ہے:-اِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۹/۳۷ = سوائے اِس کے اور کوئی بات نہیں کہ حُرمت کے مہینوں کو آگے پیچھے کر لینا کُفر کی زیادتی ہے۔

## حج کوئی یاترا نہیں ہے کہ اِس میں تجارت حرام ہو

پیچھے آپ دیکھ چکے ہیں کہ جب تک مرکز میں ہدی نہ پُہنچائی جائے، اُس وقت تک حجامت کی بھی اجازت نہیں

۲/۱۹۶ ۔اور اِس کے بعد عشرۂ حج میں مُلکوں کے نمائندوں اور عام حاجیوں کیلئے لازم ہے کہ حج کی تمام مجلسوں عرفات اور مشعر الحرام میں جن کا ذکر آگے آرہاہے باقاعدہ حاضر رہیں، اب اِس کے بعد باری آتی ہے واپسی کی۔تو واپسی کے لئے ارشاد ہُوا ہے کہ تجارت یا کوئی اور کاروبار کرنے کی اجازت ہے۔کیونکہ حج کوئی یاترا نہیں کہ درشن اور زیارت، یا صرف خرچ کرنے کے سوا کسی فائدے کی اجازت نہ ہو:۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا
نہیں اوپر تمہارے گناہ یہ کہ ڈھونڈو
فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ
فضل پروردگار اپنے کے سے پس جب پھرو تم
عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ
عرفات سے پس یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر
الۡحَرَامِ ۖ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ ۚ وَ
الحرام کے اور یاد کرو اُس کو کہ جیسا ہدائت کیا تم کو اور
اِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ۱۹۸ؐ
تحقیق تھے تم پہلے اِس سے البتہ گمراہوں سے ۔

اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔(صرف عشرۂ حج میں پابندی ہے) پھر جب تم اجتماعِ عرفات سے (باہمی تعارف کے بعد) لَوٹو تو مشعر الحرام کے مقام پر بھی (جہاں زیرِ غور معاملات پر عقل وشعور کے ساتھ غور کے بعد فیصلے دیئے جاتے ہیں) اللہ کے قانون کو اچھی طرح یاد رکھنا۔اور اللہ تعالیٰ کو اُس طرح یاد رکھو، جس طرح اُس نے تمہیں (آیاتِ بالا میں) ہدائت دی ہے اور بلاشُبہ تم نزولِ قرآن سے پہلے بھٹکے ہوؤں میں سے تھے۔ (حقیقتِ حج سے بالکل بے خبر تھے)۔

پچھلی آئتِ مجیدہ میں حج کے سربراہوں کے نام مشعر الحرام سے متعلقہ مخصوص ہدایات جاری کرنے کے بعد کہ مسائل زیرِ غور پر کسی طرف کو جھکاؤ کے بغیر قوانین خداوندی کی مخالفت سے ڈرتے ہُوئے فیصلے دیا کریں، اگلی آئتِ مجیدہ میں اُنہی کو واضح کیا گیا ہے کہ تم بھی عوام ہی کے افراد ہو:۔

ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ
پھر پھرو جہاں سے پھرتے ہیں
النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لوگ اور بخشش مانگو اللہ تعالیٰ سے تحقیق اللہ تعالیٰ
غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۱۹۹ؐ
بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر تُم بھی وہاں اُسی عوامی حیثیت کے ساتھ لوٹا کرو، جس حیثیت[۱] سے تمام لوگ لَوٹ کر آتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ (کے قانون) سے سب کے لئے حفاظت طلب کیا کرو۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ (اپنے قانونِ مساوات کے ساتھ سب کی) حفاظت کرنے والا مہربان ہے۔

ل ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ کا معنیٰ عام تراجم میں یہ لیا گیا ہے کہ جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں، تم بھی اُسی جگہ سے لوٹو۔ حالانکہ یہ مفہوم مشاہدۃً قرآنِ کریم کے خلاف ہے۔ کیونکہ حج میں لوگوں کی حالت تو یہ ہے، کہ وُہ لاکھوں جانوروں کو بیکار ذبح، اور ریت کی نذر کر کے لوٹتے ہیں۔ حالانکہ قرآنِ کریم نے مذبوحہ جانوروں کو کھانے اور محتاجوں کو کھلانے کا حکم دیا ہے:- فَکُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ ۲۲/۲۸...... نیز لوگ تو مٹّی کے شیطانوں کو پتّھر مار کو لوٹتے ہیں، جس کا قرآنِ کریم میں مُطلقاً حکم نہیں۔ نیز نفسِ امّارہ کی اطاعت کرتے رہنا، اُسکے حکموں کی اتباع کرنا، اور مٹّی کے شیطان بنا کر اُنہیں پتّھر مارنا، کس قدر مضحکہ خیز عمل ہے اور اِس عمل کو رسول اکرم سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کرنا کتنی جُرأت۔

چُنانچہ مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ کا معنیٰ اُوپر لکھا گیا ہے، جس حیثیّت سے سب لوگ لوٹتے ہیں، اے سربراہانِ حج تم بھی اُسی حیثیّت سے لوٹو۔ اپنے آپ کو عوام سے افضل و برتر شمار کر کے قرآنی مساوات کو بدنام نہ کرنا۔ لفظ حَیۡثُ عربی زبان میں تین طریقوں پر استعمال ہوتا ہے۔ زمان کے لئے بمعنی جب کے معنوں میں بھی۔ اور مکان کے لئے بمعنی جہاں کے مفہوم میں بھی۔ فَکُلُوۡا مِنۡهَا حَیۡثُ شِئۡتُمۡ ۲/۵۸ = اِس میں سے کھاؤ جب چاہو، اور جہاں سے چاہو...... اور حَیۡثُ کا تیسرا استعمال اظہارِ حیثیّت کے لئے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے:- اَنَا جِئۡتُ اِلَیۡکَ مِنۡ حَیۡثِ الرَّفِیۡق ۔ میں تیرے پاس تیرے دوست کی حیثیّت سے آیا ہوں۔

## حج کے فیصلوں پر پُورا پُورا عمل کرو

اِس سے اگلی آیتِ مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جب تُم اپنے اپنے مناسک ادا کر کے واپس لوٹو، تو اللہ تعالیٰ کو اپنے باپوں کی طرح یاد رکھو:-

فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ مَّنَاسِکَکُمۡ فَاذۡکُرُوا

پس جب کر چکو تم عبادتیں اپنی یاد کرو

اللّٰهَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ

اللہ کو جیسا یاد کرتے تھے تم باپوں اپنوں کو یا زیادہ تر

ذِکۡرًا ط فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ رَبَّنَآ

یاد کرنا پس بعضے لوگوں میں سے وہ شخص ہے کہ کہتا ہے اے رب ہمارے

اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا وَمَالَهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنۡ

دے ہم کو بیچ دُنیا کے اور نہیں واسطے اُس کے بیچ آخرت کے کچھ

خَلَاقٍ ۲۰۰

حِصّہ۔

اور جب تُم حج سے متعلقہ اپنے اپنے فرائضِ منصبی ادا کر چُکو (تو یہ نہ سمجھ لو کہ کام ختم ہُوا۔ اب اجتماع میں کئے گئے فیصلوں پر عمل درآمد کے لئے) اللہ تعالیٰ کو اِس طرح یاد رکھّو، جس طرح تم اپنے باپوں کو یاد رکھتے ہو (جس طرح ہر شخص ایک اکلوتے باپ کا بیٹا بنتا ہے۔ اُسی طرح ایک اکلوتے اللہ کے بندے بنو۔ اور انفرادی مفاد کے لئے، اجتماعِ حج کے فیصلوں کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کو بُھلا نہ دینا۔ پھر لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو (کُھلے بندوں) کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دُنیا ہی میں دیدے۔ ایسے گروہ کے لئے آخرت میں کوئی حِصّہ نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا
اور بعضے اُن میں سے وُہ شخص ہے کہ کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً
بیچ دُنیا کے نیکی اور بیچ آخرت کے نیکی
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ۲۰۱
اور بچا ہم کو عذاب آگ سے۔

اور اُن میں ایک گروہ ہے، جو کہتا ہے کہ اے ہمارے پروردگار، ہمیں دُنیا میں بھی حلال رزق دے۔ اور آخرت میں بھی اچھا اجر عطا فرمائیو۔ اور ہمیں دُنیا اور آخرت دونوں کی آگ کے عذاب سے بچالے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ط
یہ لوگ واسطے اُن کے حِصّہ ہے اُس چیز سے جو کمایا اُنہوں نے
وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ۲۰۲
النصف
اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب کا۔

مذکورہ دونوں گروہ ایسے ہیں، کہ دونوں کو الگ الگ اُن کے اعمال کے مطابق حِصّہ دیا جاتا ہے، اور دیا جائے گا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

### اللہ تعالیٰ سریع الحساب ہے

اِس جملے سے بعض لوگ قیامت کے انکار کی دلیل پکڑتے ہیں۔ یعنی، جونہی کوئی فرد مرتا ہے تو اُسی وقت اللہ تعالیٰ حساب لے لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُوپر دُنیا اور آخرت کی جزا سزا کا ذکر آیا ہے۔ دُنیا کی بعض سزائیں ایسی ہیں کہ آگ میں اُنگلی ڈالنے سے، فوراً اُنگلی جل جاتی ہے۔ سنکھیا کھانے اور ریل کے نیچے سر دینے سے فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔ دنیا میں تو سریع الحساب کی تفسیر ایسے عالمی مشاہدات ہیں۔ اور آخرت کی حالت یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص مرتا ہے، تو اُس کیلئے موت اور قیامت (یوم الحساب) کا درمیانی فاصلہ ایک سیکنڈ ہی کے برابر ہوگا۔ موت کا ذائقہ ابھی مُنہ ہی میں ہوگا کہ قیامت کی بعثت اور حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ پس اِس آئیہ مجیدہ میں قیامت کے اِنکار کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ سریع الحساب ہے۔

### حج سے متعلقہ ایک رعائت

اگر کسی شخص یا گروہ کو واپسی کی جلدی ہو، اور وہ حج کا عشرہ پُورا نہ کر سکتا ہو تو دو دِن کی رعائت دی گئی ہے۔ وُہ آٹھ دِن کے بعد واپس جا سکتا ہے:۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ط
اور یاد کرو اللہ کو بیچ دنوں گنے ہُوئے کے
فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ
پس جو کوئی جلدی کرے بیچ دو دن کے پس نہیں گناہ

اور (ایمان والو! پھر سُن لو کہ امامت اقوامِ عالم کے مقدّس فریضہ کے لئے) حج کے گنے ہوئے دس دِنوں میں اللہ تعالیٰ کو خوب یاد رکھا کرو (تا کہ کسی جانب جُھک نہ جاؤ۔) پھر جو شخص یا گروہ دو دن کی جلدی کرے تو اُس پر

عَلَيۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۙ

اُوپر اُس کے اور جو کوئی پیچھے رہے پس نہیں گناہ اُوپر اُس کے

لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّكُمۡ

یہ واسطے اس شخص کے ہے کہ پرہیزگاری کرے اور ڈرو اللہ سے اور جانو یہ کہ تم

اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝ ۲۰۳

طرف اُسی کے اکٹھے کئے جاؤ گے۔

کوئی گناہ نہیں۔ اور جو کوئی، دو دِن زائد رہنا چاہے تو اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ دونوں صورتوں میں اصل غرض، قانونِ خداوندی کی حفاظت ہو۔ اور جان لو کہ تم جوابدہی کے لئے اُسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔

آیتِ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کے آٹھ دن کے اجتماعات میں ضرُوری کام ختم کر دیا جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی چلا بھی جائے تو نہ اُس کا کوئی ہرج ہوتا ہے، نہ باقی اقوام و افراد کا۔ اور اِسی طرح عشرۂ کاملہ کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا گروہ دو دِن زائد رہنا چاہے، یا کسی وجہ سے رہنے کے لئے مجبور ہو تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن شرط یہ لگائی گئی ہے، کہ دونوں صورتوں میں اصل غرض، تعمیر و اصلاح ہو، تخریب و فساد نہ ہو۔

## مروّجہ قربانی، یعنی جانوروں کو ذبح کر کے گڑھوں میں پھینک دینا اسراف محض ہے

حج سے متعلقہ مسائل میں سے ہدی کا مسئلہ انتہائی اہم ہے، اِسے عُرفِ عام میں قربانی کہا جاتا ہے۔ اور اِس کی عملی صُورت یہ ہے کہ حج کے موقع پر لاکھوں جانور ذبح کر کے گڑھوں، کھائیوں اور خندقوں کی نذر کر دیئے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی جُملہ نعمتوں کے متعلق حکمِ عام نافذ کر رکھا ہے:-" كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۝ ۷/۳۱ ۔ کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اِس آیہ مبارکہ کی رُو سے جانوروں کو ذبح کر کے گڑھوں میں پھینک دینا یقیناً یقیناً اسراف بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مُوجب بھی۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اِس حکمِ عام سے استثنیٰ کے طور پر حج کے ایام میں اِس عجیب و غریب اسراف کو جائز قرار دیا ہے؟ اِس ضمن میں قرآنِ حکیم کا وہ حکم ملاحظہ فرمائیں جو ہدی کے جانوروں کے متعلق دیا گیا ہے اور جس کا تعلق صرف ایّامِ حج کی غذائی صُورت کے ساتھ ہے:-

وَاَذِّنۡ فِى النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاۡتِيۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ ۝ۙ لِّيَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِىۡۤ اَيَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ ۚ فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِيۡرَ ۝ ۲۲/۲۷-۲۸ = اے رسول سلامٌ علیہ! لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئے گا۔ تا کہ لوگ اپنے فائدوں کے لئے آپ کے پاس پیادہ پا، اور ہر تھکی ہاری سواری پر دُور دراز سے آئیں اور جُگالی کرنے والے جانور جو اللہ تعالیٰ

نے اُنہیں عطا فرمائے ہیں اُن پر اللہ کے نام کا ذکر کریں (ذبح کریں)۔ پھر اے ایمان والو! اُن ذبح کئے ہُوئے جانوروں میں سے تم خود بھی کھاؤ، اور بھُوکے محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ اِسی طرح حج کے موقع پر ذبح کئے گئے اونٹوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:-

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ ۲۲/۳۶ = اور اُونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیاں ٹھہرایا ہے، اُن میں تمہارے لئے بہت بھلائی ہے (وہ تُمہیں اور تُمہارے مال واسباب کو لق ودق صحراؤں میں ہفتہ ہفتہ اور عشرہ عشرہ بے آب وگیاہ سفر کر کے منزلِ مقصود پر پہنچا دیتے ہیں) پس اُن کی مُشکیں باندھ کر اُن پر اللہ کا نام لیا کرو۔ پھر ذبح کرنے کے بعد جب اُن کی کروٹیں ٹھنڈی ہو جائیں تو اُن میں سے خود بھی کھاؤ، اور محتاج سوالی کو بھی کھلاؤ......پس ثابت ہُوا کہ حج کے ضمن میں بھی لَا تُسْرِفُوْا کے حکم میں کوئی استثنائی صُورت موجود نہیں۔

● المختصر! ایّامِ حج میں بھی مہمانوں کی ضرُورت سے زائد جانوروں کو ذبح کر کے بیکار پھینکنے کا نہ کوئی حکم ہے نہ اجازت، اللہ تعالیٰ کوئی دیوی دیوتا نہیں، جو بُت پرستوں کے عقیدہ کے مطابق بُتوں کے سامنے خون بہانے سے خوش ہوتا ہے۔ اور جتنا زیادہ سے زیادہ بہایا جائے، اُتنا زیادہ سے زیادہ خُوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مکّہ معظّمہ میں، ایّام حج میں ذبح کئے گئے جانوروں کے متعلق صاف کہہ دیا ہے:- لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ ۲۲/۳۷ = نہ اللہ کے پاس اِن کا گوشت پہنچتا ہے، نہ خُون۔ بلکہ اُس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ تقویٰ سے مُراد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اُس کے احکام کی مخالفت سے بچنا تو ہو سکتا، اُس کی حکم عدولی اور نافرمانی ہرگز نہیں ہو سکتی، اب اِس ضمن میں آپ اللہ تعالیٰ کا حکم اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ، حج کے موقعہ پر ذبح کئے گئے جانوروں کے متعلق فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ اور فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ، یعنی خود کھانے اور بھُوکے محتاجوں کو کھلانے کا حکم تو بتکرار موجود ہے۔ لیکن ہزاروں لاکھوں تو رہے ایک طرف، کسی ایک جانور کو بھی ذبح کر کے ریت کی نذر کرنے کا حکم قرآن بھر میں موجود نہیں۔ پس آیاتِ بالا کی رُو سے تقویٰ یہی ہے کہ حج کا موقعہ ہو یا کسی اور تقریب کا، اُتنے جانور ذبح کئے جائیں جتنی ضرورت ہو۔

## حج میں ذبیحہ کیلئے کوئی دن مخصوص نہیں

قرآنِ کریم نے حج کی سالانہ امن کانفرنس میں مہمانوں کی طرف سے پیش کئے گئے مال کو ہدی اور قلائد کے الفاظ سے متعارف کیا ہے۔ ہدی کا معنٰی ہدیہ اور تحفہ ہے۔ جو اگر، نقد وجنس کی صُورت میں ہو تو قرآن کی زبان میں ہدی کہلاتا ہے۔ اور جانوروں کی صُورت میں ہو تو قلائد۔ اب ظاہر ہے کہ تحفہ ہونے کی صُورت میں جانوروں کے تحائف بھی مرکز میں پیش کر دیئے جائیں گے۔ اور

مرکز، اللہ تعالیٰ کے حکم لَا تُسْرِفُوْا کے ماتحت مہمانوں کی وقتی ضرورت کے مطابق ذبح کرائے گا۔ اور یہ سلسلہ وَ یَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ کے مطابق حج کے پورے اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ میں حسبِ ضرورت جاری رہے گا۔ تاکہ فَکُلُوْا مِنْھَا ۲۲/۲۸ اور ۲۲/۳۶ کے تقاضے پورے ہوسکیں۔ یعنی اُنہیں کھایا جائے ضائع نہ ہوں۔ فلہٰذا ذبح (قربانی) کے لئے حج کے دِنوں میں سے کسی ایک، یا دو دِنوں کی تخصیص، اور ضرورت سے زائد جانوروں کا ذبح کرنا، جو کھائے نہ جائیں اللہ تعالیٰ کے حکم عام کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۷/۳۱ کے بھی خلاف ہے۔ اور ایّامِ حج میں ذبح کئے گئے جانوروں سے متعلق مخصوص حکم فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ۲۲/۲۸ اور ۲۲/۳۶ کے بھی خلاف ہے۔ فلہٰذا نہ یہ سنّتِ رسول سلامٌ علیہ ہو سکتا ہے نہ آثارِ صحابہؓ۔

## گھر گھر قُربانی کا بھی قرآنِ حکیم میں کوئی حکم موجود نہیں

افسوس ہے کہ قربانی کا نظریہ، ایّامِ حج اور مقامِ حج میں عملاً پیش کردہ عدیم النظیر اسراف کی مقامی حدّوں کو پھاند کر گھر گھر کے ذبیحہ کی صُورت اختیار کر چکا ہے۔ حالانکہ حج کے موقعہ پر بھی ہدیہ کے جانوروں کے ذبیحہ کے متعلق قرآنی وضاحت آپ اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں، کہ یہ جانور وقتی ضرُورت کے مطابق ذبح کرنے کیلئے ہیں، صرف زیادہ سے زیادہ خُون بہا کر خندقوں اور کھائیوں میں پھینکنے کے لئے نہیں ہیں......اب اِس سے آگے سوال آتا ہے، قُربانی کی اُس مروّجہ رسم کا، جو حج کے مہینے میں گھر گھر چلی آ رہی ہے۔ اِس ضمن میں آیاتِ ذیل کو بالترتیب بغور ملاحظہ فرمائیں۔ قرآنِ کریم نے مہمانوں کی ضرورت کے مطابق ہدی کے ذبح ہونے کا مقام صرف اور صرف بیتِ عتیق، کعبہ مکرّمہ بتایا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہُوا ہے:-

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَکُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْھَدْیُ مَحِلَّہٗ ؕ ۲/۱۹۶ = اور حج اور عمرہ کو خالصتہً اللہ تعالیٰ کے لئے پُورا کیا کرو۔ پھر اگر تم (کسی وجہ سے روک لئے جاؤ) تو پھر جو ہدیہ تم نے میسّر کیا ہے کعبہ بھیج دو۔ اور اُس وقت تک سر کے بال نہ کٹوانا جب تک ہدی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے......اب اگر آئینِ خداوندی میں گھر گھر کی قُربانی جائز ہوتی تو حکم دیدیا جاتا کہ ہدی کے جانور کو گھر پر ذبح کر دینا۔ گھر گھر کی قُربانی کے عدمِ جواز کا مسئلہ تو اِس ایک آئت ہی سے صاف ہو چکا لیکن مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں:-

## زمانۂ رسالت میں مدینہ منوّرہ میں بھی گھر گھر قربانی نہیں ہُوا کرتی تھی

ہجرت سے قبل آنحضور کی مکی زندگی، نیز ہجرت کے بعد اور فتح مکّہ کی درمیانی مدنی زندگی کے متعلق سُورہ فتح میں خبر دے دی گئی ہے کہ کفّارِ مکّہ نے جو اُس دَور میں کعبہ معظّمہ پر قابض تھے، ہدی کے جانوروں کو اپنے

مقام بیت الحرام تک پہنچنے سے روک دیا ہُوا تھا۔ چنانچہ اُن کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:-

**هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ** ط ۴۸/۲۵

= یہ وُہ لوگ ہیں جنہوں نے ضابطۂ خداوندی سے انکار کیا اور تمہیں بھی مسجدِ حرام سے روک دیا۔ اور ھدی (قُربانی) کو بھی روک دیا کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ پر پہنچے......اب اِس سے آگے صرف سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ جس مقام کو ۲/۱۹۶ اور ۴۸/۲۵ میں ھدی کا محلّ، حلال ہونے کی جگہ بتایا ہے۔ اُس کا نام کیا ہے۔ اِس کے لئے دیکھئے سورہ حج کی آیتِ ذیل، ھدی ہی کے جانوروں کے متعلق وضاحت کی گئی ہے کہ جب تک یہ تمہارے پاس موجود ہوں، یا تم نے انہیں گھر پر پال رکھا ہوتو اِن کی پُوجا نہ شرُوع کر دینا کہ کعبہ کی طرف منسوب کرنے کی بدولت اِن سے کام لینا ہی چھوڑ دو:-

**لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ اِلَى اَجَلٍ مُّسَمًّى** ۲۲/۳۳ = اِن کے ذبح ہونے کے وقت تک تمہارے لئے اِن سے فائدے اُٹھانے کا حق مسلّم ہے۔ اور پھر:- **ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ** ؃ ۲۲/۳۳ = پھر اِن کے حلال ہونے کی جگہ بیتِ عتیق، پرانا گھر بیت الحرام ہے......دیکھئے! آیاتِ بالا سے ذیل کے حقائق نکھر کر عیاں ہو چکے ہیں:-

۱۔ اگر کوئی عازمِ حج، کسی وجہ سے رُک جائے تو جو ہدی (قربانی) اُس نے مُیسّر کر رکھی ہے۔ خواہ وہ گھر پالی گئی ہو یا خریدی گئی ہو۔ تو ہرگز اجازت نہیں ہے کہ اُسے گھر پر ذبح کر دیا جائے۔ ھدی (قربانی) ہر حال میں اپنے محلّ، اپنے مقام، اپنے حلال ہونے کی جگہ پر پہنچے گی۔ اور رُکے ہوئے عازمِ حج کو حاجیوں کے ساتھ ہم آہنگی قائم رکھنے کے لئے اُس وقت تک سر کے بال نہیں کٹوانے ہوں گے جب تک کہ ھدی کا مال اور جانور اپنے مقام پر نہ پہنچ جائیں۔ ۲/۱۹۶

۲۔ اب چونکہ ھدی کا مقام صِرف اور صِرف بیت الحرام ہے، اِس لئے جب تک کعبہ معظّمہ پر کفار کا قبضہ تھا، اُس وقت تک آنحضور سلامٌ علیہ کی مکّی اور مدنی زندگی میں بھی قُربانی مطلقاً رُکی ہُوئی تھی۔ ۴۸/۲۵

۳۔ ھدی کے محلّ، مقام، حلال ہونے کی جگہ کا نام بیتِ عتیق، یعنی وُہی پُرانا قدیمی گھر ہے، جو **اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ** ۳/۹۶ کی قرآنی خبر کے مطابق قدیم ہی سے لوگوں کے لئے عالمی امن کا مرکز قرار دیا جا چکا ہے۔

۴۔ مکّہ معظّمہ میں بھی ھدی کے جانور حسبِ ضرورت ذبح کئے جائیں، بلاضرورت ذبح کر کے ریت کی نذر نہیں کئے جائیں گے۔

پس گھر گھر قربانی خلافِ قرآن، خلافِ سُنّت اور اسراف محض ہے۔

(نوٹ) مروّجہ قربانی کو حضرتِ اسماعیل سلامٌ علیہ کے ذبح کی یادگار بتایا جاتا ہے۔ اِس مسئلہ کی بحث، آیاتِ متعلقہ کی تفسیر کے ضمن میں اپنے مقام پر آگے آرہی ہے۔

**رُجوع الی المطلب** آیاتِ کریمات ۱۹۶ تا ۲۰۳ میں حج کے مسائل بیان کرنے کے بعد اگلی آئت میں آنحضور سلامٌ علیہ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ میدانِ عمل میں آپ کو دو قسم کے لوگ ملیں گے۔ ایک تو ہوں گے چرب زبان، جھگڑالو اور فسادی۔ اور دُوسرے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہوائے نفس کو قربان کرنے والے' پس دونوں قسم کے افراد پر الگ الگ نگاہ رکھیے گا:-

وَمِنَ النَّاسِ مِنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُهٗ فِی
اور بعض لوگوں میں سے وُہ شخص ہے کہ خوش لگتی ہے تُجھ کو بات اُس کی بیچ
الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ یُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا
زندگانی دُنیا کے اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اُوپر اُس چیز کے کہ
فِیۡ قَلۡبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ۝ ۲۰۴
بیچ دل اُس کے ہے اور وہ بہت جھگڑالو ہے

اور اے رسول سلامٌ علیہ! لوگوں میں سے بعض وُہ ہے، جس کی دنیوی زندگی کی باتیں آپ کو تعجّب میں ڈال دیں گی۔ اور وہ اپنے قلب میں پوشیدہ فساد کو اصلاح بتانے (۲/۲۲) پر اللہ کو گواہ ٹھہرائے گا۔ حالانکہ وہ ہوگا انتہائی جھگڑالو۔

آگے بتایا گیا ہے کہ اگر آپ اُس کی چرب زبانی، اور اصلاحِ عام کے جھوٹے دعووں میں آکر اُسے زمین کے کسی حِصّہ کا انتظام سونپ دیں تو وہ فساد برپا کردے گا۔

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ
اور جب حاکم ہوتا ہے کوشش کرتا ہے بیچ زمین کے
لِیُفۡسِدَ فِیۡهَا وَ یُهۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَ
تو کہ فساد کرے بیچ اُس کے اور ہلاک کرے کھیتی کو
النَّسۡلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ ۝ ۲۰۵
اور جانوروں کو اور اللہ نہیں دوست رکھتا فساد کرنا۔

اور جب اُسے زمین کی تولیّت دی جائے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے۔ اور فصلوں کو برباد، اور نسلوں کو ہلاک کردے۔ (ایسے لوگوں سے محتاط رہیئے گا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (۲/۲۲۳ میں عورت کو حرث کہا ہے۔ اور نسل مرد سے چلتی ہے۔ اِنہیں نا قابل اولاد بنا دینا بھی یُهۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَالنَّسۡلَ میں داخل ہے۔)

اِس کے بعد فرمایا کہ ایسے شخص کو اگر سمجھایا جائے تو اِسے اپنی بے عزتی خیال کرتا ہے۔ کہ کیا میں فسادی ہوں؟۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ
اور جب کہا جاتا ہے واسطے اُس کے ڈر اللہ سے پکڑتی ہے اس کو
الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ
عزت ساتھ گناہ کے پس کفائت ہے اس کو دوزخ

اور جب اُسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر (فساد نہ پھیلا) تو اُسے گناہ کے ساتھ ساتھ، جھوٹی عِزّت پکڑ لیتی ہے (یعنی وُہ اِس نصیحت کو بے عزتی خیال کرتا ہے، ایسے لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ اِن سے محتاط رہیئے) پس اُن کے لئے جہنم

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ۲۰۶

اور البتہ بُرا ہے بچھونا۔

کافی ہے (اُن کے اعمال کی کھیتی جُھلس چکی ہے) اور اُن کا ٹھکانہ بہت بُرا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ

اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہے کہ بیچتا ہے جان اپنی کو

ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ

واسطے چاہنے رضا مندی اللہ کے اور اللہ شفقت کرنے والا ہے

بِالْعِبَادِ ۝ ۲۰۷

ساتھ بندوں کے۔

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے، جو اپنی نفسانی خواہشات کے بدلے اللہ تعالیٰ کی رضا خرید تا ہے۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ، اپنے (ایسے) بندوں پر بخشش کرنے والا ہے۔

## اطاعتِ خُداوندی میں پُوری طرح داخل ہو جاؤ

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں حکمِ عام کے طور پر اطاعتِ خداوندی میں پُوری طرح داخل ہونے اور نفسِ امّارہ کی پیروی سے منع کر دیا گیا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى

اور لوگو جو ایمان لائے ہو داخل ہو بیچ

السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

اسلام کے سارے اور مت پیروی کرو قدموں

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ۲۰۸

شیطان کی تحقیق وہ واسطے تمہارے دُشمن ہے ظاہر۔

ایمان والو! (احکامِ خداوندی کی پُوری پُوری اطاعت کے ساتھ) پُوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے چال چلن کی پیروی نہ کرنا۔ بلاشُبہ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ

پس اگر ڈگ جاؤ تم پیچھے اس کے کہ آویں تمہارے پاس

الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

دلیلیں پس جانو یہ کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے

حَكِيْمٌ ۝ ۲۰۹

حکمت والا۔

پھر اگر تم اِس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلائل آ چکے ہیں، پھسل گئے۔ تو (ہمارے قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتے) جانے رہو کہ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ (اُس کے جُملہ قوانین غلبہ اور حکمت کی بُنیادوں پر قائم ہیں)

اِس سے اگلی آئت مجیدہ میں ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ
نہیں انتظار کرتے مگر یہ کہ آوے اُن کے پاس اللہ
فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
بیچ سایوں کے بادلوں سے اور فرشتے
وَقُضِيَ الْاَمْرُ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
اور تمام کیا جاوے کام اور طرف اللہ کے پھیرے جاتے ہیں
الْاُمُوْرُ ۝۲۱۰ ع ۲۵
سب کام۔

یہ لوگ ایمان لانے میں اِس چیز کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود بھی بادلوں کے سائے میں اِن کے پاس آ جائے۔ اور بہت سے ملائکہ بھی آ جائیں اور معاملہ ختم ہو جائے۔ حالانکہ جُملہ امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جاتے ہیں۔ (یعنی اُس نے اپنے کاموں کی تکمیل کے لئے، جو قوانین خود مقرر کر رکھّے ہیں، ہر کام اُنہی کے مطابق انجام پذیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خواہشوں کے لئے اپنے قوانین بدلتا نہیں۔)

آئتِ بالا میں وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ کے الفاظ میں اِس حقیقت کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اُمور کو اُنہی قوانین کے مطابق انجام دیتا ہے، جو اُس نے خود مقرر کر رکھّے ہیں۔ لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا۔ جو اُنہوں نے توہم پرستیوں کے ماتحت قائم کر رکھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کے رتھ میں بیٹھ کر، فرشتوں کے جلو میں آیا کرتا ہے اور اِس طرح آخری فیصلہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اِسی ضمن میں اگلی آئتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ
سوال کر بنی اسرائیل سے کتنی دیں ہم نے اُن کو
اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ط وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ
نشانیاں ظاہر اور جو کوئی بدل ڈالے نعمت اللہ کی کو
بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
پیچھے اس کے کہ آئی اُس کے پاس پس تحقیق اللہ تعالیٰ سخت
الْعِقَابِ ۝۲۱۱
عذاب والا ہے۔

اے مخاطب! بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ اُن کے پاس کتنی واضح دلیلیں آئی تھیں۔ یعنی اُس قوم سے پُوچھ جس نے اللہ کی نعمت، اُس کے قانون کو اُس کے آنے کے بعد بدل دیا تھا۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ گرفت کی رُو سے بہت ہی سخت ہے۔

آئتِ بالا میں بنی اسرائیل کے حالات کو درسِ عبرت قرار دیا گیا ہے کہ جب تک اُنہوں نے قوانینِ خداوندی کی اتبّاع کی، اُس وقت تک اُنہیں عالمین پر فضیلت دی گئی ۲:۴۷۔ اور جب قوانینِ خداوندی کی مخالفت پر اُتر آئے تو ذِلّت و

مسکنت گلے کا ہار ہوگئی۔ اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ لوگ نعماءِ خداوندی میں تصرّف اِس لئے کرتے ہیں کہ وُہ اُخروی زندگی کو بھُول کر صرف دُنیوی زندگی کی رنگینیوں میں کھو جاتے ہیں:۔

زُیِّنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا وَ
زینت دی گئی واسطے اُن لوگوں کے کہ کافر ہوئے زندگانی دُنیا کی اور
یَسۡخَرُوۡنَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۘ وَالَّذِیۡنَ
ٹھٹھا کرتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جو لوگ کہ
اتَّقَوۡا فَوۡقَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرۡزُقُ
پرہیز گار ہیں اُوپر اُن کے ہیں دن قیامت کے اور اللہ رزق دیتا ہے
مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ۝ ۲۱۲
جس کو چاہتا ہے بے شمار۔

ضابطۂ خداوندی کا انکار کرنے والوں کے لئے (اُن کے پیشواؤں کی طرف سے) دُنیوی زندگی ہی کو مزیّن کر دیا گیا ہے۔ اِس لئے وہ اُن لوگوں کا تمسخر اُڑاتے ہیں، جو اُخروی زندگی پر ایمان لائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ضابطۂ خداوندی کی مخالفت سے بچتے ہیں۔ قیامت کے دن (کی عدالتِ خداوندی میں) اُنہی کو فوقیت حاصل ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ اُس قوم کو بے حساب رزق عطا کرتا ہے، جو اُس کے قوانینِ مشیّت کے مطابق حاصل کرتی ہے۔

## رزق سے متعلّقہ قوانینِ مشیّت

مشاہدہ گواہ ہے کہ رزق کی فراوانی اُن اقوام کے ہاں ہے، جنہوں نے رزق سے متعلقہ اُن قوانینِ خداوندی کا کھوج لگا لیا ہے، جو اُس رازقِ مطلق نے اِس کائنات میں خود مقرّر کر رکھے ہیں۔ یعنی زمین کو زیادہ سے زیادہ نرم کرنا۔ اعلیٰ قسم کے بیج بونا، اچھے سے اچھا کھاد ڈالنا۔ اور آبپاشی کے لئے بارش کا انتظار کرنے کی بجائے، اللہ تعالیٰ کے زمینی خزانۂ آب سے ٹیوب ویل کے ذریعہ میٹھے پانی کو قابو میں لاکر کھیتوں کو بروقت سیراب کرلینا۔ یہ ہیں رزقِ بے حساب سے متعلقہ اللہ تعالیٰ کے قوانینِ مشیّت جنہیں اُس نے کائنات کے گوشے گوشے میں موجود کر کے نوعِ انسانی کے لئے مسخّر کر دیا ہُوا ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡهُ ؕ ۴۵/۱۳

## رزقِ بے حساب میں پُوری نوعِ انسانی برابر کی حقدار ہے

آئتِ بالا میں رزقِ بے حساب کو، قوانینِ مشیّت پر زیادہ سے زیادہ عمل کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے، لیکن اُسے انفرادی زندگی کو مزیّن کرنے پر صرف کرنے کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب قرار دیا ہے۔ اِسی چیز کی وضاحت اگلی آئتِ مجیدہ میں کی گئی ہے۔

کہ پُوری نوعِ انسانی ایک ہی سطح کی ایک ہی جماعت ہے۔ رزقِ بے حساب کی تقسیم میں ناہمواری کا تصوّر خداوندی

تصوّر نہیں ہے۔ اسی ہموار تقسیم یعنی ربوبیّتِ عامہ کی تعلیم کے لئے ابتداء ہی سے انبیاء سلامٌ علیہم کی بعثت کا سلسلہ جاری کر دیا گیا تھا، کہ نوعِ انسانی کے بالادست افراد جب بھی تعلیمِ ربوبیّت میں اختلاف پیدا کرتے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے اوّلین درس کے ساتھ نئے نبی بھیج دیئے جاتے تھے:-

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ
تھے لوگ اُمت ایک پس بھیجا
اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ
اللہ نے پیغمبروں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور اُتاری
مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ
ساتھ اُن کے کتاب ساتھ حق کے تو کہ حکم کریں درمیان
النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ
لوگوں کے بیچ اُس چیز کے کہ اختلاف کرتے ہیں بیچ اُسکے اور نہیں اختلاف کیا
فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا
بیچ اُس کے مگر اُن لوگوں نے جو دیئے گئے تھے پیچھے اُس کے جو
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى
آئیں اُن کے پاس دلیلیں سرکشی سے درمیان اپنے پس راہ دکھائی
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا
اللہ نے اُن لوگوں کو کہ ایمان لائے ہیں واسطے اس چیز کے کہ اختلاف کیا اُنہوں نے
فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ
بیچ اُس کے حق سے ساتھ حکم اپنے کے اور اللہ تعالیٰ ہدائت کرتا ہے جس کو
يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۲۱۳
چاہے طرف راہ سیدھی کے۔

نوعِ انسانی (عزت وعظمت ۱۷/۷۰، اور ضروریاتِ زندگی ۴۳/۳۲ کے لحاظ سے) ایک ہی جماعت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں سلامٌ علیہم کو مبعوث فرمایا جو فرمانبرداروں کو خوشخبری دینے والے اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرانے والے تھے۔ اور اُن سب کے ساتھ اپنی ایک ہی کتاب نازل فرمائی۔ تاکہ وہ لوگوں میں اُن مسائل کا فیصلہ کر دے، جن میں اُنہوں نے اختلاف کر لیا......اور واضح دلائل آ چکنے کے بعد، اُن لوگوں نے جنہیں ابتدائی انبیاء سلامٌ علیہم کے ذریعہ کتاب دی گئی تھی۔ باہمی بغاوت (یعنی غصبِ حقوقِ ربوبیّت) کے ساتھ اُس کتاب میں اختلاف پیدا کر لیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق (اپنے نئے نبیوں کے ذریعہ) اُن مسائل میں ایمان لانے والوں کی رہنمائی فرمائی، جن میں لوگوں نے اختلاف پیدا کر لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی طرف اُنہی لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، جو ہدائت کے خود طلبگار ہوتے ہیں۔

## ہر نبی سلامٌ علیہ وحدتِ انسانی کا داعی تھا

آئتِ بالا میں وضاحت کی گئی ہے کہ ابتدائی انبیاء سمیت سب کے سب نبیوں سلامٌ علیہم کو ایک ہی کتاب اور ایک ہی شریعت ۴۲/۱۳ دی

گئی تھی اور ہر نبی نوعِ انسانی میں اِنسانی سطح اور تقسیمِ رزق کی رُو سے وحدت پیدا کر کے چلا جاتا تھا۔لیکن بعد میں پھر اُونچ نیچ اور ناہموار تقسیم کی تمیز پیدا کر لی جاتی۔ اور اِس طرح نئے مبعوث ہونے والے نبی سلامٌ علیہ اور اُسکے صحابہؓ کو اِس تمیز کو ختم کرنے اور انسانی وحدت کو پھر سے قائم کرنے میں انتہائی مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑتا۔اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کی سطحی وحدت، اور ضروریاتِ زندگی کی ہموار تقسیم کو جنت قرار دیا ہے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ ۔ چنانچہ اِس ارضی جنّت کے حصُول کیلئے آنحضور سلامٌ علیہ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی بہت سے شدائد ومصائب سے دوچار ہونا پڑا۔مخالفینِ ربوبیّت کے ساتھ بدر، اُحد اور احزاب کی دفاعی جنگیں لڑنا پڑیں چنانچہ اگلی آئتِ مجیدہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے:-

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ
کیا گمان کیا تم نے یہ کہ تم داخل ہو بہشت میں
وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ
اور ابھی نہیں آئی تم کو حالت اُن لوگوں کی کہ گزرے
قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ
پہلے تم سے لگی اُن کو فقیری اور بیماری
وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ
اور ہلائے گئے یہاں تک کہ کہا پیغمبر نے اور
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ
اُن لوگوں نے کہ ایمان لائے ساتھ اُس کے کب ہوگی مدد اللہ کی خبردار ہو
اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ۝ ۲۱۴
تحقیق مدد اللہ کی نزدیک ہے۔

کیا تم نے گمان کر لیا تھا کہ تم (دُنیوی یا اُخروی) جنّت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تم پر اُن لوگوں جیسے حالات نہیں آئے، جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اُنہیں جنگیں اور تکلیفیں پہنچیں۔ اور وُہ اِس قدر جھٹکائے گئے کہ وُہ لوگ جو ایمان لائے تھے پُکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ اللہ کے رسول[۱] نے کہا! خبردار! اللہ کی مدد عنقریب آیا چاہتی ہے۔

[۱] مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ، مومنوں اور رسول سلامٌ علیہ کا مشترکہ قول نہیں۔ اِس عدمِ اشتراک کی مثال وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ۲/۱۳۵ میں دیکھیے۔ جس کا معنٰی یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ تو ہدائت پاؤ گے اور نصارٰی کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ تو ہدائت پاؤ گے۔

## راہِ خداوندی میں خرچ کردہ مال، والدین، اقرباء، یتامٰی، مساکین اور ابن سبیل کیلئے ہے

جس جنتی معاشرہ کے لئے آنحضور سلامٌ علیہ نے صحابہؓ سمیت مذکورہ بالا مصائب وشدائد برداشت کیئے ۳۳/۱۱ ، اُس کے متعلق آنحضور سلامٌ علیہ کو عوام کے متعدّد سوالات سے معہ

جوابات، پہلے ہی مطلع کیا جا چکا تھا۔ چنانچہ اگلی آئتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:۔

| | |
|---|---|
| يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ<br>سوال کرتے ہیں تجھ کو کیا خرچ کریں ۔ کہہ جو کچھ<br>اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ<br>خرچ کروتم مال سے پس واسطے ماں باپ کے اور قرابت والوں کے<br>وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا<br>اور یتیموں کے اور فقیروں کے اور مسافروں کے اور جو کچھ<br>تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۲۱۵<br>کرو گے تم بھلائی سے پس تحقیق اللہ تعالیٰ ساتھ اُس کے جاننے والا ہے۔ | اے رسول سلامٌ علیہ! لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ وہ کِن کِن کے لئے مال خرچ کریں۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ تم جو مال خرچ کرو گے، وُہ (بالتّرتیب) والدین، قریبیوں، معاشرہ کے بے سہارا لوگوں، معاشرہ میں کسی بھی وجہ سے ساکن ہو جانے والوں، اور مسافروں کے لئے ہے۔ اور تم جو بھی بھلائی کا کام کرو گے، پس اللہ تعالیٰ اُسے اچھی طرح جاننے والا ہے۔ |

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کا جُملہ استفہام، آئتِ بالا کے علاوہ ۲/۲۱۹ میں بھی آیا ہے۔ اِس دو مرتبہ کے تکرار، اور اس کے الگ الگ جوابات نے مَاذَا کے معنے اُجاگر کر رکھے ہیں۔ کہ یہاں مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کا معنٰی ہے ''وہ کِن کِن کے لئے مال خرچ کریں''۔ اور ۲/۲۱۹ میں مَاذَا يُنْفِقُوْنَ کا معنٰی ہے ''وہ کتنا مال خرچ کریں''۔ ویسے مَا بمعنی کیا اور ذَا بمعنی والا، اور مَاذَا کا لفظی معنٰی ہے کیا والا۔ اور اس کیا والا میں کِن کِن اور کتنا کے ہر دو استفہام کی وسعت موجود ہے۔

**مالی قُربانی** آئتِ بالا میں مالی قُربانی کے مصرف کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ناہموار جہنّمی معاشروں میں جو افراد محرومِ ربوبیّت رہ کر دردر کی ٹھوکریں کھاتے، اور بھیک مانگتے ہُوئے پائے جاتے ہیں، جنّتی معاشرہ میں ایسے لوگوں کے حقوق اجتماعی نظام میں محفوظ کر دیئے جائیں گے۔ اور اِس نظام کے قیام کے لئے خرچ کیا ہُوا مال ضائع نہیں کیا جائے گا۔ بوڑھوں، بے سہاروں، بیکار ہو جانے والوں اور اِس جنّتی معاشرہ میں باہر سے آنے والوں کو ضروریاتِ زندگی مہیّا کرنے پر خرچ کیا جائے گا اور اِس طرح جنّتی معاشرہ کا اوّلین نشان یہ ہوگا، کہ اُس میں کوئی اِنسان کسی انسان کے آگے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتا ہُوا نہیں پایا جائے گا۔

**جانی قُربانی** اِس سے اگلی آئتِ کریمہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ اس جنّت بدوش نظام کے قیام کیلئے صرف مالی قُربانی ہی آخری حد نہیں۔ بلکہ اگر مخالف طاقتیں اِس کی راہ میں رُکاوٹ بن کر، جارحیّت کی مرتکب ہوں تو اُن کے دفاع ۲۲/۳۹ کے لئے جانی قربانی بھی دینا ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ
لکھا گیا اُوپر تمہارے لڑنا اور وہ مکروہ ہے
لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ
واسطے تمہارے اور شاید یہ کہ مکروہ رکھو تم ایک چیز کو اور وہ
خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا
بہتر ہو واسطے تمہارے اور شاید یہ کہ دوست رکھو ایک چیز کو
وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا
اور وہ بُری ہو واسطے تمہارے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تُم نہیں
تَعْلَمُوْنَ ۝ ۲۱۶ ع ۲۶/۱۰
جانتے۔

ایمان والو! تم پر (۲۲/۳۹ دفاعی، اور ۴/۷۵ امدادی) جنگ فرض کر دیا گیا ہے......... اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اُسے ناپسند کرتے ہو ۸/۵۔ لیکن ممکن ہے کہ کسی چیز کو تم ناپسند کرتے ہو (یعنی قتال) لیکن وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ممکن ہے کوئی چیز تم پسند کرتے ہو (یعنی جنگ سے مطلق پرہیز) مگر وہ تُمہاری اجتماعی زندگی کے لئے بُرا ہو پس (جان لو کہ ہر چیز کے اچھے بُرے گوشوں کو) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آئتِ بالا میں اِس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اِسلام باہمی جنگ وجدال کو واقعۃً ناپسند کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی تم پر حملہ آور ہو ۲۲/۳۹ ' اور یا تمہارے افراد پر کہیں ظلم ہو رہا ہو، اور وُہ تمہاری مدد کے طلبگار ہوں ۴/۷۵۔ تو اَیسے موقعوں پر تُمہارے لئے دفاعی اور امدادی جنگ فرض کر دی گئی ہے، جو بحالیٔ اُمن کے لئے ہے، اجراءِ فساد کے لئے نہیں۔

## حُرمت کے مہینوں میں قتال حرام ہے

آئت نمبر ۱۹۴ میں حُرمت کے مہینوں کا ذکر آچکا ہے جو حج کی سالانہ امن کانفرنس میں شمولیّت کیلئے رمضان المبارک (۲/۱۹۴) اور حج کے تین مہینوں (۲/۱۹۷) میں جنگ کرنا بین الممملکتی طور پر حُکماً بند کر کے ۹/۳۶' امن کانفرنس میں شامل ہونے والوں کیلئے راستوں کو پُرامن کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آئتِ ذیل میں تکرارِتاکیدی کے طور پر عوام کے سوال مع جواب سے آنحضور کو مطلع کیا جا رہا ہے:-

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ
سوال کرتے ہیں تجھ سے مہینے حُرمت والے سے لڑنا
فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ
بیچ اُس کے کہہ لڑنا بیچ اُس کے گناہ ہے بڑا اور بند کرنا
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌ ۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ
راہِ خدا کی سے اور کفر کرنا ساتھ اُس کے اور بند کرنا مسجدِ

(اے رسول سلامٌ علیہ!) لوگ آپ سے حُرمت کے ہر مہینے کے متعلق سوال کریں گے کہ اُس میں جنگ کرنا کیسا ہے۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ حُرمت کے ہر مہینے میں جنگ کرنا گُناہ کبیرہ ہے۔ لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اور اُس کا انکار کرنا، اور مسجدِ حرام سے روکنا، اور اُس کے اہل کو اُس سے نکال دینا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس سے بھی بڑا گناہ

الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ
حرام سے اور نکال دینا لوگوں اُسکے کا اُس سے بہت بڑا گناہ ہے نزدیک
اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا
اللہ تعالیٰ کے اور کفر بہت بڑا گناہ ہے قتل سے اور نہیں
يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ
ٹلیں گے جو لڑے جاویں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیویں تم کو
دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ
دین تمہارے سے اگر کر سکیں اور جو کوئی پھر جاوے گا
مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ
تم میں سے دین اپنے سے پس مر جاوے اور وُہ کافر ہو
فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا
پس یہ لوگ کھوئے گئے عمل اُن کے بیچ دنیا کے
وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
اور آخرت کے اور یہ لوگ ہیں رہنے والے آگ کے اور
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ۲۱۷
وہ بیچ اُس کے ہمیشہ رہیں گے۔

ہے۔(یہ سب کام فتنہ انگیزی پر مبنی ہیں) حقیقت یہ ہے کہ فتنہ انگیزی لڑائی سے بھی بڑا گناہ ہے۔اور (یادرکھو کہ تم پر جارحانہ حملے کرنے والے، جنگ سے) باز نہیں آئیں گے۔حتّٰی کہ اگر وہ طاقت پالیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔لیکن (یادرکھو کہ) تم میں سے جوکوئی اپنے دین سے پھر گیا، پھر وُہ مر گیا اور وہ کافر ہی رہا۔تو ایسے لوگ وُہ ہیں کہ اُن کے اعمال دُنیا[ل] اور آخرت دونوں میں ضائع ہو گئے۔اور یہی لوگ دُنیا اور آخرت میں اہلِ نار ہیں۔وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔(اُنہیں کچھ وقت کے لئے اسلامی قوانین پرعمل کرنا بھی کوئی فائدہ نہیں دے گا)۔

ل مرتدین کے لئے حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا سے مراد یہ ہے کہ مُرتد ہونے کے بعد اسلامی ریاست میں اُن سے کلیدی آسامیوں کے حقوق چھن جائیں گے۔

**اہلِ نار** قرآنِ کریم نے ضروریاتِ زندگی خوراک، لباس، علاج اور رہائش کے مساویانہ انداز سے مُیسّر آنے کو جنّت کہا ہے۔ ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ اور ۵۹/۲۰ میں جنّت کی ضد بتائی ہے نار۔ فلہٰذا اِس تقابلِ ضِدّین کی رُو سے نار کا معنٰی ہوا ضروریاتِ زندگی خوراک، لباس، علاج اور رہائش کا غیر مساویانہ انداز سے مُیسّر آنا۔ پس قرآنی اصطلاح کی رُو سے جُملہ ناہموار معاشرے نار ہیں۔ اور اِن میں رہنے والے **اہل نار**۔ اِسی نار کو سورہ ہمزہ میں حُطمہ کہا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

● وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ○

۱۰۴/۱تا۳ تباہی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب جُو کے لئے جو مال کو جمع کرتا، اور اُسے گنتا رہتا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ اُس کا مال اُسے ہمیشہ خوش رکھے گا۔

● كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ○ ۱۰۴:۴ = ہرگزنہیں۔ یہ انفرادی طور پر مال جمع کرنے والا ضرور ضرور حُطمہ میں پھینکا جائے گا۔

● وَمَا أَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ ۞ ۱۰۴:۵ = اور کیا ہے وہ ذات، جو اے رسول سلامٌ علیہ! آپ پر واضح کرتی ہے کہ حُطمہ کیا ہے۔

● نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۞ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ○ ۱۰۴:۶-۷ = وہ اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہُوئی (اور ناہموار نظاموں کی) دھکائی ہُوئی آگ ہے، جو ذہنوں میں شعلہ زن رہتی ہے۔

● اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۞ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ○ ۱۰۴:۸-۹ = بے شک وہ آگ اُن پر اُن کے لمبے لمبے اِرادوں کی بدولت مسلّط ہو جاتی ہے۔

● دیکھئے! یہ دُنیا کی اُس نار کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو ناہموار معاشرہ میں ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مالدار کے ذِہن کو جلاتی رہتی ہے۔ ہر مالدار اپنے سے اُوپر کے مالدار سے جلتا رہتا ہے۔ اور یہ آگ ذاتی ملکیّت کو بڑھانے کے لمبے لمبے ارادوں اور لمبی لمبی آرزوؤں میں چھُپی ہوئی، ناہموار معاشرہ کے ہر ہر فرد کو جلا رہی ہے ـــــ یہ تو ہُوئی دُنیا کی نار، جو اُس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہوسکتی۔ جب تک ہموار معاشرہ قائم ہو کر ناہموار ذاتی املاک کا تصوّر ختم نہ ہو جائے۔ یعنی ہر چیز کے سرچشمے قومی ملکیّت ٹھہریں، اور ذاتی املاک ہموار ضروریاتِ زندگی تک محدُود ہو جائیں۔ تقسیم رزق کی رُو سے نہ کوئی فردِ واحد پُورے معاشرہ میں دُوسروں سے افضل پایا جائے۔ اور نہ دُوسروں کے لئے احساسِ کمتری کے جہنّم کا مُوجب بنے۔

باقی رہی اُخروی نار اور اُخروی جنّت! ـــــ قرآنِ کریم نے اُخروی جنّت کا نقشہ بھی بالکل اِسی انداز سے کھینچا ہے کہ میوہ جات و مشروبات، اور رہنے کے پُر فضا مسکن، بیٹھنے کے اطلس و زربفت کے فرش، مرصّع تخت اور صوفے، سیر و تفریح کے لئے باغات اور چشمے، جُملہ اہلِ جنّت کو مساویانہ انداز سے مُیسّر آئیں گے۔ اب تقابلِ ضِدّین کے اُصول کے مطابق کہ نار، جنّت کی ضِدّ ہے۔ نار کی تعریف کھُل کر عیاں ہو رہی ہے کہ وہاں نہ باغوں کے سائے اور میوہ جات مُیسّر آئیں گے۔ نہ وہاں ٹھنڈے اور خوش ذائقہ مشرُوب ہوں گے نہ پُر فضا مسکن ہوں گے، نہ سیر و تفریح کے لئے باغات اور چشمے۔ المختصر! اہلِ جنت کو ایسے کُرّہ جات میں جگہ دی جائے گی، جن کی آب و ہوا لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۷۶:۱۳ کی مصداق ہوگی، نہ شِدّت کی گرمی، نہ شِدّت کی سردی، نعمائے خداوندی کی بہتات ہوگی۔ اور اہلِ نار کو ایسے کُرّوں میں رکھا جائے گا، جن کی آب و ہوا جھُلس دینے والی شدید گرم، نہ وُہ زمین باغات کی حامل ہو سکے گی، اور نہ وہاں ٹھنڈا پانی مُیسّر آئے گا۔ ہر طرف دُھول اُڑتی اور لُو چلتی ہوگی۔ گرمی اس قدر شدید کہ گویا جلدیں پگھل رہی ہوں اور پانی اتنا گرم کہ پینے والے کی گویا انتڑیاں کٹ کر بہہ جائیں۔ جہنّم اور نار کے متعلق جو انتہائی خوفناک الفاظ آئے ہیں، اُن کی تفسیر اپنے اپنے مقام پر

آیاتِ متعلقہ کے ضمن میں آگے آتی چلی جائے گی۔ یہاں مختصر خاکہ ضمناً پیش خدمت کر دیا گیا ہے۔

**عُود الی المقصود** آئتِ ماسبق میں بتایا گیا ہے کہ مخالفین کی ساری تگ وتاز کی غرض صرف یہ ہے کہ ایمان والوں کو اُن کے ربوبیّتِ عامہ کے ضامن دین سے پھیر دیں۔ لیکن، جو لوگ اِس امن بدوش روش سے پھر جائیں اُن کے جُملہ اعمال، جو اُنہوں نے کچھ عرصہ مومن رہ کر انجام دیئے تھے، سب ضائع ہو جائیں گے۔ اِس کے برعکس، اگلی آئتِ مجیدہ میں دین اللہ پر دوام کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:-

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَ
تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور جن لوگوں نے وطن چھوڑا اور

جَاهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِکَ
جہاد کیا بیچ راہ اللہ کے یہ لوگ

یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ
امیدوار ہیں مہربانی خدا کی کے اور اللہ بخشنے والا

رَّحِیۡمٌ ۝ ۲۱۸
مہربان ہے۔

بے شک جو لوگ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لائے، اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا $\frac{۴}{۷۵}$ ۔ یہ لوگ وہ ہیں جو (دُنیا اور آخرت دونوں میں) اللہ کی رحمت کے اُمّید وار ہیں، اور اللہ تعالیٰ (اُنہیں دُنیا و آخرت کے عذاب سے) بچانے والا مہربان ہے۔

**صحابہ کرامؓ کو ہجرت و جہاد سے غلبہ واقتدار مُیسّر آیا** آئتِ بالا میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی دُنیوی اور اُخروی کامیابی کی خبر دی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں ہجرت و جہاد کرنا نبیوں سلامٌ علیہم کی سُنّت اور کامیابی کا زینہ ہے۔ چنانچہ مہاجرین رضی اللہ عنہم کے متعلق سورہ نحل میں ارشاد ہوا ہے:- وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِی اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ اَکۡبَرُ $\frac{۱۶}{۴۱}$ = اور جن لوگوں نے ظلم کئے جانے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی، ہم اُنہیں ضرور ضرور دُنیا میں اچھا ٹھکانہ عطا فرمائیں گے۔ اور اُن کا اُخروی اجر بہت بڑا ہوگا...... اِنہی کے متعلق سورہ حج میں ارشاد ہُوا ہے اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرُ ۝ $\frac{۲۲}{۳۹}$ = جن لوگوں پر لڑائی ٹھونسی گئی ہے، اُنہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اِس لئے کہ بے شک اُن پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور بلاشُبہ اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرنے (یعنی دشمنوں پر غالب کرنے) کے قانون بنانے والا ہے۔ آیات مذکورۃ الصدر سے عیاں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اللہ تعالیٰ کی مدد و نُصرت آئی۔ وہ غالب وکامران ہُوئے۔ اور قرآنی معاشرہ قائم ہو گیا۔

**خمر ومَیسر**

اِس طرح جب اِسلامی معاشرہ عالمِ وجود میں آ جائے، تو دو چیزوں خمر ومَیسر کی ممانعت سرِ فہرست رکھ دی گئی ہے۔ خمر ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے دماغ ماؤف ہو جائے۔ اور مَیسر، جو مادہ، ی۔س۔ر= یُسر سے مشتق ہے، ہر اُس مال کو کہا جاتا ہے، جو بلا مشقّت حاصل ہوتا ہو۔ خمر کے دائرہ میں شراب، بھنگ، گانجہ اور چرس افیون وغیرہ سب شامل ہیں، اور مَیسر میں سرکاری عمّال کی بڑی بڑی تنخواہیں، مکانوں کے کرائے، ناجائز نفع اندوزی، سمگل اور بلیک، علماء ومشائخ کے حضور میں پیش کی جانے والی نذر نیازیں۔ اور مُریدوں کی فصلوں اور مویشیوں میں مقررہ حصّے، کارخانہ داروں کا مزدوروں کی، اور زمینداروں کا مزارعوں کی خُون پسینے کی کمائی کا سمیٹنا وغیرہ، سب مَیسر میں داخل ہے، جو بلا مشقّت مُیسّر آتا ہے۔ جُوئے کا مال بھی چونکہ جیتنے والوں کو بلا مشقّت حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بھی مَیسر میں داخل ہے ـــــ مَیسر کا معنٰی صرف جؤا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ خمر ومَیسر دونوں چیزیں قوموں کی تباہی کا موجب ہیں۔ خمر کے استعمال سے قوائے عملیہ مضمحل و بیکار ہو جاتے ہیں۔ اور مَیسر، جس کی بدولت مزدوروں اور کاشتکاروں کے خُون پسینے کی کمائی شبانہ روز، کارخانہ داروں، زمینداروں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاں بلا مشقّت پہنچتی رہتی ہے، معاشرہ کے داخلی بُغض کا موجب ہے۔ جو کبھی تو مذہب کے پیش کردہ نظریۂ قسمت وتقدیر کے خلاف لادینی کمیونزم کے لاوے کی صورت میں پھُوٹ پڑتا ہے اور کبھی محرومِ ربوبیّت افراد کے احتجاجوں کی صورت میں توڑ پھوڑ کرتا ہُوا، معاشرہ کے امن کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں خمر و مَیسر ہی کے متعلق ارشاد ہوا ہے:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ط

سوال کرتے ہیں تجھ کو شراب سے اور جُوئے سے۔

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز

کہہ بیچ اِن دونوں کے گناہ ہے بڑا اور فائدہ ہے واسطے لوگوں کے

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط وَ

اور گناہ ان دونوں کا بہت بڑا ہے نفع ان دونوں کے سے اور

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط

سوال کرتے ہیں تجھ کو کیا خرچ کریں۔ کہہ زیادہ حاجت سے

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

اِسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ واسطے تمہارے نشانیاں

(اے رسول سلامٌ علیہ!) لوگ آپ سے نشہ آور چیزوں، اور بلا مُشقّت مُیسّر ہونے والے مال کے متعلق سوال کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ یہ دونوں کبیرے گناہ ہیں۔ اگرچہ اِن میں بعض لوگوں کیلئے فائدے ہیں۔ لیکن اِن کا نقصان، اِنکے فائدوں سے بہت بڑا ہے۔ نیز لوگ آپ سے سوال کریں گے کہ وہ کتنا مال خرچ کریں۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ ضرورت سے زائد سب کچھ دے دو۔ اللہ تعالیٰ اِسی طرح اپنی آیتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم حقیقتِ حال پر تفکّر کیا کرو۔

لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ۝ ۲۱۹

تو کہ تم فکر کرو۔

### ضرورت سے زائد سب کچھ دے دو

آئتِ بالا میں قُلِ الْعَفْوَ کے خداوندی ارشاد سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کا جائز حق ضروریاتِ زندگی کے دائرہ ہی میں محدود ہے۔ اور اِس کے بعد ارشاد ہوا ہے:- کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ یعنی وضاحت کردی گئی ہے، کہ تم غور کرو، کیا ضُروریاتِ زندگی چند بالا دست افراد ہی کا حق ہے یا پُورے عوام کا؟ اور جب پُورے عوام کا حق ہے تو ضرورت سے زائد مال جو محرومِ ربوبیّت افراد کا حصّہ مَیسر کے انداز میں تمہارے تصرّف میں آ گیا ہے۔ اِسے اِس کے حقداروں کے لئے مرکزی نظام کے حوالے کردو۔ اِس اگلی آئتِ مجیدہ میں اِسی تفکّر کو دُنیا اور آخرت دونوں پر پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے:-

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ؕ وَیَسْئَلُوْنَکَ

بیچ دُنیا کے اور آخرت کے اور سوال کرتے ہیں تجھ کو

عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ ؕ

یتیموں سے، کہہ سنوارنا واسطے اُن کے بہتر ہے

وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ ؕ وَاللّٰہُ

اور اگر ملا لو تم اُن کو پس بھائی ہیں تمہارے اور اللہ

یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ

جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ اور اگر

شَآءَ اللّٰہُ لَاَعْنَتَکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ

چاہتا اللہ البتہ محنت دیتا تم کو تحقیق اللہ غالب ہے

حَکِیْمٌ ۝ ۲۲۰

حکمت والا۔

(چاہیئے کہ تم صرف دُنیا ہی پر نگاہ نہ رکھو) بلکہ دُنیا اور آخرت، دونوں پر تفکّر کیا کرو۔ نیز اے رسول سلامٌ علیہ! لوگ آپ سے بے سہارا لوگوں کے متعلق سوال کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ اُن کی اصلاح (یعنی ان کی کمیاں پُوری کرنا) بہتر ہے اور اگر تم اُنہیں (اپنے اپنے خاندانوں میں) مخلوط کرلو تو وہ تُمہارے بھائی ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ مُفسد کو مُصلح سے (الگ کر کے) ظاہر کر دیتا ہے۔ اور اگر اللہ کے قانونِ مشیّت میں ایسا ہوتا، تو وہ تمہیں (ناہموار قانون دے کر) مشکل میں ڈال دیتا۔ (لیکن اُس نے ربوبیّت بدوش قانون نازل کر کے تُمہاری مُشکلوں کا حل پیش کردیا ہے) بلاشُبہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

### یتیموں کی اِصلاح

آئتِ بالا میں یتیموں کی اِصلاح کا حکمِ عام دیا گیا ہے۔ یُتم کا مطلق معنٰی ہے بے سہارہ ہو جانا اِس طرح معاشرہ کا ہر بے سہارہ فرد یتیم ہے۔ جن بچوں کے باپ فوت ہو جائیں اُنہیں اسلئے یتیم کہا جاتا ہے کہ وہ بھی بے سہارہ ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح جن عورتوں کے شوہر فوت ہو جائیں، اُنہیں بھی یَتٰمَی النِّسَآءِ

۴۷/۱۲۷ کہا گیا ہے۔ اِن سب کی اِصلاح اسلامی معاشرہ کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ لفظ اصلاح کا ایک مفہوم، حضرتِ زکریا سلامٌ علیہ کے ذکر میں بتایا گیا ہے کمی پوری کرنا۔ آپکے ہاں اَولاد نہیں تھی، جو آپ کے علم کی وارث ہوتی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زوجہ مُحترمہ میں نسائیت کی رُو سے کسی قسم کی کمی ہو چکی تھی۔ آپ نے وارث کیلئے دُعا فرمائی۔ تو اس کے متعلق ارشاد ہُوا ہے:۔

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبۡنَا لَهٗ يَحۡيٰى وَ اَصۡلَحۡنَا لَهٗ زَوۡجَهٗ ۲۱/۹۰ = پس ہم نے زکریا سلامٌ علیہ کی دعا قبول فرمائی اور اُسے یحیٰی عطا فرمایا، یعنی ہم نے اُسکی بیوی کی وہ کمی پُوری کر دی جو اولاد کی راہ میں حائل تھی۔ پس اصلاحِ یتامیٰ سے مُراد معاشرہ کے ہر بے سہارا فرد کی کمی پوری کرنا ہے۔ اِس طرح بیوہ عورتوں کی اصلاح یہ ہے کہ اُنکے نکاح کر کے اُنکی اِس کمی کو پورا کیا جائے جو سابقہ شوہر کے فوت ہونے سے واقع ہوگئی ہے۔ چنانچہ اگلی آئت مجیدہ میں نکاح کے متعلق بنیادی اہم ہدایات دے دی گئی ہیں:۔

وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى

اور مت نکاح کرو شرک کرنے والیوں کو یہاں تک کہ

يُؤۡمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ

ایمان لاویں اور البتہ لونڈی ایمان والی بہتر ہے

مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ ۚ وَلَا تُنۡكِحُوا

شرک کرنے والی سے اور اگرچہ خوش لگے تم کو اور مت نکاح کرو

الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ وَلَعَبۡدٌ

شرک کرنے والوں کو یہاں تک کہ ایمان لاویں اور البتہ غلام

مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ وَّلَوۡ

ایمان والا بہتر ہے شریک کرنے والے سے اور اگرچہ

اَعۡجَبَكُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ

خوش لگے تم کو یہ لوگ بلاتے ہیں طرف آگ کے

وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡٓا اِلَى الۡجَنَّةِ وَالۡمَغۡفِرَةِ

اور اللہ بلاتا ہے طرف بہشت کے اور بخشش کے ساتھ

بِاِذۡنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ

حکم اپنے کے اور بیان کرتا ہے نشانیاں اپنی واسطے لوگوں کے تا کہ وہ

اور مشرکہ عورتوں سے اُس وقت تک نکاح نہ کرنا جب تک کہ وہ مومنہ نہ ہو جائیں۔ قرآنی نظام سے ماقبل کی لونڈی جو ایمان لا چکی ہے مُشرکہ خاندانی عورت سے بہتر ہے، اگرچہ تمہیں اُس مُشرکہ کا سلیقہ کتنا ہی اچھا لگتا ہو۔ اور اِسی طرح مومنہ خواتین کا نکاح مشرکوں کے ساتھ نہ کرنا، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ سابقہ غلام جو ایمان لے آیا ہے۔ مشرک خاندانی مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ کتنا ہی اچھا لگتا ہو۔ مُشرک مرد اور مُشرکہ عورتیں (ناہموار قانون کے ذریعہ) جہنّم کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے (ہموار) قانون کے ساتھ جنّت و عافیّت کی طرف بلاتا ہے اور وُہ اپنی آئتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

يَتَذَكَّرُوْنَ۠ ۝ ۲۲۱ ع۵

نصیحت پکڑیں۔

● آئتِ بالا میں ازدواجی زندگی کو فریقین کی ایمانی ہم آہنگی کے ساتھ مشروط کردیا ہے۔ تاکہ پُورا گھر جنّت و عافیت کی جیتی جاگتی تصویر بنا رہے۔ بصورتِ دیگر میاں بیوی کا نظریاتی اختلاف پُورے گھر کو جہنم بنا کر رکھ دے گا۔ اِس طرح نکاح کے بعد سوال آتا ہے جنسی مقاربت کا۔ اِس ضمن کی ضروری ہدائت اگلی آئت میں دی گئی ہے:-

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ط قُلْ

اور سوال کرتے ہیں تجھ کو حیض سے کہہ کہ

هُوَ اَذًى لا فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى

وہ ناپاکی ہے پس کنارہ کرو عورتوں کو بیچ

الْمَحِيْضِ لا وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى

حیض کے اور مت نزدیک جاؤ اُن کے یہاں تک کہ

يَطْهُرْنَ ج فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ

پاک ہوں پس جب نہا لیں ۔ پس جاؤ اُن کے پاس اس

حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

جگہ سے کہ حکم کیا تم کو اللہ نے تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے

التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ ۲۲۲

توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے پاکی کرنے والوں کو۔

اے رسول! لوگ آپ سے عورتوں کی ماہواری کی حالت کے متعلق سوال کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ وہ بیماری کے دِن ہیں۔ پس تم بیویوں کی ماہواری کی حالت میں اُن سے الگ رہا کرو۔ اور جب تک شفایاب نہ ہو جائیں اُن کے قریب نہ جایا کرو۔ پھر جب وہ شفایاب ہو جائیں، تو اُن کے پاس اُس فطری طریقہ سے آؤ، جس کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (اگر تم اِس سے پہلے غلط کاری کے مرتکب رہے ہو تو۔ باز آجاؤ) بے شک اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ص فَاْتُوْا

بی بیاں تمہاری کھیتیاں ہیں واسطے تمہارے پس جاؤ

حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ز وَقَدِّمُوْا

کھیت اپنے میں جس طرح چاہو تم اور آگے بھیجو

لِاَنْفُسِكُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

واسطے جانوں اپنی کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ پس تم اپنی کھیتیوں میں آیا کرو، (زچگی، ماہواری، اور حمل کے سوا) جب تم چاہو۔ اور اپنی جانوں کیلئے (طلبِ اَولاد کی غرض کو) مقدم رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو (بیویوں کو محض کھلونے تصوّر نہ کرنا) اور جانے رہو کہ تم (اس عمل سمیت ہر عمل کی جوابدہی کیلئے) اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے والے ہو۔ اور اے رسول

اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۲۳
یہ کہ تم ملنے والے ہو اُس سے اور خوشخبری دے ایمان والوں کو

سلامٌ علیہ! (ہمارے احکام پر) ایمان لانے (اور اُن پر عمل کرنے) والوں کو (ہماری خوشنودی کی) خوشخبری دے دیجئے گا۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ
اور مت کرو اللہ کو نشانہ واسطے قسموں اپنی کے

اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ
یہ کہ بھلائی نہ کرو اور پرہیز گاری اور صُلح نہ کرو درمیان

النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۲۴
لوگوں کے اور اللہ سُننے والا ہے جاننے والا۔

اور ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا بہانہ نہ بنالو کہ تم نیکی، خدا خوفی اور لوگوں میں صلح نہ کراؤ گے۔ اور (صُلح کرانے میں تمہیں فریقین کی جو سخت سُست باتیں سُننی پڑتی ہیں) اللہ تعالیٰ اُنہیں سُننے والا ہے، (اور اِس سلسلے میں تمہیں جو کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے) اُسے اچھی طرح جاننے والا ہے۔ (تمہیں اِس کا اجر ضرور دیا جائے گا)

● اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں اِسی ضمن کی مزید وضاحت فرمائی گئی ہے:-

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ
نہیں پکڑتا تم کو اللہ ساتھ بے قصد کے بیچ

اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا
قسموں تمہاری کے ولیکن پکڑتا ہے تم کو ساتھ اُس چیز کے کہ

كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
کماتے ہیں دل تمہارے اور اللہ بخشنے والا

حَلِيْمٌ ۝۲۲۵
تحمل والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لغو قسموں (یعنی جو بھلائی نہ کرنے اور صُلح نہ کرانے کے لئے کھائی جائیں۔ اُن کے توڑ دینے) پر نہیں پکڑے گا۔ لیکن اُن قسموں پر پکڑ لے گا، جو نیک کاموں کے خلاف قصد و ارادہ کے ساتھ کھائی ہوں۔ (یعنی کسی دُشواری کی بدولت نیک کاموں کے خلاف کھائی گئی قسموں کے توڑنے کا تمہیں کوئی کفارہ نہیں پڑے گا) کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بُردبار ہے۔

اِس سے اگلی آئت میں اُس قَسم کا ذکر ہے جو شوہر اپنی بیویوں سے ناراضگی کے لئے کھا لیتے ہیں کہ اُن سے کبھی راضی نہیں ہوں گے:-

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ
واسطے اُن لوگوں کے کہ قسم کھاتے ہیں عورتوں اپنی سے انتظار کرنا ہے

اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ
چار مہینے کا پس اگر پھر آویں پس تحقیق اللہ

جو لوگ بیویوں سے ناراضگی کی قسم کھا لیتے ہیں، اُن کے لئے چار ماہ کی مُہلت ہے۔ اگر اِس مُہلت میں لَوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ۲۲۶

بخشنے والا مہربان ہے۔

ایلا کا مطلق معنٰی قسم کھانا ہے۔خواہ کسی قسم کی ہو۔

(دیکھئے المنجد مطبوعہ دار الاشاعت کراچی صفحہ ۷۷)

## ایلاء کا معنٰی ناراضگی کی قسم ہے جنسی علیحدگی نہیں

سباقِ کلام پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایلاء محض ناراضگی کی قسم ہے،جنسی علیحدگی نہیں۔کیونکہ جس جوڑے کی جنسی علیحدگی،اہتمامِ قسم کے ساتھ چار ماہ کے لئے واقع ہو چکی ہے۔اب اگر اُن کے درمیان طلاق ہو جائے۔تو عِدّت کی ضرورت نہیں رہتی۔کیونکہ تین قُروء یا تین ماہ کی عِدّت اظہارِ حمل کے لئے ہے۔لیکن اگر ایلاء سے مُراد جنسی علیحدگی ہو تو چار ماہ کی علیحدگی سے اظہارِ حمل ہو چکتا ہے،اور مزید تین قُروء کی عِدّت عبث محض ٹھہرتی ہے۔قرآنِ کریم میں اگرچہ حاملہ کی عِدّت تا وضع حمل الگ مذکور ہے ۶۵/۴۔لیکن حمل کی حالت میں جنسی علیحدگی چونکہ حکماً لازم آتی ہے۔اِس لئے آئتِ بالا میں شوہر سے یہ کہنا غلط ہے کہ اگر وہ قسم توڑ کر جنسی رجعت کر لے تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔بلکہ اب تو اُسے حاملہ کے نزدیک نہ جانے کی قسم کو مزید پکّا کرنا چاہیئے۔لہٰذا اِن حقائق وشواہد کی روشنی میں ایلاء کا معنٰی صرف ناراضگی ہے،جنسی علیحدگی نہیں۔
چنانچہ ناراضگی ہی کی قسم کھانے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے:-

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور اگر قصد کریں طلاق کا پس تحقیق اللہ

سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ ۲۲۷

سننے والا جاننے والا ہے۔

اور اگر عورتوں سے ناراضگی کی قسم کھانے والے طلاق کا ارادہ کر لیں تو بلاشُبہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

● آئتِ بالا کے آخری جُملہ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ طلاق جائز دی جا رہی ہے یا ناجائز۔پس طلاق دہندہ کو اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ کسی نئی نویلی دلہن کے ناجائز شوق میں بیگناہ بیوی کو طلاق دینا انتہائی ظلم ہے۔کیونکہ کسی عورت کے لئے اُس کی ہم جھولیوں اور خوش بستی سہیلیوں میں طلاقڑ کا طعنہ ہی ذِلّت کے لئے کچھ کم نہیں۔اگرچہ اُسے طلاق بے قصور ہی کیوں نہ دی گئی ہو۔

## طلاق کیا ہے؟

مادہ ط۔ل۔ق=طلاق کا بنیادی معنٰی ہے کسی بندھن سے آزاد ہو جانا۔گریمر کی رُو سے لفظ طلاق کی دو حیثیتیں ہیں۔ایک تو طَلَق مصدر ہے بمعنی آزاد ہو جانا اور دُوسرے یہ لفظ طَلَّقَ سے اسم ہے۔
قرآنِ کریم میں یہ لفظ مؤخر الذّکر انداز میں باب تفعیل متعدّی بدومفعول سے آیا ہے۔کیونکہ طلاق دی گئی عورتوں کو مطلوقات نہیں،بلکہ مطلّقٰت کہا گیا ہے۔اِس لحاظ سے قرآنی طلاق کا مفہوم منکوحہ عورت کو قیدِ نکاح سے آزاد کرانا ہے۔یہی وجہ ہے

کہ قرآنِ کریم کی رُو سے کوئی طلاق دہندہ، محکمہ عائلی قوانین کے دخل کے بغیر از خود طلاق نہیں دے سکتا۔ قرآنِ کریم نے اِس قضیئے کو مقامِ ذیل سے شروع کیا ہے:-

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ ۴/۳۵ = اور (اے جماعتِ مومنین!) اگر تمہیں اِن دونوں (میاں بیوی) میں عداوت کا خوف ہو تو ایک شخص کو شوہر کے کُنبے سے مُنصف مقرر کرلو اور ایک کو بیوی کے کُنبے سے۔ پھر اگر یہ دونوں اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ اُن دونوں میں صلح کی توفیق ارزانی فرمائے گا ___ یعنی شوہر اپنے ارادۂ طلاق سے شعبہ طلاق کے افسر متعلقہ کو مطلع کرے گا۔ اور وُہ فریقین کے کُنبوں سے حکمین کے تقرّر کا حکم دے گا۔ پھر اگر فریقین کے حکمین صُلح کی کوشش میں ناکام رہ جائیں تو وُہ اپنی رپورٹ افسر متعلقہ کو پُہنچائیں گے۔ اور طلاق کا فیصلہ افسر متعلقہ کی طرف سے نافذ ہوگا۔ جیسے کہ سورۂ طلاق میں آنحضور سلامٌ علیہ کو سربراہِ نظام کی حیثیت سے حکم ہُوا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ ۶۵/۱ = اے نبی! جب آپ مومنوں کی بیویوں کو (فریقین کے حکمین کے ساتھ مل کر) طلاق دلوائیں۔ یعنی اُنہیں اُن کے شوہروں سے جُدا کرائیں تو اُن کی عِدّت کے لئے جُدا کرائیں۔ اور عِدّت کا صحیح شمار کریں...... یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ کا خطاب بصیغۂ واحد آیا ہے۔ مگر طَلِّقُوْا کا حکم بصیغۂ جمع وارد ہوا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملۂ طلاق کی حکمین کے ساتھ مل کر طلاق کا فیصلہ دینے کا حکم آنحضور سلامٌ علیہ کو دیا گیا ہے۔ پس آیتِ مجیدہ ۶۵/۱ کی رُو سے اکیلے شوہر کو طلاق دینے کے اختیار کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ فیصلہ فریقین کے حالات کے مطابق ہی دیا جائے گا۔ افسر متعلقہ کی طرف سے فریقین میں سے کسی پر حالات کے خلاف دباؤ ڈالا ہی نہیں جا سکتا۔

## عدّت کے ایّام میں مطلّقہ کو گھر سے نکالا نہیں جائیگا

اب چونکہ عِدّت کے اندر مطلّقہ کسی اور شخص سے نکاح نہیں کرسکتی۔ اِس لئے اِس مُدّت کا نان نفقہ سابقہ شوہر کے ذمّہ رکھ کر ارشاد ہُوا ہے:- وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ ۶۵/۱ = اور اللہ (کے قانونِ ربوبیّت کی مخالفت) سے بچتے رہنا۔ مطلّقہ عورتوں کو اُن کے سابقہ گھروں سے نہ نکالنا اور نہ وہ خود ہی نکلیں۔ سوائے اِس صُورت کے کہ وہ بے حیائی کی مرتکب ہوں (ایسی صورت میں اُن کا نان نفقے کا حق ضائع ہوجائے گا۔ اور اُنہیں گھروں سے نکال دیا جائے گا)

ے بُیُوْتِهِنَّ میں اضافت بادنیٰ تعلق ہے اِس لئے اِس کا معنیٰ لکھا گیا ہے اُن کے سابقہ گھر۔

## مختلف عورتوں کی عِدّت مختلف ہے

● جن عورتوں کا ماہواری کورس ختم نہ ہوا ہو اُن کی عِدّت تین قروء ہے۔ ۲/۲۲۸

● جن عورتوں کا ماہواری کورس ختم ہو چکا ہو۔ یا جنہیں مطلقاً آتا ہی نہ ہو۔ اُن کی عِدّت تین ماہ ہے ۶۵/۴

● حاملہ عورتوں کی عِدّت تاوضع حمل ہے۔ خواہ وہ وقفہ تین ماہ سے زائد ہو یا کم ۶۵/۴ اور:۔

● جن عورتوں سے خلوت ہوئی نہ ہو۔ اُن کی عِدّت مطلقاً کوئی نہیں ۳۳/۴۹ ...... عدم خلوت کی حالت میں عدم عِدّت کے خداوندی فیصلے سے ثابت ہوتا ہے کہ تین مرتبہ کی ماہواری کے انتظار کی غرض صرف اظہارِ حمل ہے۔

## عودالیٰ المقصود

مطلّقہ عورت کے حاملہ یا غیر حاملہ ہونے کے شُبہ کو دُور کرنے کے لئے ، سلسلۂ درس کی اگلی آیت نمبر ۲۲۸ میں انتہائی کھلے لفظوں میں ارشاد ہُوا ہے:۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

اور طلاق والیاں انتظار کریں ساتھ جانوں اپنی کے

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

تین حیض تک اور نہیں حلال واسطے اُن کے یہ کہ چھپاویں

مَاخَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ

جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے بیچ رِحموں اُنکے کے اگر ہیں ایمان لاتی

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ

ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے اور خاوند اُن کے بہت حقدار ہیں

بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا

ساتھ پھیر لینے ان کے کے بیچ اس کے اگر چاہیں

اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ

صلح کرنا اور واسطے اُن کے ہے مانند اُسی کے جو اُوپر اُن کے ہے

بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

ساتھ اچھی طرح کے اور واسطے مردوں کے اُوپر اُن کے

دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۲۸ ع ۲۸/۱۲

درجہ ہے اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔

اور مطلّقہ عورتیں اپنے لئے تین قُرُوء (تین ماہواریوں) کا انتظار کریں۔ اور اگر وہ اللہ اور آخرت کے دِن پر ایمان رکھتی ہیں۔ تو اُن کے لئے اُس بچے کو چھپانا حلال نہیں، جو بچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کر دیا ہے۔ اور اُن کے شوہر اُن کی مذکورہ حالتِ حمل میں (غیر حاملہ عورتوں کی نسبت) لوٹا لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بشرطیکہ وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور اگر طلاق کی محرک عورت ہو تو) عورتوں کو بھی شوہروں کو لوٹا لینے کا اُسی طرح کا حق ہے جس طرح اِنہیں لوٹا لینے کا مردوں کو حق ہے۔ لیکن مردوں کو اُن پر ایک درجہ دیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

● آئتِ بالا میں طلاق دہندہ کو غیر حاملہ مطلّقہ عورتوں کی نسبت حاملہ مطلّقہ عورتوں کو لوٹا لینے کا زیادہ حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔ کیونکہ اُن کے پاس اُن کی نسلی امانت موجود ہے۔ نیز اس آئت میں عورتوں پر مردوں کے جس درجہ کی خبر دی گئی ہے اُس کی وضاحت ۴/۳۴ میں درج ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ۔ مرد عورتوں کے قوّام یعنی ان کی ضروریاتِ زندگی کے ضامن ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (اِن میں سے) مردوں کی ایک فضیلت یہ ہے کہ وہ اُن پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اِس آئت میں فریقین کو اپنے اپنے مقام پر افضل بتایا گیا ہے جو کام اللہ تعالیٰ نے مرد کے ذِمّہ لگائے ہیں اُنہیں عورت سرانجام نہیں کر سکتی۔ اور جو کام عورت کے سپرد کئے ہیں، وہ مرد کے بس کے نہیں۔ دونوں ایک دُوسرے سے افضل ہیں۔ نوعِ انسانی ہونے کی بدولت عورت اور مرد کے مدارج میں کوئی فرق نہیں اور نہ ہی عورت کا اس صنف سے ہونا وجہِ کمتری ہے کہ اُسے اولاد پیدا کرنے کی ذِمّہ داری سونپی گئی اور اس پر نسوانی عوارضات لازم کر دیئے گئے ہیں۔

## دو مرتبہ کی طلاق کے بعد فریقین کو لوٹایا جا سکتا ہے تیسری مرتبہ کے بعد نہیں

آئت ماقبل ۲۲۸ میں عِدّت کے اندر جو فریقین کو لوٹا لینے کا حق دیا گیا ہے۔ اِس ضمن میں جو لوگ عِدّت کے اندر بلا نکاح رجعت کے قائل ہیں، اُن کا نظریہ بھی غلط ہے۔ اور جو لوگ عِدّت کے اندر نکاح کی اجازت نہیں دیتے اُن کا نظریہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ اگر فریقین طلاق کے بعد ایک ہی مہینے میں تجدید نکاح پر رضامند ہو جائیں تو اُنہیں بلا ضرورت تین قروء کی طویل انتظار میں مبتلا کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن رجعت، تجدیدِ نکاح ہی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ طلاق نکاح کی ضِد ہے جب افسر متعلقہ تک کی طرف سے حکمین کی کوششوں کے بعد بھی طلاق ہی کا فیصلہ ہو گیا تو نکاح کے بغیر لوٹا لینے کا تصوّر تک پیدا نہیں ہوگا۔ اگلی آئتِ مجیدہ میں روایات کے پیدا کردہ اِس بُحران کو بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ کہ اگر عِدّت گزر جائے تو پھر حلالہ کے بغیر نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:-

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ
یہ طلاق دو بار ہے پس بند کر رکھنا ساتھ اچھی طرح کے
اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ
یا نکال دینا ساتھ اچھی طرح کے اور نہیں حلال واسطے تمہارے یہ کہ
تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ
لے لو اُس چیز سے کہ دیا ہے تم نے اُن کو کچھ مگر یہ کہ

اَلطَّلَاقُ دو مرتبہ ہے۔ پس (دو مرتبہ کی طلاق کے بعد) یا تو مطلّقہ کو معروف طریقہ (تجدیدِ نکاح) کے ساتھ روک لینا ہے۔ اور یا حُسن کارانہ انداز کے ساتھ (یعنی اُنکے حقوق و واجبات ادا کر کے) رخصت کر دینا ہے اور جو مال تم نے بیویوں کو دیا ہُوا ہے۔ (اگرچہ وہ کوئی خزانہ بھی ہو ۴/۲۰ اگر جدائی کے محرک تم ہو تو) اس میں سے کچھ بھی واپس لینا

یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ
ڈریں دونوں یہ کہ نہ قائم رکھیں گے حدّوں اللہ کی کو پس اگر ڈرو تم
اَلَّایُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَا
یہ کہ نہ قائم رکھیں گے حدیں اللہ کی کو پس نہیں گناہ اوپر اُن دونوں کے
فِیۡمَا افۡتَدَتۡ بِہٖ ؕ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ
بیچ اُس چیز کے کہ بدلہ دے عورت ساتھ اُس کے۔ یہ ہیں حدیں اللہ کی
فَلَا تَعۡتَدُوۡہَا ۚ وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ
پس مت گزرو اُن سے اور جو کوئی گزر جاوے حدّوں اللہ کی سے
فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۲۲۹
پس یہ لوگ وُہی ہیں ظالم ۔

تمہارے لئے حلال نہیں۔سوائے اِس کے اگر اُن میاں بیوی کو یہ خوف لاحق ہو کہ وہؔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ازدواجی حدّوں کو قائم نہیں رکھ سکتے تو اُن دونوں پر کوئی ہرج نہیں کہ عورت شوہر کا مال فدیۃً (بطورتاوان) واپس کر دے۔ مذکورہ بالا اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔ پس جو لوگ اللہ کی حدوں کی پھاندتے ہیں وہی تو ظالم ہیں۔

● اللہ کی حدّیں یہ ہیں کہ میاں بیوی بن کر رہیں۔اب اگر طلاق شوہر دے تو ارشاد ہُوا ہے کہ جو کچھ بیوی کو دیا ہُوا ہے سب کچھ چھوڑنا پڑے گا اور اگر طلاق کی طلبگار بیوی ہے تو تاوان کے طور پر اُسے شوہر کا دیا ہُوا سارا مال واپس کرنا ہوگا۔ نیز افۡتَدَتۡ بِہٖ میں ضمیر ہٖ کا مرجع مِمَّآ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ یعنی وُہ مال ہے جو شوہر نے بیوی کو خانہ آبادی کے لئے دیا ہُوا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر خانہ بربادی کی محرک بیوی ہے تو اُسے اِس کا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔لیکن شوہر کو اپنے دیئے ہوئے مال سے زائد مانگنے اور طلاق کو سودا بازی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں۔ قانونی اور عدالتی طور پر وہ اپنے دیئے ہوئے مال ہی کی واپسی کا حقدار ہے۔ دیکھئے! قرآنِ کریم نے میاں بیوی، دونوں کے لئے حدّیں مقرر کردی ہیں۔ اِس ضمن کی یہ صُورت بھی آئتِ بالا کے ماتحت آجاتی ہے کہ اگر شوہر نے محبّت میں آ کر بیوی کے نام ساری جائیداد لگوادی ہے۔لیکن اب اُس کی بیوی اِس خیال کے مطابق کہ جائیداد میرے نام ہے، طلاق نہیں مانگتی۔لیکن خاوند کو ناجائز تنگ کرتی ہے۔ تو شوہر کو حق دیا گیا ہے کہ افسر متعلقہ طلاق کے ہاں طلاق کی تحریک کے ساتھ ساتھ اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ آئتِ بالا ایسی بیوی سے شوہر کا مال فدیۃً واپس دلاتی ہے۔

(نوٹ) سطُورِ ذیل میں آپ کو حقِّ تجدیدِ نکاح بِلا فصل، اور حقِّ تجدیدِ نکاح بالفصل کے الفاظ ملیں گے۔ مطلّقہ کے حقِّ تجدیدِ نکاح بلا فصل سے یہ مُراد ہے کہ اُسے طلاق کی عِدّت گزر جانے کے متصل مابعد بھی سابقہ شوہر سے تجدیدِ نکاح کا حق حاصل ہو۔ اور حقِ تجدیدِ نکاح بالفصل سے یہ مُراد ہے کہ طلاق کے بعد سابقہ شوہر سے اُس وقت تک تجدیدِ نکاح کا حق حاصل

نہ ہو، جب تک کہ وُہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ اور وہ اُسے طلاق نہ دیدے، یا وہ مرنہ جائے۔

## تین طلاق کا قرآنی خاکہ

● اِسلامی فقہوں میں تین طلاق کا یہ طریقہ درج ہے کہ اگر کوئی شوہر بیک وقت تین تین طلاق کہہ دے۔ تو بعض کے ہاں یہ تین طلاقیں متصوّر ہوتی ہیں۔ لیکن بعض اِسے ایک ہی طلاق شمار کرتے ہیں۔ اُن کے ہاں تین طلاق کا یہ انداز ہے کہ ہر ماہ ایک طلاق دی جائے، اور تین طلاقیں تین مہینوں میں ختم کی جائیں۔ لیکن قرآنِ کریم کی رُو سے یہ دونوں صورتیں غلط ہیں۔

● تین طلاق کی صحیح صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد پہلی مرتبہ کی طلاق پہلی اور ایک ہے، اگر چہ لفظ طلاق کی گردان تین مرتبہ نہیں بلکہ سَو مرتبہ بھی کیوں نہ کی گئی ہو۔ طلاق کی عِدّت تین ماہواریاں ہے۔ اب اگر یہ جوڑا بالفصل یا بلا فصل پھر تجدیدِ نکاح کر کے دوسری مرتبہ میاں بیوی بن جائے اور پھر دوبارہ طلاق ہو جائے تو یہ دوسری طلاق ہوگی۔ پھر اگر دوسری طلاق کے بعد اُس جوڑے کا پھر بلا فصل یا بالفصل تیسرا نکاح ہو جائے اور اِس کے بعد پھر طلاق ہو جائے تو یہ تیسری طلاق ہوگی۔ جس کے بعد اِس جوڑے کو حقِّ نکاح بلا فصل حاصل نہیں، جب تک کہ وہ تین مرتبہ کی مطلّقہ عورت کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ، طلاق نہ دیدے یا مرنہ جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ
پس اگر طلاق دی اُس کو پس نہیں حلال ہوتی واسطے اُس کے پیچھے اُس کے
حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا
یہاں تک کہ نکاح کرے اور خصم سے سوائے اُسکے پس اگر طلاق دے وہ اُسکو
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ
پس نہیں گناہ اوپر اُن دونوں کے یہ کہ پھر آویں آپس میں اگر
ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ
جانیں یہ کہ قائم رکھیں حدّیں اللہ کی اور یہ ہیں
حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۲۳۰
حدّیں اللہ کی بیان کرتا ہے اُس کو واسطے اُس قوم کے کہ جانتی ہے۔

پھر (اگر ایسا ہو کہ کوئی جوڑا دو مرتبہ کے طلاق کا حقِّ رجعت بلا فصل یا بالفصل استعمال کر کے تیسری مرتبہ کے نکاح کے بعد میاں بیوی بن چکا ہے تو پھر) اگر شوہر تیسری مرتبہ طلاق دیدے تو وہ عورت اُس کے لئے اُس وقت تک حلال نہیں، جب تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔ (یعنی تیسری مرتبہ کی طلاق کے بعد کسی جوڑے کو حقِّ نکاح بلا فصل حاصل نہیں) پھر اگر اُس کا نیا شوہر اُسے (افسر متعلقہ کے ذریعہ مذکورہ قرآنی طریقہ سے) طلاق دیدے تو اِس سابقہ جوڑے پر کوئی حرج نہیں اگر وہ رجعت کر لیں۔ بشرطیکہ وہ گمان کرتے ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدّوں کو قائم رکھیں گے۔ پس یہ ہیں (مسئلۂ طلاق کے متعلق) اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں جنہیں وہ اس قوم کے لئے کھول کھول کر بیان

کرتا ہے، جو جانتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کی تبیین بھی آپ ہی کرتا ہے)۔

## قرآنِ کریم میں حلالہ جیسے غیرت کُش نکاح کی اجازت ہرگز ہرگز موجود نہیں

●روائتی فقہوں میں ایک ایسے نکاح کی اجازت بھی موجود ہے، جس پر کوئی غیرت مند باپ اپنی بیٹی کے لئے، اور کوئی غیّور بھائی اپنی بہن کے لئے رضامند ہو ہی نہیں سکتا، کہ اُس کی بیٹی یا بہن کا نکاح صرف ایک مرتبہ کے خلوت واختلاط کے لئے باندھا جائے۔ اور منکوحہ کو ایک مرتبہ کے جنسی اختلاط کے عوض دی جا رہی ہو مہر کی رقم، خواہ وُہ روائتی مِقدار کے مطابق صرف بتّیس روپے کیوں نہ ہو۔ ۳۲ روپے۔

**واضح رہے کہ:-** نکاح کی ضِد ہے طلاق، اور قرآنِ کریم کی رُو سے ایک نکاح کی طلاق بھی ایک ہے تین نہیں ہیں۔ تین طلاقیں، تین نکاحوں کی متقاضی ہیں۔ اب چونکہ ایک وقت پر صرف ایک ہی نکاح ہو سکتا ہے۔ اس لئے ایک نکاح کی طلاق بھی ایک ہے اور ایک طلاق کے بعد تین قروء کی عِدّت لازم ہے۔ نیز سابقہ شوہر اور سابقہ بیوی کو ۲/۲۲۹ کے فیصلہ کے مطابق عِدّت کے اندر اور عِدّت کے بعد تجدید نکاح کی اجازت ہے ـــــــ اِس طرح اگر طلاق کی عِدّت کے بعد سابقہ جوڑا دوسری مرتبہ نکاح کر کے پھر سے میاں بیوی بن چُکا ہے تو اب ایک طلاق مکمل ہو چکی ہے۔ اور اِس دوسرے نکاح کے بعد اگر پھر کبھی طلاق تک نوبت پہنچ جائے، اور طلاق کی عِدّت بھی گُزر جائے تو یہاں پہنچ کر دو طلاقیں مکمّل ہوں گی۔ اور اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ۲/۲۲۹ کے مطابق، کہ دو مرتبہ کی طلاق کے بعد دو مرتبہ تک امساک کی اجازت ہے یعنی سابقہ شوہر مذکورہ بالا قرآنی طریقے کے مطابق دو مرتبہ کی طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح کے ساتھ اپنی مطلّقہ کو روک سکتا ہے۔ تو اِس طرح اگر اِس قرآنی رعائت سے دو مرتبہ فائدہ اُٹھایا جا چکا ہے۔ کہ پہلی طلاق کے بعد تجدیدِ نکاح کر لیا۔ اور اس کے بعد اگر پھر کبھی طلاق تک نوبت پہنچ گئی اور دوسری طلاق کے بعد بھی تجدیدِ نکاح کر کے امساک کی آخری رعائت حاصل کر لی گئی ہے۔ تو اب اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ کی حد ختم ہو چکی ہے۔ یعنی اب اگر کسی وقت پر شوہر تیسری مرتبہ بھی طلاق دیدے تو اب اِس جوڑے کو حقِ نکاح بِلا فصل حاصل نہیں۔ جب تک کہ مطلّقہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ اور اُس سے نکاح کرنے والا بوجہ عدم نباہ طلاق نہ دیدے۔

لیکن روائتی تفاسیر نے پہلے تو اِس تین طلاق کے قُرآنی تصوّر کو، جو عملی طور پر کئی برسوں کے بعد حدِ تکمیل کو پُہنچتا ہے، شوہر کی زبان سے طلاق طلاق طلاق کی تین مرتبہ کی گردان، اور عرائض نویس کے لکھے ہوئے **تین طلاق** کے الفاظ میں ختم کر

دیا ہُوا ہے۔یعنی شوہر نے طلاق طلاق طلاق کی گردان کردی اور عرضی نویس نے تین طلاق کے الفاظ لکھ دیئے تو تین طلاقیں ختم ہوگئیں لیکن اُدھر اگر حالات یہ ہوں کہ اِس جوڑے کی علیحدگی سے کئی خاندانوں میں عداوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہو۔ دُوسری طرف اِس جوڑے کے تین چار بچے ہوں جن کے تاریک مستقبل کا تصوّر فریقین کو مجبور کرتا ہو کہ تجدید نکاح ہوجائے تو قرآنِ حکیم نے اِنہی مشکلات کے حل کے طور پر اِس قضیئے کو تین مرتبہ کے نکاح اور دو مرتبہ کی طلاق پر اِس طرح پھیلا دیا ہُوا ہے کہ دو مرتبہ کی طلاق کے بعد فریقین کو حقِ نکاح بلا فصل اور بِالفصل عطا کر رکھا ہے اور تیسری طلاق کے بعد صرف حقِ بِالفصل دیا ہے۔لیکن روایات نے پہلی ایک طلاق کو شوہر کی تین مرتبہ کی طلاق طلاق طلاق کی گردان کے ساتھ تین قرار دے کر، پھر چوتھے نکاح بالفصل کی اجازت کو نئے جوڑے کی صرف ایک مرتبہ کی خلوت و اختلاط کے ساتھ مشروط کر کے، آیاتِ قرآنیہ کا وُہ مذاق اڑایا ہے، جس کی مثال ممکن نہیں۔ روائتی تفاسیر کی زبان میں اِسے حلالہ کہا جاتا ہے۔لیکن یہاں پہنچ کر روائتی تصوّر کے سامنے پھر ایک مشکل آ کھڑی ہوئی۔ کہ حلالہ کے طور پر جس شخص کے ساتھ مطلّقہ کا نکاح اِس غرض سے کیا جائے گا کہ وہ خلوت و اختلاط کے بعد طلاق دیدے، تا کہ سابقہ شوہر کے ساتھ تجدیدِ نکاح کا دروازہ کُھل سکے۔ اب اگر نیا شوہر طلاق نہ دے تو حلالہ کی غرض فوت ہو جاتی ہے۔ اِس لئے نکاحِ حلالہ میں یہ غیرت کُش شرط لازم رکھّی گئی کہ یہ ایک رات کا نکاح ہو گا۔ اور نئے خاوند، یعنی ایک رات کے شوہر کو ایک رات کی خلوت و اختلاط کے بعد لازماً طلاق دے دینا ہوگی۔ العیاذُ باللہ! قرآن کہتا ہے:- لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا $\frac{2}{231}$ = اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کریمات کے ساتھ مذاق نہ کرو۔ یہ ہے قرآنی مفہوم کو اُس کے اپنے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق نہ سمجھنے کا نتیجہ، کہ حلالہ جیسی بے غیرتی تک روایات کے ذریعہ اسلام میں درآمد ہو چکی ہُوئی ہے۔

## تکرار تاکیدی

آئتِ بالا کے اخیر پر نکاحِ بالفصل سے متعلقہ ہدایات کی وضاحت کے بعد اگلی آئتِ کریمہ میں تکرارِ تاکیدی کے انداز میں پھر اُسی رعائت کا اعادہ کیا گیا ہے، جو اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کے الفاظ میں عام مطلّقہ عورتوں کو دی گئی ہے:-

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں وقت اپنے کو

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ

پس بند رکھو اُن کو ساتھ اچھی طرح کے یا نکال دو اُن کو

اور (پھر سُن لو کہ) جب تم بیویوں کو طلاق دو، پھر وُہ اپنی عِدّت کو پہنچ جائیں (یعنی عِدّت پُوری کرلیں) تو پھر اُنہیں یا تو معروف طریقے کے ساتھ (تجدیدِ نکاح کے ساتھ روک لیا کرو، اور یا معروف طریقے کے ساتھ (یعنی اُن کا

بِمَعۡرُوۡفٍ ۪ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا
ساتھ اچھی طرح کے اور مت بند رکھو اُن کو ایذا دینے کو
لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ
تو کہ زیادتی کرو اور جو کوئی کرے گا یہ پس تحقیق ظلم کیا اُس نے
نَفۡسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ
جان اپنی کو اور مت پکڑو آیتوں اللہ کی کو ٹھٹھا
وَّاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ
اور یاد کرو نعمت اللہ کی کو اوپر اپنے اور جو کچھ اُتارا ہے
عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ
اوپر تمہارے کتاب سے اور حکمت سے نصیحت کرتا ہے تم کو
بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ
ساتھ اس کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو یہ کہ اللہ تعالیٰ ساتھ ہر
شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝ ۲۳۱ ع ۲۹ ۱۲
چیز کے جاننے والا ہے۔

جُملہ مال اسباب حوالے کرکے) رُخصت کردیا کرو۔لیکن اُنہیں تکلیف پُہنچانے کے لئے نہ روکنا، کہ اُن پر زیادتی کرو۔اور جوکوئی ایسا کرے گا، پس وُہ بلاشُبہ اپنے آپ پر خُود ظلم کرے گا۔(آئندہ کے لئے اُسے رشتہ ملنا مشکل ہو جائے گا) اور ایمان والو! اللہ کی آیتوں کا مذاق نہ اُڑایا کرو۔اور اللہ کی نعمت جوتُم پر ہوئی یعنی اُس نے تم پر جو حکمت والی کتاب نازل کی ہے۔(القرآن الحکیم ۳۶/۲ کے قوانین) کو یاد رکھو۔وُہ تمہیں اِسی اکلوتی کتاب کے ساتھ نصیحت کرتا ہے۔پس تم اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے بچو، اور جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔

● آئتِ مجیدہ کے آخری الفاظ میں متنبّہ کیا گیا ہے کہ طلاق کے ضمن میں تم جوظلم زیادتی ،عوام سے چھپا کر بھی کرو گے، اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، پس اگر تم دنیا میں اُس کی سزا سے بچ جاؤ تو آخرت کو ہرگز نہیں بچ سکو گے ـــ اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں پھر مذکورہ بالا الفاظ کو سہ گانہ تکرار کے ساتھ دُہرایا گیا ہے:-

وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ
اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچ جاویں وقت اپنے کو
فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا
پس مت منع کرو اُن کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے جب
تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ذٰلِكَ
راضی ہوں آپس میں ساتھ اچھی طرح کے یہ بات

اور (تیسری مرتبہ پھر سُن لو کہ) جب تم بیویوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عِدّت کو بھی پہنچ جائیں (یعنی عِدّت بھی پُوری کر لیں)، تو پھر (ایمان والو!) اگر وہ سابقہ میاں بیوی، معروف طریقہ (یعنی تجدیدِ نکاح) پر باہم راضی ہو جائیں، تو مطلّقہ عورتوں کو سابقہ شوہر کے ساتھ نکاح کرنے سے منع نہ کرنا۔تم میں سے جو، اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔اللہ اُنہیں

یُوعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
نصیحت کیا جاتا ہے ساتھ اُسکے جو کوئی ہو تم میں سے ایمان لاتا ساتھ اللہ کے اور

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ
دن قیامت کے، یہ بہت پاکیزہ ہے واسطے تمہارے اور بہت پاک ہے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۲
اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مذکورہ بالا امر کی نصیحت کرتا ہے۔ تمہارے لئے یہی چیز بڑھنے پھولنے کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ نیز (جان لو کہ عنوانِ طلاق کے فائدہ مند گوشوں کو) اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (اسلئے اللہ کے احکام ہی کی پیروی کیا کرو)۔

ے ازکٰی کا معنٰی لکھا گیا ہے "بڑھنے پھولنے کے لحاظ سے زیادہ بہتر"۔ یہ لفظ مادہ ز۔ک۔و = زکو سے اسم تفضیل ہے اس مادہ کا بنیادی معنٰی ہے بڑھنا پھولنا۔ زَكَا الْمَالُ کا معنٰی ہے مال بڑھا۔ زَكَا الزَّرعُ کا معنٰی ہے کھیتی بڑھی پھولی اور زَكَا الرَّجُلُ کا معنٰی ہے، آدمی بڑھا پھولا خوشحال ہوا۔

● آئتِ بالا کے مضمون پر مشاہدات گواہ ہیں، کہ طلاق کے سلسلے میں فریقین اپنی اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ اصلاحِ احوال اور تقاضائے وقت کے مطابق، عِدّت کے اندر اور عِدّت کے بعد تجدیدِ نکاح کی اجازت ہے۔ یعنی اِس قضیئے کا وُہ حل ہی بہتر ہے، جس کی تاکید، متصل و مسلسل آیات کریمات میں سہ گانہ تکرار کے ساتھ کی گئی ہے۔ کیونکہ اگر گرما گرمی میں عِدّت بھی گزر گئی ہے۔ تو اب اگر عدّت کے بعد تجدیدِ نکاح کی اجازت نہ ہو تو ممکن ہے کہ فریقین کی اِس علیحدگی کی بدولت میاں بیوی سے متعلقہ متعدّد خاندانوں میں بغض و عداوت قائم ہو جائے، اور وہ ہمیشہ کے لئے مُوجبِ فساد بنی رہے۔ دُوسری طرف اِس جوڑے کی اولاد کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے، بچّے بچارے ناکردہ گناہ کے عوض سوتیلی ماں کی معاندانہ روش کے جہنّم میں جا گرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تین مرتبہ کے مسلسل تکرار کے ساتھ ذیل کے مختلف انداز میں وضاحت کی گئی ہے کہ:-

● اگر عدّت گُزر گئی ہے تو کیا ہُوا، اِس جوڑے کا اب بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ ۲/۲۳۱ + ۲/۲۳۲

● اور یہ ایک مرتبہ کی طلاق کی عِدّت گُزر جانے پر ہی نہیں۔ اگر کبھی دوسری مرتبہ بھی طلاق ہو جائے اور عِدّت بھی گزر جائے، تو پھر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ ۲/۲۲۹

● اگر مطلّقہ عورتیں اپنے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو اِنہیں تنگ نہ کرو۔ روکو مت۔ ۲/۲۳۲

● اگر یہ جوڑا اپنی رضا اور رغبت کے ساتھ تجدیدِ نکاح کرنا چاہتا ہے تو مطلّقہ عورتوں کو اس سے منع نہ کرو ۲/۲۳۲۔ یعنی اُنہیں طعنے مت دو کہ اب تُو کس منہ سے اُس کے گھر آباد ہو گی جس نے تجھے طلاق دیدی ہے وغیرہ وغیرہ:-

**مسئلۂ رضاعت**

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں اِس امر کی وضاحت کی گئی کہ اگر عِدّت کے بعد تجدیدِ نکاح نہ ہو سکے۔ اور مطلّقہ کی گود میں بچّہ ہو، تو اُس بچّے کا حقِّ رضاعت بتایا گیا ہے کہ مائیں اپنے بچّوں کو دو سال

کامل دُودھ پلائیں۔لیکن اب جبکہ طلاق اور علیحدگی ہو چکی ہے تو دُودھ پلائی کی اُجرت بچّے کا باپ ادا کرے گا:-

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ
اور بچّے والیاں دُودھ پلاویں اولاد اپنی کو
حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ
دو برس پُورے واسطے اُس شخص کے جو ارادہ کرے یہ کہ پُورا کرے
الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ
دُودھ پلانا اور اُوپر اس شخص کے کہ لڑکا ہے اُس کا کھلانا اُن کا
وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ
اور پہنانا اُن کا ساتھ اچھی طرح کے نہیں تکلیف دیا جاتا ہے
نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ
کوئی جی مگر طاقت اپنی پر نہ ضرر دی جائے ماں
بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى
ساتھ بچّے اپنے کے ، اور نہ بچّے والا ۔اور اُوپر
الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا
وارث کے ہے مثل اُس کی۔ پھر اگر ارادہ کریں دُودھ چُھڑانا
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ
رضا مندی سے آپس میں اور مصلحت سے پس نہیں گناہ
عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا
اُوپر اُن دونوں کے اور اگر ارادہ کرو تم یہ کہ دُودھ پلاؤ تم
اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ
اولاد اپنی کو پس نہیں گناہ اُوپر تمہارے جب سَونپ دو تم
مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
جو کچھ دینا کیا ہے ساتھ اچھی طرح کے اور ڈرو اللہ سے اور

اور ماؤں کو چاہیئے کہ اُس شخص کے لئے، جو مُدّتِ رضاعت کو پُورا کرنا چاہے، اپنے بچّوں کو دو سال کامل دُودھ پلائیں اور جس کا بچّہ ہے، دُودھ پلانے والیوں کا کھانا کپڑا اُس کے ذمّہ ہے۔(یہ کھانا کپڑا اُس کی بساط کے عین مطابق ہونا چاہیئے۔کیونکہ ہمارے قانون میں) کوئی نفس وُسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیا جاتا۔(پس چاہیئے کہ) نہ بساط سے کم درجے کا روٹی کپڑا دے کر بیٹے کے لئے ماں کو تکلیف دی جائے، اور نہ باپ سے اُس کی بساط سے بڑھیا درجے کا کھانا کپڑا طلب کر کے، بیٹے کیلئے اُسے تکلیف دی جائے۔اور (اگر بچّے کا باپ فوت ہو جائے) تو بچے کے وارث پر بھی دودھ پلوائی کی اُجرت بساط کے مطابق کھانا کپڑا ہے، پھر اگر (دو سال کے اندر دُودھ پلوانے والا، اور دُودھ پلانے والی) دونوں باہمی رضا و مشورہ کے ساتھ دُودھ چُھڑانے کا ارادہ کریں تو اُن دونوں پر کوئی ہرج نہیں۔اور (ایمان والو!) تم جب بھی اپنے بچّوں کو کسی عورت سے دُودھ پلوانا چاہو، تو جب وہ اُجرت جو دستور کے مطابق دیتے ہو تسلیم کرلو تو تم پر دُودھ پلوانے میں کوئی ہرج نہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت سے ڈرتے رہو۔ اور جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جو تم بجالاتے ہو دیکھنے والا ہے۔

اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ ۲۳۳

جانو یہ کہ اللہ ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے۔

● دیکھئے! دُودھ چھُڑائی کو باہمی رضا و مشورہ پر موقوف رکھا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ دو سال سے کم وقفہ میں بھی اگر بچّے کی صحت متقاضی ہو تو، دُودھ چھڑایا جا سکتا ہے۔ دو سال کی عمر تک بچّے کے دانت نکل آتے ہیں اور معدہ دُوسری غذائیں ہضم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس لئے رضاعت کا زیادہ سے زیادہ وقفہ دو سال مقرر کیا گیا ہے۔

**مسئلۂ طلاق کا ملخّص**

● اعلانِ طلاق کے بعد عِدّت کے اندر اندر بھی اور عِدّت کے بعد بھی تجدیدِ نکاح کی اجازت ہے، لیکن یہ اجازت بلافصل دو مرتبہ کی طلاق تک کی ہے۔ تیسری مرتبہ کیلئے بلافصل نہیں ......... بالفاظِ دیگر مطلّقہ عورتوں کو دو مرتبہ کی طلاق کی عِدّت کے بعد سابقہ شوہر کے ساتھ تجدیدِ نکاح کا حق بلافصل و بِالفصل حاصل ہے یعنی وہ کسی اور کے ساتھ بھی نکاح کر سکتی ہے اور سابقہ شوہر کے ساتھ بھی۔

● طلاق دینے والا شوہر بیوی سے زرِمہر اور مزید دیا ہُوا مال واپس نہیں لے سکتا۔ خواہ وہ ایک خزانہ بھی کیوں نہ ہو ۴/۲۰۔ سوائے اِس صورت کے کہ شوہر اپنی بیوی کو آباد رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن بیوی طلاق کی طلبگار رہے۔ اور یا وہ طلاق تو نہیں مانگتی، لیکن شوہر کو تنگ کرتی ہے۔ اِن حالات میں شوہر اپنا مال واپس لے سکتا ہے، جو اُس نے خانہ آبادی کے لئے بیوی کو دیا ہُوا تھا لیکن وہ سَودا بازی کے طور پر، اپنے دیئے ہوئے مال سے زائد طلب کرنے کا مجاز نہیں۔ ۲/۲۲۹

● اگر کبھی ایسا ہو کہ شوہر کی پوری جائیداد مکان اور زمین وغیرہ بیوی کا مہر مقرّر ہو چکا ہو۔ اور یا شوہر نے نکاح کے بعد بیوی کے نام پر ہبہ کر دیا ہو تو ایسی حالت میں بیوی، اِس خیال سے سرکشی اختیار کرتی ہے کہ شوہر اُسے طلاق دینے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر طلاق دے تو قلاّش ہو جائے گا۔ قرآنِ کریم میں سرکش بیوی کو طلاق دینے کے ساتھ ساتھ طلاق دہندہ کو قانوناً حق دیا گیا ہے کہ وہ ایسی بیوی کو طلاق بھی دے سکتا ہے اور اپنا مال بھی واپس لے سکتا ہے۔

● تین طلاقیں نہ شوہر کی زبان کی تین مرتبہ کی گردان سے وارد ہوتی ہیں، نہ عرضی نویس کے تین طلاق لکھنے سے، بلکہ تین ماہواری کورس ہر طلاق کی الگ الگ عِدّت ہے۔ لیکن یہ رعائت دو مرتبہ کی طلاق تک ہے۔ بالفاظِ دیگر دو مرتبہ کی طلاق تک فریقین کو تجدیدِ نکاح کا حقّ بالفصل بھی حاصل ہے اور بلافصل بھی۔ لیکن اگر تیسری مرتبہ کے تجدیدِ نکاح کے بعد طلاق ہو جائے، تو اب سابقہ شوہر سے نکاحِ بلافصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ مطلّقہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ اور وہ بوجہ عدم نباہ طلاق نہ دیدے۔ غیر حاملہ مطلّقہ کی عِدّت تین ماہواریوں میں اُس کا نان نفقہ سابقہ شوہر پر ہوگا۔ اور اسی طرح حاملہ مطلّقہ کا نان و نفقہ وضعِ حمل تک سابقہ شوہر پر ہوگا۔ اور وضعِ حمل کے بعد اگر بچّے کا باپ دُودھ پلوانا چاہے تو خرچ ادا کر کے پلوا سکتا ہے۔

● اگر کوئی مطلّقہ پہلی ہی طلاق کی عِدّت گزارنے کے بعد کسی اور آدمی سے نکاح کرنا چاہے تو بھی کر سکتی ہے۔ اور اگر دُوسری طلاق کی عِدّت گزارنے کے بعد کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو بھی کر سکتی ہے۔ سابقہ شوہر سے اُس کا دو مرتبہ کی طلاق تک تجدید نکاحِ بلافصل کے ساتھ ساتھ، حقِ تجدیدِ نکاح بالفصل بھی محفوظ ہے، خواہ اُس نے پہلی یا دوسری مرتبہ کی طلاق کے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرلیا ہو۔ اب اگر اُس کا نیا خاوند اُسے طلاق دیدے، یا مرجائے تو سابقہ شوہر سے اُس کا نکاح ہو سکتا ہے ۲/۲۲۹۔ لیکن اگر تیسری مرتبہ کے نکاح کے بعد بھی طلاق ہوجائے تو یہ تیسری طلاق ہے۔ اب اِس جوڑے کو صرف نکاح بالفصل کا حق حاصل ہے۔ لیکن اس قانونی وُسعت سے حلالہ جیسے یک شبی نکاح کا جواز اخذ کرنا آیاتِ قرآنیہ کے ساتھ مذاقِ محض ہے۔ اُدھر حکم ہوتا ہے لَا تَتَّخِذُوٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا ۲/۲۳۱۔

● اگر مطلّقہ کی گود میں بچّہ ہے اور عِدّت کے بعد بھی تجدید نکاح نہیں ہوسکا اور یا تیسری مرتبہ طلاق ہوگئی ہے۔ لیکن سابقہ شوہر اپنے بچّے کو دُودھ پلوانا چاہتا ہے۔ تو عورت پر لازم کیا گیا ہے کہ کم از کم دو سال تک بچّے کو دُودھ پلائے۔ اور وقفۂ رضاعت میں دُودھ پلانے والی کا کھانا کپڑا بچّے کے باپ کے ذِمّہ ہوگا۔ مگر فریقین پر لازم ہے کہ نہ اپنے بچے کو دُودھ پلوانے والا، اپنی بساط سے گھٹیا درجے کا کھانا کپڑا دے اور نہ دُودھ پلانے والی اُس سے اُس کی بساط سے بڑھیا درجے کا کھانا کپڑا طلب کرے۔ دو سال کے اندر باہمی رضا و مشورہ کے ساتھ بچے کا دُودھ چُھڑایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ بچے کی صحت اِس امر کی اجازت دیتی ہو۔

## بیوہ کی عِدّت

آیاتِ بالا میں چونکہ مطلّقہ کی عِدّت کا تعیّن گزر چُکا ہے۔ اِس لئے قرآنِ کریم نے اگلی آئتِ مجیدہ میں اپنے اسلوبِ بیان کے مطابق ساتھ ہی بیوہ کی عِدّت کی وضاحت بھی کردی ہے:-

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا
اور جو لوگ کہ مرجاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بی بیاں اپنی
یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ
انتظار دیویں جانوں اپنی کو چار مہینے اور دس دن کا
فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ
پس جب پہنچیں وقت اپنے کو پس نہیں گناہ اوپر تمہارے
فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
بیچ اس چیز کے کہ کرتی ہیں بیچ جانوں اپنی کے ساتھ اچھی طرح کے

اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں۔ وُہ بیوائیں اپنی جانوں کے لئے چار ماہ اور دس راتوں کا انتظار کریں۔ پھر جب وہ مذکورہ بالا عِدّت کو پہنچ جائیں (یعنی عِدّت پُوری کرلیں) تو پھر تم پر اس امر میں کوئی ہرج نہیں، جو وہ اپنے لئے معروف طریقے کے ساتھ کریں (یعنی نکاح کر لیں) اور تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُس سے باخبر ہے۔

وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ۲۳۴

اور اللہ ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہو تم خبردار ہے۔

● بیوہ کی عِدّت مطلّقہ سے چالیس دِن زیادہ مقرّر کی گئی ہے۔عِدّت کی غرض ہے اظہارِ حمل، جو تین ماہ میں یقیناً ہو جاتا ہے اب بیوہ کو چونکہ شوہر کی مَوت کا صدمہ ہوتا ہے اسلئے صدمے کے دنوں میں پیٹ کے بچّے کی نشو ونما یقیناً رُک جاتی ہے۔اسلئے صدمے کے چالیس دِن اصل عِدّت پر بڑھا دیئے گئے ہیں، تا کہ اصل عِدّت قائم رہے۔اور اگر بیوہ حاملہ ہے تو حمل اچھی طرح نمایاں ہو جائے۔

● آیتِ مجیدہ کے آخری جُملہ میں مُتنبّہ کیا گیا ہے کہ بیوہ عورتیں جس جگہ اپنی رضا و رغبت سے نکاح کرنا چاہیں، تو اگر تم اُنہیں، اُن کی رضا کے خلاف تنگ کرو گے تو تمہارے اِس عمل سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔تم اللہ تعالیٰ کے ہاں مُجرم ہو گے۔

## نکاح کا سِلسلہ باقاعدہ منگنی سے شُروع کیا کرو

اِس سے اگلی آئت میں کنواری اور بیوہ سب لڑکیوں کی شادی کا سِلسلہ منگنی سے شروع کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے:-

وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا عَرَّضۡتُمۡ بِہٖ

اور نہیں گناہ اوپر تمہارے بیچ اس چیز کے کہ ظاہر کیا تم نے ساتھ

مِنۡ خِطۡبَۃِ النِّسَآءِ اَوۡ اَکۡنَنۡتُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ

اُس کے منگنے عورتوں کے یا چھپا رکھا تم نے بیچ جانوں اپنی کے

عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمۡ سَتَذۡکُرُوۡنَہُنَّ وَ لٰکِنۡ لَّا

جانتا ہے' اللہ یہ کہ تم البتہ ذکر کرو گے اُن کا اور لیکن مت

تُوَاعِدُوۡہُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا

وعدہ دو اُن کو چھپے ہوئے مگر یہ کہ کہو اُن کو ایک بات

مَّعۡرُوۡفًا ؕ وَلَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَۃَ النِّکَاحِ

اچھی طرح سے اور مت محکم کرو گرہ نکاح کی

حَتّٰی یَبۡلُغَ الۡکِتٰبُ اَجَلَہٗ ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ

یہاں تک کہ پہنچے لکھا ہُوا حکم خدا کا وقت اپنے کو اور جانو کہ تحقیق

اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ فَاحۡذَرُوۡہُ ۚ

اللہ جانتا ہے جو کچھ بیچ جی تمہارے کے ہے پس ڈرو

اور اِس امر میں تمہارے لئے کوئی ہرج نہیں جو تم عورتوں کی منگنی کو ظاہر کر دیتے ہو یا (تقاضائے حالات کے مطابق کچھ عرصہ کے لئے) چھپا رکھتے ہو۔اللہ تعالیٰ تم پر ظاہر کرتا ہے کہ تم ضُرور ضُرور اُن عورتوں سے بھی ذکر کرو گے (جن کی منگنی طے کر رہے ہو) ولیکن اے نکاح کے طلبگارو! تم اُن عورتوں کے ساتھ شادی کا چُھپا وعدہ نہ کرنا۔سوائے اِسکے کہ اُن کے وارثوں کے ساتھ دستور کے مطابق (منگنی کی) بات چیت کیا کرو۔اور جب تک بیوہ عورت کی عِدّت پُوری نہ ہو جائے۔اُس وقت تک نکاح کا ارادہ نہ کرنا۔اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہارے ذہنوں میں چھپا ہُوا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بھی جانتا ہے۔پس اُس کے قانون کی مخالفت سے ڈر جاؤ۔اور جانے رہو کہ (اگر تم بُرے ارادوں سے باز آ جاؤ تو) اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ۲۳۵ ع ۱۴ ‖ بردبار ہے۔

اُس سے اور جانو یہ کہ اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے۔

● اِس آئتِ مجیدہ میں منگنی کو جائز قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جس لڑکی کی منگنی کی جارہی ہو اُسے بھی اِس سے مطلع کیا جانا ضروری ہے۔ نیز اِس آئت میں لڑکی کے والدین سے الگ شادی کے چھپے وعدوں، یعنی لَوْ میرج سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے! قرآنِ کریم کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ ناتجربہ کار نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی نسبت اُن کے والدین اُن کے لئے یقیناً یقیناً، زندگی کا بہتر ساتھی تلاش کر سکتے ہیں۔

## طلاق بلا مسّ

خداوندِ علیم وخبیر سے نوعِ انسانی کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اِنکے ہاں ایسے حالات بھی پیدا ہوسکتے ہیں کہ نکاح ہوتے ہی دُولھا اور دُلہن کے وُرثاء میں اختلافات پیدا ہوجائیں، اور دُلہن کی رُخصتی کے بغیر ہی طلاق تک نوبت پہنچ جائے۔ چنانچہ اگلی آئت مسئلۂ طلاق کے اِس گوشہ کی وضاحت کرتی ہے:-

لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ مَا

نہیں گناہ اوپر تمہارے یہ کہ طلاق دو تم عورتوں کو جب تک کہ

لَمۡ تَمَسُّوۡهُنَّ اَوۡ تَفۡرِضُوۡا لَهُنَّ فَرِيۡضَةً ۖۚ

نہ ہاتھ لگایا اُن کو یا نہیں مقرر کیا واسطے اُن کے مقرر کرنا

وَّمَتِّعُوۡهُنَّ ۚ عَلَى الۡمُوۡسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى

اور فائدہ دو اُن کو اُوپر کشائش والے کے ہے قدر اُس کی اور اُوپر

الۡمُقۡتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًاۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ

تنگی والے کے ہے قدر اُس کی فائدہ دینا ساتھ اچھی طرح کے

حَقًّا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۲۳۶

حق ہوا اوپر نیکی کرنے والوں کے۔

تم پر کوئی ہرج نہیں اگر تم عورتوں کو اِس حالت میں طلاق دو کہ تم نے اُن سے مس نہیں کی اور مہر مقرر نہیں کیا۔ تو اُنہیں کچھ فائدہ دے دیا کرو۔ یہ امر زیادہ مال والے پر اُس کی بساط کے مطابق فرض ہے، اور کم مال والے پر اُس کی حیثیت کے مطابق۔ یہ فائدہ معروف قاعدے کے مطابق دیا جانا، معاشرہ میں حُسن وتوازن قائم رکھنے والوں پر فرض ہے۔

اِس آئت میں اِس امر کی وضاحت کی گئی ہے، جب نکاح ہُوا مگر مہر کا تعیّن نہیں ہُوا اور نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ اگلی آئت میں اُس حالت کی تصریح درج ہے کہ نکاح ہُوا، مہر بھی بندھا لیکن بلامس طلاق ہوگئی:-

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ

اور اگر طلاق دو اُن کو پہلے اس سے کہ ہاتھ لگاؤ اُن کو

اور اگر تم اُنہیں مَس سے پہلے طلاق دو اور تم نے مہر مقرر کیا ہے، تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے، اُس کا نصف اُن کا حق

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا
اور تحقیق مقرر کرلیا واسطے اُن کے کچھ مقرر کرنا پس آدھا اُس چیز کا کہ
فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ
مقرر کیا ہے تم نے مگر یہ کہ معاف کردیں وہ یا معاف کرے وہ شخص کہ
بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ
بیچ ہاتھ اُس کے ہے گرہ نکاح کی اور یہ کہ معاف کرو تم نزدیک تر ہے
لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ
واسطے پرہیز گاری کے اور مت بھول جاؤ بزرگی درمیان اپنے
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۲۳۷
تحقیق اللہ ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔

ہے۔سوائے اس کے کہ وہ مطلّقہ عورتیں (اپنے نصف مہر کا حق برضا و رغبت) معاف کردیں۔ اور یا (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے (وہ اپنا نصف حق) معاف کر دے۔ (یعنی پورا مہر ادا کردے)۔ اور حقیقت یہ ہے کہ پُورا مہر ادا کرنا تقوٰی سے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس میں اپنے بزرگوں کی فضیلت کو نہ بُھولنا۔ بلاشُبہ تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُنہیں دیکھنے والا ہے۔

● آیتِ بالا میں "وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ" کا جملہ بہت غور طلب ہے۔ طلاق کی مجلسوں میں جذبات کا بے قابو ہو جانا لازمی امر ہے۔ لیکن فریقین کے افراد پر اُن کے بڑے بزرگوں ہی کا اثر ہوسکتا ہے، جو اُن کے جذبات کو مشتعل نہ ہونے دیں۔ لیکن یہ اِسی صورت میں ممکن ہے کہ مسئلۂ طلاق جیسی تلخ مجلسوں میں بھی بزرگوں کا ادب و احترام بدستور ملحوظ رکھا جائے۔ اِسی لئے ارشاد ہوا ہے کہ اپنے بزرگوں کی فضیلت اور ادب و احترام کو نہ بھولنا۔ اور اِس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ جذبات بھڑکنے پائیں گے اور نہ مسائل زیرِ بحث سلجھنے کی بجائے اُلجھتے چلے جائیں گے۔

## صلوٰۃِ موَقّت کی حفاظت کرو

اِسی ضمن میں عین مسائلِ طلاق کے دَوران، اگلی آیتِ مجیدہ میں حفاظتِ صلوٰۃ کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ اِسکی حکمت بھی یہی ہے۔ کہ جب طلاق کی تلخ مجلس گرم ہے۔ فریقین میں کسی پہلو بات طے نہیں ہو پاتی۔ مزاج میں دونوں طرف تلخی اور گرمی ہے۔ اور اُدھر صلوٰۃِ موَقّت کا وقت آ گیا ہے۔ تو اب اِس فریضۂ خداوندی کو مقدم جانو۔ نتیجہ یہ ہوگا، اُٹھو گے، مسجد میں آؤ گے، وضو کر کے ٹھنڈے ہو گے۔ حضورِ خداوندی میں حاضر ہوکر دست بستہ اقرار کرو گے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ = ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو اب نتیجہ یہ ہوگا کہ جب ادائے صلوٰۃ کے بعد یہ صلوٰۃ گزار مومن واپس آئیں گے، تو مجلسِ طلاق کا رنگ ہی بدلا ہُوا ہوگا۔ مزاج میں سکون و متانت ہوگی اور اُلجھا ہُوا مسئلہ فوراً سلجھ جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہُوا ہے:-

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ
محافظت کرو اُوپر نمازوں کے اور اُوپر نماز

اور سب صلوٰتوں کی حفاظت کرو۔ خصوصاً صلوٰۃِ وسطیٰ[۱] کی۔ اور قیامِ صلوٰۃ میں اللہ کے حضور دُعا[۲] کرتے ہوئے

الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ ۲۳۸ | کھڑے ہوا کرو۔

بیچ والی کے............اور کھڑے ہو واسطے اللہ کے چپکے۔

۱ صلوٰۃِ وُسطٰی فجر کی نماز ہے۔ کیونکہ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۱۷/۷۸ کی تخصیص اِسی پر وارد ہوئی ہے۔

۲ قٰنِتِيْنَ کا معنی لُغت کی رُو سے دُعا کرتے ہوئے بھی صحیح ہے اور فرمانبرداری کرتے ہوئے بھی ٹھیک ہے۔ لیکن یہاں چونکہ قیامِ صلوٰۃ کی قید موجود ہے، جو بجائے خود فرمانبرداری میں داخل ہے۔ اِس لئے یہاں قٰنِتِيْنَ کا معنٰی دُعا کرتے ہوئے ہی لگ سکتا ہے جو مقتضیٔ مقام کے بھی عین مطابق ہے۔

## صلوٰۃِ موَقّت کی قضا کوئی نہیں

آیات نمبر ۲/۱۸۴-۱۸۵ میں روزہ کے متعلق گزر چکا ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار یا مُسافر ہو تو روزہ قضا کر سکتا ہے۔ لیکن صلوٰۃِ موَقّت یعنی نماز کی قضا کوئی نہیں۔

جیسے کہ ارشاد ہُوا ہے:-

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ

پس اگر ڈرو تم پس پیادہ پڑھ لو یا سواری پر پس جب

اٰمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ

امن میں آؤ پس یاد کرو اللہ کو جیسا سکھایا ہے تم کو

مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۲۳۹

جو کچھ نہیں تھے تم جانتے۔

پھر اگر تمہیں ادائے صلوٰۃ میں کوئی خوف لاحق ہو جائے تو اگر تم پیادہ پا سفر کر رہے ہو تو پیادہ پا چلتے چلتے ادا کر لیا کرو اور اگر سواری پر ہو تو سواری پر بیٹھے بیٹھے۔ پھر جب تم امن میں آ جاؤ تو (پُورے آداب وشرائط کے ساتھ) اُس طرح اللہ کا ذکر کیا کرو، جس طرح اُس نے تمہیں تعلیم دی ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔

دیکھئے گا! اِس آیتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ جب دورانِ سفر یہ حالت ہو کہ اگر سفر ترک کر کے پُورے آداب و شرائط کے ساتھ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں تو کسی دُشمن یا موذی جانور درندہ وغیرہ کا خوف ہے۔ اور اگر منزل تک پہنچنے کا انتظار کرتے ہیں تو صلوٰۃ ضائع ہوتی ہے۔ تو ایسے وقت پر آداب وشرائط تو معاف ہو سکتے ہیں، صلوٰۃ کا وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا اِسی طرح ۴/۱۰۱ تا ۱۰۳ میں میدانِ جنگ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ صلوٰۃ میں قصر یعنی کمی تو کی جا سکتی ہے لیکن صلوٰۃ قضا نہیں ہو سکتی۔ جب تک ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی اور فوجیں آمنے سامنے پڑی ہیں۔ اُس وقت تک کے لئے فوج کو دو حصّوں میں تقسیم ہونے، اور باری باری سے امامِ صلوٰۃ کے ساتھ قصر صلوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔ اور جب جنگ شروع ہو جائے تو صلوٰۃ کا وقت آنے پر، ہر مجاہد اپنی اپنی جگہ پر کھڑے بیٹھے یا لیٹے جس حالت میں ہو اللہ کا ذکر کر لیا کرے۔ اور آخیر پر وضاحت کر دی گئی ہے کہ اتنے

تکلّفات اِس لئے لازم قرار دیئے گئے ہیں:-اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا O ۴/۱۰۳ = بلاشبہ مومنوں پر صلوٰۃ اپنے اپنے مقررہ وقتوں پر فرض قرار دی گئی ہے۔

**گمشدہ شوہر کی بیوی ایک سال انتظار کرے**

آئت نمبر ۲۳۴ میں متوفّی شوہر کی بیوی کی عِدّت بیان ہوئی ہے چار ماہ دس راتیں۔ اور متوفّی شوہروں کیلئے الفاظ آئے ہیں وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ...... الخ ۲/۲۳۴ = اور جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو اُن کی بیویاں چار ماہ دس راتوں کا انتظار کریں۔ سلسلۂ دَرس کی اگلی آئتِ مجیدہ ۲/۲۴۰ میں پھر یہی الفاظ آئے ہیں وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا، لیکن اِس کے بعد اِس آئت میں متوفّی کی بیوی کیلئے ایک سال تک نان نفقہ ادا کرنے اور گھر سے نہ نکالنے کا حکم ہُوا ہے۔ اِس پر سابقہ تفسیروں نے الفاظ کے حقیقی اور مجازی استعمال کے فرق کو نظرانداز کر کے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ۲/۲۴۰ میں بیوہ کی عِدّت ایک سال مقرر فرمائی تھی۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اِس حکم کو واپس لے کر، یعنی آئت نمبر ۲/۲۴۰ کو منسوخ کر کے ۲/۲۳۴ میں بیوہ کی عِدّت ایک سال کی بجائے چار ماہ دس دِن مقرّر فرمائی۔ العجب!

● تعجّب کی بات یہ ہے کہ اگر سابقہ تفسیروں کا یہ تصوّر ایک سیکنڈ کے لئے صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ناسخ آئت کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ آئت سے پہلے نازل فرمایا تھا جو ابھی نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ نازل ہونے سے پہلے ہی منسوخ ہو چکی تھی؟ اور اگر وہ نزول سے پہلے ہی منسوخ ہو چکی تھی تو اُس کے نازل کرنے کا فائدہ؟

● اور اِس کے برعکس اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو پہلے آئت نمبر ۲۳۴ اور بعد میں آئت نمبر ۲۴۰ نازل فرمائی تھی تو ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ معاذ اللہ رسولِ مقبول نے قرآنِ حکیم کے اپنے نسخۂ امام میں ناسخ آئت کو آگے اور منسوخ کو پیچھے کر دیا تھا۔ اور یا پھر نظریۂ روایات کے مطابق آنحضور سلامٌ علیہ تو قرآن حکیم کی الگ الگ آئتوں کو ہڈیوں پتّوں پر پراگندہ حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ اُسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمع تو کر دیا مگر اِس طرح کہ ناسخ آئت کو آگے کر دیا اور منسوخ کو پیچھے۔ العیاذُ باللہ! (دیباچہ کے عنوان نمبر ۲۷ ناسخ و منسوخ میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآنِ کریم کی کوئی ایک آئت بھی منسوخ نہیں۔ اور ناسخ و منسوخ کا نظریہ بالکل بے بنیاد ہے۔)

**حقیقتِ حال**

جیسے کہ پیش لفظ کے عنوان نمبر ۴ میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ قرآنِ کریم میں الفاظ کا استعمال حقیقت اور مجاز دونوں صورتوں میں ہُوا ہے۔ لہٰذا آئت نمبر ۲۳۴ میں یُتَوَفَّوْنَ کے الفاظ بطور حقیقت

آ ئے ہیں۔اور بیوہ کی عِدّت چار ماہ دس راتیں بیان ہوئی ہیں۔لیکن آئت نمبر۲۴۰ میں وُہی یُتَوَفَّوْنَ کے الفاظ بطور مجاز آئے ہیں۔ یہاں جن شوہروں کا ذکر ہے وہ فی الحقیقت فوت نہیں ہوئے۔لیکن وُہ اپنی بیویوں کے لئے متوفّی شوہروں کی مانند ہو چکے ہیں۔یعنی جس طرح حقیقی متوفّی شوہر کی بیوی کوشوہر کی طرف سے جنسی حقوق اورضروریاتِ زندگی میسّر نہیں آتیں۔یہی حالت لاپتہ یعنی مجازی متوفّی شوہر کی بیوی کی ہوتی ہے۔پس آئت نمبر۲۴۰ میں لاپتہ شوہروں کواُسی طرح بطورِ مجاز متوفّی کہا گیاہے۔جس طرح ہرسوئے ہوئے آدمی کوبطورِمجاز متوفّی قرار دیا گیاہے:- وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰكُمْ بِالَّیْلِ ۶/۶۰ =اوروہ اللہ ہی ہے، جوتمہیں رات کے وقت فوت کر دیتا ہے۔پس جس طرح ہرسویاہُوا آدمی زندہ ہوتے ہوئے مُردوں کی مانند ہوتا ہے۔اُسی طرح لاپتہ شوہرزندہ ہوتے ہوئے، بیوی کے لئے مُردوں کی مانند ہوجاتا ہے۔جس طرح متوفّی کی بیوی شوہر کے جنسی حق اورحقِّ نان نفقہ سے محروم ہوجاتی ہے۔اُسی طرح لاپتہ شوہر کی بیوی کوبھی شوہر کاجنسی حق اورحقِّ نان نفقہ میسّر نہیں آتا۔

**ربطِ آیات**

اب یہاں پہنچ کرسوال پیدا ہوتا ہے کہ آئت نمبر ۲۳۹ میں صلوٰۃِ مؤقّت (نماز) کا ذکر ہے اور۲۴۰ میں گمشدہ شوہر کی بیوی کی عِدّت بیان کی گئی ہے۔اِن دونوں آئتوں میں باہم ربط کیا ہے؟یعنی کہاں نماز اورکہاں گم شدہ شوہر کی بیوی کا مسئلہ......واضح رہے کہ آئت نمبر ۲۳۹ میں نماز کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ اگر دورانِ سفرکسی مُوذی جانور یادُشمن کاخطرہ ہوتو چلتے چلتے نمازادا کرلیا کرو۔اوراُس کے بعد آیا ہےفَاِذَا اَمِنْتُمْ پھرجب تم امن میں آجاؤتو پُوری ہدایات کے مطابق صلوٰۃ ادا کیاکرو۔اب اَمِنْتُمْ کے اُلٹ ممکن صورت یہ ہے کہ اگرخطرہ وارد ہوچکا ہے،یعنی کِسی درندہ نے پھاڑ کھایاہے، یاکسی دشمن نے مار ڈالا ہے یا قید کر دیا ہےاورکسی کوحقیقتِ حال کی خبرنہیں ہوسکی۔تو اُسے مجازی متوفّی قرار دے کر،اُس کی بیوی کی ایک سال عِدّت مقرّر کر دی گئی ہے۔

**لاپتہ شوہر کی بیوی کیلئے فقہوں کی فیصلے**

لاپتہ شوہر کی بیوی کا مسئلہ معاشرہ کا انتہائی اہم مسئلہ ہےجس میں صنف نازک کے جنسی حق اورضروریاتِ زندگی کے پیدائشی حقوق کا سوال ہے۔لیکن اس ضمن میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب ہے کہ آپ نے فیصلہ دیا کہ وہ نوّے سال کے لئے لاپتہ شوہر کا انتظار کرے۔حالانکہ اگرعورت کا بیس سال کی عمر میں شوہر لاپتہ ہو جائے اوراُس پرنوّے سال کا انتظار لازم کر دیا جائے تو اُسے ایک سودس برس کی عمر میں پہنچ کر، نکاحِ ثانی کی اجازت اُس وقت دی جارہی ہوتی ہے، جب اُسے شوہر کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی۔امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے کہ آپ نے چارسال کی انتظار لازم ٹھہرائی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ

نے لا پتہ شوہر کو مجازی متوفّی قرار دے کر ارشاد فرمایا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ
اور جو لوگ کہ مر جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں
اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى
بی بیاں وصیّت کر جاویں واسطے بیبیوں اپنی کے فائدہ دینا
الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ
ایک برس تک نہ نکال دینا پس اگر نکل جاویں پس نہیں گناہ
عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ
اوپر تمہارے بیچ اُس چیز کے کہ کیا اُنہوں نے بیچ جانوں اپنی کے
مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۴۰
اچھی طرح سے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ۔

اور تم میں سے جو لوگ روک لئے جائیں (یعنی لا پتہ ہو جائیں) اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں۔ اُن کی بیویوں کے لئے حکم ہے کہ اُنہیں ایک سال تک ضروریاتِ زندگی مہیّا کی جائیں اور اُنہیں اُن کے گھروں سے نکالا نہ جائے۔ پھر (ایک سال کے بعد) اگر وُہ نکل جائیں تو تم پر کوئی ہرج نہیں جو وُہ اپنی جانوں کے لئے معروف طریقہ کے ساتھ (نکاح ثانی) کر لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

● واضح رہے کہ لا پتہ شوہر کی بیوی ایک سال تک شوہر کے مال سے نان نفقہ حاصل کرے گی۔ لیکن اگر شوہر کا مال کوئی نہ ہو تو شوہر کی ورثاء ایک سال کا بوجھ اٹھائیں گے۔ اگر وارث کوئی نہ ہو یا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ ہوں تو اِس ایک سال کا نان نفقہ مرکز کے ذِمّہ ہوگا۔ غرض یہ کہ لا پتہ شوہر کی بیوی کے لئے ایک سال کا انتظار فرض ہے۔

(نوٹ) بخاری شریف مترجم مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد سوئم کے صفحہ نمبر ۱۴۵ پر بھی لکھا ہے:۔ ''اور ابنِ مسیّبؓ نے کہا کہ اگر کوئی شخص میدانِ جنگ میں گُم ہو جائے تو اُس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے''۔ اللہ جانے اس روائت کی موجودگی کے باوجود لا پتہ شوہر کی بیوی کے لئے آئمہ رحمت اللہ علیہم کی طرف نوے سال تک کی انتظار کیوں منسوب ہے؟

**ربطِ کلام**

واضح رہے کہ لا پتہ شوہر کی بیوی کا تذکرہ مطلّقہ اور بیوہ کی الگ الگ عِدّتوں کے فیصلہ کے عین متصل مابعد، اِس ربط کے مطابق وارد ہُوا ہے کہ جس طرح نکاحِ ثانی کے لئے مطلّقہ اور بیوہ عورتوں کی الگ الگ عِدّتیں لازم ہیں۔ اِسی طرح لا پتہ شوہر کی بیوی کے لئے بھی اُس کے جنسی حقوق، اور ضروریاتِ زندگی کے تحفّظ کے لئے اُس کے ایّامِ تجرّد کی عِدّت مقرّر کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ لا پتہ شوہر کو مجازاً متوفّی قرار دے کر اُس کی بیوی کے لئے ایک سال کی عِدّت مقرّر کر دی گئی ہے۔ تا کہ اُس کو اِس عِدّت کے بعد نکاحِ ثانی کا قانونی حق مُیسّر آ جائے۔

● اس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں پھر مطلّقہ عورتوں کو رُخصت کرتے وقت اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کا چہار گانہ تکراری حکم دیا گیا ہے:-

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
اور واسطے طلاق والیوں کے فائدہ دینا ہے ساتھ اچھی طرح کے

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ ۲۴۱
لازم ہُوا اوپر پرہیزگاروں کے۔

اور مطلّقہ عورتوں کو قرآنی معروف طریقہ کے مطابق مال ومتاع دینا، اور دیا ہُوا مال واپس نہ لینا لازم ہے۔ اور یہ حکم اُن لوگوں پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کے قوانین کی مخالفت سے بچنے والے ہیں۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے نشانیاں اپنی تو کہ

تَعْقِلُوْنَ ۝ع ۲۴۲ ع ۱۵
تم سمجھو۔

اور اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آئتوں کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔ (یعنی بے عقلوں کا اِس کتاب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں)۔

## عقل سے کام لیا کرو

آئتِ مجیدہ کے آخری جُملہ میں عقل سے کام لینے کے تاکیدی حکم پر غور کرنے سے یہ امر نکھر کر سامنے آرہا ہے کہ لاپتہ شوہر کی بیوی کو نوّے سال کی انتظار کا پابند کرنا، جب یقیناً یقیناً خلافِ عقل ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ تو ثابت ہُوا کہ نہ تو اِس حکم کو رسولِ مقبول سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔ اور نہ کسی ایسے شخص کی طرف، جس کے دماغ میں معمولی سی عقل بھی موجود ہو۔

## اِس سے اگلی آیاتِ کریمات کا ربط۔ زندہ رہنے کیلئے عسکری طاقت لازم ہے

اِس سے اگلی آئتوں میں زمانۂ داؤد سلامٌ علیہ کے بنی اسرائیل کا واقعہ درج ہے، جنہیں دشمنوں نے، اُن کے گھروں سے نکال دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی معرفت اُنہیں دشمن قوم سے جہاد کرنے، اور اپنے مکان واپس لینے کا حکم دیا۔ اِسی طرح خود رسولِ مقبول سلامٌ علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی دشمنوں نے گھروں سے نکال دیا تھا۔ حضور سلامٌ علیہ معہ صحابہ کرامؓ مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ چلے گئے تھے۔ اور ۲/۱۴۴ کے مطابق آنحضور سلامٌ علیہ مکہ معظّمہ کی بازیابی کے لئے ملتجی نگاہوں کے ساتھ اپنے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اُٹھایا کرتے تھے:- قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۔ اور اِس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم آپ کو ضُرور ضُرور اُس قبلہ مرکزی کی تولیّت عطا فرمائیں گے، جسے آپ نے ہمارے حکم کے مطابق پسند فرمایا ہے:- فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۲/۱۴۴ اب

چونکہ اِس بازیابی کے لئے ۸/۲۶ کے مطابق انتہائی فوجی طاقت کی ضرورت تھی۔ اِس لئے حضور فوجی قوت کی فراہمی کے اہم فریضہ کی ادائیگی میں مصرُوف ہونے کے ساتھ ساتھ ہر آن حضورِ الٰہی میں فتح ونصرت کے لئے مجسّم دُعا بھی بنے ہوئے تھے۔ حتّٰی کہ آپ کو خواب بھی مکہ معظّمہ کے فتح اور بازیابی ہی کے آتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سچّا کر دکھایا:- لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ۴۸/۲۷۔

● نیز اگلی آیاتِ کریمات میں بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کر کے قیامت تک کی قوموں کی رہنمائی کر دی گئی ہے کہ اگر عسکری طاقت مہیّا نہ کرو گے تو دشمن تمہیں گھروں سے نکال دیا کریں گے۔ اور اگر تمہاری مجبوری یا کمزوری کے باعث کبھی ایسا واقعہ ہو جائے تو اپنے مُلک، بستیوں اور گھروں کی بازیابی کے لئے پھر فوجی قوّت کی فراہمی اور اُس کے استعمال ہی کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ جہاد کے اہم حکم سے غافل اُن بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہوئے دشمن کے خوف سے گھر چھوڑ کر نکل گئے:-

| | |
|---|---|
| اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ<br>کیا نہ دیکھا تو نے طرف اُن لوگوں کے کہ نکلے<br>دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ<br>گھروں اپنے سے اور تھے وہ ہزاروں ڈر موت کے سے<br>فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا قف ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ<br>پس کہا واسطے اُن کے اللہ تعالیٰ نے مر جاؤ پھر جلا دیا اُن کو<br>اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ<br>تحقیق اللہ البتہ صاحبِ فضل کا ہے اوپر لوگوں کے و لیکن<br>اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ ۲۴۳<br>اکثر لوگ نہیں شکر کرتے۔ | اے مخاطب! کیا تو نے اُن لوگوں کی طرف غور نہیں کیا۔ (یعنی تجھے اُن پر غور کرنا چاہیئے) جو موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر نکل بھاگے۔ حالانکہ وہ ہزاروں کی گنتی میں تھے پھر اللہ نے اُنہیں (اپنی نبی کی معرفت) کہا کہ (شرم کے مارے) مر جاؤ۔ اِس پر (اُنہوں نے دشمنوں کا مقابلہ کر کے گھر واپس لے لئے تو) اللہ نے اُنہیں زندہ کر دیا۔ (یعنی اُنہیں پھر سے عزّت کی زندگی عطا ہوئی) بلاشُبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ (اُس کے قوانین کی مخالفت کر کے) اُس کی ناشکری کرتے ہیں۔ |

● یاد رہے کہ نہ وہ مُوْتُوْا کے حکم سے طبعی موت مر گئے تھے۔ اور نہ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ کی خبر میں وُہ طبعی طور پر زندہ کئے گئے تھے۔ بلکہ یہاں باعزّت قومی زندگی کا ذکر ہے جسے وُہ کھو بیٹھے تھے۔

● اِس سے اگلی دو آیتوں میں اُن کو دی گئی ہدایات کا اجمالی تذکرہ بالفاظِ ذیل آیا ہے:-

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ
اور لڑو بیچ راہ اللہ کے اور جانو یہ کہ
اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۲۴۴
اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے

اور اللہ نے حکم دیا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ اور جانے رہو کہ (اِس حکم کے حق میں، یا اس کی مخالفت میں تم جو کچھ بھی کہو گے اُسے) اللہ سُننے والا ہے۔ (اور جو کچھ تمہارے ذہنوں میں پوشیدہ ہے اُسے) جاننے والا ہے۔

● قتال فی سبیل اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے چونکہ عسکری قوت مہیّا کرنا فرض ہے ۸/۶۰۔ اور قوّت چونکہ روپے پیسے کے بغیر مہیّا نہیں ہوتی۔ اِس لئے ارشاد ہُوا ہے:۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا
کون شخص ہے وہ جو قرض دے اللہ تعالیٰ کو قرض
حَسَنًا فَيُضٰعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ط
اچھا پس دو گنا کرے اس کو واسطے اُس کے دو گنا بہت
وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ ص وَإِلَيْهِ
اور اللہ تعالیٰ بند کرتا ہے اور کشادہ کرتا ہے اور طرف اُس کی
تُرْجَعُونَ ۲۴۵
پھیرے جاؤ گے۔

جو شخص کہ (دُشمن کے مقابلے پر قوت مہیّا کرنے کے لئے) اللہ تعالیٰ کو اچھا قرضہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کے لئے (فتح کے بعد) اُس مال کو کئی گنا زیادہ کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ (جنگی ضرورتوں کے لئے مال دینے والوں میں سے منافقوں کے مال) قبض کرتا اور مومنوں کے مال زیادہ کرتا ہے۔ اور تم نے آخرت کی جوابدہی کے لئے اُسی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

● دیکھیئے! آئتِ بالا میں جنگی ضرورتوں کے لئے قرضہ دینے والوں کے متعلق قبض و بسط کے دو قانون بیان ہوئے ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ جس شخص نے جنگی قرضہ دینے کے ساتھ ساتھ ہر لحاظ سے دین کی فتح اور غلبہ کے لئے کوشش کی ہے۔ وہ اضافے کا حقدار ہے۔ لیکن جس کسی نے اِدھر قرضہ بھی دیا ہے اور اُدھر دُشمن قوم کے لئے جاسُوسی کے فرائض بھی ادا کر رہا ہے۔ اُس کا دیا ہُوا مال، اور جملہ خدمات ضائع ہو جاتی ہیں۔

## اجمال کے بعد تفصیل

آیاتِ بالا میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ موت کے ڈر سے گھر چھوڑ کر بھاگ جانے والے کون تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے دُشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ پھر اُن کو فتح کے بعد عزّت کی زندگی عطا فرمائی۔ اگلی آیاتِ کریمات میں بتایا گیا ہے کہ یہ زمانۂ داؤد سلامٌ علیہ کے بنی اسرائیل تھے:۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ
کیا نہ دیکھا تو نے طرف سرداروں کے بنی اسرائیل سے

اے مخاطب! کیا تُو نے موسیٰ سلامٌ علیہ کے بعد والے بنی اسرائیل کے سرداروں کے حالات پر غور نہیں کیا، جب

بَعۡدِ مُوۡسٰىۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا
پیچھے موسیٰ کے جب کہا اُنہوں نے واسطے نبی اپنے کے مقرر کر واسطے ہمارے
مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ
بادشاہ کہ لڑیں ہم بیچ راہ اللہ کے کہا آیا نزدیک ہو تم
اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡکُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ؕ
اگر لکھا جاوے اُوپر تمہارے لڑنا یہ کہ نہ لڑو تم
قَالُوۡا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ
کہا اُنہوں نے اور کیا ہے ہم کو یہ کہ نہ لڑیں گے ہم بیچ راہ اللہ کے اور تحقیق
اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَاَبۡنَآٮِٕنَا ‌ؕ فَلَمَّا
نکالے گئے ہم گھروں اپنے سے اور بیٹوں اپنے سے پس جب
كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا
لکھا گیا اوپر اُن کے لڑنا پھر گئے مگر تھوڑے
مِّنۡهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ۝ ۲۴۶
ان میں سے اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو ۔

اُنہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک سپہ سالار مقرر فرمائیں تا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑائی کریں۔ نبی نے فرمایا، ہوسکتا ہے کہ اگر تمہیں لڑائی کا حکم دیا جائے تو تم لڑائی نہ کرو۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم اِس حالت میں اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں کہ ہم اپنے گھروں اور اولادوں سے نکال دیئے گئے ہیں۔ لیکن جب اُن پر لڑائی فرض کی گئی تو اُن کی اکثریّت اپنے عہد سے پھر گئی۔ مگر اُن میں سے تھوڑے سے ثابت قدم رہے، حقیقت یہ ہے کہ (اپنے عہد سے پھر جانے والے) ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَـكُمۡ
اور کہا واسطے اُن کے نبی اُنکے نے تحقیق اللہ نے مقرر کیا ہے واسطے تمہارے
طَالُوۡتَ مَلِكًا ‌ؕ قَالُوۡٓا اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهُ
طالوت کو بادشاہ کہا انہوں نے کیونکر ہو گی واسطے اُس کے
الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَنَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ
بادشاہی اوپر ہمارے اور ہم بہت حقدار ہیں ساتھ بادشاہی کے اُس سے
وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ‌ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ
اور نہ دیا گیا وُہ کشائش مال سے کہا تحقیق اللہ نے

اور اُن کے نبی سلامٌ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لئے **مَلِکُ الۡقِتَال** (سپہ سالار) مقرر کیا ہے۔ بنی اسرائیل کے سرداروں نے کہا کہ اُسے ہم پر حکومت کا حق کس طرح ہوسکتا ہے؟ حالانکہ ہم اُس کے نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ اُسے مالی وسعت نہیں دی گئی۔ نبی سلامٌ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلے پر اُسے اِس لئے پسند فرمایا ہے کہ اُسے جنگی معلومات اور جسمانی طاقت میں تم سے زیادہ پایا ہے۔

اصۡطَفٰهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ
پسند کیا اُس کو اُوپر تمہارے اور زیادہ دی اُس کو کشادگی بیچ علم کے
وَالۡجِسۡمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤۡتِىۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ
اور بدن کے اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو
يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۝ ۲۴۷
چاہتا ہے۔اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی ملک (حکم) عطا کرتا ہے۔ کیونکہ وُہ (قانُونِ مشیّت کے مُطابق ہی) وُسعت دینے والا ہے۔ (اور) خُوب اچھی طرح جاننے والا ہے

ے اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا استفہام انکاری ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کے سرداروں نے کہا کہ طالوت کو ہم پر حکومت کا حق نہیں۔ لیکن نبی نے کہا:-

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ
اور کہا واسطے اُنکے نبی اُنکے نے تحقیق نشانی پادشاہی اُس کی یہ کہ
يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ
آوے تمہارے پاس صندُوق بیچ اُسکے تسکین ہے پروردگار تمہارے سے
وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰى وَاٰلُ هٰرُوۡنَ
اور باقی ہے اُس چیز سے کہ چھوڑ گئی قوم موسیٰ کی اور قوم ہارون کی
تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
اُٹھا لاویں اُس کو فرشتے تحقیق بیچ اُس کے البتہ نشانی ہے
لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ ع ۲۴۸ ۳۳ ع ۱۶
واسطے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے ۔

اور اُن کے نبی نے اُنہیں یہ بھی بتایا کہ طالوت سلامٌ علیہ کی حکومت کا نشان یہ ہو گا کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا (یعنی ایک محفوظ مُلک تمہارے قبضہ میں آ جائے گا) جس میں تمہارے ربوبیّت کرنے والے کی طرف سے (پورے عوام کیلئے) تسکین ہوگی اور وُہ (ساری سابقہ حکومت بھی تمہارے پاس واپس) آ جائے گی جو آلِ موسیٰ سلامٌ علیہ اور آلِ ہارون سلامٌ علیہ نے پیچھے چھوڑی تھی۔ اُس (صندوق کی طرح محفوظ حکومت) کو ملائکہ (صفت نیک عمّال) اُٹھائیں گے (چلائیں گے) بلا شُبہ اگر تم مومن ہو تو تمہارے لئے (طالوت کے) اِس (تقرر) میں (اس کی خوبیوں کا) ایک واضح نشان ہے۔

**تابُوتِ سکینہ**

● تابوت کا معنٰی ہے صندُوق۔ اور سکینہ کا معنٰی ہے اطمینان، تسکین اور تسلّی۔ جس حکومت کی سرحدیں مضبوط ہوں، اور وُہ دشمن کے جارحانہ حملوں سے محفوظ ہو اُسے اصطلاحاً صندوق کہا گیا ہے۔ اور اگر اُس کا داخلی نظام عوام کے حقُوقِ ربوبیّتِ عامہ کی بُنیادوں پر قائم کیا گیا ہو تو یہ ہے اُس صندوق کا داخلی سکُون (سکینہ) اور ایسی ہی حکومت کے لئے، جو اِن داخلی اور خارجی خُوبیوں سے معمور ہو اصطلاحی طور پر لایا گیا ہے يَاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ = تمہارے لئے خارجی طور پر مضبوط حکومت قائم ہو جائے گی۔ اور داخلی طور پر اُس میں تمہارے رب

کی طرف سے (یعنی سامانِ ربوبیّت کے لحاظ سے) پوری تسکین میسّر ہوگی۔

## تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ

● ایسی حکومت اُس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ اِس کے عمّال نیچے سے اُوپر تک سب کے سب ذاتی منفعت کوشیوں کے بہیمانہ اَوصاف سے مبرّا نہ ہوں۔ ایسے ہی عمّال کو آیتِ بالا میں ملائکہ صفت ہونے کی بدولت **ملائکہ** کہا گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عمّالِ حکومت ہی کسی حکومت کو حکومتِ الٰہیّہ بھی بنا دیتے ہیں اور شیطانی حکومت بھی بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ المختصر! آئتِ بالا میں حضرتِ طالوت کی جنگی قابلیّت کی بدولت حکومت کی سرحدوں کے صندوق کی طرح مضبوط ہو جانے کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور حضرتِ موسیٰ اور ہارون سلامٌ علیہما کے اُن مفتوحہ علاقوں کی واپسی کی خبر بھی دی گئی ہے جو بعد والوں کی نااہلی کی بدولت بنی اسرائیل کے قبضہ سے نکل چُکے تھے۔

## روائتی مفہوم

اب آئتِ بالا کے الفاظ تابوتِ سکینہ ، بقیہ آلِ موسیٰ و ہارون اور حملِ ملائکہ کا روائتی مفہوم ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیرِ مظہری کے صفحہ ۱۵۳ پر لکھا ہے:- ''بعض کہتے ہیں اِس سے مراد ہے صندوق جو شمشاد کی لکڑی کا تھا اور اُس پر سُنہرا کام ہوا تھا۔ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا۔ یہ روائت ابنِ مُنذر نے وہب بن مُنبّہ سے نقل کی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدمؑ پر ایک تابوت نازل کیا تھا جس میں انبیاؑء کی تصویریں تھیں۔ پہلے تو وہ حضرتِ آدمؑ کے پاس رہا پھر حضرت شیثؑ کے پاس۔ اور پھر انبیاؑء میں میراث درمیراث ہوتا ہُوا حضرت موسیٰ علیہ السّلام تک پہنچ گیا۔ پھر موسیٰؑ نے توراۃ اور اپنا کُچھ سامان اُس میں رکھ دیا۔ اور جب موسیٰ علیہِ السّلام کا انتقال ہوگیا تو انبیاء بنی اسرائیل میں ایک کے بعد دوسرے کو ملتا رہا۔ اور بعض کا قول ہے کہ وُہ توراۃ ہی کا ایک صندوق تھا۔ بنی اسرائیل جب کہیں لڑائی میں جاتے تو اُسے اپنے آگے رکھتے تھے۔ اِس کی برکت سے اُن کی فتح ہو جاتی تھی۔ اور جب یہ صندوق چلتا تو یہ بھی چلتے تھے اور جب وہ ٹھہر جاتا تو یہ بھی ٹھہر جاتے تھے''۔

● یہاں پہنچ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ صندوق خود بخود کِس طرح چلتا تھا۔ اور خود بخود کِس طرح ٹھہر جاتا تھا۔ اِس کا جواب بھی تفسیرِ مظہری کے اِسی صفحہ پر بالفاظ ذیل درج ہے:- ''ابن عساکرؒ نے کلبیؒ سے، اُنہوں نے ابی صالحؓ سے اُنہوں نے ابن عباسؓ سے روائت کی ہے کہ **سکینہ** زبرجد یا یاقوت کی ایک تصویر تھی جو تابوت میں رکھی ہُوئی تھی۔ اس کا سر اور دم مثل بلّی کے سر اور دُم کے تھے اور اُس کے دو بازُو تھے۔ وُہ روتی چیختی تھی تو تابوت دُشمن کی طرف دوڑتا تھا۔ اور لوگ اِس کے پیچھے پیچھے دوڑتے تھے۔ اور جب تابُوت ٹھہر جاتا تو یہ بھی ٹھہر جاتے تھے۔ اور پھر مددِ (الٰہی) نازل ہوتی............بعض کا قول ہے کہ اِس صندوق میں دو تختیاں تورات پُوری اور اُن تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹُوٹ گئی تھیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا، اور

آپ کے دونوں جُوتے، اور ہارونؑ کا عمامہ اور اُن کی لاٹھی اور اُس مَنّ کا ایک قفیز تھا جو بنی اسرائیل پر آسمان سے نازل ہوتا تھا‘‘۔۔۔ یہ ہے روائتی تفسیر جس کی رُو سے یہ فیصلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں کہ تابوت کے اندر کی سکینہ کیا تھی کیا وُہ بلّی کی چیخنے چلاّنے والی تصویر تھی، تورات کی تختیاں تھیں یا حضراتِ موسیٰ و ہارون سلامٌ علیہما کے کپڑے جوتے اور لاٹھیاں تھیں؟ ● تعجّب انگیز یہ امر ہے کہ اِن تفسیروں کو رسولی تفاسیر قرار دیا گیا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک آئت کی رسولی تفسیر صرف ایک ہوسکتی ہے یا متعدّد؟ کیا رسولی تفسیر میں بعض بعض کے اقوال کی گنجائش بھی باقی رہ جاتی ہے؟

**حقیقت حال یہ ہے کہ:-** ● قرآنِ کریم قوموں کے عروج وزوال کی وضاحت کرتا اور اُن اصول وقواعد سے نوعِ انسانی کو رُوشناس کراتا ہے، جو عروج وزوال کا باعث بنتے ہیں۔ سلسلۂ درس کی اگلی آئت میں آپ دیکھیں گے کہ حضرتِ طالوت سلامٌ علیہ کی سپہ سالاری کے ضمن میں کِس طرح ہر قسم کے جنگی اصول اُجاگر کیے گئے ہیں۔ تاکہ قیامت تک کی اُمّت اُن پر عمل کر کے کامیاب وکامران ہوتی رہے۔ لیکن جیسے کہ آپ اُوپر دیکھ چکے ہیں کہ روائتی تفسیر نے معاذ اللہ حضراتِ موسیٰ وہارون اور داوٗد وسلیمان سلامٌ علیہم کی کامیابیوں کا سہرا تابوتِ سکینہ کے سر باندھ رکھا ہے۔ یعنی یہ کہ اُن میں کوئی قابلیّت نہیں تھی العیاذُ باللہ! فتح ونصرت تابوتِ سکینہ میں چیخنے چلاّنے والی بلّی کی تصویر کی بدولت ہوتی تھی۔ اب نہ اِس اُمت کے پاس تابوتِ سکینہ ہو، نہ یہ قوم، اقوامِ عالم کے مقابلے پر کامیاب ہو سکے۔ لیکن اِس روائتی نظریہ کے برعکس اگلی آیاتِ کریمات میں حقیقتِ حال ملاحظہ فرمائیں کہ جب حضرت طالوت بنی اسرائیل کی اُس فوج کو لے کر روانہ ہوئے جو وعدۂ قتال پر قائم رہی تو ارشاد ہُوا ہے:-

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ

پس جب جُدا ہُوا طالوت ساتھ لشکروں کے کہا

اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ

تحقیق اللہ آزمانے والا ہے تم کو ساتھ ایک نہر کے پس جو کوئی پیئے

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ

اُس میں سے پس نہیں مجھ سے اور جو کوئی نہ چکھے گا اُس کو پس تحقیق وُہ

مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ

مجھ سے ہے مگر جو کوئی بھر لے ایک چلّو ساتھ ہاتھ اپنے کے

پھر جب طالوت سلامٌ علیہ بنی اسرائیل کے لشکروں کو لے کر روانہ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ بِلاشُبہ اللہ تعالیٰ تمھیں ایک نہر (کے متعلق ایک امتناعی حکم) کے ساتھ ظاہر کرنے والا ہے کہ تم میں سے کون اپنے امیرِ جہاد کا فرماں بردار ہے اور کون نافرمان ہے) پھر جس نے اُس نہر میں سے ایک چلّو سے زائد پانی پی لیا۔ وہ میرا ساتھی نہیں ہوگا۔ (اُسے الگ کر دُوں گا) لیکن اُن میں سے تھوڑے سے افراد کے سوا سب نے (جی بھر کر) پانی پی لیا۔ پھر جب

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا
پس پی گئے اُس میں سے مگر تھوڑے اُن میں سے پس جب
جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا
پار اُترا اُس سے وُہ اور جو لوگ کہ ایمان لائے تھے ساتھ اُسکے کہنے لگے نہیں
طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ
طاقت ہم کو آج کے دِن ساتھ جالوت کے اور لشکروں اُس کے کے کہا
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ
اُن لوگوں نے جو جانتے تھے یہ کہ وہ ملنے والے ہیں اللہ کے بہت ہُوا کہ
فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ
جماعت تھوڑی غالب آئی ہے جماعت بہت پر ساتھ حکم اللہ کے
وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۲۴۹
اور اللہ ساتھ صبر کرنے والوں کے ہے۔

طالوت اور اُن کے مومن ساتھی (نہر) پار کر گئے تو (اُن میں سے) اُنہوں (یعنی پانی پی جانے والوں) نے کہا کہ آج ہم میں جالوت اور اُس کے لشکروں کے ساتھ (جنگ کرنے کی) طاقت نہیں۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا یقینِ کامل تھا (یعنی جنہوں نے نہر سے متعلقہ حکم میں طالوت سلامٌ علیہ کی نافرمانی نہیں کی تھی) اُنہیں نے کہا کہ بہت سے چھوٹے لشکر اللہ تعالیٰ کے قانون[1] (ثابت قدمی) کے ذریعہ کثیر لشکروں پر غالب آتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم[2] رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

[1] اِذن بمعنی قانون کے لئے دیکھئے آئتِ مجیدہ ۵۸/۷ ۔

[2] صبر بمعنی ثابت قدمی کے لئے دیکھئے آئتِ مجیدہ ۱۴۶/۳ ۔

## بُزدلوں کی دومرتبہ کی چھانٹی

● آیاتِ بالا سے عیاں ہو چکا ہے کہ اُس جارح قوم کے مقابلہ کے لئے جو بنی اسرائیل پر حملہ آور ہوئی تھی اور یہ مُوت کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے ۲۴۳/۲ جب اللہ کے نبی نے اُنہیں تیار کیا تو بعض وہ تھے کہ جنگ کا حکم ملتے ہی وعدۂ قتال سے پھر گئے ۲۴۶/۲ اُنہیں الگ کر دیا گیا۔ یہ تھی بزدلوں کی پہلی چھانٹی۔ اِس کے بعد جن لوگوں نے نہر کا پانی پی کر اپنے سپہ سالار کی نافرمانی کی، جو جنگی علوم میں ماہر تھا (بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ)۔ تو جب نہر پار اُترے تو اُن کے پیٹ بوجھل ہو گئے۔ اوّل تو نہروں اور دریاؤں کے پانی میں مٹی کی کثرت موجود ہوتی ہے جو پیٹ میں گرانی پیدا کر دیتی ہے۔ دُوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن نے اُس میں کچھ ملا دیا ہو۔ اِس لئے پانی پینے والوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت کے لشکروں کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔ اُنہیں بھی الگ کر دیا گیا۔ یہ دُوسری چھانٹی تھی۔ لیکن مستقل مزاج مجاہدوں کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ پس یہ **ثابت قدمی** ہی فتح و کامرانی کا عظیم ترین راز ہے۔ دومرتبہ کی چھانٹی کی بدولت فوج میں بظاہر پے در پے کمی ہو جانا، حقیقت میں فتح و نُصرت کو یقینی بنا تا چلا

جا رہا تھا۔ چنانچہ اگلی آیاتِ کریمات میں طالوت سلامٌ علیہ اور جالوت کے جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے:۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا
اور جب ظاہر ہوئے واسطے جالوت کے اور لشکروں اُسکے کے کہا اُنہوں نے
رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
اے پروردگار ہمارے ڈال اُوپر ہمارے صبر اور ثابت رکھ قدم ہمارے
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۲۵۰
اور مدد دے ہم کو اُوپر قوم کافروں کے۔

اور جب طالوت اور اُن کے لشکر، جالوت اور اُس کے لشکروں کے مقابلہ پر نکلے تو سب نے حضورِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے ہماری ربوبیّت کرنے والے ہمیں ثابت قدمی کے لئے وقف کر دے۔ اور ہمارے قدموں کو دشمن کے مقابلہ پر ثابت کر دے اور (ضابطۂ ربوبیّت کا) انکار کرنے والی قوم کے مقابلے پر ہماری مدد فرما۔

## دُعائے استقامت

● خداوندِ عالم نے اِس کائنات کو چونکہ عالمِ اسباب پیدا کیا ہے۔ اس لئے ہر مقام پر مادی اسباب کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ اسی لئے خود صحابۂ رسول سلامٌ علیہ کو بھی حکم ہُوا تھا کہ دشمنوں کے مقابلہ کے لئے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ فوجی قوّت مہیّا کرتے چلے جاؤ۔ تاکہ تمہارے اور اللہ کے دشمن تمہاری فوجی طاقت سے گھر بیٹھے لرزہ براندام رہیں ۸/۶۰۔ پس قرآنِ کریم کی رُو سے نہ تو مادی اسباب کو نظر انداز کرنا ہی جائز ہے اور نہ ہی ہر طرح کی مادی تیاری پر من کل الوجوہ بھروسہ کرنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ کسی نہ کسی گوشے میں کمی رہ جانا بشری تقاضا ہے۔ اِسی لئے حضرتِ طالوت سلامٌ علیہ نے جہاں فوجی سامان تیر تفنگ نیزے بھالے اور تلواریں وغیرہ اُس وقت کے مکمّل فوجی ہتھیار مہیّا فرمائے تھے وہاں فوج میں سے بُزدلوں اور حکم عدولوں کی پُوری طرح چھانٹی بھی کر دی تھی۔ لیکن اِس پُوری تیاری کے باوجود حضورِ الٰہی میں یہ دعا بھی فرمائی تھی:۔

● رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ...... غور فرمائیں! یہ دُعا رَبَّنَآ کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ حضرتِ طالوت سلامٌ علیہ کی یہ جنگ ربوبیّتِ عامہ کے قیام کے لئے تھی۔ اور مدِّ مقابل یعنی جالوت غاصبِ ربوبیّت تھا۔ جس نے بنی اسرائیل کے گھروں تک پر قبضہ کر رکھا تھا۔

● ایسی جنگیں ہی وہ جنگیں ہیں جنہیں قرآنِ کریم جہاد فی سبیل اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے ۴/۷۵، ۲۲/۳۹-۴۰۔ مذکورہ بالا جنگ میں جہاں ایک طرف طاغوتی لشکروں کی کثرت اور ربّانی فوجوں کی قلت تھی۔ اگلی آئتِ مجیدہ میں اِس جنگ کا نتیجہ بالفاظِ ذیل بیان ہُوا ہے:۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ
پس شکست دی اُن کو ساتھ حکم اللہ کے اور قتل کیا داؤد نے

پس اُن (قلیل ربّانی) لشکروں نے، اُن (کثیر طاغوتی فوجوں) کو شکستِ فاش دیدی۔ اور جالُوت کو داؤد سلامٌ علیہ

جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ
جالوت کو اور دی اُس کو اللہ نے پادشاہی اور حکمت
وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ط وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ
اور سکھایا اُس کو جو کچھ چاہا اور اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا
النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لا لَّفَسَدَتِ
لوگوں کو بعضے اُن کے کو ساتھ بعضے کے البتہ بگڑ جاتی
الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى
زمین و لیکن اللہ صاحبِ فضل کا ہے اوپر
الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۲۵۱
عالموں کے۔

نے قتل کیا اور اللہ تعالیٰ نے داوٗد سلامُ علیہ کو حکومت اور حکمت عطا فرمائی تھی۔ اور اُسے اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق تعلیم دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا بعض (یعنی ظالموں) کو، بعض کے ذریعہ (یعنی اُن سے طاقتوروں یا مستقل مزاجوں) کے ذریعہ دفع کرنے کا دستور نہ ہو تو زمین فساد سے بھرپُور ہو جائے۔ ولیکن اللہ تعالیٰ جُملہ اہلِ عالم کے لئے صاحبِ فضل ہے۔

● واضح رہے کہ اِس قصّہ کی غرضِ نزول، اقوامِ عالم پر اِس امر کی وضاحت کرنا ہے کہ اگرچہ قوانینِ مشیّت کے مطابق ہر قوم کو مادی طاقت کے ساتھ حکومت مُیسّر آ جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی قانونِ مشیّت ہے کہ جب کسی قوم کا پیمانۂ ظلم لبریز ہو جاتا ہے تو کسی اور قوم کے ذریعہ اُسے الگ کر دیا جاتا ہے...... اب اِس سے اگلی اور عنوان زیرِ نظر کی آخری آئتِ مجیدہ میں خُود آنحضور سلامُ علیہ کو مخاطب کر کے ارشاد ہُوا ہے:۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ
یہ نشانیاں ہیں اللہ کی پڑھتے ہیں ہم اُن کو اُوپر تیرے
بِالْحَقِّ ط وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ۲۵۲
ساتھ حق کے اور تحقیق تو البتہ بھیجے ہوؤں سے ہے۔

اے رسول سلامُ علیہ! یہ اللہ تعالیٰ کی آئتیں ہیں جنہیں ہم آپ پر حق کے ساتھ (یعنی صحیح واقعات اور صحیح قوانین کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ بھی ہمارے رسولوں سلامُ علیہم میں سے ایک رسول سلامُ علیہ ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کے جُملہ رسول سلامُ علیہ ایک سے ایک افضل ہیں

●واضح رہے کہ آئت نمبر ۲۴۳ تا ۲۵۲ میں قتال فی سبیل اللہ کا عنوان تھا۔ جس کی آخری آئت میں چونکہ آنحضور سلامُ علیہ کے متعلق ارشاد ہُوا ہے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ اِس لئے اگلی آئتِ مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے جُملہ معترضہ کے طور پر اپنے رسولوں سلامُ علیہم کے مدارج کی وضاحت فرما دی ہے کہ وُہ سب ایک سے ایک افضل تھے۔ اُن میں سے گھٹیا قسم کا رسول سلامُ علیہ ہرگز ہرگز کوئی نہیں تھا۔ حضراتِ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، موسیٰ اور عیسیٰ

سلامٌ علیہم کا تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آیات نمبر ۵۳ تا ۱۴۰ میں پیچھے گزر چکا ہے اور حضراتِ موسیٰ، ہارون اور داؤد سلامٌ علیہم کا ذکر عین متصل آیاتِ بالا میں موجود ہے۔ اب اِنسانی ذِہن میں جو یہ سوال پیدا ہونا ممکن ہے کہ اللہ کے رسولوں سلامٌ علیہم میں مدارج کے لحاظ سے کونسا رسول سلامٌ علیہ افضل ہے اور کونسا کمتر ہے معاذ اللہ! اِس کا جواب دیا جارہا ہے:۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ
یہ پیغمبر بزرگی دی ہم نے بعضے اُن کو

عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ
اوپر بعض کے۔ اُن میں سے بعض وہ ہیں کہ باتیں کی اللہ نے اُن سے اور بلند کیا

وقف لازم

بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ
بعضے اُن کے کو درجوں میں ۔ اور دی ہم نے عیسیٰ بیٹے

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ
مریم کے کو دلیلیں ظاہر اور قوّت دی ہم نے اُس کو ساتھ جان پاک کے

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ ۢ
اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے وُہ لوگ کہ

بَعْدِهِمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
پیچھے اُن سے تھے پیچھے اِس کے کہ آئیں اُن کے پاس دلیلیں ظاہر

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ
ولیکن اختلاف کیا اُنہوں نے پس بعضے اُن میں سے وہ شخص ہے کہ ایمان لایا اور

مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا
بعضے اُن میں سے وہ ہے کہ کافر ہُوا۔ اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے ۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳ ع ۳۳ ۵ ۱
اور لیکن اللہ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے ۔

مذکورہ بالا سب (ہمارے ہی) رسول سلامٌ علیہ ہیں۔ ہم نے اُن میں سے ایک کو ایک پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمائی۔ اور بعض کو (دوسرے طریقوں سے) درجوں میں بلند کیا۔ خصوصاً عیسیٰ بن مریم سلامٌ علیہ کو بھی واضح دلائل عطا فرمائے۔ یعنی اپنی پاکیزہ تعلیم کے ساتھ اُن کی مدد فرمائی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (لوگوں سے زبردستی فرمانبرداری کرانا) چاہتا، تو (اِن رسولوں سلامٌ علیہم سے) بعد والے لوگ آپس میں (ہرگز) لڑائیاں نہ کرتے (خصوصاً) واضح دلائل آ چکنے کے بعد۔ ولیکن رسولوں کے بعد والوں نے آپس میں خود اختلاف پیدا کرلیا۔ پھر اُن میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو ضابطۂ رُبوبیّت پر ایمان لائے اور بعض وُہ تھے جنہوں نے اِس کا انکار کردیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (زبردستی ہدائت دینا) چاہتا تو وُہ آپس میں نہ لڑتے۔ ولیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جس کا (اپنے مقرّر کردہ قانونِ مشیت[۱] کے مطابق ہی) ارادہ کرتا ہے۔

● [۱] اللہ تعالیٰ کا قانونِ مشیّت یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار و ارادے کے ساتھ اُس کی فرمانبرداری یا نافرمانی، جو چاہے خود کرے۔ چنانچہ نوعِ انسانی کو ارشاد ہُوا ہے:۔ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ ۴۱/۴۰ ۔ فرمانبرداری یا نافرمانی کے اچھے یا بُرے عمل جیسے

بھی چاہو اپنے اختیار وارادہ کے ساتھ خود کرو۔ (اللہ تعالیٰ نہ زبردستی فرمانبرداری کراتا ہے نہ نافرمانی)

## انبیآء سلامٌ علیہم کے مدارج کُتب روایات کے آئینے میں

● آئتِ بالا کے الفاظ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کا یہ معنےٰ اوپر دیا گیا ہے کہ ہم نے اپنے رسولوں میں سے ایک کو ایک پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اِسی چیز کی تائید لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۲/۲۸۵ کے الفاظ میں بزبان رسول اکرم سلامٌ علیہ اور صحابہ کرامؓ موجود ہے کہ:- ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے۔ لیکن کُتبِ روایات نے اِس آیۂ جلیلہ سے یہ تصوّر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں سلامٌ علیہم کو بعض سے افضل قرار دیا ہے اور بعض کو بعض سے کمتر معاذ اللہ! استغفر اللہ!

● چنانچہ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ امرتسر ربع چہارم کے صفحہ ۲۱۴ پر فضیلتِ انبیاء کے باب میں بخاری مسلم کی متفقؐ علیہ روائت درج ہے۔ حضرتِ ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ نے فرمایا:- **لا اقول اِن احدا فضل من یونس بن متی** = میں نہیں کہتا کہ یونسؑ بن متی سے کوئی رسول بھی افضل ہے۔ نیز اسی روائت میں درج ہے کہ آنحضور نے فرمایا:- **لا تخیّرو نی علی موسیٰ** = مجھے موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو۔

● دیکھئے! اس روائت میں بارشادِ رسول بتایا گیا ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ سے حضرتِ موسیٰ سلامٌ علیہ افضل تھے اور سب رسولوں سے حضرتِ یونس سلامٌ علیہ افضل تھے لیکن اس کے برعکس اہلِ روایات کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ رسول عربی سلامٌ علیہ سب سے افضل ہیں۔ حالانکہ مشکوٰۃ شریف کی اِسی روائت کے اخیر میں آیا ہے **لا تخیّروا بین الانبیاء** = نبیوں میں کسی کو کسی پر فضیلت نہ دینا۔ (فاعتبروا یآاُولی الابصار)

## قتال وجہاد کیلئے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو

● مذکورہ بالا جملہ معترضہ کے بعد پھر اصل مضمون قتال فی سبیل اللہ کی طرف رُخ کر کے بتایا گیا ہے کہ مال کے بغیر نہ سامانِ حرب مہیّا کیا جا سکتا ہے نہ جنگ کامیاب ہو سکتی ہے۔

چنانچہ اگلی آئتِ کریمہ میں ارشاد ہُوا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اُس چیز سے کہ

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ

دیا ہم نے تم کو پہلے اس سے کہ آوے وہ دِن کہ نہیں خرید و فروخت

ایمان والو! ہم نے جو تم کو رزق دیا ہے اُس میں سے (جہاد وقتال کے لئے بھی) اُس وقت کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر دو۔ کہ اُس میں نہ کوئی سودابازی ہو سکے گی نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ کسی کی شفاعت فائدہ دے سکے

فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۲۵۴

بیچ اُس کے اور نہیں دوستی اور نہ سفارش اور کافر وہی ہیں ظالم۔

کی حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے انکار کرنے والے ہیں وہی تو ظالم ہیں۔

## قیامت کی عدالت میں شفاعت کیوں فائدہ نہ دے سکے گی

●سفارش و شفاعت کی ضرورت اُس حاکم کو ہوتی ہے جو مقدّمہ زیرِ سماعت کی حقیقت سے بے خبر ہو۔ پس چونکہ اللہ تعالیٰ ہر وقوعہ کا خود عینی گواہ ہے اِس لئے اُسے کسی شفاعتی کی ضرورت نہیں جو اُسے یہ بتا سکے کہ عدالت میں حاضر ملزم کی طرف منسوب جُرم کی حقیقت یُوں نہیں یُوں ہے۔ اِسی لئے سورہ زمر میں ارشاد ہے:- قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ ۳۹/۴۴ = اے رسول! اعلان کر دیجئے گا کہ شفاعت ساری کی ساری صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور یہ اِس لئے ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و موجود ہے۔ اِس لئے وہ کسی بھی وقوعہ کی حقیقت سے بے خبر نہیں۔ اور اگلی آئتِ مجیدہ میں اِس خدشہ کو بھی دُور کر دیا ہے کہ نیند ہر حاضر کو بھی غافل کر دیتی ہے لیکن اللہ وہ ہے کہ اُسے نہ نیند آتی ہے نہ اُونگھ:-

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ

اللہ نہیں کوئی معبود مگر وہ ۔ زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا نہیں پکڑتی اُس کو اونگھ اور نہ نیند۔ واسطے اُسی کے ہے جو کچھ بیچ آسمانوں کے اور جو کچھ۔ بیچ زمین کے ہے ۔ کون ہے وُہ جو سفارش کرے نزدیک اُس کے مگر ساتھ حکم اُس کے۔ جانتا ہے جو کچھ آگے اُن کے ہے اور جو کچھ پیچھے اُن کے ہے ۔ اور نہیں گھیرتے ساتھ کسی چیز کے علم اُس کے سے مگر ساتھ اُس چیز کے کہ چاہے سما لیا ہے

اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے کہ اُس کے سوا کوئی فرمانبرداری کے قابل نہیں۔ از خود زندہ اور قائم بالذات ہے۔ (نیز ایسا گواہ کہ کبھی غافل نہیں ہوتا۔ کیونکہ) نہ اُسے اُونگھ پکڑتی ہے نہ نیند۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے۔ سب کا سب اُسی ہی کی ملکیّت ہے۔ کون ہے جو اُس کے قانون کے بغیر اُس کے حضور کسی کی سفارش کر سکے (اُسے سفارش کی ضرورت ہی نہیں) کیونکہ وہ تو لوگوں کے آگے پیچھے کو (یعنی ہر کسی کے حالات کو) خود اچھی طرح جانتا ہے۔ (اُس کا علم سب پر محیط ہے) اور لوگ اُس کے علم میں سے کسی چیز کو بھی احاطہ میں نہیں لے سکتے۔ سوائے اِس کے کہ خود اللہ تعالیٰ نے جو (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق نوعِ اِنسانی کو) دینا چاہا ہے۔ اُس کی کُرسی (یعنی

كُرۡسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا يَئُوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا ۚ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ ۝۲۵۵

کُرسی اُس کی نے آسمانوں کو اور زمین کو اور نہیں تھکاتی اُس کو نگہبانی اُن دونوں کی اور وہ ہے بلند مرتبہ بڑا۔

حکومت) آسمانوں اور زمین سے بھی زیادہ وسیع ہے۔(وہ آسمانوں اور زمین کی پوری پوری حفاظت کر رہا ہے) اُس کے لئے اِن دونوں کی حفاظت کچھ بھی گراں نہیں۔اور وہی عالیشان اور عظمت والا ہے۔

؎ کُرسی کا معنٰی ہے تخت۔اور تخت چونکہ ہوتا ہے حکومت کا،اسلئے یہاں کُرسی بمعنی حکومت لکھا گیا ہے۔نیز اللہ کی کُرسی بمعنی تخت،یعنی بیٹھنے کی چیز اِسلئے بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مادی جسم نہیں جسے تخت یا کُرسی وغیرہ کی ضرورت ہو۔لیکن افسوس ہے کہ مشکوٰۃ شریف مطبُوعہ امرتسر رُبع چہارم کے صفحہ ۲۲۱ پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تخت اُونٹ کے کوہان کی شکل کا سات آسمانوں سے اُوپر ہے۔جو اللہ تعالیٰ کے بیٹھنے سے چرچراتا ہے جیسے اُونٹ کا کجاوا اپنے سوار کے بوجھ سے چِرچِر کرتا ہے۔

● آئتِ بالا میں،لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے شفاعتیوں کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ وُہ اللہ کے علم میں سے صرف اتنے ہی کے مالک ہوسکتے ہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیّت کے مطابق اُنہیں مُیسّر آسکتا ہے۔اِس سے شفاعت کا معنٰی اپنے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ کو خبر دینا ثابت ہوتا ہے۔یعنی جو واقعہ خود دیکھا،اُسی کے متعلق شفاعت کرسکتے ہیں کہ بارِالٰہا! واقعہ یُوں ہُوا تھا۔لیکن چُونکہ اللہ کے سوا کوئی بھی حاضر و ناظر نہیں ہے۔اِس لئے اُس اللہ کے حضور میں،جو خود علیم وعلّام اور حاضر و ناظر ہے کوئی بھی شفیع نہیں بن سکتا۔باقی رہا شفاعت کا یہ روائتی مفہوم،کہ رسولِ مقبول سلامٌ علیہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں مُجرموں کو بخشوالیں گے۔اِن معنوں میں شفاعت عدل کی ضِد ٹھہرتی ہے۔یعنی شفاعت ہوگی تو عدل اُڑ جائے گا اور عدل ہوگا تو شفاعت غائب۔اِس لئے چونکہ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ خود عادل ہے اور لوگوں کو بھی عدل ہی کا حکم دیتا ہے:- اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ ۱۶/۹۰ پس ثابت ہُوا کہ قیامت کی عدالتِ عالیہ میں عدل ہوگا شفاعت بمعنی مجرموں کو بخشوالینا ہرگز نہیں ہوگا۔

شفاعت کا سہ حرفی مادہ ش۔ف۔ع=شفع ہے۔اِس کا بنیادی معنٰی ہے جوڑہ۔ ۸۹/۳ میں وَالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ بمعنی جُفت اور طاق کے تقابل کے ساتھ اِنہی معنوں کی وضاحت کردی گئی ہے شَفَعَ الشَّیَٔ کا معنٰی ہے جوڑا بنایا۔عَيۡنٌ شَافِعَةٌ کا معنٰی ہے ایک چیز کو دو دیکھنے والی آنکھ۔ہر پڑوسی پر اس کے پڑوسی کا حقِ شفع مسلّم ہے۔یعنی پڑوسی پڑوسی اپنے مقام کی رُو سے ایک ہی سطح کے جوڑے شمار ہوتے ہیں۔اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی سطح کا کوئی فرد و بشر ہے ہی نہیں۔اِس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کو حقِ شفع حاصل نہیں کہ کسی کا شفیع بن کر اللہ تعالیٰ کے بالمقابل آسکے۔اور اُسے بتاسکے کہ فلاں مُلزم پر لگایا گیا الزام غلط ہے۔واقعہ چونکہ یُوں نہیں بلکہ یُوں ہے۔اِس لئے مُلزم کو سزا نہیں دی جانی چاہیئے۔اور یا شفاعت کے روائتی مفہوم کے مطابق شفیع

یہ کہے کہ یہ شخص ہے تو حقاً سچا مُجرم لیکن تُو اپنے عدل وانصاف کا قانون توڑ کر اسے سزا نہ دے۔ پس روایات کا پیش کردہ شفاعت کا مفہوم دونوں صورتوں میں غلط ہے کہ نہ کوئی فرد اُس علیم وعلاّم اور حاضر وناظر کو حقیقتِ واقعہ سے آگاہ کرنے کے لئے شفیع ہوسکتا ہے اور نہ ہی سچے مُجرم کو سزا سے بچانے، یعنی اللہ سے اُس کا قانونِ عدل وانصاف تڑوانے کے لئے۔

● آنحضور سلامٌ علیہ کو روایات نے شفیع ٹھہرایا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم میں آپ کی متعدّد صفات، رؤف، رحیم، کریم، خاتم النبیّین وغیرہ تو آئی ہیں، لیکن قرآن بھر میں آپ کے لئے شفیع کا لفظ کہیں نہیں آیا۔ باقی رہا آئتِ بالا میں عنوانِ شفاعت کے ماتحت اِلَّا بِاِذْنِہٖ کی قرآنی تفسیر کا سوال۔ اس کے لئے ۵/۱۱۶ میں حضرتِ مسیح کے متعلق مذکور ہے کہ قیامت کو اُن سے پوچھا جائے گا، کیا تُو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ ساتھ دو الٰہ ٹھہرالو۔ تو آپ کہیں گے، میں نے نہیں کہا تھا۔ اِن لوگوں نے خود ہی تین خداؤں کا عقیدہ گھڑ لیا تھا۔ اور اسی طرح جب آنحضور سے آپ کی اُمت کے متعلق پُوچھا جائے گا تو آپ کہیں گے:- یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ۲۵/۳۰ = اے میرے پروردگار! میں نے اِنہیں قرآن چھوڑ دینے کو نہیں کہا تھا۔ میری اِس قوم نے خود ہی اِس قرآن کو اس طرح پکڑا ہُوا تھا جس طرح چھوڑا ہُوا ہوتا ہے۔ یہ ہے اپنی اپنی اُمّت کے متعلق انبیاء سلامٌ علیہم کی شفاعت، جس کی خبر قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔ اور جس کے متعلق درج ہے لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۷۸/۳۸ = وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کلام نہیں کریں گے۔ اور بات صحیح صحیح کریں گے۔

## اللہ کے دین میں زبردستی نہیں ہے

آئتِ بالا میں عدم شفاعت کے اعلان کے بعد، اگلی آئتِ مجیدہ میں اس کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے دین میں جبر کوئی نہیں۔ ہم نے حق وباطل کو اپنی کتابوں کے ذریعہ نکھار کر رکھ دیا ہُوا ہے۔ جو چاہے خود ہدائت کی راہ اختیار کرے اور جو چاہے خود گمراہ ہوجائے:-

| | |
|---|---|
| لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قف قَدْ تَّبَیَّنَ | اللہ کے دین میں جبر نہیں۔ گمراہی سے ہدائت نکھر کر عیاں ہوچکی ہے۔ پس جس نے خود باطل پیشوا کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اُس نے ایک مضبوط ہینڈل کو تھام لیا، جس کے لئے ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سُننے والا جاننے والا ہے۔ |
| نہیں زبردستی بیچ دین کے تحقیق ظاہر ہو گیا ہے | |
| الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ج فَمَنْ یَّکْفُرْ | |
| راہ پانا گمراہی سے پس جو کوئی کفر کرے | |
| بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ | |
| ساتھ شیطان کے اور ایمان لاوے ساتھ اللہ کے پس تحقیق | |

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَا
پکڑ رکھا اُس نے کڑا مضبوط نہیں
انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۲۵۶
ٹوٹنا واسطے اُس کے اور اللہ سُننے والا جاننے والا ہے۔

یعنی باطل پیشوا طاغوت، جو جو کچھ اللہ اور اس کے رسولوں کے ذِمّہ لگا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اُنہیں وہ سُنتا ہے اور جو جو کرتُوتیں وُہ اِس سلسلے میں کرتے ہیں اُنہیں وہ خُوب خُوب جانتا ہے۔

لفظ طاغوت کا سہ حرفی مادہ ط۔غ۔و= طغو ہے۔اس کا بنیادی معنٰی ہے قانونِ خداوندی کی سرکشی کرنا۔اُس کی حدّیں توڑنا۔اور طاغوت اُسے کہتے ہیں، جسے عوام پر اثر و اقتدار حاصل ہو۔خواہ وہ ملکی حکومت کے ذریعہ ہو، یا عقیدۂ پیشوائیت کے ذریعہ۔لوگ اِن طاغوتوں کو اپنے حاجت روا اور مددگار تسلیم کرتے ہیں۔لیکن اگلی آئتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے کہ جو لوگ ضابطۂ خداوندی پر ایمان لے آئیں، اُن کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے، اُنہیں طاغُوتوں سے ڈرنا نہیں چاہیئے:-

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ
اللہ دوست دار ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے نکالتا ہے اُن کو
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اندھیروں سے طرف روشنی کے اور جو لوگ کہ کافر ہوئے
اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ لا يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ
دوست اُن کے شیطان ہیں نکالتے ہیں اُن کو
النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ
روشنی سے طرف اندھیروں کے یہ لوگ ہیں
اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۲۵۷ ع ۳۴ ۲
رہنے والے آگ کے وہ بیچ اُس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

جو لوگ (طاغوتوں سے منہ موڑ کر) ضابطۂ الٰہی پر ایمان لاتے ہیں۔اُن کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔وُہ اِنہیں (ناہموار قوانین) کے اندھیروں سے نکال کر (اپنے ضابطہ کے) نُور میں لے آتا ہے۔اور جو لوگ (اِس ضابطے کا) انکار کرتے ہیں، اُن کے مددگار (اُنہیں گمراہ کرنیوالے) طاغوت ہیں۔وُہ اُنہیں ضابطۂ الٰہی کے نُور سے، ناہموار قوانین کے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔وُہ (طاغوت اور اُن سے مدد مُرادیں مانگنے والے) سب اہلِ نار ہیں۔وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

## ناہموار معاشرہ اَلنّار ہے

قرآنِ کریم میں اَلنَّارِ، اَلْجَنَّة کی ضد بیان ہوئی ہے۔لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ط اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ۵۹/۲۰ = اہل نار اور اہلِ جنّت باہم برابر نہیں ہیں۔اہلِ جنّت کامیاب ہیں......اللہ تعالیٰ نے اس کامیابی و کامرانی کی وضاحت اہلِ جنّت کی تعریف کرتے

ہوئے ۲۰/۱۱۸-۱۱۹ میں بیان کی ہے کہ، جنّت وہ ریاستی نظام ہے، جس میں ربوبیّتِ عامہ کی یہ حالت ہو کہ اُس میں نہ کوئی بھُوکا ہو نہ ننگا، نہ بے علاج ہو نہ بے مکان۔ پس اَلـنَّـارُ ' اَلْـجَـنَّـت کی ضد ہوتے ہوئے، وہ ناہموار ریاستی نظام ہے، جس میں بھُوکے ننگے، بے علاج اور بے مکان افراد موجود ہوں۔ چنانچہ اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں ربوبیّتِ عامہ کے ایک ڈاکو طاغوت کا ذکر کیا گیا ہے جسے حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ نے درسِ ربوبیّت دیا۔ لیکن نشۂ اقتدار کی بدمستی میں اُس طاغوت پر آپ کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہُوا:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ

کیا نہ دیکھا تو نے طرف اس شخص کے کہ جھگڑا ابراہیم سے بیچ

رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

پروردگار اُسکے کے اس واسطے کہ دی اُسکو اللہ نے بادشاہی جس وقت کہا ابراہیم نے

رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا

پروردگار میرا وُہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے کہا میں

اُحْىٖ وَ اُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ

جلاتا ہوں اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے پس تحقیق اللہ

يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا

لاتا ہے سورج کو مشرق سے پس لے آ تُو اُس کو

مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ

مغرب سے پس بھچکا ہُوا وہ جو کافر تھا اور اللہ تعالیٰ

لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ۲۵۸

نہیں راہ دکھاتا قوم ظالموں کو۔

اے رسول! کیا آپ نے اُس شخص پر غور نہیں کیا، جسے اللہ تعالیٰ نے (اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق) حکومت دیا گیا پایا تھا، جس نے ابراہیم کے ساتھ اُس کے رب (کی ربوبیّتِ عامہ) کے بارے میں جھگڑا کیا۔ وہ وقت قابلِ ذکر ہے، جب ابراہیم نے اُس سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔ اُس نے کہا میں (بھی) زندہ کرتا اور مَوت دیتا ہوں (جسے چاہوں زندہ رکھوں، جسے چاہوں مروا دوں) ابراہیم نے کہا، بلاشُبہ اللہ (جو میرا رب ہے) سُورج کو مشرق سے لاتا ہے۔ تُو اُسے مغرب کی طرف سے لے آ۔ اِس پر وُہ جس نے (رب العالمین کی ربوبیّت کا) انکار کیا تھا لاجواب ہو گیا۔ (اب اُسے نظریۂ ربوبیّتِ عامہ کو مان لینا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ نہ مانا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (ایسے) بے ٹھکانا کام کرنے والوں کو ہدائت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● اِس طرح جب لاجواب ہو چکنے کے باوجود، اُس نے نظریہ ربوبیّتِ عامہ کو تسلیم نہ کیا۔ تو حضرت کی طرف سے اِس کے بعد کی تبلیغ محذوف ہے، جو اگلی آئتِ مجیدہ سے عیاں ہے کہ آپ نے اُسے آگاہ کیا کہ اگر تجھے ربوبیّتِ عامہ کی مخالفت کی سزا اس دُنیا میں نہ مل سکی۔ تو یاد رکھ کہ تُو مرنے کے بعد جوابدہی کے لئے اُٹھایا جائے گا۔ لیکن اُس نے دُوسری زندگی کا بھی انکار کر دیا کہ ایسا بھی کبھی ہو سکتا ہے کہ گلی سڑی ہڈیوں پر گوشت چڑھ جائے۔ اِن محذوفات کا واضح جواب تو اللہ تعالیٰ کا قانون

ہے کہ وہ مُردہ ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر نہیں دکھاتا۔ اپنے رسول یا کتاب ہی کے ذریعہ قیامت کی جوابدہی کی خبر دیتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بادشاہ پر حضرتِ ابراہیم کے ذریعہ دلائل قاطعہ کے ساتھ اتمامِ حجت کر دی گئی، کہ اِس طرح اگر کوئی شخص لاجواب کر دینے والے دلائل کے بعد بھی رب العلمین کو نہ مانے، اور ربوبیّتِ عامہ کی مخالفت کے اُخروی عذاب کے لئے دوبارہ زندہ کئے جانے کو تسلیم نہ کرے۔ تو پھر یا تو مذکورہ دلائلِ قاطعہ کے ساتھ قیامت کی جوابدہی کے لئے دوبارہ زندہ کیا جانا منوایا جا سکتا ہے، اور یا:-

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ

یا مانند اس شخص کے کہ گزرا اُوپر ایک گاؤں کے اور وُہ گرا ہوا تھا

عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ

اوپر چھتوں اپنی کے کہا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ

بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ

پیچھے موت اُس کی کے پس مار ڈالا اس کو اللہ نے سو برس پھر

بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ

جلایا اس کو کہا کتنی دیر رہا تو کہا رہا میں ایک دن یا

بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ

تھوڑا دن سے۔ کہا بلکہ رہا تو سو برس

فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ

پس دیکھ طرف کھانے اپنے کے اور پینے اپنے کے کہ نہیں سڑا

وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ ۫ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً

اور دیکھ طرف گدھے اپنے کے اور تو کہ کریں ہم تجھ کو نشانی

لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا

واسطے لوگوں کے اور دیکھ طرف ہڈیوں کے کہ کیونکر چڑھاتے ہیں ہم اُن کو

ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ

پھر پہناتے ہیں اُن کو گوشت پس جب ظاہر ہُوا واسطے اُس کے کہا

یا اُس شخص کی مانند ہو جو ایک ایسی بستی سے گزرے جو چھتوں پر گری پڑی ہو۔ وہ کہے کہ اس بستی کے اِس طرح اُجڑ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اِسے دوبارہ کس طرح آباد کرے گا پھر اُسے اللہ سو سال کے لئے مار ڈالے (اور اپنی قانونی رفتار کے ساتھ سو سال میں اُس بستی کو آباد کر لے) پھر اس کے بعد اُسے زندہ کرے۔ اللہ اُس سے کہے تو کتنا عرصہ (مرا) رہا۔ وہ کہے ایک دِن یا دِن کا کچھ حِصّہ، اللہ کہے بلکہ تو سو سال مرا رہا ہے۔ دیکھ (اتنے عرصے میں بستی آباد ہو چکی ہے لیکن) تیرا کھانا اور پانی بوسیدہ نہیں ہُوا۔ اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ تا کہ ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی ٹھہرائیں، اور (گدھے کی پراگندہ) ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کس طرح اُنہیں اکٹھا کرتے اور اُن پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پھر جب (گدھے کی ہڈیوں کا اکٹھا ہونا اور اُن پر گوشت چڑھنا) اُس کے لئے عملاً واضح ہو جائے تو پھر وہ کہے میں نے جان لیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندازے اور پیمانے مقرر کرنے والا ہے۔

اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۲۵۹

جانتا ہوں میں تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

**ماضی برائے مضارع**

آئتِ بالا، اَوۡ کَالَّذِیۡ حرفِ تشبیہہ برائے مثال سے شروع ہوئی ہے۔اور چونکہ مثال کا عطف مثال ہی پر ہوتا ہے۔جیسے کہ دیباچہ کے عنوان نمبر ۳۲/۱ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ اِس مثال کا عطف ۲/۱۹ اَوۡ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ ...... الخ پر ہے۔اور اُس مثال کا عطف ۲/۱۷ مَثَلُھُمۡ کَمَثَلِ الَّذِی اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ...... الخ کی مثال پر ہے۔پس اِس آئت میں ربوبیّتِ عامہ کی جوابدہی کے مذکورہ بالا منکر کے انکار پر بطور مثال بیان کیا گیا ہے کہ یا تو مذکورہ طریقہ سے، جیسے کہ حضرتِ ابراہیم کے ذریعہ کیا گیا، کہ دلائل قاطعہ کے ساتھ حقیقتِ ربوبیّت نمایاں کی جائے۔اور یا پھر ہر کسی کو اس طرح سو سال کے لئے مار کر، پھر زندہ کر کے اور پھر اُس کی آنکھوں کے سامنے ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر منوایا جائے کہ تمہیں مکافاتِ عمل کے لئے اِس طرح زندہ کر لیا جائے گا۔لیکن یہ قانونِ خداوندی کے سو فیصدی خلاف ہے۔اب رہا یہ سوال کے یہاں اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ فعل ماضی آیا ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گزر چکا ہے۔اِس کا جواب یہ ہے کہ فعل ماضی پر اسم موصول داخل ہو تو اُسے مضارع بنا دیتا ہے۔یہاں مَرَّ فعل ماضی پر اَلَّذِیۡ اسم موصول داخل ہوا ہے۔اس لئے یہ واقعہ نہیں بلکہ اُسی طرح کی مثال بیان ہو رہی ہے، جیسے کہ اس آئتِ مجیدہ کے معطوف علیہ مَثَلُھُمۡ کَمَثَلِ الَّذِی اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ۲/۱۷ میں اِسۡتَوۡقَدَ فعل ماضی پر اَلَّذِیۡ اسم موصول داخل ہُوا ہے۔اور جس طرح وہاں کوئی واقعہ بیان نہیں ہُوا کہ کسی نے آگ جلائی تھی جسے اللہ نے بجھا دیا تھا۔اُسی طرح یہاں کوئی واقعہ بیان نہیں ہُوا کہ کوئی شخص مردہ بستی پر سے گُزرا۔اور اُسے اللہ نے اُس کے یہ کہنے پر کہ اللہ اِس بستی کو کس طرح زندہ کرے گا،سو سال کے لئے مار ڈالا تھا۔پھر زندہ کیا تھا۔اور اُس کی آنکھوں کے سامنے گدھے کی بکھری ہوئی ہڈیوں کو جمع کیا تھا۔اُن پر گوشت چڑھایا تھا۔اور پھر اُس نے تسلیم کیا تھا کہ واقعی اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

**روائتی تفسیر**

روائتی تفاسیر نے اِس آئتِ مجیدہ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرتِ عزیر سلامٌ علیہ کسی اُجڑی ہوئی بستی پر سے گُزرے اور کہا کہ اِسے اللہ تعالیٰ کس طرح آباد کرے گا۔اللہ تعالیٰ نے اُنہیں سَو سال کے لئے فوت کر دیا۔پھر اُنہیں زندہ کر دیا۔اور پُوچھا کہ آپ کتنا عرصہ مرے رہے ہیں۔آپ نے فرمایا ایک دِن یا دِن کا کوئی حِصّہ۔اللہ نے فرمایا نہیں آپ سو سال مَرے رہے ہیں۔دیکھ لیجئے بستی آباد ہو چکی ہے۔آپ کا کھانا اور پانی سو سال میں خراب نہیں ہُوا۔آپ کے گدھے کی ہڈیاں بکھر چکی ہیں۔دیکھئے ہم آپ کی نگاہوں کے سامنے اِن پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

آخر جب اللہ تعالیٰ نے ایسا کر کے دکھا دیا تو آپ نے فرمایا کہ اب میں نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی وہ قیامت کو ہمیں ضرور زندہ کرلے گا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبیوں سلامٌ علیہم کو قیامت منوانے کے لئے اِس طرح ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر دکھانے کی ضرورت ہے۔ تو یہ عملی مشاہدہ، ربوبیّت اور قیامت کے ہر مُنکر کو عُموماً، اور اُس مُنکر بادشاہ کو خصُوصاً دکھانا چاہیئے تھا۔ جس نے حضرت ابراہیم کے ذریعہ لاجواب ہو چُکنے کے باوجود انکار کر دیا تھا۔

● افسوس ہے کہ روائتی تفاسیر نے حضرتِ عُزیر سلامٌ علیہ ہی کے ساتھ ایسا نظریہ منسوب نہیں کیا۔ بلکہ اس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ کے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ منسوب کر رکھا ہے کہ آپ نے حضورِ خداوندی میں عرض کیا کہ بارِ الٰہا! تو مُردوں کو کِس طرح زندہ کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیا اِس پر تیرا ایمان نہیں۔ آپ نے فرمایا ایمان تو ہے، لیکن اطمینانِ قلب کے لئے سوال کیا ہے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندے لیجئے۔ پھر اُنہیں مار کر، اور اُن کا گوشت باہم ملا کر اُسے سب پہاڑوں پر رکھ دیجئے اور پھر اُنہیں آواز دیجئے۔ تو ہر پرندے کے گوشت کے ٹکڑے الگ الگ پہاڑ سے اُڑ کر، اور اکٹھے ہو کر زندہ ہو جائیں گے۔ اور آپ کی طرف دوڑتے ہُوئے آجائیں گے۔ چنانچہ روائتی تفاسیر کا کہنا ہے کہ حضرتِ ابراہیم کے اطمینانِ قلب کے لئے ایسا ہی کر کے دکھایا گیا تھا۔

● لیکن اِس پر بھی وُہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبیوں سلامٌ علیہم کے اطمینانِ قلب کے لئے کہ واقعی اللہ تعالیٰ قیامت کو مُردے زندہ کرلے گا۔ عملی طور پر مُردوں کو زندہ کر کے دکھانے کی ضرورت ہے تو یہ عملی مشاہدہ ہر مُنکر قیامت کو قیامت منوانے کے لئے دکھایا جانے چاہیے۔ اور ہر مومن کے سامانِ اطمینانِ قلب کے لئے سب کی آنکھوں کے سامنے مُردے زندہ کئے جانے چاہئیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ پر سے اتمامِ حجّت ختم ہو جائے۔ مقامِ افسوس ہے کہ اِن آیاتِ کریمات کی روائتی تفاسیر سے انبیاء سلامٌ علیہم کی توہین ہوتی ہے کہ مُردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھے بغیر اُنہیں اطمینانِ قلب مُیسّر نہیں آتا تھا۔ العیاذُ باللہ!

## حقیقت حال

اب آیئے حقیقت حال کی طرف! آئت نمبر ۲۵۸ میں حضرتِ ابراہیم، اور ربوبیّتِ عامہ اور قیامت کی بازپُرس کے مُنکر بادشاہ کا مکالمہ گزر چکا ہے کہ آپ نے اُسے دلائلِ قاطعہ کے ساتھ لاجواب کر دیا۔ لیکن وہ ایمان نہ لایا۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے آئت نمبر ۲۵۹ میں بطور مثال بیان کیا ہے کہ ہمارا قانونِ تبلیغ تو صرف دلائلِ قاطعہ کے ساتھ لاجواب کرنا ہے۔ اور اگر یہ کافی نہیں تو پھر یہ ہوسکتا ہے کہ ہر کسی کی آنکھوں کے سامنے مُردہ ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر دکھایا جائے۔ تاکہ وہ قیامت پر ایمان لے آئے۔ لیکن اِس طرح ربوبیّت اور قیامت منوانا اللہ کا قانون ہی نہیں اِس ضمنی وضاحت کے بعد اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ نمبر ۲۶۰ میں حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ کی اُس مایُوسی کا تذکرہ اور اُس کا حل بیان ہُوا ہے۔ جو آپ پر اُس وقت وارد ہوئی، جب آپ قوم کے ستارہ پرستوں کو بھی لاجواب کر چکے کہ یہ سُورج چاند ستارے

جوطلوع وغروب کی زنجیروں میں جکڑے ہُوئے ہر آن خود گردش میں ہیں یہ معبود نہیں ہو سکتے۔اور قوم کے بُت پرستوں پر بُتوں کی بے بسی اِس طرح عیاں کردی کہ آپ نے بڑے بُت کی موجودگی میں، اُس کے ماتحت عملے کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔اور وہ اُنہیں بچانہ سکا۔لیکن قوم اِس کے باوجود نہ ستارہ پرستی سے باز آئی نہ بُت پرستی سے۔اِس کے بعد باری تھی ملک کے بادشاہ کی، جوخود عوام کا رب بنا بیٹھا تھا۔آپ نے اُسے بھی لاجواب کر دیا۔لیکن وہ بھی ایمان نہ لایا اور چاروں طرف آپ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ایسے وقت پر ہجرت لازم ہوجاتی ہے۔اب یہ پوری قوم سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کی مصداق ہوچکی،تو آپ نے مایوسانہ انداز کے ساتھ حضورِ الٰہی میں عرض کیا کہ بارِ الٰہا! تو اِن ایمانی مُردوں کو کِس طرح زندہ کرے گا:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ

اور جب کہا ابراہیم نے اے رب میرے دکھلا دے مجھ کو کیونکر

تُحْىِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ

جلاتا ہے مُردوں کو کہا کیا نہیں ایمان لایا تو کہا

بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ

بلکہ لایا ہوں و لیکن تو کہ آرام پکڑے دِل میرا کہا پس لے

اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ

چار جانوروں سے پس صورت پہچان رکھ طرف اپنے پھر

اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

کر دے اوپر ہر پہاڑ کے اُن میں سے ایک ٹکڑا

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ

بُلا اُن کو چلے آویں گے تیرے پاس دَوڑتے اور جان یہ کہ

اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۶۰ ع ۳۵ ۳

اللہ غالب ہے حکمت والا۔

اور وُہ وقت قابلِ ذکر ہے جب (پوری قوم سے مایوس ہوکر) ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار مجھے سمجھا کہ تو ایمانی مُردوں کو کِس طرح زندہ کرے گا۔اللہ نے فرمایا کیا تُو نہیں مانتا (کہ ایمانی مُردے زندہ ہوجائیں گے) آپ نے کہا ہاں مانتا ہوں، اور لیکن (یہ سوال اسلئے کیا ہے کہ) میرا قلب مطمئن ہوجائے اللہ نے فرمایا (مثال کےطور پر) تُو چار پرندے (غیر اللہ کی تقلید سے آزاد افراد) انتخاب کر۔پھر اُنہیں اپنے ساتھ ہلا لے (یعنی اُنہیں اپنی تعلیم دے) پھر اُن میں سے ہر ایک کو الگ الگ پہاڑ پر (ایمانی مُردوں کے الگ الگ سنگلاخ علاقوں میں) متعیّن کر۔پھر اُنہیں بُلا۔وُہ تیری طرف دوڑتے ہُوئے آئیں گے۔ اور جانے رہ کہ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

## تحفّظِ ناموسِ رسالت

اس آیت کا آخری جملہ ہے:۔وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔جس سے ظاہر ہے حضرت ابراہیم کو تبلیغ کا پُر حکمت طریقہ سکھایا گیا ہے۔اور آپ کا سوال ایمانی مُردوں کو زندہ

کرنے کے متعلق تھا۔ قیامت کے طبعی مُردوں کے متعلق نہیں تھا۔لیکن روایات نے جو تصوّر دیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے قیامت کے مُردوں کے زندہ ہونے پر اطمینانِ قلب کے لئے چاہا تھا کہ اُنہیں مُردے زندہ کر کے دکھائے جائیں۔ یہ چیز تو ناموسِ رسالت ہی کے خلاف ہے کہ حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ کو قیامت کی بعثت پر قلبی اطمینان مُیسّر نہ ہو۔اور آپ یہ چاہتے ہوں کہ جب تک اُنہیں مردے زندہ کر کے نہ دکھائے جائیں اُنہیں اطمینانِ قلب مُیسّر نہیں آئے گا۔اور ساتھ ہی روایات کا یہ تصوّر بھی انتہائی گھناؤنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ جاریہ کے خلاف حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ سے چار پرندوں کا قیمہ بنوایا،اور باہم مخلوط کرواکے اُسے الگ الگ ہر پہاڑ پر رکھوا کر آواز دلوائی تو وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس آ گئے۔

● واضح رہے کہ نہ انبیاء سلامٌ علیہم کا ایمان اس قدر کمزور ہوتا ہے کہ جن غائب اُمور پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، اُنہیں عملاً دیکھے بغیر اُنہیں اطمینانِ قلب ہی مُیسّر نہ ہو۔یعنی جس قلبِ اطہر پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہو، کیا یہ چیز ممکن ہو سکتی ہے کہ وُہی قلب قیامت کے بارے میں تذبذب کا شکار ہُوا رہے؟ نیز یہ چیز بھی امکان سے باہر ہے کہ انبیاء سلامٌ علیہم مُردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کے،یعنی اللہ تعالیٰ کے قوانینِ جاریہ کی مخالفت کے متمنّی ہوں۔ بلکہ انبیاء سلامٌ علیہم کی بعثت کی اکلوتی غرض ایمانی مُردوں کو زندہ کرنا ہوتا ہے۔ جیسے کہ خود رسولِ اکرم کے فرضِ منصبی کی خبر بالفاظِ ذیل دی گئی ہے۔:-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۸/۲۴ = اے ایمان کے دعویدارو! اللہ کی دعوت کو قبول کرو، جو اُس نے اپنے رسول سلامٌ علیہ کی معرفت دی ہے،جس وقت کہ رسول تمہیں بلاتا ہے تا کہ تمہیں زندہ کر دے ـــــ تو اب بتائیے یہ کونسی زندگی ہے، جو زندوں کو دی جا رہی ہے۔یاد رہے کہ طبعی مُردوں کو ضابطۂ خداوندی کی رُو سے، قیامت سے پہلے زندہ کرنے کا تصوّر ہی باطل ہے۔ دنیا کے اندر زندہ انسانوں کی جو نسی زندگی انبیاء سلامٌ علیہم اور اُن کی تعلیم کے ذریعہ دی جاتی ہے، وُہ صِرف ایمانی زندگی ہے، جو صرف اُن افراد کو مُیسّر آتی ہے، جو انبیاء کی لائی ہوئی تعلیم پر ایمان لاتے اور اُس پر عمل کرتے ہیں۔

## ایک مخصوص اندازِ تبلیغ

ابراہیم سلامٌ علیہ نے اگرچہ قوم پر مشاہدۃً ثابت کر دیا کہ نہ اُن کے خود تراشیدہ بُت معبُود ہو سکتے ہیں نہ چاند سُورج اور ستارے وغیرہ۔لیکن قوم چڑ گئی،خود حضرت کے والد نے کہا کہ ہم تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالیں گے ۱۹/۴۶ ۔جس زمانے میں حالات اِس حد تک پہنچ جائیں، کہ حقیقت' اسلاف پرستی کی نذر ہو جائے۔تو ایسے وقت پر اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ قوم کے وُہ افراد، جو اسلام کے باطل عقائد کی قید سے پرندوں کی طرح آزاد ہوں، اُنہیں اپنے ساتھ ہلا لیں۔ جو افراد آپ سے ہِل مِل جائیں گے، وہ پرندوں کی طرح ایسے مانوس ہو جائیں

گے کہ بُلائے جانے پر دُور دراز اور سنگلاخ مقامات سے بھی دَوڑ کر آپ کے پاس آ جائیں گے۔

● افراد کو ہلانے اور مانوس کرنے کا طریقہ ضروریاتِ زندگی کی فراوانی ہے، جیسے کہ پرندوں کو ہلانے کے لئے اُن کی خوراک اور باحفاظت رہائش کا انتظام کر دینا ہی کافی ہو جاتا ہے۔ جو شخص اُنہیں خوراک دیتا ہے۔ اُس کے ساتھ اَیسے مانوس ہو جاتے ہیں کہ اُس کے ہاتھوں پر آ بیٹھتے، اُس کے سر اور کندھوں کے ساتھ کھیلتے، بلکہ اُس کے جسم کے ایک ایک حصّے کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرتے ہیں۔ یہی حالت انسان کی ہے، جس شخص سے اُسے ضروریاتِ زندگی مُیسّر آئیں اُس سے ہِل مِل جاتا ہے۔ اُس کی ہر بات، خواہ وہ اُس کے آبائی عقیدہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، غور سے سُنتا ہے۔

● پس یاد رہے کہ وحیٔ الٰہی کے پیغام کو بغور و توجّہ سُننا ہی ہدائت پانے کا پہلا قدم ہے۔ جب کسی چیز پر غور کیا جائے تو اُس کی اچھائیاں اور بُرائیاں نمایاں طور پر سامنے آ جاتی ہیں۔ آئت زیرِ بحث میں حضرتِ ابراہیم کو اِس اندازِ تبلیغ کی تعلیم دی گئی ہے کہ قوم کے فائدوں کے سامان عام کر کے اُنہیں اپنے ساتھ ہِلا مِلا لیں۔ اِس طرح جب وہ اپنے اپنے فائدوں کی خاطر آپ کے قریب آ جائیں گے تو آپ کی ہر بات توجّہ سے سُنیں گے اور جب آپ کی تبلیغ پر غور کرنے لگیں گے تو راہِ ہدائت نمایاں ہو جائے گی۔

## حضرتِ یوسف سلامٌ علیہ کی تبلیغ قید خانے میں

حضرتِ یوسف سلامٌ علیہ کو خواب کی تعبیروں کا ملکا حاصل تھا۔ آپ کے جیل کے دو ساتھیوں کو جب اپنے اپنے خواب کی تعبیر پُوچھنے کی غرض لاحق ہوئی۔ تو دونوں آپ کے قریب آئے۔ حصولِ مطلب کے لئے آپ کی تعریف کی:- اِنَّا نَرٰکَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۱۲/۳۶ = بے شک ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے اِس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے، کہ اب چونکہ اُنہیں ذاتی غرض لاحق ہے۔ اِس لئے اب یہ میری بات کو ضُرور سُنیں گے۔ خواہ وہ اُن کے آبائی متوارث عقائد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری خوابوں کی تعبیر تو میں کھانا آنے سے پہلے بتا دوں گا۔ لیکن پہلے میری ایک بات سُن لو۔

یہ کہا اور بالفاظِ ذیل تبلیغ شروع کر دی کہ ذرا غور سے سُن لو:- ''میں نے اُن لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہُوا ہے، جو اللہ کو نہیں مانتے اور قیامت کے مُنکر ہیں۔ میں اپنے آباء ابراہیم، اسحاق اور یعقوب سلامٌ علیہم کے دین کی پیروی کرتا ہوں۔ ہمارے لئے یہ لائق نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرائیں ............ ۱۲/۳۸ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا ہر کسی کے الگ الگ رَب ہوں' یہ بہتر ہے یا سب کا ایک اللہ رب ہو یہ بہتر ہے ۱۲/۳۹۔ جن سے تم اللہ کے سوا مدد مُرادیں مانگتے

ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہوئے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ اللہ کے سوا کوئی صاحب حکم نہیں اُس نے حکم دے دیا ہُوا ہے، کہ اُس کے سوا کسی سے مدد مُرادیں نہ مانگا کرو۔ یہی دین قیّم ہے۔ لیکن اکثر لوگ اِسے نہیں جانتے ۱۲/۳۰''۔

● اِس مکمّل تبلیغ کے بعد آپ نے اُن کے خوابوں کی تعبیر بتائی۔ اب چونکہ اُن کی ذاتی غرض ومنفعت خوابوں کی تعبیر معلوم کرنا تھا۔ اُس کے حصول سے ماقبل اُنہوں نے اُس تبلیغ کو، جو اُن کے باپ دادا کے دین کے خلاف تھی بصد غور و توجہ سُنا۔ حضرتِ یوسف سلامٌ علیہ کی تبلیغ کامل طور پر اُس وقت کامیاب ہوئی جب آپ نے تقسیمِ رزق کا چودہ سالہ کنٹرول کیا۔ اور ہر نزدیک و دُور سے لوگ اپنی منفعت کے لئے آپ کی طرف کھچے چلے آنے لگے۔ نیز سُنتِ یوسفی تو آپ قید خانے کے دو ساتھیوں کی تعبیرِ خواب کے واقعہ میں دیکھ چکے ہیں کہ آپ نے اُنہیں تعبیریں بعد میں بتائیں اور تبلیغِ توحید کے فرائض پہلے انجام دیئے۔ اِسی طرح غلّہ کے دورِ کنٹرول میں بھی آپ ہر قریب آنے والے کو پہلے پیغامِ توحید پہنچا کر فرائضِ نبوت و رسالت ادا کرتے تھے۔ اور بعد میں غلہ دیا کرتے تھے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج کے دَور میں مبلّغینِ توحید ہونے چاہئیں محکمہ خوراک کے افسر، خوراک کے ڈپو ہولڈر، پولیس کے افسر، اور یونین کونسلوں کے چیئرمین جن کے ساتھ عوام کے مفادوابستہ ہیں۔ اور عوام اُن کی تبلیغ کو بغور سُن سکتے ہیں۔

● المختصر! آئتِ بالا زیرِ نظر میں حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ پر تمثیلی انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ عوام کو مختلف قسم کے مفادات کے ذریعہ اپنے ساتھ ہلا لیں۔ لوگ آپ کی بات غور سے سُنیں گے۔ اور سُننے والوں میں جن کے قلوب تعصّب کی بیماری سے پاک ہیں وُہ آپ کی دعوت قبول کر کے آپکے ساتھی بن جائیں گے۔ آپ اُنہیں جب بھی بُلائیں گے تو وہ اگر کسی پہاڑ یا سنگلاخ وادی میں بھی ہوں گے تو آپکے پاس دوڑتے ہوئے پہنچ جائیں گے۔ روائتی تفاسیر نے اِس تمثیلی انداز کو واقعہ کا رنگ دے کر چار پرندوں مُرغ، مور، کوّا اور کبوتر کا قِصّہ چسپاں کر رکھا ہے کہ آپ نے انہیں پکڑا، ذبح کیا، قیمہ بنایا پھر اُسے باہم مخلوط کر کے بہت سے غلولے تیار کئے اور الگ الگ سب پہاڑ پر رکھ کر آواز دی اور وہ زندہ ہو کر آپکے پاس پہنچ گئے۔

## غلطی کہاں لگتی ہے؟

اخیر پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آئتِ زیرِ نظر میں نہ پرندوں کو ذبح کرنے کے الفاظ ہیں نہ قیمہ بنانے کے۔ تو مذکورہ روائتی مفہوم کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ آئتِ مجیدہ میں **فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ** کے بعد ہے **فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ** = چار پرندے لے، پھر اُنہیں اپنے ساتھ مانوس کر لے۔ اِس کے بعد ہے **ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا**۔ لفظی ترجمہ یہ ہے:- پھر ٹھہرا اُن

چاروں میں سے ایک ایک پرندہ ہرایک پہاڑ پر۔ پھر اُنہیں آواز دے، تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے —— یاد رہے کہ یہاں جُزْءً ا اور کُلِّ جَبَلٍ کا مقامی مفہوم لینے میں روائتی تفاسیر کو غلطی لگی ہے۔

**جُزْءً ا** جُز کا معنٰی ہے حِصّہ۔ اگر کسی ایک سالم چیز کی جُز کا ذکر ہو، مثلاً خربوزہ وغیرہ۔ تو اُس کی قاشیں اُس کے جُز ہوتے ہیں۔ لیکن اگر خربوزوں کے کسی ڈھیر کی جُزوں کا ذکر ہو تو ثابت خربوزے اُس ڈھیر کے حصّے یعنی جُز ہوں گے۔ اسی طرح اگر کسی ایک پرندے کے جُز، یعنی حصّے بنانا مطلوب ہو تو اُسے ذبح ہی کر کے حصّے کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر پرندوں کی کسی جماعت کے جُز بنانا مطلوب ہو تو سالم پرندے اُس جماعت کے جُز یا حصّے ہوں گے۔ سورہ حجر میں اہلِ جہنم کے متعلق مذکور ہے کہ جہنم کے ہر دروازے کے لئے اہل جہنم میں سے ایک ایک جُز یعنی الگ الگ افراد کی ایک ایک جماعت ہو گی:-

لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ۔ دیکھئے! اہل جہنم کے قیمہ کئے ہوئے الگ الگ غلولے، الگ الگ دروازوں کے لئے مخصوص نہیں کئے جائیں گے۔ بلکہ نافرمانوں کی قسمیں ہوں گی جو ذبح اور قیمہ کر کے نہیں، بلکہ سالم افراد جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ اِسی طرح چار پرندوں کی جُزیں یا حصّے چار سالم پرندے ہو سکتے ہیں۔ قیمہ کوٹے ہوئے غلولے نہیں۔

**کُلِّ جَبَلٍ** کُل اکائی کو کہتے ہیں جس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔ روائتی تفاسیر میں عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ تمام پہاڑوں پر۔ اب پرندے چار اور پہاڑ بے شمار۔ اِس طرح اگر چار سالم پرندے ایک ایک کر کے تمام پہاڑوں پر رکھے جائیں تو پُورے نہیں آتے۔ اِس لئے چار پرندوں کو تمام پہاڑوں پر رکھنے کی خاطر روائتی تفاسیر کے لئے اِس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ پرندوں کا قیمہ بنائیں اور اُس کا ایک ایک غلولہ دنیا کے ہر ایک پہاڑ پر رکھیں —— اِس پر سوال پیدا ہوتا ہے کیا ایشیا، یورپ، امریکہ، افریقہ اور آسٹریلیا تمام برّ اعظموں کے ہر ایک پہاڑ پر غلولے رکھے گئے تھے۔ کیا کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر بھی کوئی غلولہ رکھا گیا تھا؟۔ یا کم از کم حجاز و شام کے تمام پہاڑوں ہی پر رکھ دیئے گئے ہوں؟ غور فرمائیں! کس قدر ناممکن العمل ہے یہ تصوّر، جو کُلِّ جَبَلٍ کے مفہوم سے لیا گیا ہے۔

پس دُنیا کے تمام پہاڑوں پر گوشت کے غلولے رکھنے کا تصوّر غلط ہے۔ آئتِ مجیدہ میں ذبح اور قیمہ کے نہ الفاظ موجود ہیں نہ اِن کے قرائن۔ تو اللہ جانے ایسے چیستانی تصوّرات قرآنِ کریم کی طرف کِس طرح منسوب کئے جا چکے ہیں۔ حالانکہ ایک چھٹی جماعت کا طالب علم بھی کُل بمعنی اکائی جانتا ہے، جب وہ پرندوں کے سوالات حل کرتے ہوئے پہلی ہی سطر پر لکھتا ہے:-

فرض کیا کل پرندے = اکائی

علمِ ریاضی کی شہادت کے مطابق یہ چیز عالمگیر مسلّمہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ کُل کو اکائی یا اکائی کو کُل کہا جاتا ہے۔ اِس طرح جب کُل = چار پرندے ہوں تو اس اکائی کی جُزیں چار سالم پرندے ہوں گے۔ قیمہ کوٹے ہوئے نہیں ہوں گے۔ نیز جب پرندوں کی اکائی یعنی کُل چار ہو تو کُلِّ جَبَلٍ کے الفاظ میں کُل پہاڑ بھی چار ہوں گے —— اور اِس طرح ایک ایک پہاڑ پر ایک ایک سالم پرندہ رکھنے کا تصوّر دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ آئتِ مجیدہ میں چار پرندوں ہی کو اپنے ساتھ ہلانے اور چار پہاڑوں ہی پر رکھ کر بُلانے کا حکم دیا گیا ہو۔ نبیوں کے فرائضِ منصبی انسانوں کی تبلیغ توحید ہوتی ہے۔ پرندوں کو ہِلا کر، پہاڑوں پر رکھ کر، اور اپنی آواز کے ساتھ حاضر کر کے دکھانا نہیں۔ المختصر آئتِ بالا میں طَیر سے مُراد اعتقاداتِ باطلہ کی قید سے آزاد افراد ہے۔ جن پر تبلیغ کا اثر ممکن ہوتا ہے۔ پھر انہیں اپنے ساتھ ہِلانا، یعنی انہیں ضروریاتِ زندگی مہیّا کر کے مبلّغ بنانا، اور الگ الگ سنگلاخ علاقوں میں جہاں دینِ حقّہ کی مخالفت میں لوگ پہاڑوں جیسے سخت ہوں، تبلیغ کے لئے بھیجنا ہے۔ نیز چار کے عدد کے انتخاب کی حکمتِ بالغہ یہ ہے کہ چار سُو فریضۂ تبلیغ لازم ہے۔ تو گویا واضح کیا گیا ہے کہ چاروں طرف مبلّغ بھیج کر فریضۂ تبلیغ ادا فرمائیں۔ جو لوگ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ کی ایمانی موت کی حد تک نہیں پہنچے، وہ ضُرور ضُرور ایمانی زندگی پالیں گے۔ اُنہیں ہم آپ کو ایمانی لحاظ سے زندہ کر کے دکھا دیں گے۔ چنانچہ حضرتِ ابراہیم سلامٌ علیہ نے اِسی طرح فریضۂ تبلیغ ادا فرمایا۔ اور ایمانی مُردوں کو ایمانی زندگی دلوائی۔ اللہ تعالیٰ صاحب حِکمت ہے، اُس کے ہر حکم میں حکمت موجود ہے۔

**عُود اِلی المقصود**

آیاتِ بالا میں مُنکرینِ ربُوبیّت کو قیامت کی باز پُرس سے متنبّہ کرنے کیلئے اُس طاغوت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو حضرتِ ابراہیم کے دلائلِ قاطعہ کے ذریعہ لاجواب ہو چکنے کے باوجود نظریۂ ربوبیّتِ عامہ پر ایمان نہ لایا۔ اِس کے بعد ۲/۲۶۱ میں مذکورہ مخصوص تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اِس کے بعد جب اسلامی معاشرہ میں مومنوں کی شمولیت ہو جائے تو یہ امر کسی وضاحت کا محتاج نہیں کہ مال خرچ کئے بغیر معاشرہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ نیز یاد رہے کہ سورہ بقر کی ابتدائی آیات میں آنحضور پر واضح کیا گیا ہے کہ آپ کو سلسلۂ تبلیغ کے دَوران تین قسم کے لوگ ملیں گے:۔

۱۔ مومن ۲۔ کافر ۳۔ منافق

اور لف نشر غیر مرتب کے مطابق آیات نمبر ۲/۱۷-۲۰ میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ آیات نمبر ۲/۱۷۱ و ۲۵۹ میں کافروں کی دو مثالیں لائی گئی ہیں۔ اِس کے بعد باری تھی مومنوں کی۔ سلسلۂ درس کی اگلی آیات نمبر ۲/۲۶۱ تا ۲۶۵ میں

مومنوں کی دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔جن کے متعلق پہلے نمبر پر ارشاد ہوا ہے:۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ
مثال اُن لوگوں کی کہ خرچ کرتے ہیں مال اپنے بیچ
سَبِیۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ
راہ اللہ کے جیسے مثال ایک دانہ کی کہ اُگاوے سات بالیں
سَنَابِلَ فِیۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ
بیچ ہر بال کے سَو دانے اور اللہ تعالیٰ
یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
دُونا کرتا ہے واسطے جس کے چاہے اور اللہ کشائش والا
عَلِیۡمٌ ۝ ۲۶۱
جاننے والا ہے۔

جولوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔اُن کے خرچ کرنے کی مثال ایک دانے کی سی ہے۔(جو زمین میں بویا جاتا ہے) وہ سات بالیں پیدا کرتا ہے۔ ہر ایک بال میں سَو سَو دانے ہوتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق اُس فرد یا قوم کے لئے اضافہ کرتا ہے، جو خود چاہتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وُسعت دینے والا خوب جاننے والا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ
وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے بیچ راہ
اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ
اللہ کے پھر نہیں لاتے پیچھے اس چیز کے کہ خرچ کرتے ہیں احسان اور
اَذًى ۙ لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا
ایذا واسطے اُن کے ہے ثواب اُن کا نزدیک پروردگار اُن کے کے اور نہیں
خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝ ۲۶۲
خوف اوپر اُن کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر جن پر مال خرچ کرتے ہیں، نہ اُن پر احسان دھرتے ہیں اور نہ اُنہیں طعنے دیتے ہیں۔ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے۔اور (اِس انفاقِ مال کے عوض) نہ اُنہیں مستقبل میں ضیاعِ اجر کا خوف لاحق ہوگا۔اور نہ ماضی میں کیئے ہوئے اعمال کے لئے غمگین ہوں گے۔

● سیاقِ کلام یہ ہے کہ پہلے تبلیغِ توحید و تبلیغِ ربوبیّتِ عامہ کے ذریعہ مومنوں کی جماعت عالمِ وجود میں آئے گی اور اُس کے بعد معاشرہ کی تشکیل شروع ہوگی۔اب معاشرہ کی تشکیل کے لئے لازمی طور پر مالداروں کو اپنے مال خرچ کرنے ہوں گے۔اِس لئے آیاتِ بالا میں مال خرچ کرنے والوں پر واضح کر دیا گیا ہے کہ یہاں تمہارے مال ضائع نہیں ہوں گے ایک ایک دانے کے سات سات سَو دانے بنیں گے۔جو لوگ اسلامی معاشرہ کی تکمیل سے پہلے ہی فوت ہو جائیں۔اور اُنہوں نے

تشکیلِ معاشرہ کے لئے مال خرچ کیا ہو، تو اُن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ رہے گا۔ جو اُنہیں دُوسری زندگی میں ضرور ملے گا۔ اور جو لوگ زندہ رہیں، اُنہیں قرآنی معاشرہ میں کسی بھی مقام پر نہ ضیاعِ اجر کا کوئی خوف ہوگا کہ گردشِ ایام کی زد میں نہ آ جائیں۔ اور نہ اللہ کی راہ میں دیئے ہوئے مال کا غم ہوگا کہ آج اگر وُہی مال اپنے لئے محفوظ کیا گیا ہوتا تو کام آتا۔ بالفاظِ دیگر قرآنی معاشرہ خواہ، جس مقام پر بھی ہو، اُس کے حاملین **لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** کے مصداق ہوتے ہیں۔ یعنی نہ اُنہیں آئندہ کے لئے کسی آنے والے خطرے کا خوف ہوتا ہے نہ ماضی میں خرچ کئے گئے مال کا غم۔ اُن پر معاشرہ کو جو کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اُس کے عوض اُن پر نہ احسان دھرا جاتا ہے۔ اور نہ اُنہیں غیر قرآنی معاشرہ کی طرح ہر آن طعنوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اگر انفرادی طور پر اُن کی مدد ہُوئی ہو تو خدمت کرنے والے مومن، اِسے اُن کا حق جانتے ہیں۔ اور اگر اجتماعی نظام قائم ہو چکا ہے تو پھر اُن کی ضروریاتِ زندگی مرکزی نظام کے ذِمّہ آتی ہیں کہ، اُن کے لئے بدستور کام وطعام مہیّا کرتا رہے۔ اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں انفرادی صدقہ دینے والوں کو صدقہ کی ادائیگی کے بعد احسان دھرنے اور طعنہ دینے کے متعلق واضح کیا گیا ہے کہ اس سے مخاطب کی خودداری مجروح ہوتی ہے۔ حالانکہ مخاطب کی خودی کو مجروح کرنے سے بہتر تو یہ ہے کہ صدقہ نہ دیا جائے، بلکہ کوئی مفید مشورہ دینا ہی اُس سے کہیں بہتر ہے:-

**قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ**

بات اچھی اور بخش دینا بہتر ہے اُس

**صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ**

خیرات سے کہ پیچھے اس کے ہو ایذا اور اللہ بے پرواہ ہے

**حَلِيْمٌ ۝ ۲۶۳**

تحمل والا۔

ایسے صدقے سے، جس کے پیچھے طعنہ لگا ہُوا ہو، اُس سے بہتر ہے کہ (صدقہ دینے کی بجائے) کوئی معروف بات کہہ دی جائے۔ اور (مخاطب کے لئے نقصانات سے) بچاؤ کے سامان کر دیئے جائیں۔ بلاشُبہ اللہ تعالیٰ بے محتاج اور درگُزر کرنے والا ہے۔

● یعنی اِس آئت میں بتایا گیا ہے کہ صدقہ دینے والے بےمحتاج نہیں۔ بےمحتاج اللہ تعالیٰ ہے۔ اُن کے پاس جو مال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے اُن کا نہیں۔ نیز ناہموار معاشرہ میں وہ خود بھی تو آنے والے خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اور اُن کا صدقہ کے بعد طعنہ زنی کا فعل، اللہ تعالیٰ کے ہاں اِس قدر ناپسندیدہ ہے کہ اگر وہ درگزر کرنے والا نہ ہو تو فوراً پکڑ لے۔

## اپنے صدقات کو ضائع نہ کر دیا کرو

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جب تک صدقات کا اجتماعی نظام ۹/۱۰۳ قائم نہ ہو۔ اُس وقت تک جو تم انفرادی صدقات ادا کرتے ہو۔ اُنہیں

باطل نہ کر دینا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا
اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت باطل کرو
صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِىْ يُنْفِقُ
خیرات اپنی کو ساتھ احسان اور ایذا کے مانند اس شخص کے کہ خرچ کرتا ہے
مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
مال اپنے کو واسطے دکھلانے لوگوں کے اور نہیں ایمان لاتا ساتھ اللہ کے اور دن
الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ
پچھلے کے پس مثال ہے اُس کی جیسے مثال صاف پتھر کی اوپر اُس کے ہو
تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا
مٹی پس پہنچے اُس کو مینہ پس چھوڑ دے اُس کو صاف نہیں
يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ
قدرت پائے اوپر کسی چیز کے اُس چیز سے جو کمایا انہوں نے اور اللہ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۲۶۴
نہیں راہ دکھاتا قوم کافروں کو ۔

ایمان والو! اپنے دیئے ہوئے صدقوں کو مخاطب پر احسان دھر کر اور اُسے طعنہ زنی کی ایذا دے کر اُس شخص کی طرح ضائع نہ کر دیا کرو۔ جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کیلئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت پر یقین نہیں رکھتا۔ پس اُسکی مثال ایک پتھر جیسی ہے کہ اُس پر کچھ مٹی ہو۔ (وہ اُس مٹی میں کوئی بیج بوئے) پھر اُس پر بارش برسے (وہ مٹی مع بیج بہہ جائے) پھر وہ اُسے چٹیل پتھر چھوڑ جائے۔ اُس مٹی پر اُنہوں نے جو محنت کی اُس میں سے وہ کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ضابطہ خُداوندی کا انکار کرنے والوں کو ہدائت یافتہ نہیں ٹھہراتا۔

● آئتِ بالا میں دکھلاوے کے لئے مال خرچ کرنے والوں، اور خرچ کر کے احسان جتانے والوں اور طعنہ دینے والوں کے متعلق وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا جو $\frac{۲}{۲۶۱}$ کے مطابق ایسا عظیم الشان عمل ہے کہ ایک ایک دانے کے سات سات سَو دانے بنتے ہیں۔ لیکن ریا و ایذا کی بدولت یہ پُورے اعمال اُس طرح ضائع ہو جاتے ہیں، جیسے کہ پتھر پر کچھ مٹی ہو، اُس میں بیج بو دیا جائے۔ لیکن بارش جو رحمتِ باری بن کر کھیتوں کو سرسبز و شاداب کرتی ہے، جب اِس پر برسے تو پوری مٹی کو معہ بیج بہالے جائے اور پیچھے پتھر کا پتھر باقی رہ جائے۔

## صدقات کی غرض مخاطبوں کو اُنکے قدموں پر کھڑا کرنا ہے

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں مومنوں کی صفاتِ مخصوصہ کے طور پر ادائے صدقات کی اصل غرض بیان ہوئی ہے:۔

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ
اور مثال اُن لوگوں کی کہ خرچ کرتے ہیں مال اپنے واسطے چاہنے
مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ
رضامندی خدا کے اور ثابت کرنے کے جانوں اپنی سے جیسے مثال
جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا
ایک باغ کی کہ بلندی پر ہو پہنچا اس کو مینہ پس لایا میوہ اپنا
ضِعْفَیْنِ ج فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ط
دو گنا پس اگر نہ پہنچے اس کو مینہ پس شبنم کفائت ہے
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ ۲۶۵
اور اللہ ساتھ اس چیز کو کہ کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے۔

اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اُس کی رضا کے لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اپنے (معاشرہ کے) افراد کو اُن کے قدموں پر کھڑا کرتے ہیں۔ اُن (کے انفاقِ مال) کی مثال ایسے باغ کی ہے، جو اُونچے زرخیز ٹیلے پر واقعہ ہو۔ اُس باغ پر مینہ برسے تو وہ عام حالات سے دُگنا پھل دیتا ہے۔ اور اگر مینہ نہ برسے تو اُس کے لئے شبنم (کی نمی) ہی کافی ہوتی ہے۔ اور تم (تعمیرِ معاشرہ کے لئے) جو بھی عمل کرتے ہو اُسے اللہ دیکھنے والا ہے۔

● آیتِ بالا میں صحیح قرآنی معاشرہ کی تصویر کھینچی گئی، اور اپنی رضا بتا دی گئی ہے۔ کہ اُس کی راہ میں خرچ کئے گئے مال سے ایسی جنّت بنائی جانی چاہیئے جو تَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کی مثال ہو۔ یعنی اُس میں کوئی فرد بھی ایسا نہ ہو، جو اپنے قدموں پر قائم نہ ہو۔ یعنی کوئی کسی کا دست نگر نہ ہو، اور انفاق مال فی سبیل اللہ، یعنی ادائے صدقات سے جو کام انجام دے رہا ہو۔ وہ یہی ہو کہ محروم و مجبور افراد کو اُن کے قدموں پر کھڑا کیا جا رہا ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے کرتے جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ بنالو، جس میں اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ $\frac{20}{118-119}$ کے خداوندی حکم کے مطابق نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا، نہ بے علاج ہو نہ بے مکان۔ چنانچہ اگلی آئتِ مجیدہ میں ناہموار معاشرہ کے لازمی خطرات کے پیشِ نظر بتایا گیا ہے کہ:-

اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ
کیا چاہتا ہے کوئی تم میں سے یہ کہ ہو واسطے اُس کے باغ
مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ
کھجوروں سے اور انگوروں سے چلتی ہیں
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لا لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ
نیچے اُس کے سے نہریں۔ واسطے اُس کے ہے بیچ اُس کے سب

کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرتا ہے کہ اُس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو (کہ آبپاشی کے لئے) اُس کے اندر نہریں بہتی ہوں۔ اُس کے لئے اُس میں ہر قسم کے میوہ جات موجود ہوں۔ لیکن اُسے بڑھاپا آ جائے، اور اُس کی اولاد (کم عمر) کمزور ہو۔ پھر اُس باغ کو ایسی لُو پہنچ جائے جس میں آگ ہو۔ پھر وہ اُسے جلا (کر راکھ کر) دے۔

الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ
میووں سے اور پہنچے اس کو بڑھاپا اور واسطے اُس کے اولاد ہے
ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ
ناتوان پس پہنچا اس کو بگولا بیچ اُس کے آگ تھی
فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
پس جل گیا اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۠ ؏ ۲۶۶ ۳۶ ع ۴
نشانیاں تو کہ تم فکر کرو۔

اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر سے کام لیا کرو۔ (اور جب یقیناً یقیناً تم میں سے کوئی بھی ایسی حالت کو پسند نہیں کرتا۔ تو پھر جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ کا نظامِ ربوبیّت کیوں قائم نہیں کرتے؟)

## جنّتی اور جہنّمی معاشرہ کا تقابل

آئتِ بالا میں واضح کیا گیا ہے کہ اجتماعی نظام جس میں فرد فرد کی ضروریاتِ زندگی مرکز کی ذمہ داری میں داخل ہوں۔ وہ ایسے باغ کی مانند ہوتا ہے) جو ایک زرخیز ٹیلے پر واقعہ ہو، یعنی سطح کی بلندی کی بدولت سَیلابوں اور طوفانوں سے بھی محفوظ ہو، اور لُو کے جُھلس دینے والے جھونکوں سے بھی۔ اگر مینہ برسے تو پھل دوگنا ہو جائے۔ اور اگر نہ برسے تو رات کی شبنم بھی اُس کی سَیرابی کیلئے کافی ہو۔ یعنی یہ اُس نظام کی مثال پیش کی گئی ہے، جس میں ہر شخص کی ضروریاتِ زندگی اُسکے پیدائشی حق کے طور پر مسلّمہ ہوں۔ اور ضروریاتِ زندگی کی کمی کا اُسے کبھی خطرہ ہی نہ ہو۔ اور اِسکے برعکس انفرادی نظام کی مثال یہ دی گئی ہے کہ گزر اوقات کے لئے ایک باغ ہے۔ خود بوڑھا ہو گیا ہے، بچے کم عمر اور کمزور ہیں۔ لُو کے جھونکے نے باغ جُھلس کر رکھ دیا ہے۔ تو اب اُس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوگا۔ لیکن جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ یعنی اجتماعی نظام میں تو نہ کسی بوڑھے کو خطرہ ہے کہ وہ گلیوں اور بازاروں میں تباہ حال ٹھوکریں کھایا کرے گا اور نہ کمزور بچّوں کو خوف ہے کہ پانچ سال کی عمر میں پنکھا کھینچنے کی مشقّت کے بغیر رُوکھی روٹی بھی مُیسّر نہیں آئے گی۔ پس بتایا گیا ہے کہ کون ہے جو ان یقینی حالات میں اجتماعی نظام سے مُنہ موڑ کر اپنے بڑھاپے، اور اپنی کم عمر اولاد کو دَر دَر کی ٹھوکروں کے حوالے کرنا پسند کرے۔ اب غور کر کے دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ تمہارے بڑھاپے اور تمہارے کمزور وضعیف نابالغ بچوں کی ضروریات کے یقینی انتظام کیلئے ہموار و متوازن آئین نازل کر دیا ہے۔

## ناہموار معاشرہ سے متعلق احکام

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ اگر تم ہموار اور صحت مند اجتماعی نظام تک ابھی نہیں پُہنچے، یا ناہموار نظام پر مطمئن ہو چکے ہو تو، غلط معاشرہ کی غلط بخششوں نے جن افراد کو اُن کے پیدائشی حقوقِ ربوبیّت سے محروم کر رکھا ہے۔ خصوصاً بوڑھے اور بچے اگر محرومِ ضروریات

پائے جاتے ہیں، تو ہوسکتا ہے کہ کل کو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو کہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تمہارے بچے کمزور وضعیف ہوں اور تمہارا ذریعہ معاش ختم ہو جائے۔ اِس لئے آج ایسے بے بسوں اور بیکسوں کے لئے اُس مال میں سے خرچ کرو، جو تم کماتے اور ہم اُسے پیدا کرتے ہیں:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو

طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ
پاکیزہ سے جو کچھ کمایا تم نے اور اس چیز سے کہ نکالا ہے ہم نے واسطے تمہارے

مِّنَ الْاَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ
زمین سے اور مت قصد کرو خبیث کا

مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ
اُس میں سے کہ خرچ کرو اُس کو اور نہیں تم لینے والے اس کے مگر یہ کہ

تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ
آنکھ موند لو بیچ اُس کے اور جانو یہ کہ اللہ بے پرواہ ہے

حَمِيْدٌ ۝ ۲٦۷
تعریف کیا گیا۔

ایمان والو! جو کچھ تم کسبِ حلال سے کماتے ہو۔ اور (تیل، گیس، معدنیات اور اناج) ہر چیز جسے ہم تم سب کیلئے زمین سے نکالتے ہیں، اُن میں سے اچھی اور کارآمد چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو۔ اور اُن میں سے جو تم راہِ خدا میں دیتے ہو ردّی (اور بیکار) چیزیں دینے کا ارادہ نہ کرو۔ کیونکہ اگر وہی چیزیں تمہیں دی جائیں تو تم اُنہیں لینے والے نہیں ہو، سوائے اسکے کہ تم اُن کے لینے میں غفلت کر جاؤ اور جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ بے محتاج اور صاحبِ حمد ہے۔ (تم جو بھی خرچ کرو گے، تمہارے اپنے ہی فائدے کیلئے ہوگا)۔

● آئتِ بالا میں ناہموار معاشرہ کی تصویر کھینچی گئی ہے کہ باسی روٹی، پھٹا پُرانا کپڑا، اور اُتار پھینکے ہوئے جُوتے راہِ خدا میں دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ انفرادی نظام کے ناہموار معاشرے میں کچھ بعید نہیں کہ یہی حالت تمہاری ہو جائے، اور یہی ردّی چیزیں تمہیں دی جارہی ہوں۔ یہ تو ہوئی مَا كَسَبْتُمْ کی حالت۔ اور مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ حُکّام کے گھر مٹی کے تیل کے کنستر پہنچتے رہتے ہیں، اور عوام بچاروں کو ایک بوتل کے لئے گھنٹوں قطار میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ سرمایہ داروں کے ہاں سُوئی گیس پُرانی بھی ہو چکتی ہے۔ مگر عوام اُس کے فوائد سے کیا، نام تک سے بے خبر پائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے زمینداروں کے ٹیوب ویل چل رہے ہوتے ہیں، مگر چھوٹے بچارے رہٹ اور بیلوں ہی کے چکّر میں پھنسے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ انفرادی اور سرمایہ داری نظام ہی کی بدولت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اِن جُملہ خرابیوں اور ناہمواریوں کا آخری حل ۹/۱۱۱ میں پیش کر دیا ہے کہ مَا كَسَبْتُمْ اور مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ، ہر

چیز قومی ملکیّت قرار دی جائے۔ اور بلا تمیز ہموار تقسیم کے ساتھ معاشرہ کو ہمیشہ جنّت بدوش رکھا جائے۔

## نفس کی شرارت

اگلی آئت میں ارشاد ہُوا ہے کہ انسان کو اُس کا نفسِ امّارہ (شیطان) اُسے بھُوک ننگ کا وعدہ دیتا ہے:-

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ
شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو فقر کا اور حکم کرتا ہے تم کو
بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ
ساتھ بے حیائی کے اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو بخشش کا اپنی طرف سے
وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۲۶۸
اور فضل کا اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔

(یاد رکھو کہ) شیطان تمہیں (اجتماعی نظام سے روک کر انفرادیت کے ذریعہ) محتاجی کا وعدہ دیتا ہے (اور تمہیں بخیلی[1] (ذاتی مفاد طلبی انفرادیت) کا حکم کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہیں (اجتماعی نظام کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے محتاجی و محرومی سے) محفوظ[2] کرنے کا، اور اپنے فضل (یعنی جنتی معاشرہ) کا وعدہ دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وُسعت دینے والا، خُوب جاننے والا ہے۔

● آئتِ بالا کے آخری الفاظ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ میں واضح کیا گیا ہے کہ بلا تمیز ہر ایک کے لئے دائمی وسعت اُس اجتماعی نظام ہی میں مرکوز ہے، جو خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بڑھ کر جاننے والا ہے کہ انفرادی اور سرمایہ داری نظام میں امن و توازن قائم نہیں رہ سکتا۔ حُکّام اپنی جگہ آئین کا مذاق اُڑاتے رہتے ہیں اور عوام اپنی جگہ قانون کی دھجیاں بکھیرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ دونوں کی غرض الگ الگ ذاتی مفاد ہی ہوتی ہے۔

[1] الفَحْشَآء کا معنیٰ لکھا گیا ہے بخیلی ذاتی مفاد طلبی۔ اِس کا سہ حرفی مادہ ف۔ ح۔ ش = فحش ہے۔ جس کا بنیادی معنیٰ بُرائی، بخیلی اور کمینگی ہے۔ یہ لفظ ہر ایک بُرائی کے لئے استعمال ہوتا ہے، بُری باتوں کو فُحش کلامی کہا جاتا ہے۔ ہر بُرے کام کو الفَحْشَآء کہتے ہیں۔ خصوصاً کنجوسی اور بخیلی بھی فحش کہلاتی ہے۔ بخیل کو فاحش کہا جاتا ہے۔ یہاں بُری چیزیں راہِ اللہ میں دینے کو الفَحْشَآء کہا گیا ہے۔ جو نفس کی انتہائی بُرائی اور کمینگی کی دلیل ہے۔ نفس انسانی ہمیشہ اجتماعی نظام کے خلاف ذاتی مفاد طلبی کا حکم کرتا ہے۔ جو حقیقت کی رُو سے انتہائی برائی ہے۔

[2] مغفرت کا معنیٰ لکھا گیا ہے فقر و محتاجی سے محفوظ کرنا۔ اس کا سہ حرفی مادہ غ۔ ف۔ ر = غفر ہے۔ اِس کا بُنیادی معنیٰ ہے بچانا، حفاظت کرنا، مِغفر کہتے ہیں لوہے کی اُس ٹوپی کو جو لڑائی کے وقت سر کو بچانے اور محفوظ کرنے کے لئے پہن لیتے ہیں۔ یہاں چونکہ فقر کے مقابلے پر مغفرت اور فضل لایا گیا ہے۔ اِس لئے یہاں مغفرت کا معنیٰ ہے فقر و فاقہ سے بچانا، بھُوک ننگ اور محتاجی سے محفوظ کرنا۔

● اِس سے اگلی آیت میں ارشاد ہُوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا حکمت بھرا ضابطہ ۳۶/۲ عطا فرمایا ہے، جس سے معاشرہ میں سے فقر و فاقہ ختم ہو جاتا اور ہر طرف خیرِ کثیر مُیسّر آتی ہے:-

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ
دیتا ہے حکمت جس کو چاہے اور جو کوئی
يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ
دیا گیا حکمت پس تحقیق دیا گیا بھلائی بہت
وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ ۲۶۹
اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر صاحبِ عقل کے ۔

اللہ تعالیٰ اپنے حکمت بھرے ضابطہ ۳۶/۲ کے ذریعہ اُس قوم کو حکمت عطا کرتا ہے جو حکمت کی خود طلبگار ہو اور جس قوم کو حکمت دی جائے۔ بلاشُبہ اُسے خیرِ کثیر دے دی گئی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حکمت والے ضابطہ سے اربابِ عقل و بصیرت ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

● دیکھئے گا! آئت بالا میں اجتماعی نظام کو خیرِ کثیر اور اِس کے طلبگاروں کو عقلمند کہا گیا ہے۔ اور اس کے برعکس انفرادی مفاد طلبی کو اِس لئے بے عقلی اور بے وقوفی قرار دیا گیا ہے کہ انفرادی نظام میں اگر آج زید زبوں حالی کا شکار ہے، تو کل کو بکر پر ایسے ہی حالات آ جاتے ہیں۔ خیرِ کثیر اُس قوم کو مُیسّر آتی ہے جس میں اجتماعی نظام قائم ہوتا اور ہر فرد و بشر زبوں حالی اور فقر و فاقہ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتا ہے۔

## بگڑے ہوئے معاشرے کو بتدریج سُدھارتے چلے جاؤ

آیاتِ بالا میں عوام کے علاوہ بُوڑھوں اور بچّوں کی زبوں حالی کے خصوصی تذکرہ، اور اس کے انسداد کی خاطر اجتماعی نظام کے قیام کے لئے انفاقِ مال، یعنی مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اور اگلی آئتِ مجیدہ میں بگڑے ہوئے معاشرے کو انفاقِ مال کے ساتھ بتدریج سُدھارتے چلے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس میں نذروں کا ذکر باندازِ خصوص وارد ہُوا ہے:-

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ
اور جو خرچ کرو تم کچھ خرچ کرنا یا مَنّت مانو تم کچھ
نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مَنّت سے پس تحقیق اللہ جانتا ہے اُس کو اور نہیں واسطے ظالموں کے
مِنْ اَنْصَارٍ ○ ۲۷۰
کوئی مدد دینے والا۔

اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔ خصوصاً نذروں کے مال میں سے جو بھی نذر تم پیش کرو گے (یعنی جو مال آنے والے خطرات[۱] کی روک تھام کے لئے اپنے اُوپر خود لازم کر کے ادا کرو گے) اُنہیں اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے گا (یعنی وہ رفاہی امور پر خرچ[۲] ہو کر عملاً نمایاں ہو جائیں گے) حقیقت یہ ہے کہ مال کو بے ٹھکانہ خرچ کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں۔

۱؎ **نذر** کا معنٰی لکھا گیا ہے، آنے والے خطرات کی روک تھام کے لئے اپنے اُوپر خود لازم کر کے مال پیش کرنا۔ اِس کا سہ حرفی مادہ ن۔ ذ۔ ر= نذر ہے۔ جس کا بنیادی معنٰی ہے حفظ ماتقدّم کے طور پر آنے والے خطرات سے ڈرنا، خوف کھانا۔ انذار کا معنٰی ہے آنے والے خطرات سے ڈرانا، آگاہ کرنا۔ اِس طرح نذر اُس مال کو کہتے ہیں جسے حفظ ماتقدّم کے طور پر کسی خطرے کی روک تھام کے لئے اپنے اُوپر خود واجب قرار دیا جائے۔ مثلاً محلّے میں کوئی گڑھا ہے جس میں بارش کا پانی بھر جانے سے بچّوں کے گرنے کا خطرہ لاحق ہے۔ اِس پر کوئی شخص اِس خطرے کی روک تھام کے لئے اُس گڑھے کو بھرنے کا خرچ اپنے ذِمّہ لے کر ادا کر دیتا ہے۔ اِسے نذر کہتے ہیں۔ یا اگر محلّے میں بچوں کا سکول یا ہسپتال موجود نہیں ہے۔ اِس کے لئے زیادہ مال کی ضرورت ہے۔ یہ ایک شخص کی طاقت سے باہر ہے لیکن کوئی شخص اِس کے لئے کچھ رقم اپنے اُوپر واجب کر کے رقم معہ تجویز پیش کرتا ہے، اِسے نذر کہتے ہیں۔ اِس پر باقی افراد بھی کچھ رقمیں خود بخود اپنے اوپر لازم قرار دے لیتے ہیں، اور بقایا خرچ بیت المال سے ادا کر کے سکول اور ڈسپنسری قائم کر دی جاتی ہے۔ یہ عوام کا اپنے اُوپر خود واجب کردہ مال نذر کہلاتا ہے۔ جس کے متعلق ارشاد ہُوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ظاہر کر دے گا۔ یعنی جب سکول یا ڈسپنسری عالمِ وجود میں آ جائے گی، تو عوام کے نذرانے بشکلِ مشہود ظاہر ہو کر سامنے آ جائیں گے۔

● افسوس ہے کہ نذر کا معنٰی اللہ تعالیٰ کو پیش کی گئی رشوت قرار دیا جا چکا ہے۔ چور پکڑا جائے تو نذر مانتا ہے، یعنی اپنے اُوپر لازم کرتا ہے کہ اگر سزا سے بچ گیا تو اللہ کے نام کی دیگ چڑھاؤں گا۔ قاتل نذر مانتا ہے کہ بری ہو گیا تو ہزار روپیہ مسجد کو دوں گا۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نہ رشوت لے کر چوری کی سزا معاف کرتا ہے نہ قاتلوں سے اپنا قانون واپس لیتا ہے۔ بلکہ اُس کا فیصلہ یہ ہے چور کو چوری کی سزا دی جائے اور قاتل کو قتل کر دیا جائے۔ اللہ سے اُس کا قانون بدلوانے کے لئے رشوت دینا نذر نہیں۔ اِس سے اور آگے بڑھیں تو اللہ تعالیٰ کو جو رشوت پِیروں اور قبروں کے ذریعہ دی جائے اُسے نذرانے کہا جاتا ہے۔ یعنی عورتیں نذر مانتی ہیں کہ میرا بیٹا پاس ہو گیا تو فلاں مزار پر پراٹھے چڑھاؤں گی۔ مروّجہ نذریں اور نذروں کا مفہوم نہ قرآنِ حکیم کی رُو سے صحیح ہے نہ عربی زبان کی رُو سے۔

۲؎ **ظالمین**۔ ظلم کا مطلق معنٰی ہے بے ٹھکانہ کام کرنا۔ اور ظالم کہا جاتا ہے بے ٹھکانہ کام کرنے والے کو۔ آئتِ بالا میں چونکہ انفاقِ مال اور نذرانوں کا ذکر آیا ہے۔ جس میں آنے والے خطرات سے خوف کھانے اور بچنے کے لئے مال خرچ کرنا خود اپنے آپ پر لازم کیا جاتا ہے۔ اِس لئے اِس کے برخلاف جو لوگ فضول رسموں پر مال خرچ کر کے اپنے آپ کو خود تباہ کر لیتے ہیں۔ آئتِ بالا میں اُنہیں ظالم قرار دے کر ارشاد ہُوا ہے کہ جو لوگ فضولیات سے بچ کر اپنی مدد آپ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔

## صدقہ کے مال کیساتھ حاجتمندوں کو اُنکے پیروں پرکھڑا کیا جائے

چونکہ صدیوں کا ناہموار معاشرہ، نہ آناًفاناً دُرست ہوجاتا ہے اور نہ آنے والے جملہ خطرات، جن میں معاشرہ کے بعض افراد کا حادثۃً بدحالی کا شکار ہوجانا بھی شامل ہے، کی روک تھام راتوں رات ہوسکتی ہے۔ اِس لئے، جب تک آنے والے خطرات کا مکمل انتظام نہیں ہوجاتا۔ اُس وقت تک کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ ضرورتمندوں کی فوری مدد صدقات کے مال کے ساتھ کی جایا کرے۔ جو ظاہر اور چُھپا کر، دونوں طریقوں سے ادا کئے جاسکتے ہیں:-

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَ
اگر ظاہر کرو تم خیرات کو پس اچھا ہے وہ اور
اِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَ تُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیۡرٌ
اگر چھپاؤ تم اُس کو اور دو اُس کو فقیروں کو پس وہ بہتر ہے
لَّكُمۡ ؕ وَ یُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَیِّاٰتِكُمۡ ؕ
واسطے تمہارے اور دُور کرے گا تم سے بُرائیاں تمہاری
وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ۝ ۲۷۱
اور اللہ ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہو تم خبردار ہے۔

اگر تم (ضرورتمندوں کو) صدقات ظاہرا طور پر دو تو یہ بھی بہتر ہے۔ (تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو) اور اگر تم چُھپا کر، اور براہِ راست خود محتاجوں کو دے دو تو یہ بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ (تاکہ چُھپا کر دینے سے حاجتمندوں کی خودی مجروح نہ ہونے پائے) اِس طرح اللہ تم سے تمہاری بدحالیاں دُور کردے گا حقیقت یہ ہے کہ تم جو بھی عمل بجالاتے ہو اللہ اُن سے پُورا پُورا باخبر ہے۔

● دیکھئے! اِس آئت میں صدقات کو معاشرہ کی بدحالیاں دُور کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہُوا کہ صدقات بھیک کے طور نہیں، بلکہ محتاجوں کی احتیاج دُور کرنے، یعنی اُنہیں پیروں پر کھڑا کرنے کے لئے ادا کئے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ معاشرہ میں جس قدر بُھوک ننگ ختم ہوجائے گی، اُسی قدر جرائم ختم ہوتے چلے جائیں گے اور معاشرہ بدحالیوں سے پاک ہوتا چلا جائے گا۔

● اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں آنحضور کی اِس مخفی تمنا کی خبر دی گئی ہے، کہ آپ چاہتے تھے، کہ سب کے سب لوگ ہدائت پالیں۔ لیکن آپ کو مخاطب کرکے ارشاد ہُوا ہے:-

لَیۡسَ عَلَیۡكَ هُدٰىهُمۡ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ
نہیں اوپر تیرے ہدائت کرنا اُن کا و لیکن اللہ تعالیٰ
یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ
ہدائت کرتا ہے جس کو چاہے اور جو کچھ خرچ کرو تم مال سے

اے رسول! ان لوگوں کی ہدائت آپ کے ذِمّہ نہیں۔ (آپ کے ذِمّہ صرف پیغام پہنچانا ہے ۵/۹۹) اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدائت اُسے دیتا ہے جو خود ہدائت لینا چاہتا ہے۔ اور (ایمان والو! حاجتمندوں کو پیروں پر کھڑا کرنے کیلئے)

فَلَا نُفُسِکُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ

پس نفع ہے واسطے جان تمہاری کے اور نہ خرچ کرو گے تم مگر واسطے چاہنے رضامندی

اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یُّوَفَّ اِلَیۡکُمۡ

اللہ کے اور جو کچھ خرچ کرو تم بھلائی سے پورا پہنچایا جاویگا طرف تمہارے

وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ۝ ۲۷۲

اور تم نہیں ظلم کئے جاؤ گے۔

تم جو مال خرچ کرو گے، وہ تمہارے اپنے ہی (عوام کے) لئے ہے۔ اور نہ خرچ کیا کرو تم کچھ بھی۔ مگر اللہ کی رضاجوئی کے لئے خرچ کیا کرو[1]۔ اور تم جو مال (نظامِ معاشرہ کو بطور قرضہ) ادا کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا واپس کر دیا جائے گا۔ اور تم ظلم نہیں کئے جاؤ گے۔

● [1] وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ میں تُنۡفِقُوۡنَ خبر بمعنی انشاء ہے۔ یعنی حکم دیا گیا ہے کہ اپنی بڑائی اور نمود و نمائش کے لئے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کیا کرو۔

● آئتِ بالا میں حاجتمندوں کو پیروں پر کھڑا کرنے کے لئے ایک اجتماعی نظام کی خبر دی گئی ہے، جو اِس مخصوص مہم کی انجام دہی کے لئے مالداروں سے قرضے لیتا اور اُنہیں پورے پورے واپس کرتا ہے۔ یعنی کسی بھی مال پر سُود کا تصوّر غلط قرار دیا گیا ہے، خواہ وہ مال حکومت سے عوام نے حاصل کیا ہو، خواہ عوام سے حکومت نے لیا ہو۔ اُس کی واپسی پوری کی پوری ہوگی، نہ کم نہ زیادہ۔

## حاجتمندی کا نشان گداگری نہیں

اِس سے اگلی آئتِ مجیدہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ صدقات کے مال اُن لوگوں پر خرچ کئے جائیں گے، جو دین اللہ کے کاموں میں رُکے ہوئے ہیں، وہ اِن مصروفیات کی بدولت کاروبار نہیں کر سکتے۔ اُن کی حالت اُن کے چہروں سے عیاں ہے، کہ یہ حاجتمند ہیں۔ اگرچہ وہ دستِ سوال دراز نہ کرتے ہوں:-

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ

خیرات واسطے اُن فقیروں کے ہے جو بند کئے گئے ہیں بیچ راہ

اللّٰهِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ ۫

اللہ تعالیٰ کے نہیں سکتے چلنا بیچ زمین کے

یَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ

جانتا ہے اُن کو جاہل دولتمند بے سوالی سے

صدقوں کے مال اُن محتاجوں کے لئے بھی ہیں، جو اللہ کی راہ میں پابند ہو جائیں —— وہ روزی کمانے کے لئے زمین میں چل نہ سکتے ہوں۔ اُن کے سوال نہ کرنے کی بدولت بے خبر آدمی اُنہیں آسودہ حال گمان کرتا ہو۔ اے رسول سلامٌ علیہ! آپ اُنہیں اُن کے چہروں سے پہچان لیں گے۔ (اگرچہ) وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں

تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ‌ۚ لَا يَسۡـــَٔلُوۡنَ النَّاسَ
پہچانتا ہے تُو اُن کو ساتھ چہرے اُن کے کے نہیں مانگتے لوگوں سے
اِلۡحَافًا‌ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
لپٹ کر اور جو کچھ خرچ کرو تم مال سے پس تحقیق اللہ
بِهٖ عَلِيۡمٌ ۝ ۲۷۳ ع ۳۷ ۵
ساتھ اُس کے جاننے والا ہے۔

کرتے۔اور (ایمان والو!) تم جو بھی مال خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُسے اچھی طرح جاننے والا ہے۔

اِس سے اگلی آئت میں ارشاد ہوا ہے:۔

اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ
جو لوگ کہ خرچ کرتے ہیں مال اپنے رات کو
وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ
اور دِن کو چھپے اور ظاہر پس واسطے اُن کے ہے ثواب اُن کا
عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ
نزدیک پروردگار اُن کے کے اور نہیں ڈر اُوپر اُن کے اور نہ وہ
يَحۡزَنُوۡنَ ۝ ۲۷۴
غمگین ہوں گے۔

اور جو لوگ اپنے مال (اصلاحِ معاشرہ کیلئے) شبانہ روز خرچ کرتے ہیں۔(محتاجوں کی خودی کو مجروح نہ کرنے کیلئے اُنہیں براہِ راست تو) چھپا کر دیتے ہیں۔اور (دوسروں کی ترغیب کیلئے) مرکزی نظام کو اعلانیہ ادا کرتے ہیں۔اُن کیلئے اُن کا اجر، اُن کے رب کے ہاں محفوظ ہے۔اور اُنہیں (اس متوازن نظام میں) نہ ضیاعِ اجر کا کوئی خوف ہوگا۔اور نہ وہ اپنے خرچ کئے ہوئے مال کیلئے غمگین ہوں گے۔

## صدقاتی اور سُودی معاشرہ کا تقابل

صدقات کے مال سے چُونکہ آئندہ آنے والے ہر قسم کے خطرات کی روک تھام کا مکمل انتظام ہو جاتا ہے، یعنی ہر کسی کی ضروریات، بروقت اور باقاعدہ پُوری ہوتی ہیں اِس لئے مستقبل کا خوف قُرآنی معاشرہ کے ہر فرد کے لئے ختم ہو جاتا ہے۔اور چونکہ اُن کے خرچ کئے ہوئے مال کا ثمرہ ہموار و متوازن معاشرہ کی صُورت میں ہر آن اُن کے سامنے موجود ہوتا ہے۔اِس لئے ماضی کا غم بھی اُن کے قریب تک نہیں بھٹک سکتا۔یہ ہے لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ کی عملی تفسیر، جو صدقاتی نظام کی رُو سے بروئے کار آتی ہے۔لیکن سُودی نظام کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اُس میں پُورا معاشرہ محتاجی کے دائرہ میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔بڑے بڑے لوگ بینکوں سے سُودی روپیہ لے کر کاروبار کرتے ہیں۔لیکن مستقبل کا خوف ہر آن دامن گیر رہتا ہے کہ کاروبار میں گھاٹا نہ پڑ جائے، مال کو آگ نہ لگ جائے، چور اور ڈاکو لوٹ کر نہ لے جائیں وغیرہ وغیرہ۔اور جب اِن خطرات میں

سے کوئی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے تو ماضی کا غم بھی ستانے لگتا ہے کہ فلاں وقت پر فلاں قدم نہ اُٹھایا جاتا تو آج یہ حال نہ ہوتا۔ بینک والے قُرقی لے آتے ہیں، اور یہ دیوالیہ نکالنے کے لئے وکلاء کے ساتھ مشورے کر رہا ہوتا ہے۔ یہ تو ہوئی مالداروں کی کیفیّت، جو نہ مستقبل کے خوف سے محفوظ ہوتے ہیں نہ ماضی کے غم سے۔

● اب آیئے سُودی نظام میں بسنے والے غریبوں کی طرف، جو قریباً قریباً ہر آن محتاجی ہی کے دائرے میں محدُود رہ کر زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ جب بھی سو پچاس روپے کی نہ ٹلنے والی ضرورت پیش آئی، مثلاً ماں مرگئی یا والد انتقال کر گیا تو اب کفن دفن بھی پچاس ساٹھ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اِس پر سرمایہ دار کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ لیکن وہ نہیں دیکھتا کہ یہ بیچارہ کس اہم ضرورت میں گرفتار ہے۔ بلکہ عام دستور سے زیادہ سُود کا مطالبہ کرتا ہے۔ چنانچہ سود خور کی ایسی ہی ذہنی کیفیت کو اگلی آئتِ مجیدہ میں شیطانی خبط کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:-

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ
جو لوگ کہ کھاتے ہیں سود نہیں کھڑے ہوں گے یعنی قبروں سے
اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ
مگر جیسا کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص کہ باؤلا کرتا ہے اُس کو شیطان
مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا
آسیب سے یہ اس واسطے ہے کہ کہا انہوں نے سوائے اس کے نہیں کہ
الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ وَ
بیچنا ہے مانند سُود کے اور حلال کیا اللہ تعالیٰ نے بیچنا اور
حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ
حرام کیا سُود کو پس جو کوئی آوے اُس کے پاس نصیحت
رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمۡرُهٗۤ
رب اُسکے سے پس باز رہا پس واسطے اُسکے ہے جو کچھ پہلے ہو چکا اور حکم اُسکا
اِلَی اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ
طرف اللہ کے ہے اور جو کوئی پھر کرے پس وہی ہیں رہنے والے

جو لوگ سُود کھاتے ہیں، وہ (زیادہ سے زیادہ شرح سود کے تقرّر کے لئے) نہیں کھڑے ہوتے، مگر اُس شخص کی طرح کھڑے ہوتے ہیں، جسے نفس شیطان نے انگیخت دے کر (زیادہ سے زیادہ سود حاصل کرنے کے لئے) خبطی کر دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں تجارت (کا نفع بھی تو) سُود کی مانند ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت (کے نفع) کو حلال ٹھہرایا ہے۔ اور (روپے کے نفع یعنی) سُود کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر (سودخوروں میں سے) وُہ شخص جس کے پاس اُس کے رب کی طرف سے اُس کا نصیحت نامہ آ چُکا، اگر وُہ سُودخوری سے باز آیا۔ تو اُس کے لئے ہے جو گزر چُکا۔ یعنی اُس کا معاملہ اللہ کے سپُرد ہے۔ (وہ اِس کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گا) اور جن لوگوں نے پھر سُودخوری کی۔ پس وُہی لوگ اہلِ نار (جہنّمی معاشرے والے ہیں) وہ اُس کی سزا میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ○ ۲۷۵

آگ کے وہ بیچ اُس کے ہمیش رہنے والے ہیں۔

ربٰو کا لفظی معنٰی ہے وہ بڑھوتی، جو کسی حاجتمند سے روپوں کے استعمال کے عوض حاصل کی جائے۔ ۳/۱۳۰ میں اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کے الفاظ میں ربٰو کے معنے بتا دیئے گئے ہیں، بڑھوتی ہی بڑھوتی، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیدیا ہے۔ اِس کی حرمت کی تین ظاہر وجہیں ہیں:-

۱۔ تجارت کا نفع حلال اور سُود حرام اِس لئے ہے کہ تجارت کے مال پر جو نفع حاصل کیا جاتا ہے، وہ اُس مال کو خریدنے، اُٹھانے، لانے، سنبھالنے اور بیچنے کی محنت کا عوض ہوتا ہے۔ لیکن روپوں کے نفع یعنی حصولِ سُود میں سود خور کو کوئی معمولی سی محنت بھی نہیں کرنی پڑتی۔

۲۔ تجارت میں نفع کا امکان بھی ہوتا ہے اور نُقصان کا بھی۔ یعنی تجارت کے مال کا بھاؤ گر جائے تو سرمایہ دار کو گھاٹا پڑ رہا ہوتا ہے اور غریب عوام کو چیزیں سستے داموں مُیسّر آ رہی ہوتی ہیں۔ لیکن سُود کے معاملہ میں نقصان کا تصوّر تک موجود نہیں ہوتا۔ اور ہر حال میں اصل زر پر سود کی بڑھوتی حاجتمند مقروض بچارے ہی کو ادا کرنی ہوتی ہے۔ خواہ اُس کی ادائیگی میں اُسے گھر کے معمولی اثاثہ تک سے محروم ہونا پڑے۔

**قرضہ بلا سُود کا انتظام کیا جائے**

۳۔ تیسرے نمبر پر سُود کی حُرمت کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ سُودی معاشرہ میں باہمی محبّت، ہمدردی اور ایک دوسرے کی مصیبت کا احساس ختم ہو جاتا، اور انسان مقامِ انسانیت تک سے گر جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنی معاشرہ کے ابتدائی مراحل میں بھی غرباء کی ضرورتوں سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اُنہیں سُود کے ذریعہ غریب سے غریب تر کرتے چلے جانے کے قلع قمع کے لئے سُودی نظام کو ختم کر کے صدقاتی نظام قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی وضاحت کی گئی ہے کہ معاشرہ کے مالداروں سے صدقات وصول کر کے ایک بیت المال قائم کیا جائے اور جب کسی حاجتمند کو کوئی ضرورت لاحق ہو تو اُسے بلا سُود قرضہ مُیسّر آ تا رہے۔ چنانچہ اگلی آئتِ مجیدہ میں ارشاد ہُوا ہے:-

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ

مٹاتا ہے اللہ سُود کو اور بڑھاتا ہے خیراتوں کو

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ○ ۲۷۶

اور اللہ نہیں دوست رکھتا ہے ہر ایک کفر کرنے والے گنہگار کو۔

اللہ تعالیٰ، سُود (کی بُنیادوں پر قائم نظام) کو مِلیامیٹ کرتا، اور صدقات (کی بُنیادوں پر قائم نظام) کو بڑھاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (سُودی نظام کے حامی اور صدقاتی نظام کے) ہر شدید مُنکر اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔

● دیکھئے! اِس آئتِ مجیدہ میں صدقات کو سُود کی، اور سُود کو صدقات کی ضِد بتایا گیا ہے۔اب چونکہ ظاہر ہے کہ سُود حاجتمندوں سے اُس وقت وصول کیا جاتا ہے جب وہ ضرورت واحتیاج کی بدولت قرضہ اُٹھانے پر مجبور ہوجاتے اور ناچار سُود دینا پڑتا ہے۔پس ثابت ہوا کہ سُود کو مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کی غرض یہ ہے کہ ضرورتمندوں کو قرضے بلاسُود مہیّا کرنے کے لئے سُودی نظام ختم کرکے،صدقاتی نظام قائم کیا جائے۔اگلی آئتِ مجیدہ میں سُودی نظام کے خاتمہ اور صدقاتی نظام کے قیام کو ایمان کے بعد اعمالِ صالح،اقامتِ صلٰوۃ اور ایتاءِ زکٰوۃ کی ایک شق بیان کیا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے
وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوۃَ لَهُمْ
اور قائم رکھا نماز کو اور دیا زکٰوۃ کو واسطے اُن کے ہے
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
ثواب اُن کا نزدیک پروردگار اُن کے کے اور نہیں ڈر
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ ۲۷۷
اُوپر اُن کے اور نہ وُہ غمگین ہوں گے۔

بے شک جو لوگ (سُودی کی بجائے صدقاتی نظام پر) ایمان لائیں گے، اور اِس طرح معاشرہ کی اصلاح کریں گے یعنی (اپنی ادا کردہ) صلٰوۃ کو قائم کریں گے۔ اور محرومینِ ربوبیّت کو اُن کا حقِّ نشوونما (حقِّ زکٰوۃ) ادا کریں گے، اُنہیں نہ مستقبل کے خطرات کا کوئی خوف ہوگا۔اور نہ وہ ماضی میں کئے ہُوئے اعمال کے لئے غمگین ہوں گے۔

● اِس اصولی وضاحت کے بعد پھر ناہموار معاشرہ کے ابتدائی اصلاحی پروگرام کی طرف رُخ کیا گیا ہے کہ:۔

**اب سُود کے بقایاجات سب چھوڑ دینے ہونگے**

سابقہ سُود خوروں کو، جو دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائیں اور اُن کے قرضہ جات اصل زرمعہ سُود مقروضین کے ذِمّہ باقی ہوں، ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے ایمان کی شرطِ اوّل یہ ہے کہ بقایا سُود چھوڑ دو:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا
اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو
بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ۲۷۸
باقی رہا سُود سے اگر ہو تم ایمان والے۔

اے ایمان کے دعویدارو! اگر تم واقعۃً مومن ہو تو اللہ تعالیٰ (کے ضابطے کی) مخالفت سے بچ جاؤ، اور (مقروضین کے ذِمّہ) سُود میں سے جو کچھ باقی ہے وُہ اُنہیں چھوڑ دو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ
پس اگر نہ کرو گے تم پس خبردار ہو جاؤ ساتھ لڑائی کے

پھر اگر تم ایسا نہ کرو (یعنی باقی سود نہ چھوڑو) تو سُن لو کہ اللہ کا، اُس کے رسول کی معرفت تمہارے خلاف اعلانِ

اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اللہ سے اور رسول اُسکے سے اور اگر توبہ کرو تم پس واسطے تمہارے ہیں اصل
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۝ ۲۷۹
مال تمہارے نہ ظلم کرو تم اور نہ ظلم کئے جاؤ گے۔

جنگ ہے۔ اور اگر تم (سود لینے سے) توبہ کرو، تو تمہارے اصل زر تمہارے لئے محفوظ ہیں۔ نہ (اصل رقم پر بڑھوتی وصول کر کے) تم ظلم کرو۔ اور نہ (تمہاری اصل رقم ضائع ہونے سے) تم ظلم کئے جاؤ۔

## قرضداروں کو تنگ نہ کیا کرو

اگلی آئتِ مجیدہ میں بتایا گیا ہے کہ باقی سُود چھوڑ کر قرضداروں پر کوئی احسان نہیں کیا گیا۔ بلکہ ظلم سے ہاتھ کھینچ لیا گیا ہے۔ اِسلئے اب اصل زر کی وصولی میں بھی سختی نہ کرنا۔ اگر مقروض بچارے ناہموار نظام کے ہاتھوں مفلوک الحال ہو چکے ہیں تو اُنہیں فوری ادائیگی پر مجبور نہ کرنا:-

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى
اور اگر ہو قرضدار تنگی والا پس ڈھیل دینا ہے
مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
فراغت تک اور یہ کہ خیرات کرو بہتر ہے واسطے تمہارے اگر
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ ۲۸۰
ہو تم جانتے۔

اور اگر تمہارے قرضدار تنگدست ہیں تو اُنہیں اُس وقت تک مُہلت دینا لازم ہے کہ اُنہیں رقم مُیسّر آ جائے اور اگر تم (اُن کی زبوں حالی کے تحت اصل رقم بھی) صدقہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ بشرطیکہ تم جانوؐ (کہ معراجِ انسانیت مفلوک الحال قرضہ داروں کو قرضہ کی رقم معاف کر دینا ہے وصول کرنا نہیں)۔

آئتِ بالا میں وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ انتہائی غور طلب ہیں۔ جن میں مفلوک الحال قرض داروں سے اپنی اصل رقم وصول کرنے کی بجائے، وصول نہ کرنے کو بہتر بتایا گیا ہے۔ حالانکہ ظاہری طور پر قرضہ دینے والے کے لئے اپنی اصل رقم وصول کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ دی ہوئی رقم واپس آ جائے اور بال بچّوں کے کام آ جائے۔ لیکن واضح رہے کہ قرآنِ کریم ربوبیّتِ عالمینی کا علمبردار ہے ۱/۱ 'سرمایہ داری کا نہیں۔ قرآن کے میزان میں عدل وانصاف ہے العفو ۲/۲۱۹۔ یعنی ترازو کے بھاری پلڑے سے نکال کر ہلکے پلڑے میں ڈالنا۔ تا آنکہ معاشرہ کے ترازو کی ڈنڈی سیدھی ہو جائے۔ نہ قرآنِ کریم ناہموار معاشرہ کا حامی ہے نہ سرمایہ دار اور سرمایہ داری کا۔ بلکہ وہ پُورے معاشرہ کے ایک ایک فرد کی خوشحالی کا ضامن ہے۔ چنانچہ سورۂ روم میں ارشاد ہوا ہے:-

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۝ ۳۰/۳۹ = اور جو مال تم سُود کی صورت میں دیتے ہو کہ لوگوں کا

انفرادی مال بڑھتا جائے، وہ اللہ کے ہاں مطلقاً نہیں بڑھتا۔ (یعنی یہ نظام، رضاءِ خداوندی کے خلاف ہے) اور جو مال تم لوگوں کی نشوونما کے لئے دیتے ہو (اللہ کے نزدیک وہ مال بڑھتا ہے) اس میں تم اللہ کی صحیح رضا کا ارادہ کرتے ہو۔ پس ایسا (نظام قائم کرنے کے لئے مال خرچ) کرنے والے ہی وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کا مال دُگنا ہو گیا۔ ۳۰/۳۹

واضح رہے کہ اِس آئت میں سُود کو زکوٰۃ اور رضاءِ الٰہی کی ضد بتایا گیا ہے اور پیچھے ۲/۲۷۶ میں اسے صدقات کی ضد کہا ہے:- یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ۔ پس ثابت ہُوا کہ رضاءِ الٰہی یہ ہے کہ سُودی نظام مطلقاً ختم کر کے زکوٰۃ وصدقات کا نظام قائم کیا جائے۔ جس میں پُورے معاشرہ کے فرد فرد کی صحیح صحیح نشوونما کا انتظام ہو۔ اِسی لئے آئت زیرِ بحث میں صدقاتی نظام کی ابتدائی کڑی کے طور پر حکم دیا گیا ہے کہ مفلوک الحال قرضداروں سے قرضہ وصول کرنے کی بجائے صدقہ کر دینا، چھوڑ دینا، اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اُن کے اِس انسانیّت نواز عمل کو ضائع کر دیا جائے گا۔ بلکہ سُودی نظام کو رضاءِ الٰہی کے خلاف قرار دینے کے بعد سلسلۂ درس کی اگلی آئتِ مجیدہ میں اس جہنمی نظام کے اُخروی عذاب سے بچنے کی تاکید، اور مفلوک الحال قرضداروں کو اصل رقم چھوڑ دینے والوں کو خبر دی گئی ہے کہ اُنہیں اِس انسانیت نواز عمل کا اجر قیامت کی عدالت عالیہ میں پُورا پُورا عطا کیا جائے گا:-

وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِیۡهِ اِلَی اللّٰهِ ۗ
اور ڈرو اُس دِن سے کہ پھیرے جاؤ گے بیچ اس کے طرف اللہ کے
ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَهُمۡ
پھر پُورا دیا جائے گا ہر جی کو جو کچھ کمایا ہے اور وہ
لَا یُظۡلَمُوۡنَ ۠ ۲۸۱ ع ۳۸/۸
نہیں ظلم کئے جائیں گے۔

اور ایمان والو! (مفلوک الحال قرضداروں کو قرضے صدقہ کر کے) اُس دِن کے عذاب سے بچ جاؤ، جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جانے والے ہو۔ پھر ہر جان کو اُسکا پُورا پُورا بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے کمایا ہے۔ اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔ (جو مال اُنہوں نے اللہ کی رضا جوئی کیلئے یہاں صدقہ کئے ہیں، وہاں اُن مالوں کا پُورا پُورا بدلہ دیدیا جائیگا)

## قرضے بِلا سُود دیا کرو۔ لیکن قرضدار سے رسید لکھوالیا کرو

آیاتِ ماسبق میں سُود کی حُرمت اظہر من الشّمس ہو چکی ہے۔ اور یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ۲/۲۷۶ کے الفاظ میں سُود کے انسانیّت کُش انفرادی نظام کی جا بجا صدقات کا انسانیت نواز اجتماعی نظام قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس میں ضرورت مندوں کو صدقہ کی رقموں سے قائم کردہ بیت المال سے بِلا سُود قرضے مُیسّر آیا کریں۔ لیکن جب تک اجتماعی بیت المال قائم نہ ہو، اُس وقت تک ضرورتمندوں کو انفرادی طور پر بھی اصحابِ استطاعت سے بِلا سُود ہی قرضے دیئے

جانے ضروری قرار دیئے گئے ہیں۔ تا کہ کسی کی ضرورت و احتیاج رُکی نہ رہے۔ البتہ اگلی آئتِ مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ قرضہ دیتے وقت واپس ادائیگی کی مُدّت متعیّن کر کے باضابطہ رسید لکھوالیا کرو:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب معاملت کرو تم
بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَ
ساتھ قرض کے ایک وقت مقرر تک پس لکھ رکھو اُس کو اور
لْیَكْتُبْ بَّیْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا
چاہیئے کہ لکھے درمیان تمہارے لکھنے والا ساتھ انصاف کے اور نہ
یَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ یَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ
اِنکار کرے لکھنے والا یہ کہ لکھے جیسا سکھایا اُس کو اللہ تعالیٰ نے
فَلْیَكْتُبْ ۚ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ
پس چاہیئے کہ لکھ دے اور مطلب کہے وہ شخص اُوپر اُس کے ہے حق
وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ
اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ پروردگار اپنے سے اور نہ کم کرے اُس میں سے کچھ
فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ
پس اگر ہو وہ شخص کہ اُوپر اُس کے ہے حق بیوقوف یا
ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ
ناتوان یا نہیں سکتا یہ کہ مطلب کہے وہ
فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا
پس چاہیئے کہ مطلب کہے والی اُس کا ساتھ انصاف کے اور شاہد کر لو
شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا
دو شاہدوں کو مردوں اپنے سے پس اگر نہ ہوں

ایمان والو! جب تم آپس میں مقرّرہ مدّت کے لئے لین دین کا معاملہ کرو تو اُسے لکھ لیا کرو۔ (یعنی رسید لکھوا لیا کرو) اور چاہیئے کہ کاتب (عرضی نویس) اُسے منصِفانہ انداز کے ساتھ (واضح اور غیر مبہم الفاظ میں) لکھّے۔ اور چاہیئے کہ کاتب اِس دستاویز کو اُس طرح لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح اُسے منصفانہ طور پر لکھنے کی اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے (حکم دیا ہے)۔ اور چاہیئے کہ قرضہ جس کے ذِمّہ آیا ہے۔ وہ (یعنی قرضہ لینے والا ہر چیز اور ہر شرط) خود اِملاء کرائے۔ اور چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے (کوئی غلط، مبہم یا فریب دِہ الفاظ نہ لکھوائے) یعنی رسید سے متعلقہ کوئی بھی چیز کم نہ کرے۔ پھر اگر (قرضہ لینے والا) جس پر قرض کی واپسی لازم آئی ہے بے سمجھ یا کمزور ہو، یا وہ رسید لکھوانے کی طاقت یا سمجھ نہ رکھتا ہو، تو چاہیئے کہ اُس کا کوئی خیر خواہ کاتب سے منصفانہ رسید لکھوائے، اور اپنے میں سے دو کامل (یعنی معتبر) مردوں کی گواہی ثبت کروا لیا کرو۔ پھر اگر دو مرد میسّر نہ آئیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ کر لیا کرو۔ جنہیں تم گواہی کے لئے پسند کرو۔ (عورتیں دو اِسلئے) کہ اگر اُن دونوں میں سے ایک عورت کوئی بات بھول جائے تو دوسری اُسے یاد کرادے[1]۔ اور (اس کے بعد اگر کبھی

رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّ امۡرَاَتٰنِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ
دو مرد پس ایک مرد اور دو عورتیں اُن میں سے کہ پسند کرتے ہو تم
مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰٮهُمَا فَتُذَكِّرَ
شاہدوں میں سے اگر ہو یہ کہ بھول جاوے ایک اُن میں سے پس یاددلاوے
اِحۡدٰٮهُمَا الۡاُخۡرٰىؕ وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ
ایک اُن دو میں سے دوسری کو اور نہ انکار کریں شاہد
اِذَا مَا دُعُوۡاؕ وَلَا تَسۡــَٔمُوۡۤا اَنۡ تَكۡتُبُوۡهُ
جب بلائے جاویں اور مت کاہلی کرو یہ کہ لکھو اُس کو
صَغِيۡرًا اَوۡ كَبِيۡرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖؕ ذٰلِكُمۡ
چھوٹا یا بڑا ایک وقت تک اس کے یہ
اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَاَقۡوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ
بہت انصاف ہے نزدیک اللہ کے اور سیدھا کرنیوالا ہے واسطے شہادت کے اور
اَدۡنٰۤى اَلَّا تَرۡتَابُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً
بہت نزدیک ہے اُس سے کہ نہ شک میں پڑو مگر یہ کہ ہو سوداگری
حَاضِرَةً تُدِيۡرُوۡنَهَا بَيۡنَكُمۡ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ
ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہو اس کو درمیان اپنے پس نہیں اوپر تمہارے
جُنَاحٌ اَلَّا تَكۡتُبُوۡهَا ؕ وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا
گناہ یہ کہ نہ لکھو اُس کو اور شاہد کرلو جب
تَبَايَعۡتُمۡ ۖ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا
سودا کرو تم اور نہ ایذا پہنچایا جاوے لکھنے والا اور نہ
شَهِيۡدٌ ؕ وَاِنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاِنَّهٗ فُسُوۡقٌۢ
گواہ اور اگر کرو تم یہ پس تحقیق وہ گنہگاری ہے

تنازعہ کی صورت میں ) گواہوں کو گواہی کے لئے بُلایا جائے تو لازم ہے کہ وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ اور (ایمان والو!) معیّنہ مُدّت کے لئے اُدھار لین دین کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، اُس کے لکھنے میں سُستی نہ کرنا یہ طریق کار اللہ کے نزدیک منصفانہ، شہادت کے لئے مستحکم، اور اِس امر کے بہت قریب ہے کہ تمہارے درمیان تنازعے پیدا نہ ہوں۔ سوائے اِس کے کہ تجارتِ حاضرہ، یعنی دست بدست لین دین کا معاملہ ہو تو اگر اُسے نہ لکھو تو کوئی ہرج نہیں۔ نیز سودا کرتے وقت بھی گواہ مقرر کرلیا کرو۔ (یعنی بیعانہ بھی لکھوا کر شہادتیں ڈلوا لیا کرو) اور چاہیئے کہ کاتب اور گواہ کو (گواہی سے روکنے کے لئے، یا گواہی دے چکنے کے بعد) تکلیف نہ دی جایا کرے (ورنہ وُہ اِن تکالیف سے بچنے کے لئے گواہی دینے سے پرہیز کرنے پر مجبُور ہو جائیں گے) اور اگر تم ایسا کرو گے تو جان لو کہ تمہارا یہ عمل (قانون کی حدّیں پھاندنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچو، اور (جانے رہو کہ) اللہ تمہیں مذکورہ بالا احکام کی تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

بِكُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ط
ساتھ تمہارے اور ڈرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تم کو اللہ
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥ ۲۸۲
اور اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے۔

۱؎ ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی اِس لئے نہیں رکھی گئی کہ عورت کا درجہ مرد سے آدھا ہے۔ بلکہ یہ اس لئے کہ صنفِ نازک کو صنفی طور پر اَیسے عوارض بھی لاحق ہیں، جن سے اِن کی یادداشت پر بُرا اثر پڑنے کا احتمال موجود ہے۔

## کاتب نہ مِلے تو مال گروی لے لیا کرو

آئتِ بالا میں اُدھار لین دین کو باضابطہ لکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ لیکن اگر یہ لین دین بحالتِ سفر ہو رہا ہو، اور کاتب مُیسّر نہیں تو حکم ہوتا ہے:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا
اور اگر ہو تم اوپر سفر کے اور نہ پاؤ تم
كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ط فَاِنْ اَمِنَ
لکھنے والا پس گروہے قبضہ کی ہوئی پس اگر امین جانے
بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ
بعض تمہارے بعضے کو پس چاہیئے کہ ادا کرے وہ شخص کہ امین جانا گیا ہے
اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ط وَلَا تَكْتُمُوا
امانت اس کی کو اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ پروردگار اپنے سے اور مت چھپاؤ
الشَّهَادَةَ ط وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط
گواہی کو اور جو کوئی چھپاوے گا اُس کو پس تحقیق وہ گنہگار ہے دِل اُس کا
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ٥ ع ۲۸۳ ع ۳۹/۷
اور اللہ ساتھ اس چیز کے کہ کرتے ہو جاننے والا ہے۔

اور اگر تم سفر میں ہو۔ اور کاتب نہ ملے تو قرضہ کی رقم کے بدلے کوئی چیز باقبضہ رہن کر لیا کرو۔ پھر (ایمان والو! جب گروی کے معاملہ میں) اگر تم میں سے کوئی شخص (یعنی قرض لینے والا) تمہارے کسی شخص (یعنی قرض دینے والے کو اپنا گروی کا مال قرضہ کی رقم کے عوض) بطور امانت دیتا ہے۔ تو چاہیئے کہ جب گروی کے مال کا مالک قرضہ کی رقم واپس کر دے تو وُہ اُس کی امانت واپس کر دیا کرے اور چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ، یعنی اپنے پروردگار کی مخالفت سے بچے۔ اور (اے گواہو! اگر لین دین کے معاملوں میں تنازعہ پیدا ہو جائے تو) تم گواہی کو نہ چھپانا۔ پھر جس کسی نے گواہی کو چُھپایا، اُس کا قلب گنہگار ہے۔ اور تم جو بھی عمل کرو گے، اللہ تعالیٰ اُسے اچھی طرح جانتا ہے۔

● آئتِ بالا میں جہاں عدم موجودگی کاتب کی صورت میں قرضہ لینے والے پر پابندی لگا دی گئی ہے کہ وہ کوئی مال گروی دے کر قرضہ حاصل کرے۔ اُس کے ساتھ ساتھ قرضہ دینے والے اور گروی کا مال حاصل کرنے والے پر بھی پابندی لگا دی ہے کہ اب اُس کے لئے یہ روا نہیں کہ سو روپیہ دے کر ڈیڑھ سو روپیہ کا زیور وصول کر چکا ہے تو اب اُس کی واپسی کو

ضروری نہ سمجھے۔اوراُس کا مال ہضم کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔چنانچہ اِس مال کوقرضہ دینے والے کے پاس بطورامانت قراردیا گیاہے۔جس کی واپسی ضروری ہے۔

● نیز اگروہ چیز بلا مشقت آمدنی دینے والی ہے،مثلاً مکان،گودام،دُکانیں وغیرہ۔تواُن کی آمدنی کھانا بھی سُود ہی میں شمار ہوگا۔اِسلئے جوآمدنی اُسے گروی کے مال سے حاصل ہو۔وہ اصل زر میں سے منہا کرکے باقی رقم،قرضہ کی رقم متصوّر ہوتی رہے گی۔اوراگراُس فائدے سے قرضہ کی پُوری رقم ادا ہوجائے۔تواُسکے بعد گروی کا مال فوراًواپس کردینا ہوگا۔زمین کی بٹائی چونکہ بلامشقت حاصل ہوتی ہے۔اِس لئے وہ بھی سُود میں داخل ہے۔لہٰذاحرام ہے۔اِس طرح اگر گروی کا مال زمین ہے۔تو اگر گروی لینے والا اُسے بٹائی پر دے گا تووُہ بھی سُود شمار ہوگا۔جواصل زر سے منہا ہوتا چلا جائے گا۔اوررقم پوری ہوچکنے پر زمین واپس کردینا ہوگی۔ہاں اگر گروی لینے والاخود کاشت کرے تو،اب چونکہ زمین کی آمدنی بلا مشقّت حاصل نہیں ہوگی۔اِسلئے یہ سُود شمار نہیں ہوگی۔اُدھر زمین گروی دینے والا بھی گروی کی رقم سے تجارت کے ذریعہ فائدہ اُٹھاسکتا ہے۔

## ہر چیز کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے ذاتی املاک کا تصوّر مطلقاً غیر قرآنی ہے

بعض علماءِ کرام،مذکورہ بالا آئتیں،سرمایہ دارانہ نظام کو،قرآنی اور اِسلامی نظام ثابت کرنے کے لئے،بطور دلیل پیش کرتے ہیں،کہ اگر معاشرہ میں غریب اورامیر دونوں طبقے موجود ہوں گے،تو پھر ہی اِن آئتوں پرعمل ہوسکے گا کہ:-

۱۔ اصحابِ ثروت نادار حاجتمندوں کو بلا سُود قرضے دیا کریں۔

۲۔ قرضہ کی واپسی کی مُدّت مقرّر کی جائے۔

۳۔ قرضہ کی رقم اورواپسی کی مقرّرہ مُدّت باقاعدہ طور پر کاتب سے لکھوائی جائے۔

۴۔ دومرد گواہ لئے جائیں۔

۵۔ اگر دومرد مُیسّر نہ ہوں تو ایک مرداوردوعورتیں گواہ بنیں۔

۶۔ تنازعہ کی صورت میں وہ گواہ مرداورعورتیں گواہی دیں۔

۷۔ اگر سفر کا دَوران ہواورکاتب نہ ملے تو کوئی چیز باقبضہ رہن رکھی جائے۔

۸۔ گروی کا مال جس کے قبضہ میں دیا جائے گا،وہ اُس مال کا امین ہوگا اُسے یہ امانت اُسکے مالک کوواپس کرنا ہوگی۔

۹۔ گواہ اورکاتب گواہیوں کو چھپائیں نہیں۔اگروہ ایسا کریں تواُن کے قلب گنہگار ہیں وغیرہ وغیرہ۔

**مقامِ افسوس** افسوس کا مقام ہے کہ آیاتِ بالا، اور اِن جیسی دیگر آیاتِ مقدسات سے سرمایہ داری نظام کو قرآنی اور اسلامی نظام ثابت کرتے ہوئے قرآنِ کریم کے اوّلین درس الحمدللہ ربّ العلمین کو کیوں فراموش کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ اِس حالت کو ربوبیّتِ عالمینی کہنا ہی سَو فیصدی غلط ہے کہ معاشرہ میں غریب اور امیر دو طبقے موجود ہوں، ایک طبقہ کو صرف زندہ رہنے کے لئے بھی ضروریاتِ زندگی باقاعدگی کے ساتھ مُیسّر نہ آتی ہوں اور اُنہیں آئے دن قرضہ اُٹھانے کے لئے مجبور ہونا پڑے۔ اور قرضہ لے چُکنے کے بعد پھر وہ بچارے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر قرضہ کی ادائیگی کی فکر میں شبانہ روز پھنسے رہیں اور اِس طرح وہ ہوں اور قرضخواہوں کے روز روز کے تقاضے۔

● واضح رہے کہ آیاتِ بالا میں مذکور احکام اور اِس جیسے دیگر حُکموں کے متعلق قرآنِ کریم کا پہلا اعلان، جس کا اقرار قرآنِ کریم کے قاری سے ابتداءِ تلاوت ہی میں لے لیا جاتا ہے۔ یعنی الحمدللہ رب العلمین ' ایک فیصلہ کن اعلان ہے کہ قرآنی نظام میں ربوبیّتِ عامہ کے لحاظ سے ہر فرد و بشر کا حق سو فیصدی مساوی ہے —— پھر ۲/۲۹ میں بھی اِسی چیز کا اعلان بالفاظِ ذیل کیا گیا ہے:-

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ط ۲/۲۹

= وہ اللہ ہی عظیم الشان ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ سب کا سب، تم سب کے سب کیلئے پیدا کیا ہے،

نیز ۲/۳۶ میں ارشاد فرمایا ہے:- وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ o ۲/۳۶ ' ۷/۲۴۔

= اے نوعِ انسانی! اِس زمین میں تم سب کے سب کے آخری دم تک کیلئے حقِّ رہائش بھی ہے۔ اور حقِ ضروریاتِ زندگی بھی۔

پس اِن آیاتِ کریمات کی رُو سے کسی ریاست کا وہ نظام، جس میں عوام کا بلا کرایہ حقِّ رہائش تسلیم نہ کیا گیا ہو۔ یعنی کچھ لوگ مالک مکان ہوں اور کچھ کرایہ دار، وہ نظام کس طرح آیاتِ بالا کے تقاضے پُورے کرسکتا ہے؟ نیز جس نظام میں ایک طبقے کو آئے دِن ضروریاتِ زندگی کیلئے قرضے اُٹھانے کیلئے مجبور ہونا پڑتا ہو، اُس نظام کو کس طرح نظامِ ربوبیّت کہا جاسکتا ہے۔

لہٰذا حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ جب تک قرآنی نظام قائم نہیں ہوتا اور ابھی غیر قرآنی معاشرے کے قائم کردہ ذاتی املاک ختم نہیں ہوئے۔ اُس وقت تک کے لئے صدقات، وراثت، قرضہ، رہن، کاتب، گواہ اور گروی کے مال وغیرہ سے متعلقہ احکام نازل کردیئے گئے ہیں۔ ایسی آیاتِ کریمات سے نہ امیر وغریب کی موجودگی رضاءِ الٰہی ٹھہرتی ہے۔ نہ یہ آئتیں ذاتی املاک کے لئے دلیل ثابت ہوتی ہیں۔ جیسے کہ اِن عبوری احکام کو آئت نمبر ۲۸۳ میں وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ کے الفاظ پر ختم کرنے کے عین متصل مابعد اگلی آئت نمبر ۲۸۴ شروع ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ اللہ کے املاک پر

انسانی ملکیّت کا تصوّر ہی بے بنیاد ہے۔ یہ کون ہوتے ہیں حقِ ملکیّت جگانے والے، زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے، سب کا سب تو اللہ تعالیٰ کی ملکیّت ہے:۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ
واسطے اللہ تعالیٰ کے ہے جو کچھ بیچ آسمانوں کے اور جو کچھ بیچ زمین کے ہے
وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ
اور اگر ظاہر کرو جو کچھ بیچ جی تمہارے کے ہے یا چھپاؤ
یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ
اُس کو حساب لیوے گا تم سے ساتھ اُس کے اللہ پس بخشے گا جس کو چاہے
وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ
اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ اُوپر ہر
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ۲۸۴
چیز کے قادر ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، اللہ ہی کی ملکیّت ہے۔ اور تم (اُس کے حقِ ملکیّت کے خلاف اپنا حق ثابت کرنے کے لئے) جو کچھ اپنے ذہنوں میں چھپاتے ہو، یا اُسے ظاہر کرتے ہو، اللہ ہر چیز کا تم سے حساب لے گا۔ پھر (ٹھیک ٹھیک حساب کے بعد) جسے عذاب سے بچائے گا تو اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی بچائے گا اور جسے عذاب کرے گا اُسے قانونِ مشیّت کے مطابق ہی عذاب کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عذاب و ثواب سمیت ہر چیز کے پیمانے (قوانین) مقرّر کرنے والا ہے۔

## سورۂ بقر کا آخری رکوع۔ خود رسول مقبول سلامٌ علیہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اِسی ضابطے پر ایمان تھا

● سورہ بقرہ کی ابتدا میں عام مومنوں کی شان بیان ہوئی ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ ۲/۴ = اور وہ لوگ اُس ضابطۂ حیات پر ایمان لاتے ہیں، جو آپکی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اِس سورتِ مجیدہ کا خاتمہ بھی اِسی ضابطۂ خداوندی پر، خود رسولِ مقبول سلامٌ علیہ اور صحابہؓ کے ایمان کی وضاحت پر کیا گیا ہے۔ نیز ساتھ ہی ایمان کی باقی سب شقّیں بھی بیان کر دی گئی ہیں:۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ
ایمان لایا پیغمبر ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری گئی ہے طرف اُسکے پروردگار اُسکے سے
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ
اور مسلمان ہر ایک ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور فرشتوں اس کے کے

اللہ کا رسول سلامٌ علیہ خود بھی اُس ضابطۂ حیات پر ایمان لایا ہے، جو اُسکی طرف نازل ہُوا ہے۔ اور جملہ مومنین بھی ایمان لائے ہیں اللہ پر (اِس طرح کہ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کا خالق ہونے کے علاوہ ہر چیز کا مالک بھی وہی

وَ کُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ

اور کتابوں اُسکی کے اور رسولوں اُسکے کے نہیں جدائی ڈالتے ہم درمیان کسی کے

مِّنۡ رُّسُلِہٖ ۟ وَقَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا ٭

پیغمبروں اُس کے سے اور کہا انہوں نے سُنا ہم نے اور مانا ہم نے

غُفۡرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ ۲۸۵

بخشش مانگتے ہیں ہم تیری اے رب ہمارے اور طرف تیرے ہے پھر آنا۔

ہے ۲/۲۸۴ + ۴/۱۳۱ + ۴/۱۳۲؛ نیز اُسکے ملائکہ پر (اِس طرح کہ وہ وُہی کام کرتے ہیں جو حکم دیئے گئے ہیں ۱۶/۵۰۔ وُہ سب انسان کیلئے سجدہ ریز ہیں ۲/۳۴، ۷/۱۱)۔ اُسکی کتابوں پر اِس طرح کہ سب میں ضابطۂ ربوبیّتِ عامہ ہی نازل کیا گیا ہے ۲۶/۱۹۶، ۸۷/۱۸-۱۹) نیز اُسکے رسولوں سلامٌ علیھم پر (اِس طرح کہ جملہ اقوام کو ضابطۂ ربوبیّت رسولوں سلامٌ علیھم ہی کے ذریعہ دیا گیا تھا ۲/۲۱۳ + ۱۰/۱۹ + ۵۷/۲۵ + ۴۲/۱۳)، وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں سلامٌ علیھم میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے (سب ایک سے ایک افضل تھے ۲/۲۵۳۔ اُن میں کوئی بھی گھٹیا قسم کا رسول سلامٌ علیہ نہیں تھا۔ بارِ الٰہا!) ہم نے تیرا پیغام سُنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے پروردگار معاف کرنا تیرا کام ہے۔ (ہم قیامت پر بھی ایمان لائے ہیں کہ اعمال کی جوابدہی کیلئے) تیری طرف لَوٹ آنا ہے۔

**نوٹ:** رسولِ مقبول سلامٌ علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنھم کی مُشترکہ دعا کا چھوٹا سا حِصّہ آئتِ بالا میں آیا ہے۔ اور دعا کا بڑا حِصّہ اگلی آئت میں باقی ہے۔ جس کی ابتدا میں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا کے الفاظ جملہ معترضہ کے طور پر لائے گئے ہیں۔ جن میں اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی فرد پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ جُملہ عموماً اُن مقامات پر آیا ہے جہاں اِس مقام کی مانند، اعمال کی جوابدہی کا ذکر ہو ۶/۱۵۲ + ۷/۴۲ + ۲۳/۶۲ وغیرہ۔ جملہ معترضہ کی غرض اِس امر کا اعلان عام ہے کہ سورہ بقر میں جُملہ احکام نماز، روزہ، حج، زکٰوۃ، حرام، حلال، لین، دین، نکاح، طلاق، عِدّت، رضاعت اور جنگ جہاد وغیرہ، جو نافذ کئے گئے ہیں۔ اِن سب کے متعلق سورت مجیدہ کے خاتمہ پر وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ جُملہ اوامر و نواہی، انسانی قوّتِ تعمیل کے عین مطابق اور طبعی تقاضوں کے عین موافق ہیں۔ جس ذاتِ مقدّس نے یہ احکام نازل فرمائے ہیں۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا اور اِسے استطاعت بخشی ہے۔ وہ اِس کی طاقتِ تعمیل اور طبعی تقاضوں سے خوب واقف ہے۔ اُس نے کوئی بھی حکم اِس کی طاقت کے خلاف ہرگز نہیں دیا۔ پس قیامت کی پرسشِ اعمال بھی ہر شخص کی طاقتِ

تعمیل کے مطابق ہی ہوگی۔ کیونکہ غیر متوازن اور غلط نظاموں کی غلط بخشیوں کی بدولت بعض افراد کی مضمر صلاحیتیں، جو اللہ تعالیٰ نے ہر فرد و بشر کو مساویانہ انداز سے عطا فرما رکھی ہیں، دب کر رہ جاتی ہیں۔

## سُورہ بقر کی آخری آیاتِ کریمات اور اِنکے مفہوم کے متعلق روایات وتفاسیر کا دیا ہوا عجیب وغریب تصوّر

سورہ بقر کی آخری آیات مقدّسات میں جیسے کہ آپ خود دیکھ چکے ہیں کہ غلط معاشرہ کی درستی کے اصول بیان کئے گئے ہیں لیکن بخاری شریف کتاب التفسیر میں حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روائت سے درج ہے:-"اُنہوں نے بیان کیا کہ جب سورہ بقر کی آخری چند آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو اس کا مطلب سمجھایا۔ اس کے بعد شراب کی تجارت سے منع فرما دیا گیا"۔ (بخاری شریف مطبوعہ قرآن محل کراچی جلد دوم صفحہ ۳۷)۔ تعجب اِس امر کا ہے کہ سورہ بقر کی آخری آیاتِ کریمات میں شراب کا ذکر تک موجود نہیں۔ لیکن آنحضور سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اِن آئتوں کا مطلب سمجھایا اور شراب کی تجارت سے منع کر دیا۔

شراب کی حُرمت آئت نمبر ۲۱۹ میں مذکور ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ شراب اور اُسکی تجارت تو اُس آئت کی رُو سے حرام ہو چکی۔ تو پھر اُن آیاتِ کریمات کے نزول پر شراب کی تجارت کے حرام ٹھہرانے کے کیا معنے جن میں شراب کا تذکرہ تک موجود نہیں۔ اِس پر معترض سوال کرسکتا ہے کہ اِس طرح جب ۲/۲۱۹ میں خمر ومیسر کے متعلق نازل ہُوا تھا:- فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ = اِن دونوں میں کبیرہ گناہ ہے، تو کیا آنحضور سلامٌ علیہ نے اُس وقت شراب اور اُس کی تجارت کو حرام نہیں بتایا تھا؟ نیز معترض دوسرا سوال یہ کرسکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شراب کو کبیرہ گناہ بتایا تھا، تو اُس وقت آنحضور سلامٌ علیہ نے کون سی چیز کی حرمت کا اعلان فرمایا تھا؟ جبکہ شراب کی تجارت اُس وقت حرام کی گئی جب سُود کی حرمت کی آئتیں نازل ہوئیں۔ اِن سوالوں کا جواب تو ہے کوئی نہیں۔ مگر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قرآنِ کریم کا صحیح مفہوم رسولِ مقبول خوب سمجھتے تھے۔ آپ نے جو سمجھا اور سمجھایا وہی ٹھیک ہے۔ کیا تصوّر ہے یہ؟ کہ معاذ اللہ رسولِ مقبول سلامٌ علیہ نے سُود کا معنیٰ شراب کی تجارت سمجھا اور سمجھایا تھا۔ العجب!

حقیقت یہ ہے کہ ایسی ہی منسوب الی الرّسول روائتوں کی بدولت قرآنِ کریم کے متعلق یہ نظریہ قائم ہو چکا ہے کہ اِس کے الفاظ کے ظاہری معنے کچھ اور ہیں اور باطنی کچھ اور ہیں۔ جیسے کہ سورہ بقر کی آخری آیاتِ کریمات میں سُود کی مذمّت بیان کر کے صدقاتی نظام کے ساتھ مرکزی بیت المال کے قیام کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ ضرورت مند افراد کو بلا سُود قرضہ ملتا رہے۔ حتّٰی کہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اگر ناہموار معاشرہ کے ستائے ہُوئے قرض دار بچارے تنگدستی کا شکار ہوں تو فراخی مُیسّر

آ نے تک قرضوں کی وصولی میں مہلت دی جایا کرے اور اگر قرضے معاف ہی کر دیئے جائیں تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔ روایات نے اِس انسانیت نواز تصوّر کو آنحضور سلامٌ علیہ کی طرف یہ حکم منسوب کر کے گُم کرنے کی کوشش کی ہے، کہ جب سورہ بقر کی آخری آئتیں نازل ہوئیں تو آنحضور نے اُن کا مطلب سمجھایا اور شراب کی تجارت کو حرام کر دیا۔ کاش کہ سادہ لوح مسلمان روایات کے اُس دام ہمرنگِ زمین کو پہچاننے کی کوشش کریں، جس میں صدیوں سے گرفتار چلے آ رہے ہیں۔

## رجوع الی المقصود

## سُورہ بقر کی آخری آئتِ مجیدہ اور روائتی تراجم

سورہ بقر کی آخری آئتِ مجیدہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے جس جُملہ سے شروع ہوتی ہے، سابقہ تراجم میں اِسی آئت کے اگلے الفاظ کا ترجمہ اس کے اوّلین اعلان لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا کے خلاف درج ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آئتِ مجیدہ کے ابتدائی الفاظ میں یہ انسانیت نواز اور حقیقت بدوش اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالتا ہی نہیں۔ تو پھر کیا ایسا تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ رسولِ مقبول سلامٌ علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اِس اعلان پر یقین نہ آیا ہو؟ اور اُنہوں نے حضورِ الٰہی میں دعا کی ہو کہ بارِالٰہا! ہم پر اُتنا بوجھ نہ ڈالیو، جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ رسولی دُعا کے چند الفاظ یہ ہیں:-

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۲/۲۸۶

دُعا کے اِن الفاظ کا معنیٰ مروّجہ تراجم میں یہ لکھا ہے:- جس طرح تُو نے ہم سے پہلے لوگوں پر بوجھ ڈالا تھا، اُس طرح ہم پر نہ ڈالنا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم سے تُو وہ بوجھ نہ اُٹھوانا، جس کے اُٹھانے کی ہم میں قوّت نہ ہو —— اِس ترجمہ پر سوال پیدا ہوتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام پر اُن کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالا، اور اِس اعلانِ عام لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کی خلاف ورزی کی تھی؟ جس کا اُسے اِس آئت ۲/۲۸۶ کے علاوہ، ۶/۱۵۲، ۷/۴۲ اور ۲۳/۶۲ میں بھی، یعنی چہارگانہ تکرار تاکیدی کے ساتھ اعلانِ عام کر رکھا ہے، کہ ہم کسی نفس پر اُس کی طاقت سے زائد بوجھ ڈالتے ہی نہیں۔ اب آیئے اصل مضمون کی طرف:-

# دُعا کیا ہے؟

# دُعا اپنے آپ کے لئے عمل کی تحریک ہوتی ہے

اگلی آیتِ مجیدہ کا ترجمہ اور مفہوم لکھنے سے پہلے اِس امر کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ دُعا کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اُس کا قانون تبدیل کرنے کو کہہ رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم کھیت میں بالترتیب نہ ہل چلائیں نہ بیج اور کھاد ڈالیں، نہ پانی دیں، لیکن دُعا کرنے بیٹھ جائیں کہ بارِالٰہا ہمارے کھیت کو لہلہاتی فصلوں سے بھر دے۔ تو اِس دُعا کی غرض اسکے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ ہم اللہ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ فصلوں کی پیدائش کا جو قانون تُو نے مقرر کر رکھا ہے اُسے ہم بے عملوں کیلئے بدل دے۔ اب بتایئے! کہ ہماری اِس دُعا کے بدلے کون ہے جو ہمیں دیوانہ نہیں کہے گا۔ پس یاد رہے، دُعا کا مقام یہ ہے کہ مطلوبہ چیز سے متعلقہ قوانینِ خداوندی پر سو فیصدی عمل کرنے کا عزمِ صمیم ارادوں میں موجزن ہو۔ مطلوبہ مقصد کے قوانین متعلقہ پر عمل بھی کرتے چلے جائیں اور دُعا بھی کرتے جائیں رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ = اے ہمارے پروردگار ہم سے ہمارا عمل قبول فرما، بلاشُبہ تُو سننے والا، اور خوب جاننے والا ہے۔ اور ساتھ ساتھ اپنی کمزوری، بُھول اور خطا کا اقرار و اعتراف بھی کرتے جائیں رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا = اے ہمارے پروردگار اگر ہم تیرے قانون کی تعمیل میں بُھول جائیں یا خطا کر جائیں تو بُھول اور خطا کے بدلے گرفت نہ کیجیو۔ (کیونکہ ہم بھول اور خطا سے مُبرّہ نہیں)۔

## دُعا کے متعلق دو نظریئے

دُعا کے متعلق ذیل کے دو نظریئے چل رہے ہیں:-

۱۔ پہلا یہ کہ خود تو کچھ نہ کریں اور صرف دُعا کرلیا کریں۔ چنانچہ سمجھا گیا ہے کہ جن لوگوں کی دُعا قبول ہوتی ہے، دولت، رزق، اولاد، ملازمت وغیرہ سب کچھ اُن سے دُعا کرانے سے مُیسّر آ جاتا ہے۔ لیکن اِس واہمہ کے ماتحت ہوتا یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ایسے افراد کی تلاش جاری رہتی ہے، جن کے متعلق مشہور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فُلاں ننگے، فُلاں پاگل، فُلاں مخبوط الحواس، فُلاں گدّی نشین یا فُلاں بزرگ کی دُعا قبول کرتا ہے ــــ لیکن واضح رہے کہ اگر صرف دُعا کے ساتھ مقاصد حاصل ہو سکتے ہوں، تو رسولِ مقبول سلامٌ علیہ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے، جن کی دُعا یقیناً مقبول ہو۔ اگر یہ مفروضہ درست ہوتا تو حضور سلامٌ علیہ جنگِ اُحد میں صرف دُعا فرماتے اور آپ کو معہ صحابہؓ شکست نہ ہوسکتی۔ پس دُعا کے متعلق یہ نظریہ مطلقاً غلط ہے کہ قوانینِ خداوندی کی مخالفت کے باوجود صرف دُعا کرنے، یا کسی بزرگ سے دُعا کروانے سے

مقاصد حل ہوجاتے ہیں۔

۲۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ دُعا مطلقاً بیکارِ محض ہے۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں، اُس سے زائد کچھ مُیسّر نہیں آتا۔ حالانکہ ہم تو صرف ہل چلا کر، اور بیج بو کر پانی دے دیتے ہیں۔ اِس کے بعد بیجوں کے ایٹموں کو پھاڑ کر انگوری نکالنے سے شروع کر کے، فصلوں کے پکانے تک کا سارا باقی کام اللہ تعالیٰ اپنے جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض سے کرواتا ہے۔ ہوا، بادل، بجلی، سورج، چاند، ستارے سب اللہ تعالیٰ کے عظیم لشکر ہیں، جن سے وہ اِنسانی کمیاں پُوری کرواتا رہتا ہے۔

**دُعا کا اہم فلسفہ** اُوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ دُعا اپنے آپ کے لئے، مطلوبہ چیز سے متعلقہ قوانینِ مشیّت پر عمل کرنے کی اہم تحریک ہے۔ دوسرے نمبر پر اِس کا مخصوص اہم فلسفہ یہ ہے کہ مومن اور کافر، یعنی اللہ کے حضور دُعا کرنے والا، اور نہ کرنے والا، دونوں قانونِ مشیّت کے مطابق فصلیں وغیرہ حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لشکر دونوں کی کمیاں پُوری کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن دُعا کرنے والا تقسیمِ کار کے مطابق اُس میں اللہ تعالیٰ کا حِصّہ تسلیم کرتا ہے۔ اور اپنی دُعا کے اقرار کے مطابق حاصل شدہ نعمتوں میں سے اللہ کا حِصّہ ادا کرتا، اور اپنے حصّے کو اللہ کے حکموں کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ لیکن دُعا نہ کرنے والا، یعنی وُہ فرد، جو حاصل شدہ نعمت کو صرف اپنی ہی محنت کا ثمر قرار دیتا ہے، نہ وہ اللہ کا حِصّہ ادا کرنا لازم سمجھتا ہے، نہ اپنے حِصّے کو اللہ کے حکموں کے مطابق خرچ کرنے پر کوئی پابندی تسلیم کرتا ہے۔ یہی تصوّر ربوبیّتِ عامہ کی مخالفت اور فساد فی الارض کا موجب ہے۔

● المختصر! دعا کے متعلق نہ پہلا نظریہ درست ہے کہ خود کچھ نہ کریں اور یا قوانینِ جاریہ کی پابندی نہ کریں اور صرف دُعاؤں پر تکیہ کئے بیٹھے رہیں۔ اور نہ دوسرا نظریہ ہی صحیح ہے کہ دُعا بیکارِ محض ہے۔ آنحضور سلامٌ علیہ سمیت جُملہ انبیاء کی دعائیں قرآنِ حکیم میں موجود و محفوظ ہیں۔ مسئلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیمِ کار کی رُو سے جو کام ہمارے سپُرد کیا ہے، اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق اُس کی تعمیل بھی کریں اور دُعا بھی کیا کریں۔ کہ بارِ الٰہا! تیرے قانون کی تعمیل میں ہم سے اگر بھُول یا خطا ہو جائے تو ہمیں معاف فرمائیو۔ آئتِ بالا ۲/۲۸۵ میں آنحضور سلامٌ علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مشترکہ دُعا کے ابتدائی الفاظ "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا" یعنی ہم نے سُنا ہے اور اطاعت میں لگ گئے ہیں'۔ انتہائی اہم اور بے حد غور طلب ہیں۔ سُنا اور اطاعت کی کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ معہ صحابہؓ ہر کام کی تکمیل کے لئے قوانینِ خداوندی ہی کی تعمیل فرمایا کرتے تھے۔ نہ محض دعاؤں پر بھروسہ تھا اور نہ اپنی سعی و کوشش کو خطا و نسیان سے مبرّ اقرار دیتے تھے بلکہ دعائیں تھیں ہی اس امر کا اقرار کہ ہم تیرے قانون پر عمل پیرا ہیں۔ اور اس کے ضمن میں خطا و نسیان کی معافی چاہتے ہیں۔ پس

اسوۂ رسول سلامٌ علیہ اور سُنّتِ رسول سلامٌ علیہ اظہر من الشّمس ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ معہ صحابہؓ اپنے فرضِ منصبی قیامِ نظامِ ربوبیّت کا کام، شروع کرنے، اور ہر قسم کے وسائل و ذرائع پر نگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد بھی طلب فرماتے رہے۔ خصوصاً نظامِ ربوبیّت کے قیام میں، منکرینِ ربوبیّت کے مقابلہ پر فتح و نصرت کے لئے مدد کی دُعا بھی بدستور فرماتے رہے:- فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۝

● جیسے کہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ دُعا اپنے آپ کے لئے مطلوبہ مقصد سے متعلقہ قوانینِ خداوندی پر عمل کرنے کی تحریک ہے۔ اِس قرآنی مسلّمہ کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور سلامٌ علیہ نے دشمن کے مقابلہ کے لئے مقدور بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوّت مہیّا فرمائی تھی۔ کیونکہ اس کے بغیر فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کی دُعا محض دیوانہ پن ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے ارشادِ باری ہے:-

● وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ $\frac{8}{60}$ = (مفہوم) اور تم میں جتنی بھی استطاعت ہے، دشمنوں کے مقابلہ کے لئے، مقدور بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوت تیار کرتے جاؤ۔ خصوصاً تمہارے ہاں گھوڑے (ذرائع رسل و رسائل) کی اِس قدر بہتات ہو کہ تم اُس کے ساتھ اللہ کے دشمنوں یعنی اپنے دشمنوں کو لرزہ براندام رکھو۔ وہ تمہاری عسکری قوت کے خوف سے گھر بیٹھے ہی کانپتے رہیں —— پس قرآنِ کریم کے اِن فیصلوں، نیز عالمی مشاہدات، اور حضور سلامٌ علیہ و صحابہؓ کی دُعا کے اتصال سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے، وہ یہی اور صرف یہی ہے کہ عمل بھی کرو، اور دُعا بھی کرتے رہو۔ دُعا کے اِس قرآنی مقام اور دُعا کی اِن قرآنی شرائط کے مطابق، اب آنحضور سلامٌ علیہ کی دُعا پر مشتمل سورہ بقر کی آخری آئتِ مجیدہ کا ترجمہ اور مفہوم ملاحظہ فرمائیں:-

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ

نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جی کو مگر طاقت اُس کی پر

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

واسطے اُسکے ہے جو کچھ کمایا اُس نے اور اُوپر اُس کے ہے جو کمایا اُس نے

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ

اے رب ہمارے مت پکڑ ہم کو اگر بھول گئے ہم یا خطا کی ہم نے

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

اے رب ہمارے اور مت رکھ اُوپر ہمارے بوجھ جیسا رکھا تو نے اس کو

اللہ تعالیٰ کسی فرد پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ جو کوئی اچھے اعمال بجالائے گا، اُس کا اچھا بدلہ اُسی کے لئے ہے۔ اور جو بُرے عمل کرے گا اُس کا وبال اُسی کی جان پر ہو گا۔ (نہ کوئی کسی کے کام آئے گا، نہ کسی کے بدلے پکڑا جائے گا $\frac{2}{48}$+$\frac{2}{254}$ ' رسولِ مقبول سلامٌ علیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے سُنا ہے اور اطاعت میں لگ گئے ہیں $\frac{2}{285}$ ' تعمیلِ قانون میں) اگر ہم سے کوئی بھول یا خطا ہو جائے تو اس پر ہمیں

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
اوپر اُن لوگوں کے کہ پہلے ہم سے تھے اے رب ہمارے اور مت اُٹھوا ہم سے
مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۚ وَ
وُہ چیز کہ نہیں طاقت واسطے ہمارے ساتھ اُسکے اور معاف کر ہم سے اور
اغْفِرْ لَنَا ۚ وَارْحَمْنَا ۚ اَنْتَ مَوْلٰنَا
بخش ہم کو اور رحم کر ہم کو تو ہے دوستدار ہمارا
فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۲۸٦ ع
پس مدد دے ہم کو اوپر قوم کافروں کے ۔

ع ۸

گرفت نہ فرمانا۔ (تیرے قانون میں کمی کرنا ہمارا ارادہ نہیں۔ پس) اے ہمارے پروردگار! (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم تیرے قوانین پر عمل کریں اور) تُو ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالے، جو تُو نے ہم سے پہلے گزرے ہوئے اُن لوگوں پر (اُن کی بداعمالیوں کی بدولت) ڈالا تھا (جو تیرے قوانین کی مخالفت کرنے والے تھے) اور اے ہمارے پروردگار! (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم ایسے اعمال کریں کہ) تُو ہم سے وہ بوجھ نہ اُٹھوائے، جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ بارِ الٰہا! تُو ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائیو۔ (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم تیرے قوانین کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں کی کمی پوری کرلیا کریں۔ اور اس طرح (تُو ہمیں ہماری کوتاہیوں کے مُضر اثرات سے) محفوظ فرمائیو۔ یعنی ہم پر رحمت کیجیو۔ تُو ہی ہمارا مددگار و کارساز ہے (ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم تیرے قوانین پر عمل کر کے تُجھے اپنا مددگار رکھیں بنائے رکھیں۔ تُو ہر کسی کے عملوں کے ساتھ ہی اُس کا مددگار بنتا ہے ٦/١٢٧۔ نیز جب ہم تیرے قانون کے مطابق مقدور بھر عسکری قوت مہیّا کر کے دشمنوں کے مقابلے پر اُترا کریں، اُس وقت) تو نظریۂ ربوبیّت کا انکار کرنے والی قوم کے مقابلے پر ہماری مدد فرمائیو۔

ب اللہ تعالیٰ کو مددگار بنانے کا نُسخہ سورۂ انعام میں قرآنِ کریم نے خود واضح کر رکھا ہے:۔

وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ۶/۱۲۷ =

**اور وہ اللہ، لوگوں کا اُن اعمال کے ساتھ مددگار رہے، جو وُہ خود بجالاتے ہیں۔**

بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ کی مدد اُس وقت آتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اُس وقت مددگار بنتا ہے، اور وہ ہماری مدد اُس وقت کرتا ہے، جب ہم اُس کے قانون کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اِس طرح دُشمن کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ کو مددگار بنانے کا ذریعہ چونکہ مقدور بھر زیادہ سے زیادہ عسکری قوت مہیّا کرنا بتایا گیا ہے ۸/۶۰۔ اِس لئے، قیامت تک کی نوعِ انسانی کو درسِ حقیقت دینے کے لئے، کہ دشمن کا مقابلہ پُوری فوجی قوّت کے ساتھ کرنا اور اُس کے حضور فتح ونصرت کی دُعائیں بھی کرتے رہنا ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقر کو آنحضور سلامٌ علیہ کی دُعاءِ مبارکہ کے اِن الفاظ پر ختم کیا ہے:۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ یعنی سورہ بقر کا انتہائی آخری سبق یہ ہے کہ قوموں کی دوڑ میں صفِ اوّل میں آنے کے لئے زیادہ سے زیادہ عسکری قوت مہیّا کرتے رہو۔ اور اِس طرح دشمنانِ ربوبیّت کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ کو اپنا مددگار بنائے رکھو۔ تاکہ تم قوموں کی دوڑ میں صرف صفِ اوّل ہی میں نہ رہو، بلکہ اقوامِ عالم کی سیادت وامامت ہمیشہ کے لئے تمہارے قبضۂ اقتدار میں رہے۔ اور یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے تمہیں اپنی کتاب دے کر لوگوں کے لئے نمونہ ٹھہرایا گیا ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۳/۱۱۰

---

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ ۲۳/۹۷-۹۸

# قرآنِ کریم کا مفسّرِ اس کا نازل کرنیوالا آپ ہے

● قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی قولی، اور کائنات اُس کی فعلی کتاب ہے۔ قرآنِ کریم کی تفسیر، عالمی مُشاہدات کی صُورت میں اُس کی فعلی کتاب میں، اور تصریفِ آیات کے ذریعہ اُس کی قولی کتاب میں موجُود ہے۔ اِس کتابِ مقدّس کا مفسّر خود صاحب کتاب ہے۔ ہم مفسّرینِ قرآن نہیں، بلکہ خادمینِ قرآن بتصریفِ آیات الفرقان ہیں۔

● یہ قرآنِ کریم پر پڑے ہُوئے روایات کے دبیز پردوں کو چاک کرنے کی مُخلصانہ کوشش ہے۔ نیز یہ حرفِ آخر نہیں، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دعوتِ تفقّہ فی القرآن بتصریفِ آیات الفرقان ہے۔

## ادارہ بلاغ القرآن

۱۱۰۔ این سمن آباد لاہور پاکستان

پوسٹ کوڈ 54500